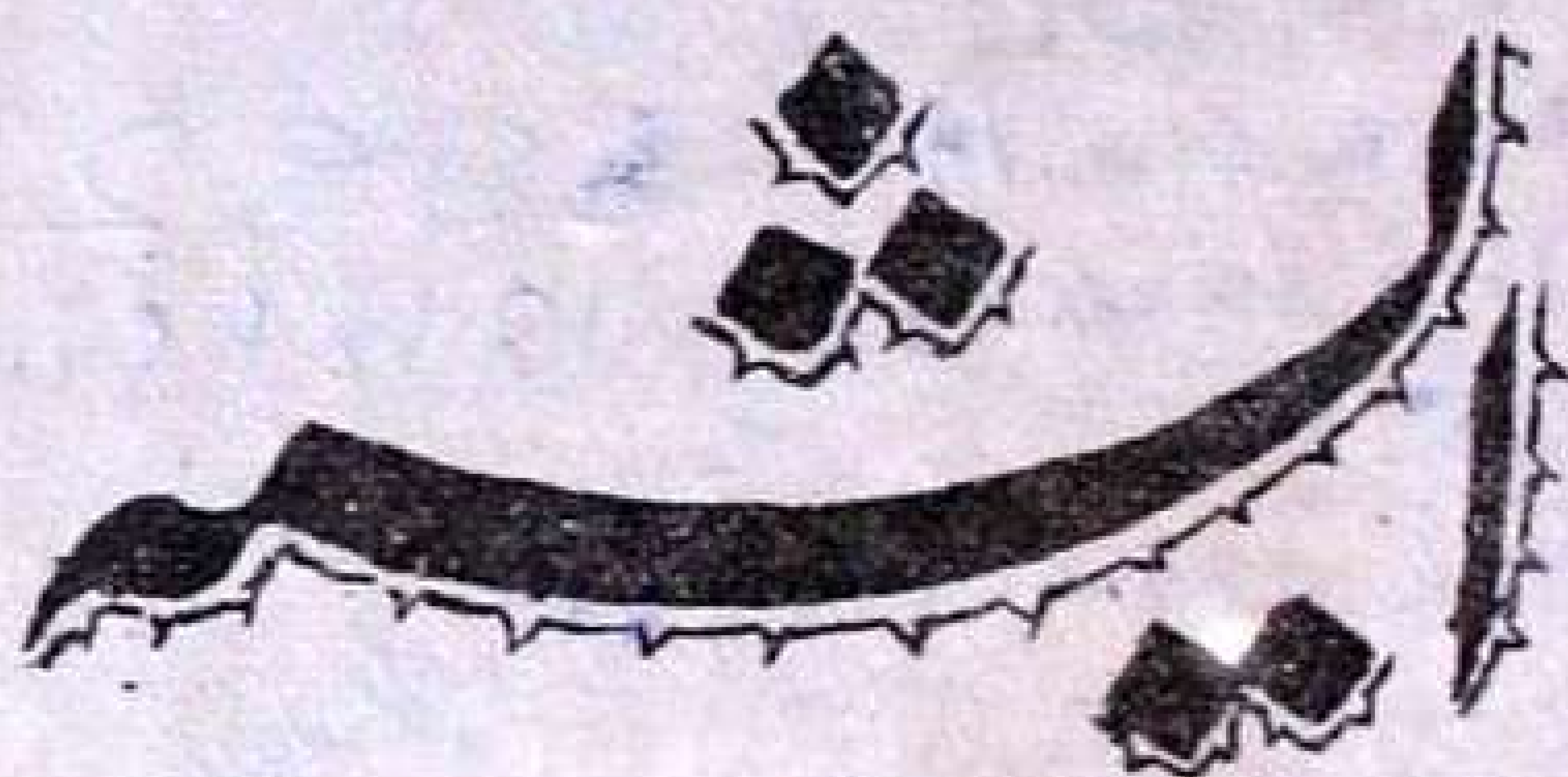
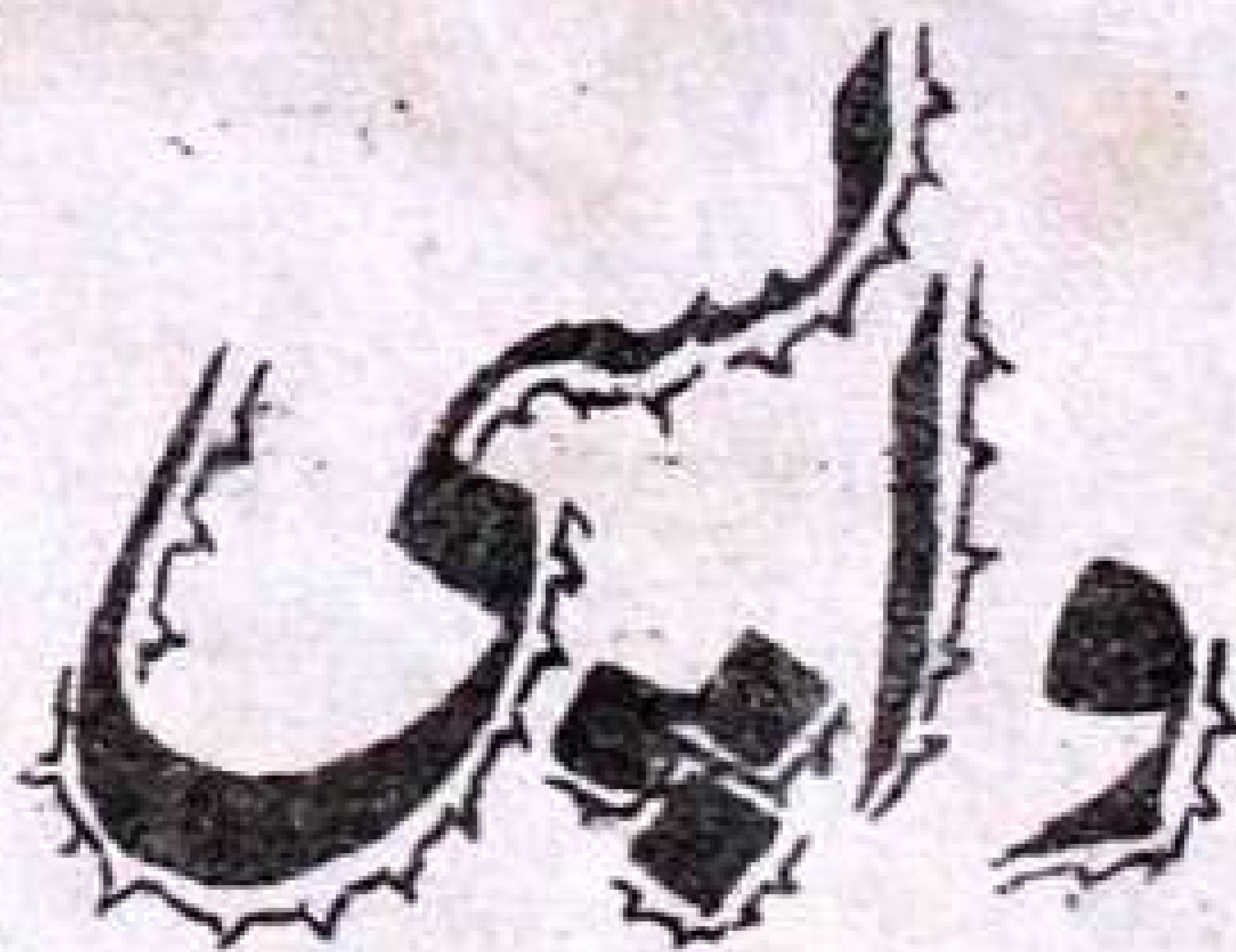
"ایشہ" و "ایشہ و ایلن"

کے سلسلے کا تیسرا سنسنی خیز ناول



کی





مصنف
رائیڈر ہیگرڈ

مترجم
مظہر الحق علوی



~~۱۶~~
قیمت

چھتیس ۳۶ روپیہ

ناشر

نسیم بُک ڈپو ۔ لاٹوش روڈ ۔ لکھنؤ

ٹیلیفون } آفس :- ۳۴۵۵۹
رہائش :- ۴۵۳۳۴

باہتمام :- نسیم انہونوی (۱۹۸۵ء) پرنٹر :- نظامی پریس لکھنؤ

تمہید

درحقیقت دنیا میں غیر متوقع واقعات ہی ہوتے ہیں۔ اس کتاب اور اس سے پہلے والی کتاب کے مؤلف کو غالباً اس دنیا میں کسی کی خبر نہ ملنے کی امید بلکہ یقین تھا تو وہ لڈوگ ہولیس ہالی تھا۔ کیونکہ مؤلف یقین کر چکا تھا کہ ہالی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

کئی برسوں پہلے مسٹر ہالی نے مؤلف کو آخری خط لکھا تھا تو اپنے اس خط کے ساتھ "ایشہ" کا مسودہ بھی بھیجا تھا اور اپنے خط میں یہ اطلاع دی تھی کہ وہ اور ان کا منھ بولا بیٹا لیو ونسی، مقدس ایشہ کا عاشق، وسط ایشیا کی طرف روانہ ہونے والے ہیں کیونکہ میرے خیال میں، انھیں یقین تھا کہ ایشہ اپنی واپسی کا وعدہ پورا کرے گی اور غالباً وسطِ ایشیا میں ہی کسی جگہ انھیں ملے گی۔

فرصت کے اوقات میں میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ خدا جانے وہاں ان پر کیا گزری کیا وہ مر کھپ گئے یا تبت کے لاما کی خانقاہ یا مٹھ میں تاریک الدنیا کی سی زندگی گزار رہے ہیں یا کسی جوگی یا تپسیوں سے جادو سیکھ رہے ہیں اور روحانیت کے سبق لے رہے ہیں اور یہ سب کچھ اسی امید میں کہ شاید وہ فانی سے لافانی بن کر مقصود کو پا سکیں۔

اور آخر کار جب میں نے مہینوں سے ان کے متعلق سوچنا ترک کر دیا تھا، بغیر

کسی تمہید کے، بغیر کسی توقع کے میرے ان سارے سوالات کا جواب آ گیا۔

حالانکہ میں اس عجیب وغریب اور حیرت انگیز داستان کا مولف ہوں لیکن کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جب وہ پارسل جو مٹ میلے بھورے رنگ کے کاغذ میں لپٹا ہوا تھا وصول ہوا تو میں نے اسے بے پروائی سے ایک طرف پھینک دیا۔ چونکہ وہ بغیر رجسٹری کے آیا تھا اس لئے میں نے سمجھا کہ معمولی قسم کے اخبارات ہوں گے چنانچہ پورے دو دن تک میں اس پلندے یا پارسل کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ پتہ نہیں اور کتنے دنوں تک یہ پارسل یونہی پڑا رہتا لیکن اتفاقاً میرے ایک دوست نے اسے اٹھا کر کھول لیا تو اس میں سے ایک مسودہ برآمد ہوا جس کے آخری صفحات بری طرح جل گئے تھے اور مسودے کے ساتھ دو خط بھی تھے جو میرے نام تھے۔

حالانکہ یہ تحریر دیکھے ایک عرصہ گزر چکا تھا اور ہر چند کہ لکھنے والے ہاتھ کے رعشے کی وجہ سے خط بگڑا ہوا تھا میں نے اس تحریر کو فوراً پہچان لیا۔ کیونکہ ایسا ایٹا ہوا 'ایچ' (H) سوائے ہورلیس ہالی کے اور کوئی نہ بنا سکتا تھا۔ میں نے بڑی بے تابی سے مہر شدہ لفافہ چاک کر کے خط نکال لیا اور سب سے پہلے میری نظر دستخط پر پڑی" ایل ایچ ہالی" بے شک یہ ہورلیس ہالی کا ہی خط تھا اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ میں نے مدت سے کوئی کتاب، کوئی تحریر اتنے ذوق و شوق سے نہ پڑھی تھی جس طرح یہ خط پڑھا۔

خط یوں تھا:۔

"میرے دوست!

مجھے یقین ہے کہ تم اب بھی زندہ ہو اور بڑی حیرت کی بات ہے کہ میں بھی اب تک زندہ ہوں۔ حالانکہ بہت کم وقت کے لئے مہذب دنیا سے رابطہ قائم ہوتے ہی جو چیز میں نے سب سے پہلے حاصل کی یا مجھے ملی وہ تمہاری

کتاب "ایشہ" بھی۔ یا یوں کہو کہ میری کتاب "ایشہ" تھی۔ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور وہ بھی ہندوستانی یا زیادہ صحیح اردو ترجمہ میں۔ میرے میزبانوں کو جو ایک مذہبی پیشوا اور خشک طبیعت کے مالک ہیں۔ اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ میں اس وحشتناک اور لغو کتاب کا مطالعہ اس قدر دلچسپی سے کر رہا ہوں کہ حقیقت میں اس میں کھو گیا ہوں۔ انکے استفسار کے جواب میں میں نے کہا کہ جو لوگ زندگی کی تلخ حقیقتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں سرد و گرم تجربات حاصل کر چکے ہیں وہ اس قسم کے رومانوں کو اکثر و بیشتر دلچسپ پاتے ہیں۔ اگر انھیں پتہ ہوتا کہ زندگی کی تلخ حقیقتیں اور سرد و گرم تجربات سے میری مراد کیا ہے تو خدا جانے میرے میزبان کیا کہتے یا نہ کہتے۔ تو کیا سوچتے؟

میں دیکھ رہا ہوں میرے دوست! کہ تم نے اپنا فرض بحسن و خوبی ادا کیا ہے اور بڑی ایمانداری کا ثبوت دیا ہے۔ میری ہدایتوں پر شروع سے آخر تک عمل کیا گیا ہے اور نہ تو تم نے اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کی ہے اور نہ ہی کچھ اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ بیس سال پہلے میں نے جس طرح اس کہانی کا آغاز تمہارے سپرد کیا تھا اسی طرح اب اس کا انجام بھی تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ اس دنیا میں تم وہ پہلے شخص ہو جو اس وحشی کا حکم ماننا ضروری" واقف اور متعارف ہوئے۔ ہاں اس عجیب و غریب ہستی سے جو صدیوں سے اپنا تابناک حسن لئے کور کے کھنڈرات میں بیٹھی اپنی کھوئی ہوئی محبت کے واپس ملنے اور محبوب کے واپس آنے کی منتظر تھی۔ یہاں تک کہ قسمت نے اس کے محبوب کو اس تک پہونچا دیا۔

چنانچہ اب یہ تنہا تمہارا حق ہے کہ تم ؟ الیشہ یا ہوزیہ اور روح کہسار سے بھی متعارف اور واقف ہو جاؤ جو اس دیوی کا ہے جو سکندر اعظم کے زمانے سے لیکر اب تک آتشی ستونوں کے درمیان حکمرانی کرتی ہے اور اس دنیا میں دیوی "ہس" یا "ایزلیس" کی آخری گدی نشین ہے۔ اور دنیا کے سارے انسانوں میں تمہیں ہی یہ حق ہے کہ تم اس عجیب وغریب المیہ کے انجام سے بھی سب سے پہلے واقف ہو جاؤ جس کا آغاز گو ربلکہ شاید صدیوں پہلے مصر میں کہیں اور ہوا تھا۔

میں سخت علیل ہوں۔ میں بڑی مشکلوں سے اپنے اس پرانے گھر تک پہونچا ہوں کہ یہیں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کروں اور وہ وقت بہت قریب ہے یہاں کے طبیب سے میں نے کہدیا ہے کہ میری موت کے بعد مسودہ تمہیں بھجوادے۔ بشرطیکہ میں مرنے سے پہلے اپنا ارادہ بدل کر اسے نذر آتش نہ کردوں یا اس مسودے کے ساتھ بشرطیکہ یہ مسودہ تمہیں بھیجا گیا تم ایک چھوٹا سا صندوقچہ بھی پاؤ گے جس میں چند نقشے بھی ہوں گے جو شاید تمہارے کام آئیں گے۔ ساتھ ہی تمہیں ایک سسٹرم[ل] بھی ملے گا تم غالباً جانتے ہی ہو گے کہ یہ ساز مصر قدیم میں ایزلیس اور ہاتور کی عبادت کرتے وقت بجایا جاتا تھا۔ یہ ساز جیسا کہ تم خود دیکھ لوگے اتنا ہی خوبصورت ہے جتنا زیادہ قدیم ہے۔ یہ سسٹرم دو وجوہات کی بنا پر تمہیں دے رہا ہوں۔ اوّل یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں تمہارا مشکور ہوں۔ چنانچہ یہ ہماری دوستی کی

ل : مصر کی دیوی ایزلیس کا مخصوص ساز جو بربط یا طاؤس کی قسم کا ہوتا تھا۔ مترجم

نشانی ہے اور دوم اس لئے کہ یہ ساز اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نے مسودہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ کتنا ہی حیرت انگیز اور نا قابل یقین کیوں نہ ہو بہر حال سچ ہے۔ اس کے علاوہ تم اس ساز کو اپنے پاس اس ہستی کی یادگار کے طور پر رکھنا پسند کرو گے جو دنیا کی سب سے زیادہ عجیب اور سب سے زیادہ حسین عورت تھی بلکہ شاید ہے۔ یہ سسترم اس کا عصائے حکمرانی کی علامت، قوت کی علامت۔ ہاں میں نے اسی سسترم سے اس ہستی کو خانقاہ میں سایوں یا روحوں کو سلام کرتے دیکھا ہے اور اسی عجیب اور حسین ترین مخلوق نے یہ ساز یا یہ عصائے حکومت اس نا چیز کو تحفۃً دیا تھا۔

اس میں چند خوبیاں بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عائشہ کی ہستی کا کوئی حصہ، اس کا کوئی عنصر اب بھی اس علامت میں باقی رہ گیا ہو جس کے سامنے روحیں تک جھک جاتی تھیں اگر تم پر اس کی یہ خوبی آشکارا ہو جائے تو خبردار اسے اور اس کی اشاعت روحوں کو بڑے کاموں کے لیے استعمال نہ کرنا۔

عائشہ کون تھی اور کیا تھی؟ — نہیں عائشہ کیا ہے؟ ذاتِ مطلق، مجسم روحِ فطرت، حسین، ظالم اور لافانی، روحِ مجسم، روحِ عصر یا ایک غیر معمولی انسان — ؟ یہ تم جانو۔ میں تو اب یہی اسرار معلوم کرنے کیلئے اس دنیائے آب و گل سے رخصت ہو کر دوسری دنیا میں جا رہا ہوں۔

میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا تمہیں شاد کام اور بامراد رکھے۔ آخری سلام تمہیں اور سب کو۔

خدا حافظ اور الوداع۔

ایل ہوریس ہالی۔

میں نے یہ خط ایک طرف رکھدیا۔ اس وقت مجھ پر جیسی سنسنی طاری تھی اور میرے دل کی جو حالت ہورہی تھی اسے بیان کرنا میں یہاں ضروری نہیں سمجھتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر بیان کرنا چاہوں تو کر بھی نہیں سکتا۔ بہر حال میں نے دوسرا لفافہ اٹھالیا اور اس میں سے خط نکال لیا۔ اس خط کے غیر ضروری حصّے حذف کرکے میں اسے یہاں نقل کررہا ہوں۔ راقم کا نام تو میں نے حذف کردیا ہے۔ کیونکہ خود انھوں نے مجھ سے اس کی درخواست کی تھی جیسا کہ خود قارئین کو بھی معلوم ہو جائے گا۔

یہ خط، جو کمبر لینڈ کے ایک دور افتادہ گوشے سے لکھا گیا ہے، یوں ہے:-

جناب من!

میں مسٹر ہورلیس ہالی کا معالج رہا ہوں۔ ان کی آخری علالت میں میں نے ان سے ایک وعدہ کیا تھا جس کے سبب مجھے بھی اس حیرت انگیز معاملے میں شریک ہونا پڑ رہا ہے۔ اس عجیب و غریب معاملے سے مجھے کتنی ہی دلچسپی کیوں نہ ہو یہ حقیقت ہے کہ اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا اور اگر جانتا ہوں تو بہت کم۔ بہر حال میں اپنا وعدہ وفا کر رہا ہوں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آپ میرا نام اور جائے قیام کو، جہاں میں طبابت کرتا ہوں، آپ اپنے تک ہی رکھیں گے۔

کوئی دس دن ہوئے مجھے مسٹر ہالی کے علاج کے لیے ایک بے حد قدیم مکان میں، جو ٹیلے پر واقع ہے، طلب کیا گیا۔ یہ مکان مدّت سے غیر آباد اور ویران پڑا ہوا تھا۔ یہاں کوئی رہتا نہ تھا۔ سوائے اس ملازم کے جو مکان مالک کی عدم موجودگی میں اس کی دیکھ بھال کیا کرتا ہے۔ یہ ان کا آبائی مکان ہے اور ان کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے۔ جو ملازمہ مجھے بلانے آئی تھی، اس نے بتایا تھا کہ اسکا آقا

ایشیا سے حال ہی میں واپس آیا ہے اور یہ کہ دل کے کسی عارضے میں مبتلا ہے اور بچنے کی کوئی امید نہیں آئندہ جو کچھ ہوا اس سے معلوم ہو گیا کہ ملازمہ کے اندازے صحیح تھے۔

جب میں وہاں پہونچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ مریض بستر پر بیٹھا ہوا تھا یقیناً اپنے دل کو سکون دینے کے لیے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ ایسا عجیب بوڑھا میں نے تو پہلے کبھی دیکھا نہیں۔ کالی آنکھیں لیکن ان میں جیسے چنگاریاں تھیں اور ذہانت کی چمک بھی، بے حد شاندار اور برف کی طرح سفید ڈاڑھی بھی جو اس کے غیر معمولی طور پر چوڑے سینے پر پھیلی ہوئی تھی، اس کے بال بھی سفید تھے جو اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ شانوں پر گرے ہوئے تھے اور ماتھے کو ڈھک رہے تھے۔ اس کے بازو حیرت انگیز طور پر لمبے اور پُرقوت تھے۔ ایک بازو کو کسی درندے نے نوچ لیا تھا۔ مریض نے مجھے بتایا کہ یہ کتے کی کارستانی ہے جس نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ وہ کتا غیر معمولی طور پر بڑا اور طاقتور رہا ہوگا۔ وہ بے حد بدصورت تھا لیکن اپنے طور پر قبول صورت تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اپنے اس قول کی تشریح کن الفاظ میں اور کس طرح کروں۔ سوائے اس کے کہ اس کا چہرہ غیر معمولی قسم کا تھا۔ اپنی زندگی میں میں نے کسی شخص کا چہرہ ایسا نہیں دیکھا۔ اگر میں مصور ہوتا اور قوت اور خلوص کے دیوتا کا قد آدم مجسمہ بنانا چاہتا تو اس شخص کو اپنے سامنے بٹھا لیتا۔ مسٹر ہالی میرے بلائے جانے پر قدرے خفا تھے کیونکہ مجھے ان کی اجازت کے بغیر ہی طلب کر لیا گیا تھا۔ بہرحال جلد ہی ہم دونوں دوست

بن گئے اور وہ مشکور تھے کہ میں انہیں قدرے سکون پہونچا رہا ہوں اور اس سے زیادہ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ اکثر دفعہ وہ مختلف ممالک کی طول طویل باتیں کیا کرتے تھے جہاں کی سیاحت کی تھی اور ایک عجیب مہم و تلاش کے متعلق بھی بتاتے۔ لیکن یہ عجیب مہم کیا تھی اس کی تشریح انھوں نے کبھی نہ کی۔

دو دفعہ انھیں ہذیان بھی ہو گیا اور زیادہ تر وہ دو زبانیں بولتے تھے، جو یقیناً یونانی اور عربی تھیں۔ اس درمیان وہ کبھی کبھی انگریزی زبان بھی بول لیتے تھے۔ ایسے موقع پر ان کا مخاطب کسی ایسی ہستی سے ہوتا جس کی وہ پرستش کرتے تھے یا کبھی کی ہو گی یا کم سے کم اس کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اس حالت میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے اسے میں اپنے ہی تک رکھنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ وہ میں نے بطور ان کے معالج کے سنا ہے اور ہر معالج کا فرض ہے کہ وہ اپنے مریض کے راز کو اپنے ہی تک رکھے۔

ایک دن انھوں نے ایک صندوقچے کی طرف اشارہ کیا جو کسی بدلیسی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ یہ وہی صندوقچہ ہے جسے اب میں بذریعہ ریل آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ اور مجھے آپ کا نام اور پتہ دے کر کہا کہ انکی موت کے بعد میں یہ صندوقچہ بلا تاخیر آپ کو بھجوا دوں۔ اس کے علاوہ انھوں نے مجھے ایک مسودہ بھی دیا کہ یہ بھی آپ کو بھجوا دوں۔

میں مسودے کے آخری صفحات کی طرف دیکھ رہا تھا وہ جل گئے تھے۔ چنانچہ میری دلی کیفیت کا اندازہ لگا کر مسٹر ہالی نے کہا:۔۔۔

(میں ان کے ہی الفاظ نقل کر رہا ہوں)۔

"ہاں بھئی ہاں۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ اب یہ مسودہ جائے گا
بات یہ ہے کہ میں نے اسے تلف کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور اسے
آگ میں ڈال چکا تھا کہ حکم آیا ___ صاف اور صریح حکم ___ اور میں نے
مسودہ اسی وقت آگ میں سے گھسیٹ لیا۔"

میں نہیں جانتا کہ مسٹر ہالی کا اس "حکم" سے کیا مطلب تھا۔
کیونکہ پھر کبھی انھوں نے اس کے متعلق کچھ نہ کہا۔

اب میں آخری منظر بیان کر رہا ہوں۔

ایک رات کوئی گیارہ بجے یہ جان کر کہ میرے مریض کا آخری وقت
آگیا ہے، میں انھیں دیکھنے گیا کہ ان کے دل کی دھڑکنیں مزید کچھ
دیر تک جاری رکھنے کے لئے انھیں ایک انجکشن دیدوں۔ راستے
ہی میں میری مڈبھیڑ اس بوڑھی ملازمہ سے ہو گئی جو پہلی دفعہ مجھے
بلانے آئی تھی۔ اس وقت بھی وہ مجھے بلانے ہی جا رہی تھی اور وہ
بھی بڑی عجلت میں۔ اس کی پریشانی میں نے دیکھ کر پوچھا کہ کیا اس کا
آقا انتقال کر گیا۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں البتہ وہ چلا گیا ہے وہ
اپنے بستر میں نہیں ہے اور جس حال میں وہ تھا اسی حال میں ننگے پاؤں
گھر سے نکل گیا ہے۔ البتہ یہ کہ اس کے پوتے نے اس کے آقا کو آخری
دفعہ انھیں درختوں میں دیکھا تھا جہاں اس وقت ہم کھڑے ہوئے
تھے۔ لڑکا مارے خوف کے لرز گیا۔ کیونکہ اس نے مسٹر ہالی کو بھوت سمجھا
اور بھاگ کر اپنی دادی یعنی اسی ملازمہ سے واقعہ بیان کیا۔

چاندنی رات تھی۔ اور اس رات چاندنی کچھ زیادہ ہی روشن تھی۔
کیونکہ برف باری ہو چکی تھی اور برف چاندنی کو منعکس کر رہی تھی۔ میں

پیدل تھا۔ چنانچہ میں نے پہلے درختوں کے اسی جھنڈ میں اپنے مریض کو تلاش کیا اور تلاش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جھنڈ کے دوسری طرف برف پر ان کے پیروں کے نشانات نظر آگئے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں ان نشانات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا اور ملازمہ کو ہدایت کردی کہ وہ جا کر اپنے شوہر کو بیدار کردے۔ کیونکہ آس پاس اور کوئی تھا ہی نہیں جسے میں بلوا سکتا۔ تازہ گری ہوئی برف پر پیروں کے نشانات صاف تھے چنانچہ مجھے دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہ نشانات اس ٹیلے کی طرف چلے گئے تھے جو گھر کے عقب میں تھا۔

اس ٹیلے کی چوٹی پر ایک قدیم عمارت ہے جو پتھروں کی بنی ہوئی ہے اور اس علاقے میں "شیطان کی انگوٹھی" کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ کے کسی انجانے دور کے لوگوں نے یہ عمارت بنوائی تھی۔ میں یہاں اکثر دفعہ آچکا تھا اور ابھی حال ہی میں یہاں محکمہ آثار قدیمہ کے اراکین کا ایک اجلاس ہوا تھا جس میں میں بھی شریک تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک نیم پاگل سے شخص نے اس نقاب پوش بت کے متعلق تقریر کی تھی جو اس عمارت یا انگوٹھی کے عین وسط میں نصب ہے۔

اس شخص نے کہا تھا کہ یہ بت مصر قدیم کی دیوی ایزلیس کا ہے اور یہ کہ کبھی یہ جگہ اس کا معبد رہ چکی ہے اور یہاں لوگ اس دیوی کی یا کم سے کم فطرت کی دیوی کی پوجا کیا کرتے تھے دوسرے اراکین نے اس شخص کے اس خیال کی تردید کی تھی اور کہا تھا کہ مصر کی دیوی ایزلیس برطانیہ میں کبھی نہیں پوجی گئی لیکن میرے خیال

میں کیا یہ ممکن نہیں تھا؟ یا روحی؟ جنہوں نے مصری دیوی دیوتاؤں کو اپنا لیا تھا، ایزلیس کی پرستش اور مذہب کو یہاں لائے ہوں۔ لیکن چونکہ اس قسم کے معاملات میں میری معلومات یوں ہی سی ہیں اس لیے میں اس بحث کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

مجھے یہ بھی یاد آیا کہ مسٹر ہالی اس مقام سے واقف تھے کیونکہ انھوں نے ایک ہی دن پہلے اس کا ذکر مجھ سے کیا تھا اور پوچھا تھا کہ عمارت کے پتھر کیا اب بھی اسی طرح سلامت ہیں جس طرح ان کے دور جوانی میں تھے؟ انھوں نے یہ بھی کہا تھا۔ اور ان کی یہ بات مجھے عجیب معلوم ہوئی تھی کہ وہی وہ مقام ہے جہاں وہ مرنا چاہتے ہیں۔ اس پر میں نے جواب دیا تھا کہ اب وہ اتنا طویل فاصلہ طے کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ میرے اس جواب پر مسٹر ہالی آپ ہی آپ مسکرا دیے تھے۔

اس گفتگو کی یاد سے گویا مجھے سراغ مل گیا اور اب میں پیروں کے نشانات کو بھول کر تیزی سے اس قدیم عمارت کی طرف چلا جو کوئی نصف میل دور تھی۔ میں جلد ہی وہاں پہونچ گیا۔ میرا خیال غلط نہ تھا۔ وہاں مسٹر ہالی برف میں کھڑے ہوئے تھے۔ ننگے سر، ننگے پاؤں اور صرف شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے۔ اور اس عالم اور اس مقام میں وہ بے حد عجیب معلوم ہوتے تھے۔

اس وحشتناک منظر کو میں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ کھردرے پتھروں کے انبار، جو ایک دائرے میں تھے، آسمان کی طرف انگلیاں اٹھائے ہوئے تھے۔ خاموش، ویران اور وحشتناک، بیچ میں بلند و بالا بت تھا جس کا سایہ فرش پر دور تک لیٹا ہوا تھا اور اس سائے سے دور

اور چاندنی میں مسٹر ہالی اپنے شب خوابی کے لباس میں جو سفید تھا، کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں وہ عصا تھا جو مصر قدیم کے فراعنہ حیات اور قوت کی علامت کے طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے تھے۔ مسٹر ہالی کی خواہش کے مطابق نقشوں کے ساتھ یہ عصا بھی میں آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ مسٹر ہالی عربی زبان میں کچھ پڑھ رہے تھے۔ میں ان کی آواز صاف سن رہا تھا اور ان کے مُردنی چھائے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو چاندنی کی وجہ سے صاف دیکھ رہا تھا اور عصا میں جڑے ہوئے ہیرے چمک رہے تھے اور مسٹر ہالی اپنے عصا والے ہاتھ کو اوپر نیچے کر رہے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ وہاں مسٹر ہالی کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں نے اپنا نام و پتہ کیوں مخفی رکھنا چاہا ہے۔ ظاہر ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا نام بھی اس عجیب و غریب کہانی سے منسوب کر دیا جائے جو میرے خیال میں سراسر لغو ہے۔ اس کے باوجود میں آپ سے، صرف آپ سے کہتا ہوں کہ میں نے دیکھا — یا میرا خیال ہے کہ میں نے دیکھا — کہ بُت کے سائے میں کچھ دھند سی پیدا ہو گئی یا شاید کہیں سے نکل آئی اور پھر اس دھند نے رفتہ رفتہ ایک شعلہ بدن عورت کی شکل اختیار کر لی جس کے ماتھے پر ایک ستارہ انگارے کی طرح روشن تھا۔

بہر حال اس تصویر، اس ہیولے نے، اس واہمے نے یا جو کچھ بھی وہ تھا اس نے مجھے اس قدر گڑبڑا دیا کہ میں ایک پتھر کے سائے میں کھڑا ہو گیا اور باوجود کوشش کے اس شخص کو نہ پکار سکا جس کی

تلاش میں میں یہاں تک آیا تھا۔

جب میں یوں بت بنا کھڑا تھا تو معلوم ہوا کہ مسٹر ہالی نے بھی کچھ دیکھا۔ وہ اس شعلہ بدن ہیولے کی طرف گھوم گئے۔ ان کے منھ سے ایک وحشت انگیز چیخ نکل گئی لیکن یہ خوشی کی چیخ تھی۔ وہ آگے بڑھے اور پھر وہی ہیولے پر دُور اس کے آر پار اوندھے منھ گرے۔

جب میں دوڑ کر وہاں پہونچا ہوں تو فرش پر پڑے ہوئے مسٹر ہالی کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ وہ شعلہ بدن ہیولیٰ غائب ہو چکا تھا۔ اور بت کے سائے میں مسٹر ہالی مردہ پڑے تھے ان کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے ہوئے تھے اور ایک ہاتھ میں اب بھی عصا پکڑے ہوئے تھے۔

طبیب کے خط کا بقیہ حصّہ یہاں نقل کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اس میں اس شعلہ بدن ہیولے کے متعلق ڈاکٹر کے اپنے خیالات اور مسٹر ہالی کی تجہیز و تکفین کا ذکر تھا۔

جس صندوقچے کا ذکر ڈاکٹر نے اپنے خط میں کیا تھا وہ میرے پاس پہونچ گیا۔ اس میں جو نقشے اور تصویریں تھیں اس کے متعلق میں کچھ نہ کہوں گا۔ رہا عصا یا سسترم تو اس کے متعلق چند الفاظ کہنے پر اکتفا کروں گا۔ یہ شیشے کا تھا اور فراعنہ کے اس عصا کی شکل کا تھا جسے "علامتِ حیات و قوت" کہتے ہیں یعنی سلاخ، صلیب اور حلقہ۔ عصا کے سرے پر جو حلقہ بنا ہوا تھا اس حلقے میں اس سرے تک سونے کے تار کھنچے ہوئے تھے اور ان تاروں میں تین رنگوں کے جواہرات پروئے ہوئے تھے۔ چمکدار ہیرے، گہرے سبز فیروزے اور خونی سرخ لعل اور سب سے اوپری تار سے چاندی کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں

لٹک رہی تھیں۔

جب میں نے یہ عصا اٹھایا تو میرا ہاتھ ذرا سا کانپ گیا اور اوپری تار سے لٹکی ہوئی گھنٹیاں بیحد شیریں آواز سے بج اٹھیں اور میں نے یوں محسوس کیا۔ یہ غالباً میرا وہم تھا۔ کہ عجیب سی سنسنی اس عصا سے نکلی اور میرے جسم میں سرایت کر گئی۔

رہے وہ اسرار جن کا ذکر مسودے میں ہے تو ان کے متعلق میں خاموش ہی رہنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس عجیب و غریب داستان اور اسرار کے متعلق قارئین خود، اس کتاب کے مطالعے کے بعد، اپنی رائے قائم کر لیں تو مناسب ہو گا۔ بہرحال میں ان سارے واقعات کو سچ سمجھتا ہوں جو مسٹر ہالی نے اپنے اس مسودے میں تحریر کیے ہیں لیکن عائشہ کی تاویلات غیر اطمینان بخش ہیں۔

میں بھی مسٹر ہالی کی طرح یہی خیال کرتا ہوں کہ عائشہ نے دیوی ایزیس اور کوہِ آتشیں کے جو حیرت انگیز قصے بیان کیے ہیں تو محض اس غرض سے کہ وہ حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہتی ہیں اور یہ پردہ وہ اپنے اس آخری گیت میں اٹھانا چاہتی تھی جو وہ گا نہ سکی۔

مؤلف

پہلا باب

دہری نشانی

اس رات کو بیس سال گزر چکے تھے ۔ ایسے بیس سال جیسے شاید ہی کسی کی زندگی میں گزرے ہوں، سخت اور عجیب بیس سال ۔ جب لیو کو وہ عجیب خواب نظر آیا تھا جس نے ہمیں افریقہ کے جنگلوں میں سرگرداں چھوڑا تھا۔ مہم جوئی، مصائب اور جستجو کے بیس سال جن کا انجام روح کو لرزا دینے والے حیرت ناک واقعے پر ہوا۔

میرا آخری وقت قریب ہے، موت سامنے کھڑی ہے اور میں خندہ پیشانی سے اسے خوش آمدید کہتا ہوں کیونکہ اب میں اپنی جستجو دوسری دنیا میں جاری رکھوں گا کیونکہ اس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ میں روحانی ڈرامے کا آغاز و انجام معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کے چند صفحات کا مطالعہ اس دنیا میں میرے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

میں لڈوگ ہورلیس ہالی، سخت بیمار ہوں۔ وہ لوگ مجھے اس پہاڑ پر سے جو میری کھڑکی میں سے نظر آتا ہے، اٹھا کر لائے تھے تو میں زندگی سے دور اور موت کے قریب تھا۔ یہ سطور میں شمالی ہندوستان کی سرحد سے لکھ رہا ہوں۔ میرا ساتھی جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے لیکن قسمت نے مجھے زندہ رکھا۔ غالباً اس لئے کہ میں یہ داستان تحریر کر دوں۔ میں یہاں ایک دو مہینے قیام کروں گا یہاں تک

کہ اپنے گھر اور وطن کی طرف سفر کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں وہیں مرنا چاہتا ہوں جہاں میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ جب تک میری سانس چل رہی ہے اور میرے ہاتھوں میں دم ہے میں یہ داستان لکھ لینا چاہتا ہوں یا کم سے کم اس کے کچھ ضروری حصے تحریر کر لینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں اس داستان کو ضرورت سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتا حالانکہ میرے پاس اتنا بہت سا مواد ہے اور میرا حافظہ بھی اس وقت میرا ایسا ساتھ دے رہا ہے کہ اگر میں چاہوں تو کئی ضخیم جلدیں تیار کر سکتا ہوں لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

چنانچہ میں اس داستان کی ابتدا لیو کے خواب سے کرتا ہوں۔

جب میں اور لیو ۱۸۸۵ء میں افریقہ سے لوٹے تو کمبرلینڈ کے اس گھر کی طرف چلے جو میرا آبائی گھر اور ورثہ تھا۔ کیونکہ اس وقت ہمیں تنہائی اور سکون کی سخت ضرورت تھی۔ تاکہ ہم ان واقعات پر غور کر سکیں جو ہمارے سامنے ہوئے تھے۔ اور اس خوفناک صدمے سے سنبھل سکیں جس نے ہماری روح تک کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ یہ مکان اب بھی میری ملکیت میں ہے۔ بشرطیکہ کسی نے مجھے مردہ سمجھ کر اس پر قبضہ نہ جما لیا ہو اور میں مرنے کے لئے وہیں جا رہا ہوں۔

وہ لوگ جن کے لئے میں یہ سطور لکھ رہا ہوں اور جو ان کا مطالعہ کریں گے یقیناً پوچھیں گے کہ کون سا خوفناک صدمہ ہے؟

تو جان لو کہ میں ہوریس ہالی ہوں اور میرا ساتھی، میرا عزیز ترین دوست اور میرا روحانی بیٹا جس کی میں نے بچپن سے پرورش کی تھی، لیو ونسی عرف لیو تھا۔

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک قدیم تحریر سے سراغ لیکر وسط افریقہ میں واقع قدیم شہر کور کا سفر کیا تھا اور وہاں ہمیں وہ مل گئی تھی جس کی ہمیں تلاش تھی۔

یعنی وہ غیر فانی ہستی جس کا حکم ماننا ضروری تھا۔ جس کو لیو کی شکل یا وجود میں اپنا کھویا ہوا محبوب مل گیا تھا۔ وہی محبوب جو دیوی ایزلس کا کاہن قالی قریط، جسے کوئی دو ہزار سال پہلے اسی عورت الیشہ نے رشک و رقابت کی آگ میں خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا اور اس طرح غضبناک دیوی کا سراپ پورا ہوا تھا۔ اسی عورت میں مجھے وہ ربانی تجلیاں نظر آئی تھیں جن کی پرستش میرے لئے مقدر ہو چکی تھی لیکن میری یہ پرستش جسمانی نہیں روحانی تھی۔ کیونکہ وہ سب کچھ تو فنا ہو چکا۔ میرا مطلب جسمانی خواہشات اور پرستش سے ہے۔ اس پرستش کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ روح اب بھی میرے ساتھ ہے، یہ روحانی لگاؤ وہ ہے جو ہمیشہ کے لئے، اربوں سال تک بلکہ قیامت تک قائم رہتا ہے۔ کیونکہ جسم مر جاتا ہے یا کم سے کم شکل بدل کر مٹی بن جاتی ہے اور اس کے ساتھ احساسات اور جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن روح لافانی ہے، وہ باقی رہتی ہے اور اس کے ساتھ ایک ہونے کا جذبہ بھی باقی رہتا ہے۔

ایسا کون سا گناہ کیا تھا میں نے جس کی مجھے یہ سخت سزا دی گئی؟ لیکن کیا واقعی یہ سزا ہے؟ کیا یہ وہ راستہ نہیں ہو سکتا جس پر چل کر انسان اس اندھیرے دروازے تک پہونچ جاتا ہے جس میں سے گزر کر وہ لافانی اور ابدی مسرتیں اور خوشیاں حاصل کر لیتا ہے۔ الیشہ نے . . . . کہا تھا کہ میں ہمیشہ اس کا اور لیو کا دوست اور ساتھی رہوں گا اور ان کے ساتھ ابدی قیام کروں گا۔ اور مجھے اس کی اس قسم پر، اس کے اس وعدے پر اعتبار ہے۔

نہ جانے کتنے برسوں تک ہم برفانی پہاڑوں اور صحراؤں میں سرگرداں رہے یہاں تک کہ "پیغامبر" آ گیا جس نے ہمیں "پہاڑ" پر پہونچا دیا اور اس پہاڑ پر ہمیں وہ معبد ملا اور اس "معبد" میں وہ روح بھی ہمیں مل گئی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ

یہ سب کچھ ایک علامت ہو، ایک رمز ہو جو ہماری ہدایت کے لئے تیار کیا گیا ہو؟ میں اسی خیال سے اپنے دل کو بہلاتا اور اپنے آپ کو تسلی دیتا ہوں کہ یہ شاید ایسا ہی تھا۔ نہیں حقیقت میں ایسا ہی ہے اور اس پر میرا ایمان ہے۔

قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ تھرکور میں ہمیں وہ غیر فانی عورت مل گئی تھی اور وہاں اس نے ستون حیات کے سامنے اور چکا چوند پیدا کرنے والی شعاعوں کے درمیان اپنی پراسرار اور ابدی محبت کا اظہار اور اعتراف کیا تھا اور پھر ہماری نظروں کے سامنے اس کا، اس غیر فانی عورت کا، ایسا خوفناک اور لرزہ خیز انجام ہوا تھا کہ اتنے برس گزرنے کے بعد بھی اب تک جب کبھی میں اس منظر کو یاد کرتا ہوں تو کانپ کانپ جاتا ہوں لیکن عائشہ کے آخری الفاظ کیا تھے؟

"مجھے بھولنا نہیں۔ میری خاطر مناکیوں کو معاف کر دینا۔ میں مر نہیں رہی ہوں ایک بار پھر یہیں واپس آؤں گی اور اب اس سے زیادہ حسین بن کر آؤں گی۔ یہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ یہ سچ ہے۔ اس پر یقین رکھو۔"

بہرحال میں اس داستان کو از سر نو لکھنا نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ وہ لکھی جا چکی ہے۔ اور میرے اس دوست نے، جس کو میں نے اس کا مسودہ بھجوا دیا تھا، اسے کتابی شکل میں چھپوا دیا ہے۔ میں یہ کتاب انگریزی زبان میں اور اس کا ترجمہ اردو* میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے قارئین سے درخواست کروں گا کہ وہ پہلے اس کتاب کا مطالعہ فرما لیں۔

خیر تو آمدم برسر مطلب۔ اس ویران ساحل سمندر پر واقع کیمبر لینڈ کے اس

---

*: ناول "عائشہ" مطبوعہ نسیم بکڈپو لکھنؤ اور اس سلسلے کا پہلا ناول "عائشہ دا ایلی" مطبوعہ نسیم بکڈپو۔

مکان میں ہم ایک برس تک رہے اور یہ ایک برس اس طرح گزرا کہ ایشہ کی موت کا ماتم کرتے اور وہ راستہ تلاش کرتے رہے جس کے ذریعہ ہم اسے پھر پا سکیں۔ لیکن ایسی کوئی راہ سجھائی نہ دی۔

یہاں ہماری نقاہت دور ہو گئی، جسمانی قوت عود کر آئی۔ اور لیو کے بال جو اس غار کی ہیبت ناکی میں سفید ہو گئے تھے پھر اپنا اصلی رنگ اختیار کر کے سنہرے بن گئے۔ اس کا مردانہ حسن بھی اسے واپس مل گیا۔ چنانچہ اب وہ پہلے کا سا ہی لیو تھا۔ اگر فرق تھا تو صرف اتنا کہ اب اس کے بشرے پر ایک قسم کا تقدس اور اداسی مسلط تھی۔

مجھے وہ رات اور "تجلی" کا وقت اچھی طرح سے یاد ہے۔ ہم مایوس تھے، ناامید تھے اور دل شکستہ تھے۔ ہم نے راہیں تلاش کیں لیکن نہ ملیں علامتوں کا، اشاروں کا انتظار کیا لیکن بے سود۔ مردے بس مردے ہی رہے اور ہماری دعاؤں اور پکاروں کا کوئی جواب نہ آیا۔

اگست کی ایک اداس شام تھی اور کھانے سے فارغ ہو کر ہم ساحل سمندر پر ٹہل رہے اور ساحل سے ٹکراتی ہوئی موجوں کا نغمہ سن رہے اور افق میں بادل کے ایک ٹکڑے سے آنکھ مچولی کھیلتی آخری کرن کو دیکھ رہے تھے۔ ہم خاموش تھے۔ یہاں تک کہ لیو نے آہستہ سے کراہ کر (یہ کراہ سے زیادہ ہچکی تھی) میرا بازو پکڑ لیا۔

"اب میں زیادہ برداشت نہیں کر سکتا ہوریس!" اس نے کہا کیونکہ اب وہ مجھے اسی نام سے پکارتا تھا "میں شدید کرب بلکہ عذاب میں مبتلا ہوں۔ ایشہ کو ایک بار پھر دیکھنے کی آرزو نے مجھے بے چین کیے ہوئے ہے اور مجھے کسی پل چین نہیں۔ بغیر کسی امید کے تو میں پاگل ہو جاؤں گا اور ابھی میں جوان ہوں، طاقتور ہوں، چنانچہ ابھی مزید پچاس سال تک جی سکتا ہوں۔"

"لیکن تم کر بھی کیا سکتے ہو؟" میں نے پوچھا

"راحتِ ابدی اور علم تک پہونچنے کا آسان ترین راستہ تو کم سے کم اختیار کرسکتا ہوں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں مر سکتا ہوں اور مر جاؤں گا۔ ہاں آج ہی رات میں اپنا خاتمہ کرلوں گا۔"

میں غصے سے اس کی طرف گھوم گیا کیونکہ اس کے ان الفاظ نے میرے دل میں خوف اور اندیشہ پیدا کر دیا تھا۔

"لیو! تم اوّل درجے کے بزدل ہو۔" میں نے کہا۔ "کیا تم اس اذیت ناکی کو برداشت نہیں کر سکتے جس طرح کہ دوسرے کر رہے ہیں؟"

"تمہارا مطلب ہے جس طرح خود تم برداشت کر رہے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔ عجیب ہنسی تھی اس کی "کیونکہ اس سراپ کے اثر میں تم بھی تو ہو حالانکہ اس کی وجہ اتنی مستحکم نہیں ہے۔ بہرحال تم مجھ سے زیادہ طاقتور اور اکھڑ ہو۔ غالباً اس لیے کہ تم نے مجھ سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ نہیں ہورلیس! اب میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں مر جاؤں گا۔"

"یہ گناہ ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ اس عظیم ترین قوت کی توہین ہے جس نے تمہیں بنایا ہے اور یہ زندگی بخشی ہے۔ تم اس کے دیئے ہوئے اس تحفے کو ایک حقیر چیز کی طرح پھینک دے رہے ہو۔ میں کہتا ہوں یہ گناہ ہے جس کی تمہیں شاید کڑی سزا ملے گی ــــ غالباً ابدی جدائی کی سزا۔"

"ہورلیس! اگر کوئی شخص زنداں میں شکنجے پر کھنچا ہوا ہو اور ناقابلِ برداشت تکلیفیں برداشت کر رہا ہو اور اگر وہ چاقو اٹھا کر خودکشی کر لے تو کیا وہ گناہ کرتا

ہے؟ شاید ۔ لیکن اگر جھیر جھیر پیٹھے اور کانپتے ہوئے اعصاب گڑگڑائیں تو اس گنہگار کی بخشش ہو سکتی ہے ۔ میں شکنجے پر کھنچا ہوا ایک ایسا ہی انسان ہوں چنانچہ میں بھی وہ چاقو اٹھالوں گا اور پھر جو قسمت ہو ۔ وہ مر چکی ہے ہوریس ! اور مر کر میں کم سے کم اس کے قریب تو پہنچ جاؤں گا ۔"

"تمہیں یہ خیال کیوں آیا لیو ؟ کیا پتہ وہ زندہ ہو ۔"

"نہیں اگر وہ زندہ ہوتی تو ہمیں کوئی اشارہ ضرور مل جاتا ۔ وہ ضرور کوئی علامت بھیجتی ہوریس ! میں تہیہ کر چکا ہوں چنانچہ اب کچھ نہ کہو ۔ آؤ ہم اور باتیں کریں ۔۔۔"

اور تب میں اس کے سامنے گڑگڑانے لگا ۔ حالانکہ امید تو نہ تھی کہ لیو کے دل پر کوئی اثر ہوگا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ اب وہ ہو کر رہے گا جس کا ایک مدت سے مجھے خدشہ تھا ۔ لیو پاگل ہو گیا تھا ۔ صدموں اور غموں نے اسکے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں اور اس کی سمجھ بوجھ رخصت ہو گئی تھی ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کبھی خودکشی کا فیصلہ نہ کرتا کیونکہ وہ اپنے طور پہ بے حد مذہبی قسم کا آدمی تھا اور اس قسم کے معاملات میں بے حد کٹر ۔

"لیو !" میں نے کہا "کیا واقعی تم اتنے سنگدل اور بے درد ہو کہ مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ جانے کی بات کرتے ہو ۔ میں نے تمہاری پرورش کی ہے ۔ جس طرح جی جان سے تمہیں چاہا ہے کیا اس کا یہی صلہ ہے ؟ کیا تم مجھے ایسی بھیانک موت مارنا چاہتے ہو ۔ خیر جیسی تمہاری مرضی ۔ لیکن اتنا یاد رکھو کہ میرا خون تمہاری گردن پہ ہوگا ۔۔۔"

"تمہارا خون ! تمہارا خون کیوں ہوریس ؟"

"اس لیے کہ یہ راستہ کافی چوڑا ہے اور اس پر بیک وقت دو آدمی سفر کر سکتے

ہیں ہم دونوں برسوں تک ساتھ رہے ہیں۔ بہت کچھ ساتھ برداشت کیا ہے چنانچہ سمجھ لو کہ ہماری یہ جدائی بھی بے حد مختصر ہوگی۔"

اور اب نقشہ ہی بدل گیا۔ لیو میری طرف سے متفکر ہو گیا۔ لیکن میں نے کہا۔

"اگر تم مر گئے تو یقین کرو میں بھی مر جاؤں گا۔ تمہاری موت میرا بھی خاتمہ کر دے گی۔"

اور لیو نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"بہت اچھا" اس نے دفعتہً کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج رات میں خودکشی نہ کروں گا ہم زندگی کو ایک اور موقع دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے" میں نے کہا۔

لیکن جب میں بستر پر لیٹا ہوں تو رگ و ریشے میں خوف سرایت کیے ہوئے تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ایک دفعہ مر جانے کا خیال اسے آیا ہے تو اب یہ جڑ پکڑ لے گا اور پھر یہ تناور درخت بن کر اس قدر مضبوط ہو جائے گا کہ پھر۔ پھر یہ کہ میں روتے روتے مر جاؤں گا۔ کیونکہ لیو کے بغیر میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔

انتہائی مایوسی کے عالم میں میں نے اسے پکارا جو ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

"ایشہ" میں نے کہا۔ "اگر واقعی تجھ میں کوئی قوت ہے، اگر تجھے اس کی اجازت ہے تو ظاہر ہو جا۔ اپنے زندہ دل ہونے کا کوئی ثبوت دے اور محبوب کو گناہ سے اور مجھے دل شکستگی سے بچا لے۔ اس کے غم پر اور اس کی اذیت ناکی پر رحم کر اور اسے اُمید دلا کیونکہ امید کے بغیر تو لیو جی نہ سکے گا اور اس کے بغیر میں نہ جی سکوں گا۔"

اور پھر تھک کر میں سو رہا۔

لیو کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ وہ نیچی مگر کانپتی ہوئی آواز میں بول رہا تھا

پتہ نہیں یہ رات کا کونسا پہر تھا۔

"ہورلیس!" اس نے کہا۔ "ہورلیس! میرے دوست! میرے باپ! سنو" دوسرے لمحے میں پوری طرح بیدار تھا اور میری ہر حس بھی بیدار تھی۔ کیونکہ اس کے لہجے نے مجھے بتا دیا تھا کہ کچھ ہوا تھا۔ کوئی خاص واقعہ جو ہماری قسمت کا فیصلہ کر دینے والا تھا۔

"ٹھہرو۔ میں پہلے موم بتی جلا لوں" میں نے کہا۔

"نہیں بہتر ہوگا کہ میں اندھیرے میں ہی تم سے باتیں کروں۔ سنو میں سو گیا اور تب میں نے ایک خواب دیکھا۔ ایسا صاف اور واضح خواب مجھے پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا میں نے دیکھا کہ میں آسمان کے گنبد تلے کھڑا ہوا ہوں اور بالکل اندھیرا ہے۔ کہیں ایک تارہ تک روشن نہیں اور حد درجے کی تنہائی مجھ پر مسلط ہے۔ اور پھر یکایک آسمان کے گنبد کی بلندیوں میں، میلوں دور مجھے ننھی سی روشنی نظر آئی اور میں نے سوچا کہ میرا ساتھ دینے کے لئے کوئی سیارہ نمودار ہوا ہے۔ یہ روشنی آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ آتشی گالے کی طرح وہ نیچے ہی اترتی چلی گئی۔ وہ قریب ہی آتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ عین میرے سر پر تھی اور تب میں نے دیکھا کہ اس روشنی کی شکل زبان کی سی یا پنکھے کی سی ہے۔ یہ روشنی میرے سر کے عین اوپر آکر ٹھہر گئی اور اس کے غیر ارضی اجالے میں مجھے ایک عورت کی شبیہ نظر آئی اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ شعلہ اسی کے ماتھے پر جل رہا ہے۔ روشنی تیز ہوئی اور اب میں نے اس عورت کو دیکھا۔

ہورلیس! یہ عورت کوئی اور نہیں بلکہ الشہ تھی۔ وہی آنکھیں، وہی دلربا چہرہ اور وہی گھنے بادلوں کے سے بال۔ اس نے اداس نظروں سے مجھے دیکھا۔ اور اس نے اپنی آنکھوں کی خاموش زبان میں مجھے سرزنش کی "تمہیں شک کیوں ہے"؟

میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن میری قوت گویائی جیسے سلب ہو گئی تھی۔ میں نے بڑھنے اور اسے آغوش میں لینے کی کوشش کی لیکن میرے اعضا جیسے مفلوج ہو گئے تھے۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی روک تھی جو مجھے نظر نہ آ رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا جیسے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہی ہو۔

"پھر وہ تیرتی ہوئی چلی گئی اور ہولیس، میری روح جیسے میرے جسم سے الگ ہو گئی اور اسے ایشہ کے پیچھے جانے کا اختیار دے دیا گیا۔ ہم تیزی سے گزرتے چلے گئے، میدانوں پر سے اور سمندروں پر سے ۔ پھر ایک جگہ پہونچ کر وہ ٹھہر گئی اور اس نے نیچے دیکھا۔ نیچے چاند کی چاندنی میں کوز کے کھنڈر چمک رہے تھے اور قریب ہی وہ کھاڑی تھی جسے ہم نے عبور کیا تھا۔

"ہم آگے بڑھے اور اب ہم حبش کے ساحل پر تھے اور وہاں پر بہت سے عرب جمع تھے جو ہمیں دیکھ رہے تھے۔ یہ ہمارے وہ ساتھی تھے جو سمندر میں غرق ہو گئے تھے انھیں میں محبوب بھی تھا جو میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا اور اسی سے سر ہلا رہا تھا جیسے وہ ہمارے ساتھ آنا چاہتا ہو لیکن آنہ سکتا ہو۔

"ہم ایک بار پھر سمندر پر گزرے، پھر خشکی پر سے، پھر سمندر پر سے، اور اب نیچے ساحل ہند تھا۔ پھر ہم شمال کی طرف بڑھے اور اسی سمت بڑھتے چلے گئے اور میدانوں پر سے گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سلسلہ ہائے کوہ پر تھے۔ جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ہم ان پر سے بھی گزر گئے اور کچھ دیر تک ایک عبادت کے اوپر ٹھہر گئے۔ جو ایک سطح مرتفع کے لب پر تھی۔ یہ خانقاہ تھی۔ کیونکہ اس کے دالان میں بوڑھے تارک الدنیا لوگ عبادت میں مصروف تھے۔ میں اس عبادت کو دیکھوں گا تو فوراً پہچان لوں گا کیونکہ یہ ہلال کی شکل میں بنی ہوئی ہے۔ اس کے سامنے کسی دیوتا کا عظیم الشان بت بیٹھا ہوا ہے۔ نہیں

کب سے اپنے سامنے پھیلے ہوئے ریگزار کی طرف دیکھ رہا ہے۔ یہ بت شکستہ ہے۔ مجھے پتہ چل گیا۔ پتہ نہیں کس طرح کہ اب ہم تبت کے انتہائی حدود سے گزر چکے تھے اور اب ہمارے سامنے وہ سرزمین تھی جہاں کبھی کسی مہذب انسان کے قدم نہیں پہونچے اس ریگزار کے دوسری طرف سے پھر پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ برف پوش چوٹیوں کا ایک جنگل سا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں برف پوش چوٹیاں۔

"اس خانقاہ کے قریب اور میدان کے بیچ میں ایک اکیلا پہاڑ کھڑا تھا۔ جو دوسرے تمام پہاڑوں سے، جو اس کے عقب میں تھے، بلند تھا۔ ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر ٹھہر گئے اور منتظر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں پر اور ہمارے قدموں میں ریگزار پر روشنی کی ایک شعاع کوند گئی اور جو ہم پر اس طرح چمکنے لگی جس طرح سمندر میں جہاز والے روشنی چمکا کر اشارے بھیجتے ہیں ہم آگے بڑھے اس شعاع میں تیرتے ہوئے، ہم ریگزار پر سے گزرے، ہم پہاڑوں پر سے گزرے، ہم ایک زبردست میدان پر سے گزر کر اس کے اس پار پہونچ گئے اور یہاں بہت سے گاؤں تھے۔ اور پہاڑ پر ایک شہر تھا۔ یہاں تک کہ ہم ایک بلند چوٹی پر پہونچ گئے۔ اور میں نے دیکھا کہ یہ چوٹی مصری فراعنہ کے عصائے حیات و قوت کے حلقے کے چھلے کی شکل کی ہے اور حلقہ لاوے کے ایک بلند ستون پر قائم ہے۔ یہ ستون کئی سو فٹ بلند ہے میں نے یہ بھی دیکھا کہ جو روشنی یا آگ ہمیں نظر آئی وہ اس کے عقب میں واقع آتش فشاں کے دہانے سے نکل رہی ہے۔ اس حلقے کی عین چوٹی پر ہم نے کچھ دیر کے لئے قیام کیا۔ یہاں تک کہ ایشہ کے سائے یا شبیہ نے نیچے کی طرف اشارہ کیا، پھر وہ مسکرائی اور غائب ہو گئی۔

"ہورلیس! میں سچ کہتا ہوں یہ نشانی ہے"۔

اس کی آواز اندھیرے میں ڈوب گئی۔ لیکن میں خاموش اور بے حرکت بیٹھا جو کچھ سنا تھا اس پر غور کرتا رہا۔ لیو اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا اور میرا بازو پکڑ کر مجھے جھنجھوڑا۔

"سو رہے ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔ "کہو۔ کچھ کہو"۔

"نہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ "میں سو نہیں سکا ہوں بلکہ جتنا اس وقت بیدار ہوں پہلے کبھی نہ تھا۔ مجھے تھوڑا سا وقت دو"۔

پھر میں اٹھا، کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب پہونچ کر چلمن اٹھا دی اور وہاں کھڑا آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ آسمان صبح کاذب کے اُجالے میں دودھیا ہو رہا تھا۔ لیو بھی میرے قریب آیا اور کھڑکی کی دہلیز پر جھک گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ سرتاپا کانپ رہا تھا جیسے اسے جاڑا چڑھ آیا ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بے حد متاثر تھا۔

"تم نشانی کی بات کر رہے ہو"۔ میں نے کہا۔ "لیکن تمہاری اس نشانی میں مجھے کچھ نظر نہیں آرہا ہے سوائے ایک خواب پریشاں کے"۔

"وہ خواب نہ تھا!" لیو نے ایک جوش کے عالم میں کہا۔ "بلکہ رویائے صادقہ تھا"۔

"چلو یونہی سہی۔ لیکن یہ رویا سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی۔ تم اسے رویائے صادقہ کہہ رہے ہو لیکن اس کا ثبوت کیا ہے تمہارے پاس؟ سنو لیو! یہ سب کچھ تمہارے دماغ کی اپج ہے جس کی بنیادیں رنج و غم نے ہلا دی ہیں۔ اور تمہیں دیوانگی کی حد تک پہونچا دیا ہے۔ تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں۔ تم دماغی مریض ہو۔ تم نے خواب میں دیکھا کہ پوری دنیا میں تم اکیلے ہو۔ لیکن میں پوچھتا ہوں

کہ کیا ہر ذی روح اسی طرح اکیلا نہیں ہے۔ تم نے خواب میں دیکھا کہ ایشہ کا سایہ یا یوں کہو کہ شبیہ تمہارے پاس آئی لیکن میں پوچھتا ہوں وہ کبھی تم سے جدا ہوئی ہے؟ تم نے خواب میں دیکھا کہ وہ تمہیں سمندر پہ سے اور خشکی پر سے لے گئی اور ان مقامات میں لے گئی جو تمہاری یادوں کے کھنڈر میں آسیبوں کی طرح لیٹے ہوئے ہیں اور پھر اس بلند و بالا اور پر اسرار انجانی چوٹی پر لے گئی۔ میں پوچھتا ہوں کیا اس طرح تمہیں وہ موت کے اندھیرے دروازے تک نہیں لے جا رہی ہے؟ تم نے خواب میں......"

"بس کرو ہوریس بس کرو۔" لیو نے تقریباً چیخ کر کہا۔ "میں نے جو کچھ دیکھا سو دیکھا اور اب اسی پر عمل کروں گا۔ تمہارا جو جی چاہے سمجھو اور جو جی چاہے کرو کل ہی میں ہندوستان کے لئے روانہ ہو رہا ہوں اگر تم میرے ساتھ چلنا چاہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔"

"یہ تم نے بڑی سخت بات کہی ہے لیو۔" میں نے کہا۔ "تم یہ بھول رہے ہو کہ مجھے اب تک کوئی نشانی نظر نہیں آئی اور ایسے شخص کے خواب پر اعتبار کرنے کا نتیجہ معلوم ہے جو ایسا دیوانہ ہو کہ چند گھنٹوں پہلے خودکشی کا ارادہ کر چکا ہو؟ تمہارے خواب پر اعتبار کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم وسط ایشیا کے کسی برفستانی ویرانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ سہی بھٹک بھٹک کر ضرور مر جائیں گے۔ تمہارا یہ خواب جس میں تمہیں وہ چھلے والی چوٹی نظر آئی یقیناً ایک دیوانے کا خواب ہے۔ اس کے بعد سے پر کیا تم یہ یقین سے کہہ سکتے ہو کہ ایشہ نے وسط ایشیا میں جنم لیا ہے اور وہاں وہ کسی دیر کی بڑی راہبہ یا عظیم لاما ہے؟"

"یہ تو میں نے نہیں سوچا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟" لیو نے بڑے سکون سے کہا۔ "ہوریس! تمہیں کور کے اس غار کا وہ منظر یاد ہے

جب ایک زندہ ایک مردے کو دیکھ رہا تھا اور دونوں کی شکلیں ایک سی تھیں۔ زندہ اور مردہ ہم شکل تھے اور تمہیں یاد ہے کہ ایشہ نے کیا وعدہ کیا تھا؟ یہی کہ وہ پھر آئے گی اور اسی دنیا میں آئے گی۔ میں کہتا ہوں یہ دوسرے جنم کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ یا پھر اس کی روح کسی دوسرے قالب میں حلول کر گئی ہو تو ایسا ہو سکتا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ میں خود اپنے ہی خیالات میں گم تھا۔

"مجھے کوئی نشانی نظر نہ آئی ہے۔" میں نے کہا۔ "تاہم میں نے اس ڈرامے میں حصہ لیا ہے۔ معمولی سا ہی سہی اور مجھے اعتراف ہے کہ اب بھی میں اس میں شریک ہوں۔ چنانچہ مجھے بھی کوئی اشارہ ملنا چاہیے۔ یہ بے حد ضروری ہے۔"

"بے شک۔" لیو نے کہا۔ "تمہیں کوئی نشانی نظر نہیں آئی۔ کاش کہ نظر آجاتی۔ کاش کہ میری طرح تمہیں بھی یقین آجاتا ہو رلیس۔"

اور پھر ہم اپنے اپنے خیالات میں گم خاموش کھڑے رہے۔

ایک طوفانی صبح تھی وہ۔ کالے کالے بادل عجیب عجیب شکل میں سمندر پر چھائے ہوئے تھے۔ ایک بادل عظیم الشان پہاڑ کی شکل کا اٹھا اور ہم بے پروائی سے اس بادل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنی شکل بدلی۔ اس کی چوٹی آتش فشانی دہانے کی طرح بن گئی اور اس دہانے میں سے بادل کا ایک ستون سا نکل کر اوپر اٹھ گیا۔ اس ستون کی چوٹی پر ایک بڑا سا لٹو یا گنبد سا بنا ہوا تھا۔ یکایک طلوع ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں اس پہاڑ اور اس ستون کی چوٹی پر پڑیں اور وہ چوٹیاں برف کی طرح سفید ہو گئیں اور پھر جیسے ان کرنوں کی گرمی سے ستون کی چوٹی پر کا گنبد پگھل گیا اور غائب ہو گیا اور اب اس کی جگہ کالے بادلوں کا ایک زبردست حلقہ تھا جیسا کہ ذاعنہ کے عصائے حیات و قوت میں ہوتا ہے۔

"دیکھو" لیو نے نیچی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہی ہے اس پہاڑ کی شکل جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ دیکھو وہ ہے کالا حلقہ اور اس میں آگ نظر آ رہی ہے۔ چنانچہ ہورلیس! یہ نشانی ہے۔ ہم دونوں کے لیے ہے۔"

میں نے دیکھا اور پھر دیکھا اور دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ زبردست پھیلا ہوا حلقہ آسمان کی نیلاہٹوں میں تحلیل ہو گیا اور تب میں نے لیو کی طرف گھوم کر کہا۔

"لیو میں تمہارے ساتھ وسط ایشیا کی طرف چلوں گا۔"

دوسرا باب

خانقاہ

کیمبرلینڈ کی اس شب بیداری کو سولہ سال گزر چکے تھے اور میں اور لیو اب بھی مصروف سفر تھے، اب بھی اس چٹان کو تلاش کر رہے تھے جس کی چوٹی عصائے حیات و قوت کی شکل کی تھی۔ لیکن اب تک وہ چٹان ہمیں کہیں نظر نہ آئی تھی۔

اگر اپنے اس سفر کے واقعات اور مصائب بیان کرنے لگوں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں لیکن ان کے بیان سے فائدہ؟ اس قسم کے واقعات اور دشواریاں اکثر کتابوں میں سیاحوں نے لکھی ہیں۔ البتہ ہماری دشواریاں ان سے کہیں زیادہ تھیں۔ اور بس۔ پانچ سال ہم نے تبت میں گزارے اور اس عرصہ میں اکثر و بیشتر مختلف خانقاہوں میں مقیم رہے جہاں ہم نے لاماؤں کے مذہب، ضوابط اور روایتوں کا مطالعہ کیا۔ ایک جگہ تو ہمیں سزائے موت سنائی گئی کیونکہ وہاں ہم ایک مقدس شہر میں جہاں جانا منع ہے گھس پڑے تھے۔ لیکن شکر ہے کہ ایک

چینی افسر کی مہربانی سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

تبت سے نکل کر ہم مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں بھٹکتے رہے۔ ہزاروں میل کا سفر طے کر لیا۔ بہت سے منگول اور چینی قبائل کے مہمان رہے اور بہت سی نئی باتیں سیکھ لیں اور بہت سے مصائب برداشت کئے۔ چنانچہ یوں ہمیں ایک دور دراز مقام کی روایت معلوم ہوئی سینکڑوں میلوں کا سفر طے کر کے وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ ہمارا یہ سفر بھی محض بیکار تھا۔ کیونکہ وہاں پہونچ کر دیکھا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

اور یوں وقت گزرتا گیا۔

اس کے باوجود ہمیں اپنی تلاش ترک کر دینے کا خیال کبھی بھولے سے بھی نہ آیا۔ اور سبب اس کا یہ تھا کہ روانہ ہونے سے پہلے ہم نے قسم کھائی تھی کہ یا تو ہم اسے تلاش کر لیں گے یا اسی جستجو میں جان دے دیں گے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کئی دفعہ ہم مر چکے ہوتے لیکن ہر دفعہ ہم بچ گئے اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ بڑے پراسرار طریقے سے بچ گئے۔

اور اب ہم ایک ایسے خطے میں تھے جہاں، جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے پہلے کسی یوروپین نے قدم نہ رکھا تھا۔ ایک عظیم سرزمین میں، جو ترکستان کہلاتی ہے، ایک تالاب ہے جس کا نام ہے "بالکش" ہم اس کے کنارے پہونچے اس کے مغرب میں اور کوئی دو سو میل دور ایک عظیم الشان سلسلہ کوہ ہے جو "ادکا ٹی ناڈ" کہلاتا ہے۔ یہاں ہمارا ایک سال گزرا۔ اس کے مشرق میں اور کوئی پانچ سو میل دور ایک دوسرا سلسلہ کوہ ہے "چرغز"۔ چنانچہ تاؤ کے تہرے کوہستان کی خاک چھاننے کے بعد آخر کار ہم چرغنہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اور یہیں سے ہماری اصل مہم کا آغاز ہوتا ہے۔

اسی کوہ چرغہ کے ایک حصّے پر۔ یہ پہاڑ نقشوں میں نہیں دکھائے گئے۔ ہم بھوک سے مرنے کے قریب پہونچ گئے۔ موسم سرما کی آمد آمد تھی اور ہمیں کہیں کوئی شکار نہیں ملا۔ آخری مسافر نے جو ہمیں جنوب کی طرف اور سیکڑوں میل ادھر ملا تھا، ہمیں بتایا تھا کہ اس سلسلۂ کوہ پر ایک خانقاہ ہے جس میں ایسے لاما رہتے ہیں جن کا تقدس انتہا کو پہونچا ہوا ہے۔ اس نے یہ بھی بتلایا تھا کہ وہ اس وحشتناک مقام میں جہاں نہ تو کوئی بستی ہے اور نہ ہی کسی کی حکومت "نروان" حاصل کرنے کے لئے رہتے ہیں۔ اور ان کا کوئی ساتھی نہیں ہے سوائے آپس کے لاماؤں کے جو اسی خانقاہ میں دنیا تج کر مقیم ہو گئے ہیں ہمیں اس خانقاہ کے وجود کا یقین تو نہ تھا تاہم ہم اسے تلاش کر رہے تھے اور قسمت پر جس کی زنجیروں میں ہم جکڑے ہوئے تھے، بھروسہ کر کے اور اندھے اعتقاد کے سہارے جو شروع سے ہمارا راہبر تھا ہم اس خانقاہ کی تلاش میں بھٹکتے رہے۔ بھوک سے ہم نیم جاں تھے اور جلانے کے لئے ایندھن بھی میسّر نہ تھا۔ چنانچہ ہم رات بھر چاند کی روشنی میں اپنے بار برداری کے یاک[1] کو اپنے آگے ہنکاتے چلتے رہے کیونکہ اب ہمارے ساتھ کوئی بار بردار یا کوئی ملازم نہ تھا۔ ہمارا آخری ملازم ایک سال ہوا مر چکا تھا۔

یہ یاک بڑا ہی مضبوط اور حلیم الطبع تھا۔ حالانکہ اپنے آقاؤں کی طرح اب وہ بھی قریب المرگ تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ ہم نے اس پر ضرورت سے زیادہ سامان لاد دیا ہو جی نہیں۔ دو سال پہلے ہم نے ایک میر کارواں سے اپنی بندوقوں کے لیے کارتوسوں کا اچھا خاصا ذخیرہ خرید لیا تھا۔ چنانچہ اس ذخیرے میں سے

---

[1]: ایک قسم کا چوپایہ جو تبت میں پایا جاتا ہے اسکے بال لانبے ہوتے ہیں اور پیٹھ پر کوہان بھی ہوتا ہے۔ مترجم

اب جو کارتوس بچ رہے تھے وہ کوئی ڈیڑھ سو راؤنڈ، اس پر لدے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ چاندی اور سونے کے سکوں میں تھوڑی سی نقدی بھی، تھوڑی سی چائے، کھال کے کمبلوں کا ایک بنڈل اور بھیڑ کی کھالوں کے لباس ۔ یہ تھا وہ سامان جو اس یاک پر لدا ہوا تھا۔

ہم برفستانی سطح مرتفع میں آگے بڑھتے گئے۔ ہمارے دائیں طرف بلند و بالا پہاڑ تھے ہم چلتے رہے یہاں تک کہ یاک اپنے منہ سے ایک عجیب سی آواز جو آہ سے ملتی جلتی تھی نکال کر چلتے چلتے دفعتہً ٹھہر گیا۔ چنانچہ ہم بھی ٹھہر گئے۔ کیونکہ ہم بھی تھک گئے تھے۔ پھر ہم دونوں نے یعنی میں نے اور لیو نے، اپنے آپ کو خوب اچھا طرح سے کمبلوں میں لپیٹا اور بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنے لگے۔

"اس بچارے کو ذبح کر کے ہمیں اس کا کچا ہی گوشت کھانا پڑے گا۔" میں نے یاک کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا جو ہمارے قریب ہی گویا راضی بہ رضا بیٹھا ہوا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ صبح ہمیں کوئی شکار مل جائے۔" لیو نے جواب دیا جو اب تک مایوس نہ ہوا تھا۔

"اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں کوئی شکار نہ ملے۔ چنانچہ ہم مر جائیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے۔" لیو نے کہا۔ "موت آئی ہے تو مر جائیں گے اور یہ ہماری ناکامی کا آخری نتیجہ ہوگا۔ کم سے کم مرتے وقت ہمیں یہ تو اطمینان ہوگا کہ ہم نے کوشش کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔"

"بے شک ہم نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بشرطیکہ اب خواب پریشاں پر یقین کر کے سولہ سال تک برفستانی ویرانوں میں بھٹکنے کو کوشش کہا جائے۔"

"تم جانتے ہی ہو کہ میرا یقین کیا ہے۔" لیو نے تُنکی سے کہا۔

اور ہم خاموش ہو گئے۔ کیونکہ یہاں بحث کی گنجائش نہ تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس حالت میں بھی جب موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ ہماری یہ ساری تگ و دو محض بیکار اور بے موقع تھی یا ہو سکتی تھی۔ مجھے اب بھی یقین تھا کہ ہماری یہ کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔

صبح طلوع ہوئی اور اس کی روشنی میں ہم نے بڑے اشتیاق سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہم دونوں یہی معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھی میں اب کتنی قوت باقی رہ گئی ہے۔ اگر اس وقت کوئی بھی مہذب شخص ہمیں دیکھ سکتا تو ہمیں نرے وحشی ہی سمجھ لیتا لیو کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اس کی یہ پکی عمر اس کے شباب سے پورا پورا انصاف کر رہی تھی کیونکہ ایسا شاندار انسان میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بلند قامت اور کشادہ سینہ۔ حالانکہ اب وہ دبلا ہو گیا تھا۔ برسوں کی صحرا نوردی نے اس کے پٹھے فولاد کر دیئے تھے۔ اس کے بال میرے بالوں کی طرح بڑھ کر لانبے ہو گئے تھے۔ کیونکہ یہی بال ہمیں دھوپ اور سردی سے بچاتے تھے۔ جو اس کے شانوں پر پڑے ہوئے تھے، گھونگھریالے اور سنہرے بالوں کی ایال سی تھی جیسی کہ شیر کی ہوتی ہے۔ اس کی داڑھی بھی گھنی تھی جو اس کے سینے پر لٹک رہی تھی اور دونوں کلوں پر پھیل کر اس کے شانوں کو تقریباً چھو رہی تھیں۔ اس گنجان داڑھی میں سے اس کے چہرے کی جھلک نظر آ رہی تھی اور وہ حسین تھا حالانکہ رنگت اب قدرے جھلس گئی تھی۔ اس کے بشرہ سے مستقل مزاجی اور پتھر کو پگھلا دینے والا عزم عیاں تھا اور اس شاندار چہرے میں اس کی دو بڑی بڑی خوبصورت اور بھوری آنکھیں چمک رہی تھیں۔

رہا میں تو میں ویسا ہی تھا جیسا ہمیشہ سے رہا ہوں۔ بد قطع، بد ہیئت اور بدصورت البتہ اب میری رنگت تانبے کی سی ہو گئی تھی۔ میری عمر ساٹھ سال کی ہو چکی

تھی۔ لیکن اب بھی میری جسمانی قوت بڑھتی جا رہی تھی اور میری صحت ـــ سو وہ کسی کے لیے بھی قابل رشک ہو سکتی تھی۔ بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ اس پورے سفر میں جو بے حد صبر آزما تھا ہم میں سے کوئی ایک بھی بیمار نہ ہوا تھا یہ اور بات تھی کہ کوئی ہم میں سے کبھی کسی حادثے سے دوچار ہو کر چند دنوں کے لئے سفر کے قابل نہ رہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مشقتوں نے ہمارے جسم کو فولاد بنا کر اس میں نہ صرف ہر بیماری کا مقابلہ کرنے بلکہ شکست دینے کی قوت پیدا کر دی تھی یا پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا کے سارے انسانوں میں سے صرف ہم دو ہی ایسے تھے جنہوں نے کوہ کے غار میں ستونِ حیات کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ اس کے جوہر کا کچھ حصہ تنفّس کے ذریعے اپنے جسم میں پھیلا دیا تھا۔

اگرچہ ہم بھوکے تھے لیکن اس قدر تھکے ہوئے اور بے حال نہ تھے کہ کسی کام کے نہ رہتے۔ چنانچہ صبح طلوع ہوئی تو ہم نے موت کے خوف سے چھٹکارا حاصل کیا اور اب گرد و پیش کا مطالعہ کرنے لگے۔

ہمارے قدموں میں مختصر سا شاداب خطّہ تھا اور اس کے دوسری طرف سے ایک وسیع و عریض ریگزار شروع ہو گیا تھا جو ان ریگزاروں سے مختلف نہ تھا جن سے ہمارا سابقہ پڑ چکا تھا۔ ویران اور بے آب و گیاہ۔ اس میں نہ کہیں پانی تھا اور نہ کہیں کوئی درخت۔ ریت کا ایک سمندر سا تھا جو حدّ نظر تک پھیلتا چلا گیا تھا جس میں یہاں وہاں موسم سرما کی پہلی برف کے گالے نظر آ رہے تھے۔ اس ریگزار کے دوسرے سرے پر کوئی اسّی یا سو میل دور وہاں کی برفانی اور دھندلی فضا میں فاصلہ کا اندازہ لگانا مشکل تھا پہاڑوں کا سلسلہ تھا اور ان پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں آسمان کی نیلاہٹوں میں بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔

طلوع ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں جب ان برف پوش چوٹیوں پر پڑیں تو میں نے

دیکھا کہ لیو کے بشرے سے اُلجھن کے آثار عیاں تھے۔ اس نے تیزی سے گھوم کر اپنی نگاہیں ریگزار کے کنارے پر مرکوز کر دیں۔

"وہ دیکھو" اس نے کہا۔

وہ کسی دھندلی مگر عظیم الشان چیز کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد سورج کی کرنوں نے اس چیز کو بھی چھو لیا۔ یہ ایک زبردست پہاڑ تھا جو دس میل سے زیادہ دور تھا اور وہ ریگزار میں تنہا کھڑا ہوا تھا۔ ایک اکیلی چٹان۔

پھر لیو یوں گھوم گیا کہ اب ریگزار کی طرف اس کی پشت تھی اور وہ اس پہاڑ کی ڈھلان کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کے قدموں میں ہم سفر کر رہے تھے۔ اب یہ پہاڑ اور ڈھلان اندھیرے میں تھی کیونکہ سورج ان کے عقب میں تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد روشنی ان پر بھی سیلاب کی طرح امنڈ آئی۔ یہ روشنی چوٹیوں پر سے نیچے اترنے لگی، نیچے نیچے اور نیچے یہاں تک کہ وہ اس چھوٹے سے سطح مرتفع پر پہونچ گئی جو ہم سے کئی سو فٹ کی بلندی پر تھا اور وہاں اس سطح مرتفع کے عین کنارے پر ایک لوٹا پھوٹا لیکن عظیم الشان بت بیٹھا ہوا تھا۔ یہ گوتم بدھ کا بت تھا جو صحرا کے اس پار دیکھ رہا تھا اور اس بت کے پیچھے ہمیں کچھ اور بھی نظر آیا۔ زرد پتھروں کی اور ہلالی شکل کی ایک خانقاہ۔

"آخر کار" لیو چیخا "میرے خدا آخر کار"

اور اس نے اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیا اور اپنا چہرہ برف میں چھپا لیا جیسے وہ نہ چاہتا ہو کہ میں بھی جی ہاں میں بھی، اس کے چہرے کے جذبات دیکھ لوں۔

کچھ دیر تک میں نے اسے چھیڑا نہیں اور یونہی پڑے رہنے دیا۔ کیونکہ مجھے احساس تھا کہ اس وقت اس کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی اور چھوٹے کیوں کہوں اس وقت خود میرے دل کی بھی عجیب حالت تھی۔ پھر میں اٹھ کر ہاک کے قریب پہونچا وہ

بیچارہ اسی طرح صبر و سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہماری خوشیوں میں نہ تو شریک ہو سکتا تھا اور نہ ہی انہیں سمجھ سکتا تھا۔ میں نے کمبل لپیٹ کر اس پر لاد دیئے۔ اس طرف سے فرصت پا کر میں لیو کے قریب پہونچا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر حتی الامکان پرسکون لہجے میں کہا۔

"لیو! اٹھو۔ اگر یہ خانقاہ غیر آباد نہیں ہے تو ہمیں وہاں پناہ اور کھانا مل جائے گا۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ برف باری پھر ہونے والی ہے۔"

وہ کچھ کہے بغیر اٹھا، اپنی داڑھی پر سے برف جھاڑی اور یاک کو کھڑا کرنے میں میری مدد کرنے لگا کیونکہ یہ تھکا ہوا بے زبان جانور اس قدر کمزور ہو رہا تھا کہ اپنے آپ اٹھ نہ سکتا تھا۔ میں نے کنکھیوں سے لیو کی طرف دیکھا تو اس کے بشرے پر عجیب طرح کی حسرت اور سکون نظر آیا۔

ہم یاک کو اپنے پیچھے کھینچتے برف پوش ڈھلان پر چڑھنے لگے اور اس سطح مرتفع پر پہونچ گئے جہاں وہ خانقاہ تھی۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا اور نہ ہی کہیں قدموں کے نشان دکھائی دیئے کہ کسی انسان کی موجودگی کا پتہ دیتے۔ تو پھر یہ عمارت ویران تھی، کھنڈر تھا ایک؟ ایسے بہت سے کھنڈر ہمیں اس سفر میں نظر آئے تھے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ یہ پورا قدیم علاقہ ہی اس قسم کے غیر آباد کھنڈروں سے پُر تھا جو کبھی انسانوں کی رہائش گاہیں رہے ہوں گے۔ ان انسانوں کی جو اپنے طور پر بڑے ہی عالم و فاضل رہے ہوں اور جو گنج سے، ہماری مغربی تہذیب کی ابتدا سے، سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال پہلے اپنی زندگیاں بسر کر کے فنا ہو گئے تھے۔

اس خیال سے نہ صرف میرا دل بلکہ میرا پیٹ بھی، جو بھوک کی شدت سے ایک گڑھا سا بن گیا تھا، ڈوب سا اور بیٹھ گیا۔ میں تجسس کی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا

تھا کہ خانقاہ کی چمنی میں سے دھوئیں کی ایک لکیر سی نکلتی ہوئی نظر آئی اور میرا خیال ہے کہ ایسا خوشگوار منظر میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس عمارت کے بیچ میں ایک دوسری بلند عمارت تھی جو یقیناً معبد تھا۔ لیکن جہاں ہم تھے وہاں سے قریب ہی مجھے ایک چھوٹا سا دروازہ دکھائی دیا اور اس دروازے کے تقریباً عین اوپر وہ چمنی تھی جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس دروازے پر دستک دی اور چیخ کر کہا۔

"دروازہ کھولو لاماؤ! دروازہ کھولو۔ اجنبی مسافر تمہارے در پر آئے ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد بند کواڑوں کے پیچھے سے گھسٹتے ہوئے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ پھر دروازہ چرچرا کر کھل گیا۔ ایک بے حد بوڑھا شخص ہمارے سامنے کھڑا تھا جس نے زرد رنگ کا پھٹا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ کون ہے؟ کون ہے؟ اس نے عینک کے موٹے شیشوں کے پیچھے آنکھیں جھپک جھپک کر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے۔ جو ہماری پہاڑوں کے مقدس لاماؤں کی تنہائی اور عبادت میں مخل ہونے کی جرأت کر رہا ہے؟"

"ہم مسافر ہیں مقدس باپ! اور ہم اپنی زندگی سے اکتائے ہوئے ہیں۔" میں نے خود اسی زبان میں جواب دیا جس میں بوڑھے نے سوال پوچھا۔ اس زبان سے میں واقف تھا۔ "ہم بھوکے ہیں اور آپ سے بھیک مانگتے ہیں۔" اور پھر میں نے اضافہ کیا۔ "اور آپ اپنی شریعت کی رو سے ہمیں بھیک دینے سے انکار نہیں کر سکتے۔"

اس نے اپنی عینک کے شیشوں کے پیچھے سے ہماری طرف دیکھا۔ ہمارے چہروں سے وہ کچھ معلوم نہ کر سکا۔ چنانچہ اب اس کی نظریں ہمارے لباس پر رینگ آئیں ہمارا لباس خود اس کے لباس کی طرح پھٹا ہوا اور اس سے ملتا جلتا تھا۔

دراصل یہ لباس ہم نے تبت کے پجاریوں سے حاصل کیا تھا کیونکہ جو لباس پہن کر ہم چلے تھے وہ عرصہ ہوا پھٹ پھٹا کر بیکار ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس لباس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ یہ ہمیں موسم کی زیادتیوں اور لوگوں کی مشکوک نظروں سے بچاتا تھا۔

"تم لوگ لاما ہو؟" اس نے کچھ الجھ کر پوچھا۔ "اگر ہاں تو تمہارا تعلق کون سی خانقاہ سے ہے؟"

"یقیناً ہم لاما ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ "اور اس خانقاہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا نام دنیا ہے اور آپ جانیے اس خانقاہ کا یہ اصول ہے کہ اس میں آدمی کو بھوک لگتی ہے"۔

میرے اس جواب سے وہ محظوظ ہوا کیونکہ وہ ذرا سا مسکرایا اور پھر سر ہلا کر بولا۔

"سنو اجنبی! ہم کسی کو اس خانقاہ میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے یہ ہمارے دستور کے خلاف ہے، الا یہ کہ وہ ہمارے مذہب سے ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم ہمارے ہم مذہب نہیں ہو"۔

"اے مقدس خو بیل خان۔" میں نے کہا کیونکہ یہاں ان لوگوں کا یہی لقب تھا۔ "کسی کو بھوکوں مرنے دینا تو تمہارے دستور اور مذہب کے اور بھی زیادہ خلاف ہے" اور یہاں میں نے گوتم بدھ کا ایک مقولہ کہا جو موقع و محل کی مناسبت سے برمحل تھا۔

"تم۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مقدس صحیفے سے بیگانہ نہیں ہو۔" اس نے کہا اور اس کے زرد جھریوں پڑے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔ "اور ایسے آدمیوں کو ہم اندر آنے اور انھیں پناہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے۔ اے خانقاہِ دنیا کے برادر! اندر آؤ۔ لیکن ٹھہرو۔ تمہارے ساتھ یہ کیا بلا ہے جو

ہماری مہمان نوازی کا اتنا ہی حقدار ہے جتنے کہ تم ہو۔"

اور گھوم کر اس نے اس گھنٹے پر ضرب لگائی جو دروازے کے قریب ہی کہیں اندر لٹک رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے دوسرا شخص آیا۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھا تھا اور اسکے چہرے پر کچھ زیادہ ہی جھریاں تھیں۔ وہ حیرت سے منہ کھولے ہماری صورت تکنے لگا۔

"برادر!" پہلے بڈھے نے کہا۔ "اپنا یہ غار سا منھ بند کر لو ہیاد اکوئی بدروح اس میں گھس جائے اور دیکھو اس بیچارے یاک کو لے جاؤ اور دوسرے مویشیوں کے ساتھ اسے بھی چارہ پانی دو۔"

چنانچہ ہم نے اپنا سامان یاک کی پشت پر سے کھولا اور دوسرا بڈھا جس کا عجیب وغریب لقب تھا "گموں کا نگہبان" ہمارے جانور کو لے گیا۔

جب ہمارا یاک، جیسے ہماری جدائی شاید منظور نہیں تھی، چلا گیا تو پہلا بڈھا جس کا نام کوتن تھا، ہمیں نشست گاہ بلکہ یوں کہیئے کہ خانقاہ کے باورچی خانے میں لے آیا۔ کیونکہ یہی ایک کمرہ باورچی خانہ بھی تھا اور نشست گاہ کا کام بھی دیتا تھا۔ یہاں خانقاہ کے بقیہ لاما بیٹھے ہوئے تھے جو تعداد میں بارہ تھے جو اس آگ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے جس کا دھواں ہم نے دور سے دیکھا تھا۔ ایک لاما صبح کا ناشتہ تیار کر رہا تھا اور بقیہ آگ تاپ رہے تھے۔

یہ سب کے سب بوڑھے تھے ان میں جو سب سے زیادہ کم عمر تھا اس کی عمر بھی پینسٹھ سے کم نہ تھی۔ ان لاماؤں سے ہمارا تعارف بڑی سنجیدگی سے یوں کرایا گیا۔ اس خانقاہ کے برادر جس کا نام دنیا سے جہاں اصول کے مطابق آدمی کو بھوک

لگتی ہے"۔ کوریین کو میرا یہ لطیفہ بے حد عمدہ معلوم ہوا تھا اور اب تک اس سے لطف لے رہا تھا۔

انھوں نے ہماری طرف دیکھا، انھوں نے اپنے استخوانی ہاتھ ملے، وہ ہمارے سامنے جھک گئے۔ اور ہمیں دعائیں دیں اور ہماری آمد پر مسرت کا اظہار کیا اور اس میں تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا، پچھلے چار برسوں سے انھوں نے کوئی نئی صورت نہ دیکھی تھی۔

یہ لوگ صرف زبانی جمع خرچ کر کے ہی نہیں گئے بلکہ چند ہمارے نہانے دھونے کے لئے پانی گرم کرنے لگے۔ دو ہمارے کمرے تیار کرنے چلے گئے اور چار چھ نے مل کر ہمارے جوتے اور اوپری موٹا لباس اتار لیا اور ہمارے پہننے کے لئے پیر تلے لے آئے۔ پھر وہ ہمیں مہمان خانے میں لے آئے اور بتایا کہ یہ بڑا متبرک کمرہ ہے کہ کسی زمانے میں ایک "ولی" یہاں سویا کرتا تھا۔ یہاں بھی آگ جلائی گئی اور حیرت پر حیرت یہ کہ ہمارے لیے صاف ستھرا اور اچھے قسم کا لباس لایا گیا کہ ہم اسے پہن لیں۔

چنانچہ ہم نے غسل کیا۔ جی ہاں باقاعدہ غسل کیا اور لاماؤں کے لائے ہوئے چغے پہن لیے۔ مجھے تو یہ لباس ٹھیک آیا لیکن لیو کو ذرا چھوٹا پڑا۔ یوں تیار ہو کر ہم نے وہ گھنٹہ بجایا جو حجرے میں لٹک رہا تھا فوراً ایک لاما حاضر ہوا اور ہمیں ایک باورچی خانے میں لے گیا جہاں کھانا چن دیا گیا تھا۔ یہ کھانا ایک قسم کے دیسی دودھ، تالاب کی خشک مچھلی اور چائے پر مشتمل تھا۔ تازہ دودھ گلوں کا نگہبان" لے آیا تھا اور خشک مچھلی اور چائے کا اہتمام خاص طور ہمارے لئے کیا گیا تھا۔ کوئی کھانا ہمیں اتنا لذیذ معلوم نہ ہوا تھا جتنا کہ یہ سیدھا سادہ کھانا ہمیں اس وقت معلوم ہوا اور مجھے اعتراف ہے کہ پہلے کبھی

الشہ کو واپسی

ہم نے کوئی بھی کھانا یوں کوٹ کر نہ کھایا تھا۔ سچ ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ نوبت یہاں تک آ گئی کہ مجھے لیو سے کہنا پڑا کہ اب وہ زیادہ نہ کھائے کیونکہ وہ ندیدوں کی طرح کھا رہا تھا کہ لاما حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور بوڑھا کورین آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔

"اوہ! خانقاہِ دنیا کے رہنے والے! وہاں واقعی بہت بھوک لگتی ہے" وہ بولا۔ اس پر دوسرے لاما نے جو دارو غہ رسد تھا، بے چینی سے پہلو بدل کر کہا کہ اگر ہم اس طرح کھاتے رہے تو ان کے جھگّے کا ذخیرہ موسم سرما کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ آخر کار ہم نے اپنے ہاتھ روک لیے حالانکہ ابھی ہم اور بھی کھا سکتے تھے اور پھر میں نے گوتم بدھ کا ایک مقولہ دہرا کر اپنے میزبانوں کو دم بخود کر دیا۔

"ان کے قدم صحیح راستے پر ہیں۔ ان کے قدم صحیح راستے پر ہیں!" ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"بے شک!" لیو نے جواب دیا۔ "ہمارے اس موجودہ جنم میں ہمارے قدم پورے سولہ سو سال سے صحیح راستے پر ہیں۔ لیکن اے مقدس لوگو! تمہارے سامنے تو ابھی ہم طفلِ مکتب ہیں۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تارے کتنی دور ہیں اور سمندر کتنے وسیع ہیں اور ریگزار کتنے عریض ہیں؟ مطلب یہ کہ تم جانتے ہو کہ یہ راستہ کس قدر طویل ہے۔ ایک خواب کے ذریعے ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم یہاں آئیں اور تم سے اس طویل راستے کے اسرار معلوم کریں۔ کیونکہ اس خطے میں تم لوگ سارے لاماؤں سے بڑھ کر مقدس، عالم اور جہاندیدہ ہو۔"

"بے شک ہم ایسے ہی ہیں" کورین نے کہا۔ "خصوصاً اس لیے کہ یہاں سے پانچ مہینے کی مسافت پر اور کوئی خانقاہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر مسکرایا۔

"لیکن افسوس" اس نے ایک آہ بھر کر اضافہ کیا۔ "ہماری تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے۔"

اس کے بعد ہم نے ان سے اجازت چاہی کہ اپنے حجروں میں جا کر آرام کریں اور وہاں اپنے اپنے بستر پر، جو بستر کیا بستروں کی نقل تھے، پورے چوبیس گھنٹوں تک دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتے رہے اور جب بیدار ہوئے تو ہم لوگ تازہ دم تھے۔

چنانچہ یوں ہم اس خانقاہ میں، جسے خانقاہ کوہستان کہنا مناسب ہوگا، پہونچے۔ جہاں چھ مہینے کے لئے قیام کرنا ہمارے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ چند ہی دنوں میں ہم نے ان لاماؤں کا اعتبار حاصل کر لیا، وہ ہم سے بے تکلف ہو گئے اور تب ان سادہ لوح بوڑھے لاماؤں نے ہمیں اپنی پوری تاریخ بتا دی۔

معلوم ہوا کہ دورِ قدیم سے یہ خانقاہ موجود تھی جس میں سیکڑوں لامارہتے تھے اور یہ بیان غلط نہ تھا کیونکہ یہ عمارت بہت بڑی تھی۔ حالانکہ اب اس کا زیادہ تر حصہ کھنڈر بن چکا تھا اور بے حد قدیم بھی تھی جس کا ثبوت گوتم بدھ کا وہ ٹوٹا پھوٹا مجسمہ تھا جو بیٹھا ریگزار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کورین کے بیان کے مطابق کوئی دو صدیوں پہلے اس خانقاہ کے لاماؤں کو ایک وحشی قبیلے نے جو ریگزار اور اس کے کنارے کے پہاڑوں کی طرف رہتا ہے، حملہ کر کے قتل کر دیا۔ کورین نے بتلایا کہ یہ لوگ بے دین اور آتش پرست ہیں۔ چند لاما بمشکل اپنی جان بچا کر فرار ہونے اور یہ غمناک خبر باہر کی دنیا کو پہونچانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر پانچ پشتوں تک کسی نے اس طرف کا رخ نہ کیا۔

آخر ہمارے دوست کورین پر جب وہ جوان تھا، خواب میں یہ انکشاف کیا گیا کہ وہ دراصل اس خانقاہ کے ایک بے حد پرہیزگار لاما کا دوسرا جنم ہے۔ اس پہلے لاما کا نام بھی کورین تھا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ اپنے اس جنم میں بھی وہ

اس خانقاہ میں جائے اور اسے آباد کرے کہ یہ اس کا فرض ہے۔ اس صورت میں اس پر کشف کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور اسے "نروان" حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس نے بہت سے سرگرم اور کٹر بدھشٹوں کو جمع کیا اور پھر اپنے مرشد سے اجازت حاصل کر کے اس کی دعاؤں کے سائے میں یہ جماعت اس خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ بڑی مشکلوں اور دشواریوں سے اور راستے میں بہت سے ساتھیوں کو گنوانے کے بعد آخر کار یہ جماعت اس خانقاہ میں پہونچ گئی جس ضرورت اس کی مرمت کی اور پھر یہ لوگ یہاں مقیم ہو گئے۔

یہ پچاس سال پہلے کا واقعہ تھا اور تب سے یہ لوگ یہیں مقیم تھے اور کبھی کبھار بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ ابتدا میں وقتاً فوقتاً بیرونی دنیا سے لاما آجایا کرتے تھے اور یوں ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ لیکن پھر ان لوگوں کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔

"اور پھر کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"پھر؟" کوریتو نے جواب دیا "کچھ نہیں۔ ہم نے بڑی ریاضتیں کی ہیں، بڑی عبادتیں کی ہیں۔ چنانچہ یقین ہے کہ ہمیں مکتی مل جائے گی اور دوسرے عالم میں ہمیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا بھگوان بدھ نے وعدہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے؟ دنیا تو ہم عرصہ ہوا ترک کر ہی چکے ہیں۔"

رہیں دوسری باتیں تو ان کا یہ تھا کہ عبادات اور ریاضت سے فرصت پا کر یہ لوگ کاشتکاری کرتے تھے اور یہاں یہ میں بتا دوں کہ دامن کوہ بے حد زرخیز تھا۔ اس کے علاوہ یاک پالتے تھے اور ان کے گلے چراتے تھے۔ یوں یہ لوگ بھی سادہ زندگیاں گزارتے۔ یہاں تک موت انہیں آلیتی اور پھر ان کے اعتقاد کے مطابق

اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا اعتقاد غلط تھا ۔ زندگی کا یہ چکر اور کسی جگہ از
سر نو شروع ہو جاتا ہے۔

ہمارے یہاں پہونچنے کے فوراً بعد ہی، بلکہ جس دن ہم یہاں پہونچے تھے اس
دن سے موسم سرما شدومد سے بیٹھ گیا۔ سردی انتہا کو پہونچ گئی اور برف کے ایسے
طوفان شروع ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ارگرد برف سے ڈھک گیا۔ چنانچہ
اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ موسم سرما کے اختتام تک ہم یہیں ٹھہرے
رہیں کیونکہ اس موسم اور برف باری کے ان طوفانوں میں سفر کرنا خود اپنی موت
کو دعوت دینا تھا چنانچہ ہم نے صورتحال سے کوزین کو آگاہ کرتے ہوئے درخواست
کی کہ وہ ہمیں خانقاہ کے اس حصے میں جو کھنڈر بن چکا تھا، کوئی حجرہ قیام کرنے
کے لئے دے دے۔ تاکہ ہم ان کی عبادتوں میں مخل نہ ہوں۔ ہم نے کہا کہ برف میں
گڑھے کھود کر مچھلیاں پکڑیں گے، خانقاہ سے ذرا بلندی پر ایک تالاب تھا۔
جس کی سطح پر برف جم گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ وہاں سے ہمیں مچھلیاں مل جائیں
گی۔ اور وقتاً فوقتاً کسی جانور کا شکار بھی کر لیں گے لیکن کوزین نے ایک نہ
سنی۔ اس نے کہا ہمیں ان کا مہمان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ جب تک ہمارا قیام
یہاں رہے گا ہم ان کے مہمان بن کر رہیں گے۔ اس نے کہا کہ اگر لاماؤں نے میزبان
کی خدمت انجام نہ دی تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے تو کیا تم ان کی تمام عبادتوں پر
پانی پھیر کر انہیں گنہگار بنا دینا چاہتے ہو۔ پھر اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر بولا۔

"ہم دنیا کے جھمیلوں سے دور برسوں سے یہاں تنہائی میں رہتے ہیں۔ چنانچہ
ہم اس خانقاہ کے حالات سننے کے شائق ہیں جس کا نام دنیا ہے اور جہاں کے
عبادت گزاروں پر بھگوان کی وہ رحمتیں نازل نہیں ہوتیں جو ہم پر ہوتی ہیں۔ اور
جہاں نہ صرف جسم بھوکا رہتا ہے" اس نے احسان کیا "روح بھی تشنہ رہتی ہے۔"

بہت جلد ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان کا منشا یہ تھا کہ وہ ہمیں "صحیح راستے" پر چلا کر حقیقت کی منزل تک پہونچا دے، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ وہ چاہتا تھا کہ ہم انہی کی طرح تارک الدنیا بن کر "نروان" حاصل کر لیں۔

چنانچہ ان لوگوں کا دل رکھنے کی غرض سے ہم "سیدھے راستے" پر چلے اور قدیم معبد میں ان کے ساتھ عبادتوں میں شریک ہوئے جیسا کہ ہم اس سفر میں دوسری خانقاہوں میں پہلے بھی کر چکے تھے اور "کند جود" یعنی گوتم بدھ کے اقوال کے ترجمے کا بھی مطالعہ کیا۔ یہ کتاب بڑی طویل ہے اور ان کی مقدس کتاب ہے جیسی کہ ہماری مقدس کتاب بائیبل ہے۔ ہم نے ہمیشہ یہی ظاہر کیا کہ ہم بڑے ہی وسیع النظر ہیں اور یہ کہ تعصب سے کوسوں دور ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے۔ اسکے علاوہ ہم نے انھیں اپنے مذہب اور اس کی شریعت سے آگاہ کیا۔ اور یہ معلوم کر کے تو وہ لوگ بہت خوش ہوئے کہ ان کی شریعت ہماری شریعت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر ہم دس سال تک وہاں ٹھہر جاتے تو ان سب کو عیسائی بنا لیتے۔ اس کے علاوہ ہم نے انھیں اس خانقاہ کے قصے بھی سنائے جس کا نام دنیا ہے۔ وہ لوگ حیرت و غور سے ممالک عالم اور مختلف اقوام کے قصے سنتے اور محظوظ ہوتے رہے۔ کیونکہ وہ لوگ ملکوں میں صرف روس اور چین سے اور اقوام میں ان نیم وحشی قبائل سے واقف تھے جو پہاڑوں اور ریگستانوں میں رہتے تھے۔

"یہ سب باتیں معلوم کر لینا ہمارے لئے ضروری ہے۔" انہوں نے کہا۔ "کیونکہ کیا پتہ ہمارا دوسرا جنم انھیں مقامات میں سے کسی ایک مقام میں ہو۔"

حالانکہ ہمارا وقت اسی طرح مزے میں اور آج تک کی دشواریوں کے مدنظر سکون اور آرام سے گزر رہا تھا۔ لیکن ہمیں چین نہ تھا۔ دل اس کی تلاش کیلئے

بے قرار تھا جس کی تلاش میں ہم چلے تھے اور یہاں تک پہونچے تھے۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا، بلکہ ہمیں یقین تھا کہ ہماری منزلِ مقصود اب قریب تھی لیکن ہماری جسمانی کمزوری ہمیں ایک قدم بھی آگے بڑھانے نہ دیتی تھی۔ نیچے ریگزار پر برف باری ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ تیز ہوائیں چل رہی تھیں جو اس برف کو بالوں کی طرح اڑاتی پھر رہی تھیں اور ان کے بلند و بالا ٹیلے بنا دیتی تھیں۔ برف کے ان ٹیلوں تلے کوئی بھی بدنصیب مسافر زندہ دفن ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اب اسکے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا ہم یہیں، اسی خانقاہ میں بیٹھ کر اس طوفانی موسم کے گزر جانے کا انتظار کرتے اور یہی ہم نے کیا۔

وقت گزاری کے لیے یہاں ہمیں ایک چیز مل گئی یعنی لائبریری۔ ایک حجرے میں بہت سی کتابیں تھیں جو یقیناً ان گزرے ہوئے لاماؤں کی تھیں جنہیں ایک وحشی قبیلے نے قتل کر دیا تھا۔ کورین اور اس کی جماعت نے یہاں آکر ان کتابوں کو از سرِ نو ترتیب اور احتیاط سے رکھا تھا اور کورین نے بکمال مہربانی ان کے مطالعے کی اجازت ہمیں دے دی۔ یہ بے حد عمدہ اور میرے خیال میں بیش بہا ذخیرہ تھا۔ ان کتابوں میں بدھی، سیوا ستی، شوما ستی مخطوطے بھی تھے۔ جنہیں کبھی دیکھنا تو ایک طرف رہا ان کا ذکر بھی ہم نے بیرونی دنیا میں نہ سنا تھا۔ اس کے علاوہ مقدس ولیوں کی سوانح عمریاں تھیں اور اکثر ان زبانوں میں تھیں جو ہمارے لئے بالکل نئی تھی۔ یعنی ہم ان زبانوں سے واقف نہ تھے۔

ان سب میں دلچسپ ترین چیز ایک روزنامچہ تھا جو کئی جلدوں میں تھا۔ یہ روزنامچہ "خوبیل غان" یا اپنے وقت کے لامائے اعظم لکھتے آئے تھے۔ اس روزنامچے میں ہر اہم واقعہ بہ تفصیل درج تھا۔ اس روزنامچے کی آخری جلدوں میں سے ایک کی ورق گردانی کی تو ایک واقعے کی تفصیل پر نظر پڑی۔ یہ اندراج کوئی

دو سو سال پہلے، یعنی اس خانقاہ کی تباہی سے کچھ عرصہ پہلے کیا گیا تھا میں اس واقعے کا لب لباب یہاں لکھتا ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ روزنامچے کی وہ جلد میرے پاس سے نہیں، چنانچہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنے حافظے سے لکھ رہا ہوں اس لیے یہ لفظ بہ لفظ نقل نہیں ہے۔

اندراج یوں تھا:۔

"اس سال کے موسم سرما میں ہمارے ایک برادر کو (یہاں اس کا نام درج تھا جو مجھے یاد نہیں رہا) ریگستان میں ایک شخص ملا جو اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو پرلی طرف کے پہاڑوں کے اس پار بسا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق ہم نے وقتاً فوقتاً بہت سی افواہیں سنی تھیں۔ یہ شخص زندہ تھا۔ لیکن اس کے قریب ہی اس کے دو ساتھی پڑے ہوئے تھے جن کا خاتمہ ریت اور پیاس نے کر دیا تھا۔ یہ شخص بے حد خونخوار اور نرا وحشی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے یہ بتانے سے انکار کر دیا کہ وہ ریگستان میں کہاں سے اور کیسے آگیا! البتہ یہ کہا کہ وہ اسی راستے آیا تھا جو دور قدیم میں جب اس قبیلے کا رابطہ بیرونی دنیا سے قائم تھا۔ کھلا تھا اور جس پر چل کر اس کے اجداد اس طرف آجایا کرتے تھے۔ بہر حال ہم نے اندازہ لگایا کہ اس کے دونوں بھائیوں نے جو ریگستان میں مرے پڑے تھے، کوئی ایسا جرم کیا تھا، جس کی سزا موت تھی۔ چنانچہ اس سزا سے بچنے کیلئے وہ اپنے علاقے سے بھاگ گئے تھے اور اس فرار میں ان کا ساتھ اس شخص نے بھی دیا تھا۔ اس نے بتایا کہ پہاڑوں کے دوسری طرف کا علاقہ بے حد زرخیز ہے۔ لیکن وہاں اکثر قحط پڑتا اور زلزلے آتے رہتے ہیں۔ یہ اس نے غلط نہ کہا تھا کیونکہ زلزلوں کے جھٹکے تو ہم نے یہاں بھی محسوس کیے تھے۔

اس نے بتایا کہ اس علاقے کے لوگ بڑے جنگجو ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت

زیادہ ہے لیکن وہ زراعت پیشہ ہیں۔ وہ شروع سے وہیں آباد ہیں اور ان پر کہ "خان" حکومت کرتا ہے۔ یہ حاکم جس کا لقب "خان" ہوتا ہے۔ یونانی فاتح سکندر کی نسل سے ہیں، اسی سکندر کی جو فاتح عالم کہلاتا ہے اور جس نے اسی طرف کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اس کا یہ بیان بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس فاتح نے کوئی دو ہزار سال پہلے ایک لشکر جرار اس طرف بھیجا تھا۔ البتہ خود سکندر کا اس لشکر کے ساتھ ہونا تاریخ سے ثابت نہیں۔

اس اجنبی نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ اس کا قبیلہ ایک دیوی کی پرستش کرتا ہے جو "ہز" یا "ہوزیہ" کہلاتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ نسلاً بعد نسل حکومت کرتی چلی آئی ہے۔ یہ دیوی ایک عظیم اور الگ پہاڑ میں رہتی ہے۔ لوگ اس کا احترام کرتے اور اس سے ڈرتے ہیں لیکن وہ حکمراں نہیں ہے اور نہ ہی ملکی سیاست میں حصہ لیتی ہے۔ البتہ اس پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں اور جس کسی پر اس دیوی کا غضب نازل ہوتا ہے وہ بہرحال مر جاتا ہے۔ ملک کے سردار اور حکمراں بھی اس سے ڈرتے ہیں۔ اس کے باوجود دیوی کے پرستاروں اور رعایا میں خانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔

جب اس شخص نے کہا کہ یہ عورت "ہوزیہ" غیر فانی ہے تو ہم نے کہا کہ وہ جھوٹ بکتا ہے، کیونکہ ہمارے خیال میں وہ جھوٹ ہی بول رہا تھا۔ اس لیے کہ اس دنیا میں کوئی چیز غیر فانی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جب اس نے اس "ہز" یا "ہوزیہ" کی قوتوں کا بیان کیا تو ہم ہنسنے لگے۔ اس پر اس شخص کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ گو تم بدھ بھی ایسی زبردست قوتوں کے مالک نہیں جیسی کہ وہ دیوی ہے اور یہ کہ یہ بات وہ ہم پر اپنا غضب نازل کر کے ثابت کر دے گی۔

"اس کے بعد ہم نے اسے کھانا دیا اور خانقاہ سے باہر کر دیا۔ وہ یہ کہتا ہوا

چلا گیا کہ جب وہ واپس آئے گا تو پتہ چل جائے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس شخص کا کیا بنا اور اس نے اپنے علاقے کا راستہ جو ریگستان اور دور کے پہاڑوں کے دوسری طرف ہے بتانے سے انکار کر دیا۔ ہمارے خیال میں وہ کوئی بد روح تھا جسے ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔"

تو یہ تھا وہ اندراج جو ہر چند کہ واضح نہ تھا تاہم اس نے ہم پر ایک سنسنی طاری کر دی تھی اور دل میں امید کی شعاع روشن کر دی۔ اس کے بعد اس شخص یا اس علاقے کے متعلق کہیں کوئی تحریر نہ تھی۔ اس کے ایک سال بعد یہ روزنامچہ دفعتہً ختم ہو گیا تھا نہ تو اس میں کسی غیر معمولی واقعے کا اظہار تھا اور نہ ہی اس کے وقوع پذیر ہونے کی توقع کا کوئی ذکر تھا۔

آخری تحریر جو تھی اس میں [illegible] کے لیے کہیں کوچ کر جانے کا ذکر تھا تاکہ آئندہ موسم میں وہاں [illegible] کی کاشت کی جا سکے۔ جیسا کہ معلوم ہوا کہ خانقاہ والوں کو نہ تو کسی بیرونی شخص کا خوف تھا اور نہ ہی اس کی توقع تھی۔ ہم سوچنے لگے کہ کیا [illegible] کو کسی بات کا پتہ تھا کہ اس نے خانقاہ والوں پر دیوی ہوزیہ کا غضب نازل کروا دیا۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی سوچنے لگے کہ یہ ہوزیہ کون اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس دریافت کے دوسرے دن ہم بزرگ کوزین کو اپنے ساتھ لائبریری میں لے آئے۔ ہم نے اسے یہ اندراج پڑھ کر سنایا اور پھر پوچھا کہ وہ اس کے متعلق کچھ جانتا ہے؟ اس نے اپنا سفید بوڑھا سر ہلایا جسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ کچھوا یاد آ جاتا تھا، اور کہا:

"میں بہت کم جانتا ہوں۔ بہت ہی کم اور وہ بھی صرف اس یونانی فاتح کے متعلق

جس کا ذکر اس روزنامچے میں ہے۔"

"ہم نے پوچھا کہ وہ اس کے متعلق جو کچھ جانتا ہے اس سے اگر مناسب سمجھے تو ہمیں بھی آگاہ کر دے۔"

اس نے اس پر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب بُدھ مت کا آغاز ہی ہوا تھا۔ اس وقت میں ایک ادنیٰ برادر کے طور پر اسی خانقاہ میں رہتا تھا جو نئی نئی بنی تھی اور اس مذہب کی یہ پہلی خانقاہ تھی۔ چنانچہ اس وقت میں نے اس یونانی بادشاہ کے لشکر کو یہاں سے گزرتے دیکھا تھا اور وہ" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ میرے حالیہ جنم کا پچاسواں پھیرا تھا اس دنیا میں۔ نہیں! نہیں! یہ میں ایک دوسرے ہی جنم کا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ یونانی بادشاہ کا لشکر یہاں سے میرے تہترویں جنم میں گزرا تھا۔"[1]

بڑے میاں کی اس "ہرزہ سرائی" پر لیو بے اختیار ہنس پڑا لیکن میں نے میز کے نیچے سے ٹھوکر ماری تو اپنی ہنسی کو چھینک میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور یہ اچھا ہی ہوا ورنہ اس قسم کے مذاق سے کورتی کے لطیف جذبات کو ٹھیس پہونچتی اور وہ شاید ہم سے خفا ہو جاتا۔ اس کے علاوہ ایسے حالات میں مسئلہ تناسخ کا مذاق اڑانا مناسب بھی نہیں کیونکہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی اس پر یقین رکھتی ہے۔ ویسے بھی ہر مذہب کا احترام ہم پہ

---

[1] : جن لوگوں نے بُدھ مت اور اس کے پیرو پیشواؤں کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ لوگ اپنے گزرے جنم کے واقعات بڑے یقین سے بیان کیا کرتے ہیں۔ مؤلف۔

لازم ہے۔

"اے میرے محترم! آپ بُرا نہ مانیں، یہ میں صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے پوچھ رہا ہوں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ دوسرے جنم کے واقعات انسان کو یاد رہیں خصوصاً اس صورت میں جب کہ موت تمام یادداشتوں کو ختم کر دیتی ہے۔۔۔؟"

"برادر ہالی!" کورین نے جواب دیا۔ "بظاہر معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ موت تمام یادداشتوں کو ختم کر دیتی ہے لیکن اکثر اوقات یہ یادداشتیں عود کر آتی ہیں۔ خصوصاً ان لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے صحیح راستے کی منازل طے کی ہوں۔ مثلاً مجھے کچھ یاد نہ تھا لیکن جب تم نے روزنامچے کا یہ قصہ پڑھا تو مجھے دفعتہً وہ لشکر یاد آ گیا۔ اور اب میں اس لشکر کو باقاعدہ گزرتے دیکھ رہا ہوں اور پھر یہی دیکھ رہا ہوں کہ میں مہاتما بدھ کے اس بڑے مجسمے کے قریب خانقاہ کے دوسرے لاماؤں کے ساتھ کھڑا ہوا ہوں اور لشکر کو گزرتے دیکھ رہا ہوں۔ اب مجھے یہ بھی یاد آیا کہ یہ کوئی لشکر جرار نہ تھا۔ کیونکہ زیادہ تر سپاہی مرکھپ گئے تھے یا مارے گئے تھے اور ان کا تعاقب وہ وحشی لوگ کر رہے تھے جو اس زمانے میں یہاں سے جنوب میں رہتے تھے۔ چنانچہ یہ لشکر بڑی عجلت میں تھا۔ کیونکہ یہ لوگ چاہتے تھے کہ ان کے اور ان کا تعاقب کرنے والوں کے درمیان ریگستان حائل ہو جائے۔ اس لشکر کا افسر دیو قامت شخص تھا کاش کہ اس کا نام مجھے یاد آ جاتا۔"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد کورین نے کہا:۔

"خیر تو وہ افسر خانقاہ میں آیا اور درخواست کی کہ اس کی بیوی اور بچوں کے سونے کا انتظام یہاں کر دیا جائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ان کے لئے غلے اور دوائیں بھی مہیا کر دی جائیں اور ایک راہبر بھی ان کے ساتھ کر دیا جائے جو انھیں صحرا کے دوسری

طرف پہونچا دے۔ اس وقت کے لامائے اعظم نے جواب دیا کہ اصول اور قانون کی رو سے خانقاہ میں کسی عورت کو سونے دینا گناہ ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو پھر وہ خانقاہ کو آگ لگا دے گا اور ہم میں ہر ایک کو قتل کر دے گا۔ اب یہ تو تم جانتے ہو کہ تشدد سے مارے جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں نئے جنم اور بہت سے جنم مختلف جانوروں کی شکل میں لینے پڑتے ہیں اور یہ بڑی ہی لرزہ خیز بات ہے۔ چنانچہ ہم نے دونوں میں سے جو کم بری بات تھی اسے پسند کیا اور اس کی بیوی اور بچوں کو پناہ دی۔ بعد میں ہم نے اپنے بڑے لامائے سامنے توبہ کر کے اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کیا۔ میں نے تو اس ملکہ کو نہیں دیکھا البتہ ان کی دیوی کاہنہ کو دیکھا تھا ہائے افسوس! افسوس!

اور کو ایٹن نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مارا۔

"کیوں؟ یہ افسوس کیوں؟" میں نے بظاہر بے تکلفی سے پوچھا کیونکہ یہ کہانی مجھے غیر معمولی طور پر دلچسپ معلوم ہو رہی تھی۔

"کیوں؟ اس لیے کہ میں اس لشکر کو تو بھول سکتا ہوں لیکن اس کاہنہ کو کبھی نہ بھولوں گا۔ میرے ہر جنم میں یہ کاہنہ میرے لئے ایک بڑی رکاوٹ رہی ہے اس میری دوسری دنیا کے سفر کو اور کسی کو میرے لئے ناقابلِ وصول بنا رہی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں ایک ادنیٰ سے لاما کے طور پر اس کے لیے حجرہ تیار کر رہا تھا کہ وہ اندر آئی اور اس نے اپنی نقاب اتار پھینکی اور یہ دیکھ کر کہ میں جوان ہوں اس نے مجھ سے بات کی اور بہت سے سوالات پوچھے اور یہ بھی پوچھا کہ اس کی صورت دیکھ لینے کے بعد کیا میں کسی دوسری حسینہ کی طرف دیکھنا پسند کروں گا؟"

"کیسی ___ کیسی تھی وہ!" لیو نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیسی تھی؟ یوں سمجھو کہ وہ حسنِ مجسم تھی۔ سارا حسن اس پر ختم تھا۔ وہ برف پر چمکتی

ہوئی صبح کی طرح تھی۔ وہ پہاڑ پر چمکتے ہوئے شام کے تاروں کی طرح تھی، وہ موسم بہار کے پہلے پھول کی طرح تھی۔ برادر یہ نہ پوچھو کہ وہ کیسی تھی۔ کیونکہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور اب اس کے حسن کے متعلق مزید کچھ کہوں گا بھی نہیں۔ ہائے میرا گناہ! گناہ! میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور تم مجھے اپنا گناہ بیان کرنے پر مجبور کر رہے ہو۔ نہیں۔ میں اعتراف کیے لیتا ہوں کہ یہ شخص جسے تم شاید مقدس سمجھ رہے ہو، کس قدر گنہگار اور آلودہ ہے۔ اس عورت نے، بشرطیکہ وہ عورت ہی تھی، میرے دل میں آگ بھڑکا دی۔ ویسی آگ جو نہ بجھائے نہ بجھی۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن ستم بالائے ستم یہ ہوا۔" اور یہاں کوئن اپنی تپائی پر ڈھلنے لگا۔ اور اس کی عینک کے پیچھے سے ندامت کے آنسو بہنے لگے۔" کہ اس نے مجھ سے اپنی پرستش کروا دی۔ ابتدا میں اس نے مجھ سے میرے مذہب کے متعلق پوچھا اور میرا بیان وہ غور اور توجہ سے سنتی رہی۔ مجھے امید تھی کہ اس کاہنہ کا دل روشن ہو جائے گا اور جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔۔

"۔۔۔ تو تمہارا راستہ ترکِ دنیا ہے۔ اور نروان محض لایعنی ہے جسے حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی عقلمند اتنے مصائب برداشت نہ کرے گا۔ چنانچہ اب میں تمہیں ایک آسان اور خوشگوار راستہ اور وہ دیوی بتاتی ہوں جو پوجے جانے کے قابل ہے"

"کون سا راستہ اور کون سی دیوی؟ میں نے اس سے پوچھا۔

"عشق اور حیات کا راستہ جس کی وجہ سے خود تو وجود میں آیا اے نروان کے متلاشی اور وہ دیوی ہے فطرت۔"

میں نے پھر پوچھا کہ "وہ دیوی کہاں ہے؟"

"تو دیکھو" وہ کاہنہ تن کر کھڑی ہو گئی اور وہ بڑی شاندار اور مرعوب کن معلوم ہو رہی تھی اور پھر اس نے اپنے مرمریں سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔" میں ہوں وہ

دیوی جھک جاؤ میرے سامنے اور سجدہ کرو۔"

"اے میرے بھائیو! میں اس کے سامنے جھک گیا، ہاں، میں نے اسکے قدم چوم لئے اور پھر خود اپنے آپ سے شرمندہ اور دل شکستہ میں وہاں سے بھاگ گیا۔ اور تب میں نے اسے ہنستے سنا اور اس کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی۔" اے اس کے پجاری جس کا نام بدھ ہے، جب تم دیوچن (ملک عدم) میں پہونچ جاؤ تو مجھے یاد رکھنا کیونکہ میں روپ تو بدل لیتی ہوں لیکن مرتی نہیں اور وہاں دیوچن میں بھی میں تمہارے ساتھ ہوں گی کیونکہ یہاں تم نے مجھے سجدہ کیا ہے۔ مجھے پوجا ہے۔"

"ہاں میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے! حالانکہ میں اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرچکا ہوں اور اس کے لئے مجھے سخت اذیتیں برداشت کرنا پڑی ہیں۔ تاہم میں اس کا ہنسنے سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکا۔ رہا نروان تو وہ میرے لئے ابھی دور ہے، بہت دور ہے۔"

اور کوریو نے اپنے خشک ہاتھوں سے اپنا جھریوں پڑا چہرہ ڈھک لیا اور بچوں کی طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

یہ واقعی بڑا مضحکہ خیز منظر تھا کہ اسی سالہ مقدس خوبیل غان بچوں کی طرح اس عورت کے خیال سے رو رہا تھا جسے اس نے اپنے پچھلے جنم میں اور کوئی دو ہزار سال پہلے دیکھا تھا۔ یہ اس کا خیال تھا یا خواب کیونکہ حقیقت تو ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن مجھے چند در چند وجوہات کی بنا پر اس بڈھے پر رحم آرہا تھا اور میری ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔ ہم نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اسے یقین دلایا کہ وہ کسی واہمہ کا شکار ہے اور یہ کہ اس کی سزا اسے نہ ملے گی کیونکہ اگر اس نے گناہ کیا بھی تھا اور اس کے خیال میں وہ گناہ ہی تھا تب بھی اس کا یہ گناہ کبھی کا بخشا جاچکا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ آخر کار اسے قدرے سکون ہوا تو ہم نے اس سے مزید معلومات حاصل

کرنے کی کوشش کی خصوصاً اس کاہنہ کے متعلق لیکن اب اور کچھ زیادہ نہ بتا سکا۔
اس نے کہا کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کاہنہ کا مذہب کیا تھا اور یہ کہ اسے ایسے
کوئی دلچسپی بھی نہیں۔ البتہ اس کے خیال میں وہ کوئی بڑا ہی شیطانی مذہب ہوگا۔
دوسرے دن صبح وہ کاہنہ لشکر کے ساتھ چلی گئی اور پھر اسے کورین نے نہ تو کبھی
دیکھا اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ سنا۔ ٹھیک ہے، یاد آیا، ایک بات سنی تھی۔
جو اس دور کے لامائے اعظم نے برادروں کو بتائی تھی۔ اس لشکر کا سردار نہ
بادشاہ تھا اور نہ ملکہ بلکہ اصل سردار وہی کاہنہ تھی اور ملکہ کو اس سے سخت
نفرت تھی اور یہ اسی کی مرضی سے لشکر شمال کی طرف اور ریگستان کے اس پار اور کسی
ایسے علاقے کی طرف گیا تھا جو پہاڑوں کے دوسری طرف ہے۔ تاکہ کاہنہ وہاں
قیام کر کے اپنی پرستش جاری کروا سکے۔ کورین نے بتایا کہ جب وہ کاہنہ یہاں
سے روانہ ہوئی ہے تو اسے، یعنی کورین کو خوف ہوا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا
جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو ایک حجرے میں بند کر لیا اور پورے آٹھ دنوں
تک اسی حجرے میں بند رہا۔

ہم نے پوچھا کہ کیا واقعی پہاڑوں کے دوسری طرف کوئی ملک ہے؟ تو کورین
نے جھکے ہوئے انداز میں جواب دیا کہ اس کے خیال میں بے شک ہے۔ اس جنم میں
یا پھر پچھلے جنم میں اس نے سنا تھا کہ وہاں آبادی ہے اور یہ کہ وہاں کے لوگ آتش
پرست ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک لاما، جو تنہائی میں عبادت و ریاضت کے
لیے سامنے والے پہاڑوں کی بلند ترین چوٹی پر گیا تھا ___ یہ تینس سال پہلے کا
واقعہ ہے ___ اس نے واپس آکر بتایا کہ اس نے ایک عجیب و غریب چیز دیکھی ہے۔
یعنی روشنی کا ایک مینار جو ان پہاڑوں کے عقب میں چمکتا ہے، اب وہ یہ نہ
بتا سکا کہ یہ اس کا وہم تھا یا خواب تھا یا کیا تھا۔ البتہ، کورین نے کہا، اسے اچھی

طرح سے یاد ہے کہ اسی زمانے میں انھوں نے لڑنے کا ایک زبردست جھٹکا محسوس کیا تھا ۔۔۔

اور ایک بار پھر کوزین کو وہ کاہنہ ہورا پنا گناہ یاد آگیا اور وہ روتا اور سینہ کوبی کرتا رخصت ہوا اور پورے ایک ہفتے تک نظر نہ آیا اور نہ ہی پھر کبھی اس نے ہم سے اس موضوع پر گفتگو کی ۔

لیکن میں اور لیو اس پر بڑی لمبی چوڑی بحثیں کرتے رہے اور ہمارے دل میں امید کی شعاع روشن ہو گئی اور ہم نے فیصلہ کر لیا کہ جتنی جلد ممکن ہو گا اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دیکھیں گے ۔

تیسرا باب

رہنما روشنی

ایک مہینے بعد ہمیں اس پہاڑ پر چڑھنے کا موقع مل گیا کیونکہ اب موسم سرما کا وسط تھا اور برف کے طوفان ختم ہو گئے تھے اور اب برف جم کر سخت ہونے لگی تھی چنانچہ اس پر چلنا آسان تھا ۔ اس کے علاوہ لاماؤں سے پتہ چلا کہ اس موسم میں اس طرف کے بارہ سنگھے جو "اوس پالی" کہلاتے ہیں اور دوسری قسم کا بڑا شکار چارے کی تلاش میں اور پناہ لینے کے لئے پہاڑوں پر سے وادی میں اتر آتا ہے ۔ چنانچہ ہم نے اعلان کیا کہ ہم شکار کو جا رہے ہیں بہانا یہ بنایا کہ خانقاہ ہی میں پڑے پڑے ہم نہ صرف اکتا گئے ہیں بلکہ ہمارے اعضا میں بھی ایک طرح کی گسلمندی آگئی ہے ۔ چنانچہ ہمیں ورزش کی سخت ضرورت ہے اور یہ کہ ہمارے مذہب میں شکار کی ممانعت نہیں ہے ۔ ہمارے میزبانوں نے کہا کہ اس وقت شکار کو بلکہ

خانقاہ سے باہر بھی جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ موسم کسی بھی وقت بدل سکتا ہے۔
البتہ انہوں نے یہ بتایا کہ اس پہاڑ پر، جس پر ہم چڑھنے جا رہے ہیں، ایک بڑا قدرتی غار ہے جہاں بوقت ضرورت پناہ لے سکتے ہیں۔ ان لاماؤں میں سے ایک لاما نے، جو تمام لاماؤں سے کچھ کم عمر اور پھرتیلا تھا، ہمیں پہونچانے کی پیش کش کردی۔ چنانچہ ایک دن علی الصباح ہم نے چرمی خیمے اپنے لوڑ سے یاک پر، جو ان ماہ میں تندرست و توانا ہو گیا تھا، لادے اور اس لاما کی رہبری میں خانقاہ سے نکل کر غار کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ لاما معمر ہونے کے باوجود بڑا ہی تیز رو تھا چنانچہ ہم دوپہر ہونے سے پہلے پہاڑ کی شمالی ڈھلان پر پہونچ چکے تھے۔ یہاں ہمیں وہ غار مل گیا جس کا ذکر لاماؤں نے کیا تھا۔ یہ غار کافی بڑا تھا اور اس کے دہانے پر ایک چٹان گھونگھٹ کی طرح جھکی ہوئی تھی۔ کسی خاص موسم میں یہ غار جانوروں کی پناہ گاہ بنتا ہو گا کیونکہ اس کے فرش پر ان جانوروں کی خشک لید کے انبار بکھرے ہوئے تھے۔ یہ لید جلائی جا سکتی تھی چنانچہ ہمیں اب ایندھن کی فکر نہ تھی۔
دن کا بقیہ حصہ ہم نے یوں گزارا کہ پہلے تو غار میں اپنے خیمے نصب کیے، الاؤ جلایا اور پھر ڈھلان اور پہاڑ کی چوٹی کا معائنہ کیا۔ لاما سے ہم نے یہ کہا کہ ہم جنگلی بکروں کے پیروں کے نشانات تلاش کر رہے ہیں۔ اب اسے اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ جب ہم غار کی طرف واپس آ رہے تھے تو ایک سائے کی جگہ میں جنگلی بکروں کا چھوٹا سا ریوڑ نظر آیا جو وہاں اگی ہوئی گھاس کھا رہا تھا۔ ہم نے ان میں سے دو آسانی سے مار گرائے۔ کیونکہ ان جانوروں کا سابقہ کبھی پہلے شکاریوں سے نہ پڑا تھا۔ اس موسم میں گوشت کے خراب ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ اب ہمارے پاس اتنا گوشت تھا جو دو ہفتوں کیلئے کافی ہو سکتا تھا۔ دونوں بکروں کو ہم برف پر آسانی سے گھسیٹ لائے اور دن کی

ختم ہوتی ہوئی روشنی میں غار کے دہانے کے سامنے بیٹھ کر ان کی کھالیں اتارنے لگے۔ اس شام ہم نے تازہ گوشت کھایا چونکہ ایک عرصے کے بعد ملا تھا اس لیے کھانے میں بے حد لطف آیا۔ لاما نے بھی مزے لے لے کر گوشت کھایا۔ جان لینے کے متعلق اس کے خیالات مذہبًا کیسے ہی کیوں نہ ہوں بہر حال گوشت اسے بھی پسند تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم خیمے میں گھسے اور گرمی حاصل کرنے کے لیے گٹھریاں بن کر سو رہے کیونکہ اب سردی کا زور بڑھ گیا تھا۔ لاما بے خبر سو گیا۔ لیکن میں اور لیو نہ تو گہری نیند سو سکے اور نہ ہی زیادہ دیر تک سو سکے اس خیال نے ہماری نیند اڑا دی تھی کہ خدا جانے پہاڑ کی چوٹی پر سے ہم کیا دیکھیں گے۔

دوسرے دن صبح اٹھے تو موسم پرسکون تھا۔ چنانچہ لاما ہم سے رخصت ہو کر خانقاہ کی طرف چل دیا ہم نے اس سے کہا کہ دو تین دن میں ہم بھی خانقاہ پہنچ جائیں گے۔

اب ہم اکیلے تھے۔ چنانچہ ایک سکنڈ بھی ضائع کیے بغیر ہم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگے۔ یہ کئی ہزار فٹ بلند تھی اور اکثر جگہ عمودی تھی۔ لیکن گہری اور جمی ہوئی برف چڑھائی کو آسان بنا رہی تھی۔ چنانچہ دوپہر ہوتے ہوتے ہم چوٹی پر تھے۔ یہاں سے جو منظر دکھا وہ بے حد شاندار تھا۔ ہمارے قدموں میں ریگزار بچھا ہوا تھا اور اسکے دوسری طرف برف پوش پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ سامنے اور دائیں بائیں بس پہاڑ ہی پہاڑ۔ حد نظر تک اونچی اونچی اور برف کی دستار باندھی ہوئی چوٹیاں۔

"یہ بالکل وہی پہاڑ ہیں جنہیں میں نے کئی برسوں پہلے خواب میں دیکھا تھا۔" لیو نے کہا "وہی — بالکل وہی!"

"اور وہ آتشی مینار کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اس طرف!"

اور لیو نے شمال مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

"بہر حال وہ اس وقت تو وہاں نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور یہاں سردی کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتی ہے۔"

وہاں ٹھہرنا خطرناک تھا کیونکہ خوف تھا کہ واپسی میں اندھیرا ہمیں آ لے گا اور پھر اترنا ناممکن ہو گا۔ چنانچہ ہم اتر آئے اور سورج غروب ہونے تک اپنے غار میں پہونچ چکے تھے۔ ہمارے بعد کے چار دن بھی اسی طرح گزرے۔ صبح ہم چڑھائی شروع کر کے چوٹی پر پہونچتے اور سہ پہر کے وقت نیچے اترنا شروع کرتے اور غار میں واپس آ جاتے۔ اس بے مقصد دوڑ دھوپ سے آخر کار میں تنگ آ گیا۔

یہ چوتھی رات کا ذکر ہے کہ لیو خیمے میں سونے کے بجائے غار کے دہانے میں بیٹھا رہا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کچھ خفگی اور کچھ بے قراری سے جواب دیا۔

"میری مرضی!"

چنانچہ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بے حد پریشان اور اداس تھا کیونکہ ہمارے سارے ہیر پھیرے اور تگ و دو محض بے نتیجہ رہی تھی۔ اس کے علاوہ ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ ہم زیادہ دنوں تک یہاں نہ ٹھہر سکتے تھے کیونکہ موسم کسی وقت بھی تبدیل ہو کر ہماری چڑھائی کو، میرا مطلب، چوٹی تک چڑھائی سے بے نا ممکن بنا سکتا تھا۔

آدھی رات گزر چکی تھی جب لیو نے جھنجھوڑ کر مجھے جگا دیا۔

"ہورلیس!" وہ کہہ رہا تھا۔ "آؤ۔ تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔"

میں جی کڑا کر کے گرم بستر میں سے نکل آیا اور پھر لیو کے ساتھ خیمے سے باہر آ گیا۔ کپڑے پہننے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہم پورا لباس پہن کر ہی سوتے تھے۔

لیو مجھے غار سے باہر لے آیا اور وہاں کھڑے ہو کر اس نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اس طرف دیکھا۔ رات گھپ اندھیری تھی۔ لیکن دور بہت دور اندھیرے افق پر روشنی کا ایک بے رونق سا نقطہ آ رہا تھا۔ یہ بے حد دھندلی روشنی تھی جیسے کسی زبردست آگ کا عکس ہو۔

"تمہارے خیال میں کیا ہو سکتا ہے وہ؟" لیو نے پوچھا۔

"میرے خیال میں تو کوئی خاص چیز نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔ "کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ؟"

"مثلاً؟"

"مثلاً چاند۔ لیکن نہیں یہ چاندنی راتیں کہاں ہیں؟ پو پھٹ رہی ہے۔ نہیں یہ بھی نہیں کیونکہ یہ بہت شمال میں ہے اس کے علاوہ پو پھٹنے میں ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ میرے خیال میں کوئی چیز جل رہی ہے۔ شاید کوئی مکان یا چتا۔ لیکن اس طرف ایسی چیزیں کہاں سے آ گئیں۔ میری تو عقل حیران ہے چنانچہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

"میرے خیال میں یہ عکس ہے اور اگر اس وقت ہم چوٹی پر ہوتے تو اس روشنی کو دیکھ سکتے جس کا یہ عکس ہے۔" لیو نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں لیکن ہم چوٹی پر نہیں ہیں اور اندھیرے میں چڑھنا ممکن بھی نہیں۔"

"تو پھر ہو رہیں! ہمیں ایک رات چوٹی پر گزارنی چاہیے۔"

"اور اگر برف باری ہوئی تو پھر وہ رات ہمارے اس جنم کی آخری رات ہو گی" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بہر حال ہمیں یہ خطرہ مول لینا چاہیے۔ نہیں کیوں؟ میں اکیلا ہی مول لوں گا۔ لو وہ روشنی غائب ہو گئی۔"

یہ اس نے غلط نہ کہا تھا۔ روشنی واقعی غائب ہو گئی تھی اور رات ایک بار پھر اندھیری تھی۔

"اس کے متعلق اب کل صبح باتیں ہوں گی"۔ میں نے کہا۔

مجھ پر نیند کا غلبہ تھا اور دل میں کچھ بے یقینی سی تھی چنانچہ میں خیمے میں چلا گیا لیکن لیو وہیں، غار کے دہانے پر بیٹھا رہا۔

صبح میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ ناشتہ تیار تھا۔

"مجھے اس وقت روانہ ہونا ہے"۔ لیو نے کہا۔

"دیوانے ہو گئے ہو"۔ میں پریشان ہو گیا "چوٹی پر ہم پڑاؤ کہاں ڈال سکتے ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا لیکن میرا جانا ضروری ہے۔ سمجھ لیں اب میں جا رہا ہوں۔"

"مطلب یہ کہ ہم دونوں کا جانا ضروری ہے لیکن اس یاک کا کیا ہو گا؟"

"جہاں ہم چڑھ سکتے ہیں وہاں یہ بھی چڑھ سکتا ہے"۔

چنانچہ ہم نے خیمہ اور دوسری چیزوں کے علاوہ خاص مقدار میں پکا ہوا گوشت بھی یاک کی پیٹھ پر باندھا اور روانہ ہو گئے اور اس دفعہ ہمیں چکر کاٹ کر اور طے راستے سے جانا پڑا۔ پچھلی دفعہ ہم جس راستے سے اوپر چڑھے تھے وہاں ہم نے کلہاڑی سے جمی ہوئی برف کو کاٹ کر پاؤں نکالنے کی جگہ بنائی تھی۔ نیچے سے اوپر تک اور یہ چڑھائی آسان تھی لیکن یہ چڑھائی لدا ہوا یاک نہ چڑھ سکتا تھا۔ آخر کار ہم چوٹی پہ پہونچ گئے اور وہاں کھنڈ بنا کر خیمہ گاڑ دیا اور کھودی ہوئی برف کا پشتہ سا خیمے کے چاروں طرف بنا دیا۔ اس عرصے میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ چنانچہ ہم یاک سمیت خیمے میں اتر گئے کھانا کھایا اور پھر انتظار کرنے لگے۔

خدایا! کیا سردی تھی۔ سخت خطرناک تھی اور اس بلند مقام پر سرد ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے جو ہمارے لباس میں گھس کر ہڈیوں کے گودے تک کو ٹھٹھرا رہی تھی۔

خوش قسمتی سے ہم یاک کو اپنے ساتھ لائے تھے اور اس کے بدن پر کے لانبے بال ہمیں گرمی پہونچا رہے تھے۔ یقیناً ورنہ ہم ٹھٹھر کر مر جاتے۔ جہاں۔ خیمے میں بھی ٹھٹھر جاتا۔ ایسی قاتل سردی تھی اس بلندی پر۔ چند گھنٹوں تک ہم منتظر بیٹھے رہے کیونکہ اگر سوتے تو پھر قیامت کے دن ہی بیدار ہوتے۔ ان تمام گھنٹوں میں ہمیں کچھ نظر نہ آیا سوائے ستاروں کے اور خاموشی بڑی ہی خوفناک تھی کیونکہ یہاں ہوا بھی بغیر کسی قسم کی آواز پیدا کیے برف پر پھیل رہی تھی۔ اس قسم کی زندگی کا اور ایسی سردی کا میں عادی نہ تھا۔ چنانچہ میرے اعضا سُن اور آنکھیں بند ہونے لگیں۔

یکایک لیو نے کہا۔

"دیکھو اس سُرخ ستارے کے عین نیچے"۔

میں نے دیکھا وہی روشنی وہی عکس تھا۔ جو ہمیں گزشتہ رات دکھائی دیا تھا لیکن اس دفعہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔ اس عکس کے عین نیچے، ہماری نظروں کی میدھ میں اور اونچی نیچی چوٹیوں سے اوپر آگ کی ایک چادر سی نظر آئی اور اس کی روشنی میں کوئی کالی چیز ہم دیکھ رہے تھے کہ یہ آگ پھیل گئی، اوپر کی طرف اٹھی، بلند ہوئی اور زیادہ شدت اختیار کر گئی۔ اس کے حجم اور شدت میں یوں اضافہ ہوا تو اس کے (آگ کے) پس منظر میں وہ کالی چیز صاف نظر آنے لگی۔ یہ ایک بلند چٹان تھی جس کی چوٹی پر حلقہ بنا ہوا تھا۔ بالکل ایسا ہی جیسا کہ فراعنہ کے عصائے حیات و قوت میں ہوتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک و شبہہ کی گنجائش نہ تھی کہ وہ چٹان ہمیں صاف نظر آ رہی تھی اور حیات و قوت کی علامت، یعنی وہ حلقہ بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔

علامت غائب ہو گئی۔ آگ ڈوب گئی۔ وہ ایک بار پھر بھڑکی اور اس دفعہ پہلے سے زیادہ شدت سے، چٹان کی چوٹی پر وہ حلقہ پھر نظر آیا اور پھر غائب

ہو گیا۔ تیسری دفعہ آگ پھر ابھری اور اتنی شدت سے کہ بجلی کی روشنی بھی اس کے سامنے ماند تھی چاروں طرف آسمان روشن ہو گیا اور حلقے کے سوراخ میں سے ایک تیز شعاع یوں آر پار ہو کر نکلی جس طرح بھٹی کے دہانے سے یا جہاز کی سرچ لائٹ میں سے روشنی کی لکیر نکلتی ہے۔ یہ شعاع پہاڑوں کی چوٹیوں اور ریگزاروں کو عبور کرتی ہوئی آگے بڑھی اور سیدھی اس چوٹی پر آئی جس پر ہم تھے۔ ہاں۔ یہ شعاع ہمارے پہاڑ پر آئی۔ اس کی روشنی نے ہمارے پہاڑ کی برف میں آگ سی لگا دی اور وہ ہمارے حیرت زدہ اور وحشت زدہ سفید چہروں پر پڑی حالانکہ ہمارے دائیں اور بائیں گھپ اندھیرا تھا۔ میرا قطب نما میرے قریب ہی پڑا ہوا تھا جس کی سوئی مجھے اس شعاع کی روشنی میں صاف نظر آ رہی تھی اور ہمارے عقب میں ہم وہ برفستانی سفید لومڑی بھی دیکھ سکتے تھے جو غذا کی تلاش میں اس طرف نکل آئی تھی۔ پھر یہ شعاع جس سرعت سے آئی تھی اسی سرعت سے غائب ہو گئی۔ سمٹ گئی، وہ حلقے کے پیچھے چلی گئی۔ آگ سے مل گئی اور آگ بھی سمٹ گئی اور اب اندھیرے افق پر صرف اس کا عکس باقی تھا اور پھر وہ بھی بجھ گیا۔

کچھ دیر تک ہم خاموش رہے اور پھر لیو نے کہا۔

"ہوریس! تمہیں یاد ہے کہ وہاں کور میں جب ہم منگ ترزاں پر پڑے ہوئے تھے اور الیشہ کا لبادہ مجھ پر آ پڑا تھا اور عین اس وقت ہوا کا جھونکا اس کے لبادے کو اڑا لے گیا تو روشنی کی ایک الوداعی شعاع ہمارے پاس بھیجی گئی تھی اور یہ کہ اس نے اس مقام موت سے نکلنے کا راستہ ہمیں بتایا تھا؟ میرے خیال میں اب یہ دوسری شعاع ہمیں مقام حیات کا راستہ بتانے کے لیے بھیجی گئی ہے، اس مقام تک کا جہاں الیشہ رہتی ہے جسے ہم نے عارضی طور پر گنوا دیا تھا۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کیونکہ یہ معاملہ بحث گفتگو بلکہ حیرت سے بھی بالاتر تھا۔ لیکن اس وقت بھی مجھے احساس تھا، جیسا کہ اب جانتا ہوں، کہ ہم پہلے سے تیار کردہ کسی عظیم الشان ڈرامے کے کردار تھے اور یہ کہ ہمارا پارٹ لکھا جا چکا تھا اور بہر حال ہمیں وہ پارٹ ادا کرنا تھا، ہمارا راستہ مقرر کیا جا چکا تھا اور منزل نامعلوم تک ہمیں اس پر بہر حال چلنا تھا۔ شکوک و شبہات اب پیچھے چھوٹ گئے تھے اور امید یقین میں تبدیل ہو چکی تھی۔ خواب کی تعبیر سامنے تھی اور اس کا وعدہ، جو مر چکی تھی؟ اتنے برسوں سے خالی پن، بے کیفی اور مصائب کے بعد اب پورا ہوتا نظر آرہا تھا۔

نہیں اب ہمارا خوف رخصت ہو چکا تھا۔ جی ہاں۔ جب صبح ہوئی اور ہوا کا زور بڑھ گیا اور خطرناک ہوا میں جب برفستانی ڈھلان اترے۔ جی ہاں اس وقت بھی جب برف کے شدید طوفان میں ہماری جانوں کو خطرہ لاحق تھا جب ہم کئی گھنٹوں تک وہ خطرناک ڈھلان اترتے رہے۔ ہاں تب بھی ہمیں کوئی ڈر نہ تھا، ہمارے دلوں میں اس کا شائبہ تک نہ تھا، کیونکہ ہم جانتے تھے ہمیں یقین تھا کہ ہماری زندگیاں محفوظ ہیں، ان پر سحر کر دیا گیا ہے۔ ہم نہ کچھ دیکھ رہے تھے اور نہ سن رہے تھے لیکن ایک غیبی قوت ہماری راہبری کر رہی تھی اور ہمیں بچا رہی تھی۔ یا کسے لپیٹے ہم اترتے رہے، چلتے رہے یہاں تک کہ صحیح سلامت خانقاہ تک پہونچ گئے۔ کورینا نے خوشی سے بے تاب ہو کر ہمیں سینے سے لگا لیا اور لاماؤں نے ہماری صحیح سلامت واپسی پر شکرانے کی دعائیں پڑھیں۔ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ ہم مر چکے ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ برف کے ایسے طوفان میں پہلے کبھی کسی کو زندہ رہتے نہیں دیکھا۔

موسم سرما ابھی نصف کے قریب گزر رہا تھا اور اب وقت تھا کہ کاٹے نہیں کٹتا تھا کہتے ہیں کہ انتظار میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ہمیں اب ہو رہا تھا ہمارے دل بے چین و بے قرار تھے۔ کنجی ہمیں مل گئی تھی اور پہاڑوں کے اس پار منزل مقصود کا دروازہ تھا۔ لیکن افسوس اس دروازے کا قفل کھولنے کے لئے ابھی ہم ایک قدم بھی اس کی طرف نہ بڑھا سکتے تھے۔ کیونکہ ابھی ہمارے اور اس کے درمیان ریگستان پھیلا ہوا تھا جس پر برف بچھی ہوئی تھی اور اس برف کو طوفانی ہوا اُڑائے اُڑائے پھر رہی تھی۔ جب تک یہ برف پگھل نہ جائے ہم ریگستان کو عبور کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ ہم صبر کر کے خانقاہ ہی میں بیٹھے رہے۔ اس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

دنیا کے ہر حصّے کی طرح اس برفستانی ویرانے میں بھی موسم آتے اور گزر جاتے ہیں۔ چنانچہ آخر کار یہ طوفانی موسم ختم ہوا اور بہار کی آمد آمد ہوئی۔ ایک شام ہوا میں کچھ گرمی محسوس ہوئی اور اس رات برفباری بھی بہت کم ہوئی۔ دوسری شام آسمان پر بادل چھا گئے۔ اور دوسری صبح دیکھا تو ان سے برف نہیں بلکہ پانی برس رہا تھا۔ بوڑھے لاما کاشتکاری کے آلات درست کرنے لگے۔ کیونکہ انھوں نے کہا کہ کاشت کا موسم آ گیا ہے۔ تین دنوں تک بارش ہوتی رہی اور برف دیکھتے ہی دیکھتے پگھل گئی۔ چوتھے دن پہاڑوں پر سے چشمے ابل پڑے اور دیکھا تو ریگستان ایک بار پھر ننگا اور بھورا تھا۔ لیکن اس کی یہ برہنگی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہی۔ کیونکہ ایک ہی ہفتے میں وہاں پھولوں کی چادر بچھ گئی اور اب ہماری روانگی کا وقت آ گیا تھا۔

"لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟" بوڑھے کورین نے مایوسی سے پوچھا۔ "یہاں تمہیں کوئی دکھ ہے؟ کیا تم ہمارے راستے پر قدم نہیں اٹھا

رہے ہو جیسا کہ تمہاری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے؟ کیا ہماری ہر چیز تمہاری نہیں ہے؟ پھر تم کیوں ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"ہم ٹھہرے سیاح" ہم نے جواب دیا۔" اور جب ہمارے سامنے پہاڑ نظر آتے ہیں تو ہم انھیں عبور کرنے کے لئے بے قرار ہو جاتے ہیں"۔

کورتین نے مشکوک نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہاڑوں کے دوسری طرف کسی چیز کی تلاش میں جا رہے ہو؟ اپنے اس بوڑھے دوست سے حقیقت چھپانے سے کیا فائدہ؟ اس کے علاوہ ایسی راز داری اور جھوٹ میں رائی برابر کا فرق ہے۔ کم سے کم مجھے حقیقت سے آگاہ کر دو۔ تاکہ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں"۔

"مقدس لاما!" میں نے کہا۔" کچھ عرصے پہلے آپ نے لائبریری میں ہمارے سامنے ایک اعتراف کیا تھا"۔

"بھگوان کے لئے اس کا ذکر نہ کرو۔" کورتین نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔" تم لوگ کیوں مجھے روحانی کرب میں مبتلا کر رہے ہو؟"

"مقدس لاما! اگر ہمارا ایسا خیال ہو تو خدا ہم سے سمجھے"۔ میں نے جواب دیا۔" لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی اور ہماری کہانی تقریباً ایک جیسی ہے"۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کی اس کاہنہ سے پہلے بھی واسطہ پڑ چکا ہے"۔

"اچھا! وہ کیسے؟" بوڑھے کورتین نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

چنانچہ میں نے اسے اپنی داستان مختصر لفظوں میں سنا دی لیکن اس میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اس تمام وقت میں کورتین خاموش بیٹھا کچھوے کی طرح اپنا سر ہلاتا رہا۔ آخر کار میں نے اپنی داستان ختم کی۔

"اب،، میں نے کہا۔" براہ کرم اپنی ذہانت اور علم سے ہماری تاریکی کو روشن کر دیجئے، بتائیے ہماری یہ داستان حیرت انگیز ہے کہ نہیں۔ پھر آپ ہمیں جھوٹا سمجھتے ہیں؟"

"اے اس عظیم خانقاہ کے برادر جس کا نام دنیا ہے" کوریَن نے حسب معمول اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔" میں کیوں تمہیں جھوٹا سمجھنے لگا۔ حالانکہ میں نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا تھا کہ تم کچھ بھی ہو سکتے ہو لیکن جھوٹے نہیں ہو سکتے؟ اس کے علاوہ میں تمہاری داستان کو حیرت انگیز بھی نہیں سمجھ رہا ہوں کیونکہ تم نے تو اس حقیقت کا ابھی سرا ہی پایا ہے جسے ہم برسوں سے نہیں صدیوں سے جانتے ہیں۔"

"چونکہ اس نے تمہیں خواب میں یہ خانقاہ دکھائی اور پھر خود ان پہاڑوں کے پیچھے چلی گئی اور اس نے تمہیں یہاں تک پہونچایا۔ اس لیے اب تم سمجھتے ہو کہ اس عورت نے جسے تم نے اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھا ہے، ان پہاڑوں کے اس پار دوسرا جنم لیا ہے۔ کیوں نہیں؟ ہمارے لیے نہ تو یہ انکشاف حیرت انگیز ہے اور نہ ہی ناقابلِ یقین کیونکہ ہم تناسخ میں یقین رکھتے ہیں۔ البتہ اس کی پچھلی زندگی کی طوالت حیرت انگیز اور اصول کے خلاف تھی۔ یقیناً وہ عورت تمہیں وہاں مل جائے گی اور یقیناً تمہاری راہ دیکھ رہی ہو گی جس نے ایک دفعہ مجھ سے گناہ کروا دیا تھا۔"

"البتہ ایک بات گرہ میں باندھ لو۔ وہ لافانی نہیں ہے کیونکہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ البتہ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو اپنے تکبر، یا تم چاہو تو اسے عظمت کہہ لو، کی وجہ سے اب تک نروان حاصل نہیں کر سکی۔ اس کا یہ تکبر خاک میں مل جائے گا جیسا کہ ایک دفعہ مل چکا ہے، اس متکبرانہ ماتھے پر فنا کی خاک

آخر کار بھر جائے گی اور اس کی گنہگار روح صدموں اور جدائی سے پاک کر دی جائے گی۔ برادر لیو! اگر تم نے اسے حاصل بھی کر لیا تو سمجھ لو کہ تم اسے گنوانے کے لئے حاصل کرو گے اور پھر یہی چکر شروع ہو جائے گا۔ برادر ہالی! رہے تم تو تمہاری قسمت میں میری طرح محرومیاں ہی ہیں کیونکہ اس طرح ہم بہت سے مصائب سے بچ جائیں گے۔ چٹان سے ٹکرانے سے کیا فائدہ؟ ٹوٹے ہوئے برتن میں پانی انڈیلنے سے کیا فائدہ؟ کہ سارا پانی بہہ کر بے سود تجربات کی ریت میں جذب ہو جائے گا اور تم اسی طرح پیاسے بھٹک رہو گے؟"

"مقدس لاما! پانی زمین کو سیراب کرتا ہے" میں نے جواب دیا۔ "جہاں پانی گرتا ہے وہاں سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور رنج خوشی کا بیج ہے!"

"عشق حیات کا قانون ہے!" لیو نے کہا "عشق نہیں تو زندگی نہیں اور مجھے زندہ رہنے کے لئے عشق کی تلاش ہے۔ میرا ایمان ہے کہ ہر چیز کا ایک انجام مقرر ہے جس سے ہم واقف نہیں۔ تقدیر مجھے اس طرف کھینچ رہی ہے اور میں کھنچ رہا ہوں!"

"اور اسی طرح خود اپنی نجات کو دور دھکیل رہے ہو۔ خیر میں بحث کرنا نہیں چاہتا کیونکہ تم اپنی راہ جا رہے ہو اور یہی تمہارے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ اچھا اب یہی دیکھو اس عورت نے، ایک جھوٹے مذہب کی اس کاہنہ نے، ماضی میں تم پر کیا مصیبت نازل کر دی تھی؟ ایک دفعہ اپنے کسی پچھلے جنم میں تم نے فطرت کی دیوی ایزلس سے پیمان باندھا تھا۔ ہے کہ نہیں؟ پھر ایک عورت نے تمہیں بہکایا اور تم اس کے ساتھ بھاگ گئے اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا ملا تمہیں؟ وہی انتقام جو دیوی جس سے تم نے دھوکا کیا تھا اور اس نے تمہیں قتل کر دیا یا اگر وہ دیوی نہ تھی تو پھر کوئی ایسی عورت تھی جس میں دیوی کی روح تھی

اور جو انتقام کا فرشتہ بنا کر بھیجی گئی تھی۔ اب چونکہ اس نے دیوی سے یہ معرفت اور علم حاصل کر لیا تھا اس لئے اس عورت یا بدروح نے موت سے ٹکر لی اور مری نہیں کیونکہ وہ تم سے محبت کرتی تھی۔ چنانچہ وہ منتظر رہی کیونکہ جانتی تھی کہ دوسرے جنم میں تم اسے مل جاؤ گے لیکن اگر وہ مر گئی ہوتی تو ملک عدم میں تمہیں اس سے بہت پہلے پا لیتی۔ خیر تو اس نے تمہیں پا لیا اور پھر وہ مر گئی یا بظاہر مر گئی اور اب اس نے دوسرا جنم لیا ہے۔ اور یہ ضروری تھا۔ یقیناً پھر ایک بار تم دونوں کا ملاپ ہو گا۔ لیکن پھر وہی مصائب کا بھی سامنا ہو گا۔ اے میرے دوستو! میری مانو اور ان پہاڑوں کے اس پار جانے کا ارادہ ترک کر دو اور یہاں ہمارے ساتھ رہ کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرو کہ نجات کی راہ کھل جائے۔"

"نہیں" لیو نے کہا "ہم ایک وعدے سے بندھ چکے ہیں اور اپنا وعدہ وفا کریں گے۔"

"بہت اچھا بھائیو! جاؤ، اپنا وعدہ وفا کرو اور جب اس کا نتیجہ ظاہر ہو تو میرے الفاظ یاد کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی خواہشات کے انگوروں کی شراب جو کشید کرو گے وہ خون کی طرح سرخ ہو گی اور یہ کہ اسے پی کر نہ تو تم سرور حاصل کرو گے اور نہ سکون۔ تم اپنے جذبات کے اندھے پن میں جس کی تجھی سے میں واقف ہوں، اپنی زندگیوں میں ایک حسین بلا کو شامل کرنا چاہتے ہو اور اس خیال خام میں مبتلا ہو کہ اس ملاپ سے علم اور مسرتوں کے سوتے پھوٹیں گے۔

"اس کے برخلاف ہونا یہ چاہیئے کہ تم تنہائی میں رہو، تارک الدنیا بن کر رہو یہاں تک کہ روحوں کے جسم سے جدا ہونے کا وقت آ جائے اور پھر ان روحوں کی ملاقات عدم میں ہو اور وہیں تمہیں ابدی سکون اور مسرتیں

ملیسز آجائیں۔ نہیں۔ اس وقت تم میری باتوں پر یقین نہیں کر رہے ہو۔ تم اپنے
سر ہلا رہے ہو اور مسکرا رہے ہو۔ لیکن ایک دن آئے گا ۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ کئی
جنموں کے بعد وہ دن آئے ۔۔۔ جب تم زمین پر ماتھا رگڑ رگڑ کر روؤ گے اور مجھ
سے کہو گے۔" برادر کورین! تم نے سچ کہا تھا اور ہم نے تمہاری بات نہ مان کر
حماقت کی تھی۔"

اور پھر بڑے میاں ایک ٹھنڈا سانس لیکر رخصت ہوئے۔

"یہ تو بڑا عجیب اعتقاد ہے۔" لیو نے کہا۔ "انسان نجات اور ابدی سکون
حاصل کرنے کے لئے اربوں سال تک جنم لیتا اور مصیبتیں برداشت کرتا رہے۔
اس سے تو میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ اس دنیا سے میں اپنا بھلا برا حصہ کر لوں
اور دوسری دنیا میں بہتری کی امید رکھوں اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ
کورین نہ تو عائشہ سے واقف ہے اور نہ اس کے انجام سے۔"

"خود میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے کہا۔ "تاہم کیا پتہ اس کا ہی اعتقاد
صحیح ہو۔ اس کے علاوہ بحث سے کیا فائدہ؟ لیو! ہمارے لئے اور کوئی راستہ
نہیں ہے۔ قسمت جہاں لے جائے گی ہم جائیں گے۔ اب یہ قسمت ہمیں کہاں لے جاتی
ہے یہ وقت آنے پر خود بخود معلوم ہو جائے گا۔"

اس کے بعد ہم سونے چلے گئے۔ کیونکہ رات زیادہ گزر چکی تھی۔ لیکن نیند کا
پتہ نہ تھا۔ کورین تجربہ کار تھا، بزرگ تھا، عالم تھا، اس لئے اس کی باتوں
نے میرے دل پر خاص اثر کیا تھا۔ اس نے پیشینگوئی کی تھی کہ پہاڑوں کے
دوسری طرف ہمارا واسطہ غم اور خونریزی سے پڑے گا جس کا انجام موت
اور پھر نیا جنم ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ لیکن اب کوئی خیال اور کوئی
طاقت ہمارے قدم نہ پکڑ سکتی تھی۔ اگر مصائب ہمارے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتے

تب بھی ہم نہ رکتے کیونکہ آئیشہ کو ایک دفعہ دیکھ لینے کی آرزو میں میں ہر مصیبت اور ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ اب اگر میرا یہ حال تھا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ لیو کی کیا حالت ہوگی۔

کورین کا یہ نظریہ عجیب و غریب تھا کہ الیشہ مصر کی وہ دیوی تھی جس کا کاہن قالی قریط تھا یا کم سے کم اس دیوی کی فرستادہ تھی۔ پھر یہ کہ شہزادی آمنتی اسے بھکا کر بھگا لے گئی۔ پھر اس دیوی نے الیشہ کے روپ میں جنم لیا یا اس عورت کو اپنا آلۂ کار بنایا اور آمن آرتاس اور قالی قریط سے کورین نے انتقام لیا اور پھر یہ کہ بعد میں وہ مصیبت جو الیشہ نے اوروں پہ گرائی تھی خود اسی پہ آپڑی۔"

اکثر و بیشتر کچھ اسی قسم کے خیالات خود میرے بھی دل میں آئے تھے فرق صرف اتنا تھا کہ میں الیشہ کو کوئی دیوی نہ سمجھتا تھا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ وہ کسی دیوی کا مظہر ہو یا کاہنہ ہو یا پیغامبر ہو جس کو اپنی مرضی سے انعام دینے یا انتقام لینے کا اختیار دیا گیا ہو اس کے باوجود وہ ایک انسان ہو جس کے دل میں بھی انسانی خواہشات اور آرزوئیں تڑپ رہی ہوں۔ اب جبکہ وہ سارے واقعات ماضی بن چکے ہیں یہ سطور لکھتے وقت میں ان پر غور کرتا ہوں تو مجھے بہت سی باتیں ملیں اس نظریے کی تائید میں مل جاتی ہیں کیونکہ تنہا زندگی اور فوق الفطرت قوتیں انسان کو دیوی دیوتا نہیں بناتیں۔ البتہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کم سے کم ایک موقع پر الیشہ نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ بنتِ آسمان ہے اور دوسرے لوگ بھی خصوصاً شامن سمبری نے اقرار کیا تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ الیشہ غیر انسانی مخلوق ہے۔ لیکن ان سب باتوں کا ذکر میں اپنے وقت پر کروں گا۔

اس وقت تو صرف یہی ایک خیال دماغ میں منڈلا رہا تھا کہ پہاڑوں کے دوسری طرف کیا ہے؟ کیا وہاں ہمیں وہ مل جائے گی جس کے پاس عصائے حکمرانی

ہے اور جو انتقام جو اور غضبناک دیوی ایزلیس کی قوتوں کی حامل ہے؟ کیا ہمیں وہاں وہ دوسری عورت بھی مل جائے گی جس نے گناہ کیا تھا؟ اور اگر ایسا ہوا تو کیا اس گنہگار کا مہن کی خاطر ایک بار پھر ان دونوں عورتوں میں خوفناک ٹکر ہوگی؟

چند مہینوں بلکہ شاید چند دنوں میں ہی ہمیں ان سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ ان خیالات نے میرے بدن میں تھرتھری پیدا کر دی اور آخر کار میں سو گیا۔

چوتھا باب

موت کی کر جلہ پہ

اس رات کے دوسرے دن صبح سورج طلوع ہوا تو اس وقت اس نے ہمیں صحرا میں اور اسے عبور کرتے ہوئے پایا۔ ہمارے پیچھے اور کوئی ایک میل دور ہم گوتم بدھ کے عظیم الشان مگر شکستہ بت کو دیکھ سکتے تھے جو قدیم خانقاہ کے سامنے اور صحرا کے رخ بیٹھا ہوا تھا اور اس صاف شفاف فضا میں ہم اپنے بوڑھے دوست کورین کو بھی صاف طور سے دیکھ سکتے تھے جو بت کے قریب اپنی لاٹھی پر جھکا ہوا تھا اور ہماری طرف دیکھ رہا تھا اور ہمارے نظروں سے اوجھل ہو جانے کا منتظر تھا۔ جب ہم رخصت ہوئے تو سارے ہی لاما روئے تھے اور کورین سب سے زیادہ رویا تھا کیوں اسے ہم سے بے انتہا انسیت ہو گئی تھی۔

"مجھے دکھ ہے، بہت دکھ ہے۔" اس نے کہا تھا "حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس قسم کے جذبات کو راہ دینا گناہ ہے۔ تاہم مجھے ایک خیال ڈھارس بندھا رہا ہے۔ میں بہت جلد اس موجودہ زندگی کو چھوڑ کر جانے والا ہوں لیکن جانتا ہوں کہ

آئندہ دوسرے جنموں میں ہماری ملاقات ہوگی اور پھر جب تم موجودہ زندگی کی حماقتوں کو چھوڑ کر آؤ گے تو ہم ساتھ ساتھ ابدی سکون اور نجات کے راستے پر گامزن ہوں گے۔ جاؤ میری دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں اور یہ یاد رکھو کہ اگر تم زندہ واپس آگئے" اور یہاں اس نے نفی میں سر ہلایا "حالانکہ اس کی امید کم ہے" تو اس خانقاہ کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔"

چنانچہ ہم اس سے بغلگیر ہو کر رنجیدہ دل رخصت ہوئے۔

قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ جب ہم نے چوٹی پر چڑھ کر دیکھا تھا اور وہ پراسرار روشنی ہم پر پڑی تھی تو اس وقت قطب نما میرے پاس تھا اور اسی کے ذریعے میں نے اس روشنی کے محل وقوع کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ہمارے پاس کوئی راہبر نہیں تھا۔ چنانچہ ہم اپنے اسی اندازے کے سہارے شمال مشرق کی سمت جا رہے تھے۔ کیونکہ وہ پراسرار آگ اسی طرف نظر آئی تھی۔

موسم بے حد خوشگوار تھا اور صحرا پر پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ ہم دن بھر چلتے رہے صحرا ویران تھا۔ کبھی کبھی پرندوں کے جھنڈ اور کہیں گورخر نظر آجاتے تھے جو تازہ گھاس چرنے کے لئے پہاڑوں پر سے اتر آئے تھے۔ شام کے وقت ہم نے ایک انٹیلوپ شکار کر لیا اور ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ یاک اور خیمہ ہمارے ساتھ ہی تھا جہاں ہم نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں ببول کے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ چنانچہ ان درختوں کی لکڑی آگ جلانے کے کام آئی۔ یہاں پانی بھی ہمیں میسر تھا ریت کو ذرا کھودنے پر پانی نکل آیا۔ یہ اس برف کا پانی تھا جو برف کے پگھلنے پر ریت میں جذب ہو گیا تھا چنانچہ اس رات ہم نے چائے پی اور شکم سیر ہو کر انٹیلوپ کا گوشت کھایا۔ یہ کھانا ہمارے لئے بڑی سے بڑی نعمت سے کم نہ تھا

اس کے علاوہ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہمارے پاس کھانے کا جو تھوڑا بہت سامان سکھایا ہوا تھا، وہ بچ رہا۔

دوسری صبح ہم نے موقع کا حتی الامکان صحیح صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ہم صحرا کا ایک چوتھائی حصہ عبور کر چکے تھے، ہمارا یہ اندازہ بعد میں بالکل صحیح ثابت ہوا، کیونکہ ہم اپنے اس سفر کے چوتھے دن کی شام کو سامنے کے پہاڑوں کی ڈھلان کے دامن میں تھے اور کمال یہ ہے کہ اس سفر میں نہ تو ہم کسی حادثے سے دوچار ہوئے تھے اور نہ ہی تھکن محسوس کی تھی اور جیسا کہ لیو نے کہا، "اب تک سفر میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔" لیکن میں نے اسے یاد دلایا کہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ جس مہم کا آغاز اچھا ہوتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور میرا یہ کہنا غلط بھی نہ تھا۔ کیونکہ اب ہماری مشکلات کا آغاز ہوا تھا۔ اوّل تو یہ کہ پہاڑ بڑے ہی بلند ثابت ہوئے اور ان کی زیریں چڑھائی چڑھنے میں ہی دو دن لگ گئے۔ اس کے علاوہ سورج کی تمازت نے برف کو نرم کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس پر چلنا مشکل ہو رہا تھا اور پھر یہ بھی تھا کہ برف کی چمک ہماری نظروں کو خیرہ کیے دے رہی تھی۔ حالانکہ کئی برسوں کے سفر کے بعد ہم اس قسم کی خیرگی کے عادی ہو چکے تھے۔

ساتویں دن صبح ہم ایک درّے کے دہانے پر تھے۔ یہ درّہ بل کھاتا ہوا پہاڑ کے قلب میں چلا گیا تھا چونکہ یہاں یہی ایک راستہ تھا اس لیے ہم اس پر چل دیئے چند قدم ہی بڑھے تھے کہ یہ انکشاف ہوا کہ کسی زمانے میں یہی درّہ آمدورفت کا عام راستہ رہا ہوگا۔ اس انکشاف سے ہمیں بڑی مسرت ہوئی۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمیں کوئی عمدہ سڑک مل گئی تھی۔ اگر سڑک تھی بھی تو اب وہ برف میں دفن تھی۔ البتہ اس کا یقین ہوگیا کہ ہمارے پیروں تلے راستہ ہی تھا۔ اب یہ بھی بتا دوں کہ یہ یقین ہمیں کیوں تھا۔ حالانکہ ہم خطرناک اور گہرے کھڈوں کے کنارے کنارے

چل رہے تھے۔ ہمارا راستہ بہرحال ہموار تھا۔ اس کے علاوہ اکثر جگہ چٹانیں کاٹی گئی تھیں اور یہ انسانوں کا کام تھا۔ اور اس میں بھی شک و شبہہ کی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ ان عمودی چٹانوں پر برف ٹھہرتی نہ تھی۔ اس لئے ان پر اوزاروں کے نشانات صاف نظر آئے۔

اس کے علاوہ اکثر جگہ ہمیں گیلریاں بھی نظر آئیں جو شہتیروں کو چٹانوں میں پیوست کر کے بنائی گئی تھیں۔ ایسی گیلریوں کا تبت میں آج بھی رواج ہے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ شہتیر عرصہ ہوا سڑ گل گئے تھے۔ چنانچہ اب ان کی جگہ راستے میں بڑے بڑے کھڈ تھے جب ہم کسی ایسے کھڈ کے سامنے پہونچ جاتے تو ہمیں یا تو بڑا چکر کاٹ کر یا پھر کسی چٹان پر چڑھ کر دوسری طرف پہونچنا پڑتا۔ ہر چند کہ اس میں کافی وقت ضائع ہوتا تاہم یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہم ہر دفعہ راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ حالانکہ ایسا کرنے میں قدرے دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

جس چیز نے ہم کو سب سے زیادہ پریشان کیا وہ رات کی سردی تھی۔ یہاں ہمارا پہاڑوں پر چڑھنے کا تجربہ اور صعوبتیں برداشت کرنے کی عادت بھی دھری رہ گئی۔ ہمیں ظاہر ہے کہ اس بلندی پر اور برف میں پڑاؤ ڈالنا پڑتا تھا اور اندھیری رات میں یخ بستہ ہوا ہر دم نہ صرف چلا کرتی بلکہ چنگھاڑا کرتی تھی اور اس تنگ درے میں اس کی تیزی اور خطرناکی کچھ زیادہ ہی ہوتی تھی۔

آخر کار دسویں دن ہم یہ درّہ عبور کر چکے تھے اور چونکہ اندھیرا اتر چکا تھا اس لیے یہیں قیام کر دیا۔ سردی قیامت کی تھی۔ یہ عجیب آزمائشی رات تھی۔ کیونکہ اب ہمارے پاس ایندھن تھا نہیں کہ آگ جلا کر پانی گرم کر لیتے۔ پیاس بجھانے کے لیے برف نگلنے پر مجبور تھے اور پاک سے بھر کر بیٹھے تھے۔ اس کے باوجود ہمارے

دانت بج رہے تھے۔

پو پھٹی اور پھر سورج طلوع ہوا۔ ہم خیمے سے باہر آئے اور اسے وہیں چھوڑ کر اپنے اکڑے ہوئے اعضا کو گھسیٹتے کئی سو گز آگے بڑھ کر اس جگہ پہونچ گئے جہاں درّہ ایک موڑ لیتا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ہم سورج کی شعاعوں سے اپنے جسموں میں قدرے گرمی پہونچانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت دھوپ اس جگہ نہ پہونچ رہی تھی جہاں ہمارا پڑاؤ تھا۔

لیو مجھ سے آگے تھا۔ چنانچہ پہلے وہ موڑ مڑا اور ساتھ ہی میں نے اس کی حیرت کی چیخ سنی۔ چند سکنڈ بعد ہی میں اس کے قریب پہونچ چکا تھا۔

اور دیکھو ہماری سرزمینِ موعودہ ہمارے سامنے تھی۔

بہت نیچے، کوئی ایک ہزار فٹ نیچے ـــ قارئین! یہ نہ بھولیں کہ یہ منظر ہم پہاڑ کی بلندی پر سے دیکھ رہے تھے ـــ یہ سرزمین پھیلتی چلی گئی تھی یہاں تک کہ دور بہت دور افق سے جا ملی تھی۔ یہ سرزمین بالکل ہموار تھی ـــ ایک وسیع و عریض میدان تھا ـــ یہ میدان کسی زمانے میں ایک زبردست جھیل کی تہ رہا ہوگا۔ اس قسم کی جھیلیں اب بھی وسط ایشیا میں موجود ہیں جن میں سے اکثر اب خشک ہو چلی ہیں اس ہولناک میدان میں صرف ایک برف پوش اور بلند پہاڑ کھڑا تھا۔ یہ پہاڑ بہت دور تھا اس کے باوجود اس کے خطوط ہمیں نظر آرہے تھے بلکہ ہم اس سے بھی کچھ زیادہ دیکھ سکتے تھے۔ یعنی یہ کہ اس کی گول چوٹی میں سے دھواں نکل رہا تھا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ پہاڑ آتش فشاں تھا۔ اس آتش فشاں کے دہانے کے اس طرف ایک بلند چٹانی میدان تھا جس کی چوٹی حلقے کی صورت تھی علامت، حیات و قوت۔

جی ہاں۔ لیو کے خواب کی وہ تعبیر جس کی تلاش میں ہم برسوں سے سرگرداں تھے۔

آخر کار ہمارے سامنے تھا۔ ہمارے دل دھڑک رہے تھے اور تنفس تیز ہو گیا تھا۔ راستے میں پہاڑوں کی چوٹیاں حائل رہی تھیں اور پھر چونکہ ہم درّے میں تھے اس لیے یہ چٹان ہمیں کہیں سے نظر نہ آئی تھی لیکن اب جب وہ ہمارے سامنے تھی تو ہم نے دیکھا کہ وہ بلند ترین پہاڑ سے بھی بلند تھی۔ اب یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ روشنی کی لکیر اس حلقے میں سے نکل کر صحرا کو عبور کرتی ہوئی ہم تک کیوں اور کس طرح پہونچا تھی۔ جب ہم ایک رات صحرا کے دوسرے کنارے پر پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر کھڑے ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ اس روشنی کا راز بھی کھل گیا۔ حلقے کے عقب میں اٹھتا ہوا دھواں اس راز پر سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ ہوتا یوں ہو گا کہ بعض اوقات اس آتش فشاں کے دہانے میں شعلے نکلتے ہوں گے۔ ان شعلوں کی شدت غضب کی ہوتی ہو گی۔ یہی وہ روشنی تھی جسے چٹان پر کے حلقے نے سمیٹ کر سیدھا ہماری طرف پھینکا تھا۔

اس کے علاوہ کوئی تیس میل دور ہمیں ایک شہر نظر آیا جس کے مکانات کی چھتیں سفید تھیں جو ایک پہاڑی پر سے ہرے بھرے درختوں کے درمیان اور ایک دریا کے کنارے پر تھا۔ یہ دریا میدان کو قطع کرتا بہہ رہا تھا۔ پھر یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس خطے میں آبادی خاصی ہے اور یہ کہ یہاں کے لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ ہمارے سامان میں ایک دوربین بھی تھی جس کی مدد سے ہم نے دیکھا کہ کھیتوں میں فصل تیار کھڑی تھی۔ ان کھیتوں میں نہریں تھیں اور یہ کہ ان کھیتوں کو درختوں کی باڑوں کے ذریعے الگ الگ قطعات میں تقسیم کیا گیا تھا۔

جہاں۔ سرزمین موعودہ ہمارے سامنے تھی اور سامنے وہ پراسرار پہاڑ تھا۔ چنانچہ اب ہمیں صرف یہ کرنا تھا کہ ہم اس پہاڑ کی برفانی ڈھلان اتر کر جہاں سے بھی راستہ ملے وہاں سے اس میں داخل ہو جائیں۔

یوں ہم نے سوچنے کو تو آسانی سے سوچ لیا لیکن ہم نہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ آسان نظر آتا ہے وہ در اصل بہت مشکل ہے۔ ہم نہ جانتے تھے کہ علامت حیات و قوت کے سائے میں پہونچنے سے پہلے ہمیں کن مشکلات اور خطرات سے گزرنا پڑے گا۔

ہم اپنی تھکن بھول کر خیمے میں واپس آگئے، جلدی جلدی تھوڑا سا کھانا کھایا، پانی کی جگہ برف کے ڈلے چبائے جس کی وجہ سے ہمارے دانت درد کرنے لگے اور ہمارے معدے میں ٹھنڈک کی لہریں دوڑ گئیں۔ لیکن کیا کرتے یہاں پانی میسّر ہی نہ تھا۔ اس طرف سے فرصت پاکر ہم نے غریب یاک کو جبراً اٹھایا۔ اس پر سامان لادا اور چل پڑے۔

اس وقت ہم کچھ ایسی عجلت میں تھے، کچھ اتنی بے قراری تھی اور ہم اپنے خیالات میں ایسے گم تھے کہ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو ہم نے آپس میں کوئی بات نہ کی، بغیر کسی تردد کے تیزی سے ہم ڈھلانیں اترنے لگے۔ یہاں وہ چٹانی مینار ہماری راہبری کر رہے تھے جو ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھے اور یہی مینار ہمیں یہ اطمینان بلکہ یقین دلا رہے تھے ہم اب بھی اسی قدیم شاہراہ پر تھے جو سرد مہینوں مولودہ تک جاری تھی۔

البتہ ہم یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اب یہ شاہراہ متروک تھی اور اس پر جنگلی بھیڑیوں، چند ریچھوں اور پہاڑی لومڑیوں کے پیروں کے نشانات کے علاوہ کہیں کسی جاندار کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا۔ اور اسی سے ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ راستہ موسم گرما ہی میں شاید استعمال کیا جاتا ہو گا۔ یا پھر یہ بات ہے کہ اس طرف کے باشندے اب بس گھروں ہی میں بیٹھے رہتے ہیں اور کبھی سفر نہیں کرتے۔

یہ ڈھلانیں ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوئیں۔ یہاں تک کہ

جب سورج غروب ہوا تو اس وقت بھی ہم ان کے دامن میں نہ پہونچ سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں یہ دوسری رات بھی برف پر ہی گزارنی پڑی۔ ہم نے اپنا خیمہ ایک جھکی ہوئی چٹان کے نیچے لگا دیا کہ سرد ہواؤں سے کچھ تو پناہ ملے۔ چونکہ ہم کئی ہزار فٹ نیچے اتر آئے تھے اس لیے خوش قسمتی سے یہاں سردی اتنی زیادہ نہ تھی۔ میرا خیال ہے یہاں سردی کا درجہ اٹھارہ یا انیس ڈگری ہی رہا ہوگا۔ اس کے علاوہ سورج کی شعاعوں نے برف کو یہاں وہاں سے پگھلا دیا تھا۔ چنانچہ ہمیں پینے کے لیے پانی بھی مل گیا۔ جگہ جگہ خشک کائی بھی تھی۔ جس سے ہمارے یاک نے اپنی بھوک مٹائی۔ اس غریب کے لئے یہ خشک کائی بھی ایک نعمت تھی۔

پھر خاموشی پو پھٹی اور اس نے ویران سلسلہ کوہ پر سرخ لبادہ ڈال دیا۔ ہم اُٹھے، بچے کھچے کھانے میں سے تھوڑا سا کھایا اور روانہ ہو گئے۔ اب ہمیں نیچے کا میدان اور سلسلہ کوہ نظر نہ آتا تھا۔ کیونکہ اب ہم بیچ میں ایک بلند پہاڑ حائل دیکھ رہے تھے۔ جس میں ایک تنگ درّہ تھا اور ہم اسی درّے کی طرف جا رہے تھے اور جیسا کہ چٹانی میناروں سے پتہ چلا راستہ بھی اسی طرف جاتا تھا۔ دوپہر ہوئی تو وہ درّہ بہت قریب نظر آیا۔ چنانچہ ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی لیکن ایک ہی گھنٹے بعد پتہ چل گیا کہ اس قدر تیزی کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ تب حقیقت واضح ہو گئی۔

ہمارے اور اس درّے کے درمیان ــــ ایک گہری خلیج حائل تھی جس کی گہرائی تین چار سو فٹ سے کسی طرح کم نہ تھی اور اس کے پیندے میں سے بہتے پانی کی آواز ابھر رہی تھی۔

راستہ اس خلیج کے عین کنارے تک چلا گیا تھا کیونکہ ایک مینار اس کے انتہائی سرے پر کھڑا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ راستہ ایسی گہری خلیج میں ہو کر کیسے جا سکتا تھا۔ ہم دم بخود کھڑے دیکھ رہے تھے کہ ایک بات سمجھ میں آ گئی۔

"دیکھا نہیں لب ہے ہو بہو ریسی"۔ لیو نے کھوکھلی ہنسی ہنس کر کہا کہ "یہ خلیج اس راستے کے متروک ہونے کے بعد زلزلے نے پیدا کر دی ہے"۔

"شاید۔ یا شاید کبھی اس پر چوبی پل یا زینہ رہا ہو گا جواب عرصہ ہوا اسڑ گل کر نابود ہو گیا۔ لیکن خیر اس سے ہمیں کیا غرض؛ ہمیں بہر حال دوسرا راستہ تلاش کرنا ہے۔" میں نے حتی الامکان بشاشت سے جواب دیا۔

"ہاں اور بہت جلد"۔ لیو نے کہا: "البتہ اگر ہم عمر بھر یہاں بیٹھے رہنا چاہتے ہوں تو بات دوسری ہے"۔

"اور اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

چنانچہ ہم دائیں طرف مڑ کر اس خلیج کے کنارے کنارے چل پڑے۔ کوئی ایک میل چلتے رہنے کے بعد ہم برف کی ایک زبردست چٹان کے سامنے تھے۔ بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں اس برف میں جم کر رہ گئی تھیں۔ برف کی یہ چٹان یا گلیشیر پہاڑ کی چوٹی سے بھی لٹک رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی بڑا آبشار اوپر سے نیچے گرنے کے عمل میں ہی جم کر برف بن گیا ہو۔ ہم یہ نہ معلوم کر سکے کہ اس جمے ہوئے آبشار کا نچلا سرا زمین پر پہونچ گیا تھا یا نہیں۔ بقصہ مختصر اس پر سے اترنے کا خیال بھی کرنا حماقت تھا۔ یہاں سے آگے کا حال تو یہ تھا کہ خلیج کی گہرائی بڑھ گئی تھی اور جہاں تک نظر جاتی تھی چٹانیں دیوار کی طرح عمودی تھیں۔

چنانچہ ہم واپس آئے اور اب بائیں طرف راستہ تلاش کرنے لگے۔ یہاں چٹانیں پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ چنانچہ ہمارے ایک طرف تو بلند و بالا اور برف پوش چٹانیں تھیں اور دوسری طرف گہرے غار۔ نہ ان پر چڑھنا ممکن تھا اور نہ ان میں اترنا۔ دن کی روشنی سمٹ رہی تھی۔ جب ہمیں اپنے سامنے اور کوئی نصف میل دور ایک ننگی چٹان یا یوں کہیے کہ چٹانی ٹیلا نظر آیا جو غار کے کنارے پر تھا۔ ہم تیزی سے

اس طرف چلے کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ اس کی چوٹی پر ہمیں نیچے اترنے کا کوئی راستہ نظر آجائے گا۔

جب ہم چوٹی پر پہونچے، جو تقریباً ڈیڑھ سو فٹ بلند تھی تو وہاں سے جو کچھ نظر آیا وہ یہ تھا کہ یہاں بھی خلیج بہت زیادہ گہری تھی جیسی کہ گلیشیر کے دوسری طرف تھی، اس قدر گہری کہ ہم اس کی تہ نہ دیکھ سکتے تھے۔ حالانکہ اس میں سے بہتے پانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں اسکی چوڑائی نصف میل سے کم نہ تھی۔

ہم وہاں کھڑے چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے کہ سورج غروب ہوگیا اور چونکہ آسمان پر بادل تھے اس لیے روشنی یوں دفعتہً غائب ہوگئی۔ جیسے موم بتی بجھا دینے سے غائب ہو جاتی ہے۔ چوٹی پر پہونچنے کے لیے ہمیں مشکل چڑھائی چڑھنی پڑی تھی۔ کیونکہ یہ چڑھائی تقریباً عمودی تھی۔ خصوصاً ایک جگہ تو ہم چٹانوں سے لٹک لٹک کر اور انھیں بطور زینے کے استعمال کر کے چڑھے تھے۔ جب چڑھائی ایسی تھی تو اترنا کیسا ہوگا؟ چنانچہ اس اندھیرے میں ہم نیچے اترنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اس پستی میں جہاں سے ہم آئے تھے اور اسی بلندی میں، جہاں ہم تھے کوئی فرق نہ تھا۔ میرا مطلب یہاں بھی اتنی ہی سردی تھی جتنی نیچے اور یہاں کچھ آسائشیں مہیا نہ تھیں تو نیچے بھی نہ تھیں۔ اس کے علاوہ ہم بہت زیادہ تھک بھی گئے تھے۔ چنانچہ طے پایا کہ یہ رات اسی چوٹی پر گزار دی جائے اور ہمارے اس فیصلے نے ہماری جانیں بچالیں۔

یاک پر سے سامان اتار کر ہم نے ایک چٹان کے سایے بلکہ یوں کہیے کہ اوٹ میں خیمہ لگایا اور مچھلی کے خشک قتلے اور روٹی کے چند ٹکڑے، جو ہمارے

پاس بچ رہے تھے اکھا کر بیٹ کی آگ بجھائی۔ خانقاہ سے ہم اشیائے خوردنوش
کا جو ذخیرہ لے کر چلے تھے وہ اس کھانے کے بعد ختم ہو گیا اب ہم نے مایوسی سے
سوچا کہ اب اگر ہمیں شکار نہ ملا تو پھر ہمیں بچارے یاک کو ذبح کر کے کھانا
پڑے گا۔ خیر تو پھر ہم نے اپنے آپ کو بالوں دار کمبلوں میں خوب اچھی طرح سے
لپیٹا اور اپنی تکلیفوں کو نیند میں غرق کر دیا۔

صبح ہونے میں زیادہ دیر نہ تھی ایک زبردست اور خوفناک دھماکے کی
آواز سے، اور یہ آواز بہت بڑی توپ کی گرج کی طرح تھی، ہماری آنکھ کھل
گئی۔ اس کے فوراً بعد ایسی متواتر آوازیں سنائی دیں جیسے بندوقوں کی باڑھ
ماری گئی ہو۔

"میرے خدا! یہ کیا بلا ہے"۔ میں نے کہا۔

"ہم خیمے سے باہر آئے لیکن کچھ دیکھ نہ سکے یاک خوف سے ممیا رہا تھا۔
ہمیں کچھ نظر نہ آ رہا تھا لیکن ہم سن رہے تھے اور محسوس کر رہے تھے۔ گھن گرج
کی آوازیں اب تھم گئی تھیں اور اس کی جگہ گڑگڑاہٹ کی آوازیں آ رہی تھیں
جیسے کوئی بہت بڑی چکی چل رہی ہو۔ مجھے اعتراف ہے کہ ایسی ہولناک آوازیں ہم
نے عمر میں کبھی نہ سنی تھیں اس کے ساتھ ہی عجیب طرح کی ہوا بھی مسلسل چل رہی تھی
جو ہمیں یوں دبا رہی تھی جس طرح کہ غوطہ زن کو پانی دباتا ہے۔

عین اسی وقت پو پھٹی اور اس کی روشنی میں اب ہمیں دکھائی دینے لگا۔

پہاڑ کا پورا ایک پہلو، برف کا پہلو ہماری طرف دھنستا چلا آ رہا تھا۔

میرے خدا! کتنا خوفناک منظر تھا یہ عمودی ڈھلان کی چوٹی پر سے اور کوئی
دو سو میل یا اس سے کچھ ہی دور برف کا یہ پورا پہاڑ نیچے کی طرف پھسلا آ رہا تھا،
لڑھک رہا تھا، بڑے بڑے تودوں کی شکل میں اور خوفناک موجوں کی صورت میں،

کہیں کہیں سے برف پھٹ جاتی تھی اور وہاں گہرے کھڈ اور مہیب شگاف پیدا ہو گئے اور اس سیلی برف سے سفید چمکیلے ذرّات کی پھوار سی اُڑ رہی تھی جس طرح کہ طوفانی سمندر کی سطح سے جھاگ اُڑتی ہے۔

ہم ایک دوسرے سے لپٹے خوفزدہ نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اس طوفان کی پہلی لہر ہماری پہاڑی سے ٹکرائی اور یہ مضبوط چٹان پہاڑی طوفان میں بہتی ہوئی حقیر کشتی کی طرح لرز گئی۔ یوں ٹکرا کر برف کی یہ لہر بکھر گئی اور پھر پانی کی طرح بہہ کر نیچے گہری خلیج میں مہیب آواز کے ساتھ گرنے لگی اور یہ تو ابھی ابتدا تھی۔ یہ معمولی سی لہر پیچھے آنے والے خوفناک لہروں کی گویا نقیب تھی۔

اور اب وہ طوفان آیا پھسلتا، بہتا اور لڑھکتا ہوا، برف کی لہریں، تودے اور سلیں ہماری پہاڑی سے ٹکرانے اور جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس پہاڑی چوٹی سے بھی کوئی پانچ گز بلند برف کا انبار لگ گیا اور ہمیں خوف ہوا کہ یہ مضبوط پہاڑی بھی اس دباؤ کو برداشت نہ کر سکے گی اور جڑ سے اکھڑ کر ایک معمولی سے سنگ ریزے کی طرح نیچے، اندھیری خلیج میں جا پڑے گی اور اس وقت کی آوازیں تو ایسی تھیں کہ ہمارے دل دہل رہے تھے۔ دبی ہوئی ہوا کے شدید تھپیڑے اور چنگھاڑیں اور خلیج میں گرتی ہوئی لاکھوں کروڑوں ٹن برف کے دھماکے۔ میرے خدا! آپ اس وقت کی ہماری حالت اور ہمارے خوف کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

یہ طوفان یہیں ختم جاتا تب بھی ٹھیک تھا۔ لیکن اب کچھ اور بھی ہوا۔ برف ہٹ گئی تو وہ بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں، جو غالباً صدیوں سے اس برف میں دبی ہوئی تھیں، اپنی جگہ سے اکھڑ کر نیچے کی طرف لڑھکتے ہوئے آئے۔ ابتدا میں ان کے لڑھکنے کی رفتار سست تھی۔ یہ لڑھکتے ہوئے پتھر برف کو دائیں بائیں یوں اُڑا

رہے تھے جیسے تیزی سے اُڑتا ہوا جہاز جھاگ اڑاتا ہے۔ پھر ان کی رفتار میں تیزی پیدا ہوئی۔ اور اب یہ پتھر بڑی بڑی اور مہیب گیندوں کی طرح اچھل رہے تھے۔ آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں کے زیادہ تر پتھر ہمارے قریب سے اور ہمارے سروں پر سے سنسناتے ہوئے نکلے چلے گئے اور نیچے خلیج میں جا پڑے۔ بعض پتھر ہماری پہاڑی سے توپ کے طرح ٹکرائے لیکن خود ہی ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے یا اگر وہ پہاڑی کے پہلو پر گرتے تھے تو اپنے ساتھ اور بہت سے پتھر توڑ کر لے جاتے اور خلیج میں جا پڑتے تھے۔ زبردست سے زبردست بمباری انسان کے دل اتنے نہیں دہلا سکتی جتنا کہ قدرت کا یہ عمل ہمیں دہلا رہا تھا۔

مکمل ترین خاموشی اور سکون کے بعد اُتھل پُتھل کا یہ منظر اور یہ آواز بڑی ہی لرزہ خیز تھی۔ یہاں اس پر سکون اور خاموش پہاڑ پر قدرت نے یکایک اپنی تباہ کن قوتوں کو آزاد کر دیا تھا اور اس کی تباہ کن عظمت دیکھنے، اس کی لرزہ خیز آوازیں سننے کے لئے صرف دو انسانوں کو منتخب کیا گیا تھا اور وہ دو انسان تھے میں اور لیو جو شدید ترین اور ناقابل بیان خوف کا ہدف بنے ہوئے تھے۔

جب طوفان کی پہلی ہی لہر آ کر ہماری پہاڑی سے ٹکرائی تھی تو اسی وقت ہم گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور چٹان کی اوٹ میں اوندھے منہ لیٹ گئے تھے اور تب سے ہم اس چٹان کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے کیونکہ ہمیں خوف تھا کہ کہیں ہوا کے تیز جھکڑ ہمیں اڑا کر نہ لے جائیں اور خلیج میں پھینک دیں۔ دیر ہوئی کہ ہمارے خیمے کو ہوا خزاں رسیدہ پتے کی طرح اڑا لے گئی تھی اور اکثر دفعہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خیمے کی طرح ہم بھی اُڑ جائیں گے۔

پتھر ہمارے دائیں بائیں سے اور ہمارے سروں پر سے سنسناتے ہوئے گزر رہے

تھے۔ ایک بڑا سا پتھر پہاڑی کی چوٹی پر گرا اور اپنے ساتھ اسے توڑ کر لے گیا۔ ہمیں تو اب تک کوئی ضرر نہ پہونچا تھا۔ لیکن جب ہم نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہمارا ایک خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا، مردہ پڑا ہوا تھا اور اس کا سر غائب تھا اس کے بعد ہم پر ایسا خوف اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ ہم بے حرکت پڑے خود اپنی موت کا انتظار کرتے رہے اور اس عالم میں بھی یہ سوچتے رہے کہ ہمارا حشر کیا ہوگا؟ برف میں زندہ دفن ہو جائیں گے یا پہاڑی سمیت خلیج میں جا پڑیں گے یا پتھر ہمیں کچل دیں گے یا پھر ہوا ہمیں اڑا لے جائے گی؟

یہ طوفان کب تک جاری رہا؟ ہم نہیں جانتے، شاید دس منٹ یا شاید دو گھنٹے کیونکہ ایسے موقعہ پر وقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ احساس ہمیں ضرور ہوا کہ ہوا کا زور کم ہو گیا تھا اور برف اور پتھروں کے لڑھکنے کی آواز ختم گئی تھی۔ بڑی احتیاط سے ہم اٹھ کر کھڑے ہوئے اور چاروں طرف دیکھا۔

ہمارے سامنے پہاڑ کا پہلو، جو پہلے برف سے ڈھکا ہوا تھا، دو میل کے پھیلاؤ میں اور کوئی ایک ہزار گز کی بلندی تک ننگا ہو چکا تھا۔ ہماری پہاڑی کے اس طرف برف کا انبار تھا۔ یہ برف دب کر یخ بن گئی تھی اور اس میں جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر جڑے ہوئے تھے جو اوپر سے لڑھکتے ہوئے آئے تھے اور یہاں آ کر ختم گئے تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پھٹ گئی اور اڑ گئی تھی۔ چنانچہ وہاں اب گہرے شگاف اور دراڑیں پیدا ہو گئی تھیں۔ جن میں ابرق اور دوسری معدنی اشیا چمکتی نظر آتی تھیں۔ اس کے عقب کے خلیج میں برف اور پتھروں کا انبار لگ گیا تھا۔ اس کے علاوہ جو کچھ تھا جوں کا توں تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کیونکہ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور سیکڑوں برف پوش پہاڑیاں ان کی شعاعوں کے عکس کو بکھیر رہی تھیں، اور ہم بچ گئے تھے اور زندہ تھے اور گویا موت کی دہلیز پر سے

واپس آئے تھے اور کمال تو یہ ہے شاید آپ یقین نہ کریں گے، کہ ہمیں ایک خراش تک نہ آئی تھی۔

لیکن اب صورت حال کیا تھی؟ ہم پہاڑی پر سے اترنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ مبادا نرم برف میں دھنس کر زندہ دفن ہوجائیں۔ اس کے علاوہ اب بھی کوئی پتھر نیچی ہوتی برف کو اپنے ساتھ لے کر ڈھلک آتا تھا۔ بے شک یہ پتھر نسبتاً چھوٹے تھے۔ تاہم ان میں کا ہر پتھر بہ یک وقت سو آدمیوں کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ظاہر تھا کہ اب ہمیں اس وقت تک اسی پہاڑی پر رہنا تھا جب تک کہ حالات بدلتے نہیں یا پھر موت آکر ہمیں اس مصیبت سے نجات نہیں دلادیتی۔

چنانچہ ہم وہاں بیٹھے رہے۔ ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ تھا نہیں اور ہم خوفزدہ تھے اور سوچ رہے تھے کہ اگر ہمارا بوڑھا دوست کودرین ہمیں اس حالت میں دیکھتا تو کیا کہتا۔ رفتہ رفتہ بھوک نے ہمارے دوسرے احساسات مردہ کر دیئے اور بار بار ہماری بھوکی نظریں مُردہ یاک کی طرف اٹھنے لگیں۔

"آؤ اس کی کھال اتار لیں" لیو نے کہا "اس طرح وقت کٹ جائے گا اور پھر آج رات ہمیں اسکی کھال کی ضرورت بھی پڑے گی۔"

چنانچہ ہم بصد احترام اپنے سفر کے اس بے زبان ساتھی کی کھال اتارنے گئے۔ ہم اس خیال سے خوش تھے کہ اس کی جان ہم نے نہ لی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم عرصے تک ایسے لوگوں میں رہے تھے جن کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کی روحیں جانوروں کے جسم میں چلی جاتی ہیں یا یہ کہ جانوروں کے روپ میں دوسرا جنم لیتے ہیں۔ چنانچہ اس معاملے میں ہم بھی قدرے توہم پرست بن گئے تھے۔ اور ہم سوچتے تھے کہ اگر اس یاک کو ہم نے ذبح کیا ہوتا اور دوسرے جنم میں انسانی قالب میں آتا تو ہمیں اس خودغرضی پر ضرور سرزنش کرتا۔

لیکن اب چونکہ وہ خود ہی مر چکا تھا اس لیے اس قسم کے خیالات کا لانا حماقت تھی اور پھر یاک بھی یقیناً ہے کہ ہماری مجبوری کو سمجھ لے گا۔ یوں دل کو سمجھا کر ہم نے اس کے گوشت کے چھوٹے چھوٹے قتلے کاٹے، ان قتلوں کو برف میں خوب ٹھیرا۔ یہاں تک وہ ایسے معلوم ہونے لگے جیسے بظاہر آٹا چڑھایا گیا ہو اور پھر بھوک سے مجبور ہو کر ہم یہ کچا گوشت کھا گئے۔ بڑا ہی گھناؤنا کھانا تھا یہ اور ہم یوں محسوس کر رہے تھے جیسے ہم آدم خور بن گئے ہیں۔ لیکن کیا کرتے؟ اسکے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

پانچواں باب

گلیشیر

ہر دن بہر حال ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ دن بھی آخر کار ختم ہو گیا۔ یاک کے کچے گوشت کے ہم نے چند ٹکڑے کھائے۔ خیمہ تو جا ہی چکا تھا۔ چنانچہ ہم نے یاک کی کھال اوڑھی اور لیٹ گئے۔ اب طوفان کا کوئی خوف نہ تھا۔ اس رات سردی غضب کی تھی۔ اگر یاک کی کھال نہ ہوتی اور وہ کپڑے نہ ہوتے جو خوش قسمتی سے ہم نے اس وقت پہن لیے تھے جب ہیں برف شروع ہوا تھا تو یقیناً ہم اکڑ کر مر جاتے۔ حالات یوں بھی اطمینان بخش نہ تھے۔

صبح ہوئی تو لیو نے کہا۔

"ہورلیں! میں تو یہاں سے جا رہا ہوں۔ اگر قسمت میں مرنا ہی لکھا ہے تو مناسب ہوگا کہ حصول مقصد کی جدو جہد کرتے ہوئے موت کو لبیک کہا جائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی ہمیں موت نہ آئے گی۔"

چنانچہ ہم نے کپڑوں اور کھال کو لپیٹ کر دو گٹھریوں میں تقسیم کیا، یاک کا تھوڑا

سا گوشت کاٹا اور روانہ ہو گئے۔ پہاڑ ہر چند کہ دو سو فٹ بلند تھا لیکن اس کی بنیاد خاصی وسیع تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ طوفان پہاڑ کی بنیاد ہی کو اڑا لے جاتا۔ چنانچہ اب صورت حال یہ تھی کہ ہمارے اور سطح میدان کے درمیان برف بچھی ہوئی تھی جو نرم تو تھی ہی لیکن پتہ نہیں تہہ موٹی کتنی تھی۔

سامنے کی طرف سے اترنا ممکن نہ تھا۔ اوّل تو اس لیے اس طرف برف لٹک رہی تھی اور پھر وہ اب جم کر یخ بن گئی تھی اور عمودی تھی۔ چنانچہ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم نرم برف کے خطّے کو عبور کرنے کا خطرہ مول لیتے۔ اب چونکہ مزید انتظار کرنے یا سوچنے سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکتا تھا اس لیے ہم بلاتاخیر روانہ ہو گئے۔ لیو آگے تھا اور ہر قدم پر برف کے انجما کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اور یہ دیکھ کر ہماری خوشی کا ٹھکانا نہ رہا کہ رات کے کہر نے برف کو کم سے کم اس قدر سخت ضرور کر دیا تھا کہ وہ ہمارا بوجھ سہار سکتی تھی جب ہم نصف اُتار اُتر چکے تو یہاں چونکہ دباؤ کم تھا اس لیے برف نرم تھی۔ مجبوراً ہم برف پر اوندھے منھ لیٹ گئے اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ہم جو بوجھ لادے ہوئے تھے اس کا وزن تقسیم ہو گیا اور ہم دھنسنے سے بچ گئے اور یوں اوندھے منھ لیٹ کر ہم آگے کھسکنے بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ پھسلنے لگے۔

سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا۔ یہاں تک کہ ہم میدان سے صرف بیس قدم اوپر رہ گئے اب ہمارے سامنے دُھنکی ہوئی روئی کی سی برف تھی اور یخ کا وہ سفوف تھا جو طوفان کے وقت اڑ کر یہاں آ گرا تھا اور جمع ہو گیا تھا۔ لیو تو بخیریت اس پر سے پھسل کر دوسری طرف پہونچ گیا لیکن — میں، جو، لیو کے داہنی طرف اور اس سے دو گز دور تھا، محسوس کیا کہ میرے نیچے برف پھٹ رہی ہے۔ انتہائی

گھبراہٹ کے عالم میں میں نے پاؤں چلائے۔ میری اس احمقانہ حرکت نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ برف پوری طرح سے پھٹ گئی۔ اور میں ایک فلک شگاف چیخ کے ساتھ اس میں غرق ہو گیا۔

ہر وہ شخص میری اس وقت کی سنسنی اور خوف کا اندازہ لگا سکتا ہے جو کبھی گہرے پانی میں ڈوبا ہو۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ برف میں ڈوبنا اس سے بدرجہا ہولناک ہے۔ البتہ صرف دلدل میں غرق ہونے کی دہشتناکی شاید اس سے بڑھ سکتی ہے۔

میں نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا۔ نیچے، نیچے اور نیچے یہاں تک کہ میرے قدم ایک چٹان پر ٹک گئے اور اس نے مجھے ہمیشہ کے لیے غائب ہونے سے بچا لیا اور اب میں نے اپنے سر پر بکھی ہوئی برف کو بھی جمتے محسوس کیا۔ ساتھ ہی گھٹن کا احساس بھی ہوا۔ خوش قسمتی سے برف بے حد نرم تھی۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ یہ برف مجھے بھینچ لیتی اور میرا دم گھونٹ دیتی میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دیوانہ وار چلایا اور اس طرح اپنے سر پر سے برف ہٹا کر ایک بڑا سا سوراخ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس سوراخ میں سے ہوا چھن چھن کر اور آہستہ آہستہ آرہی تھی۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں چٹان پر ٹکا دیں۔ اور اٹھنے کی کوشش کی لیکن میرے اوپر اتنا بہت سا بوجھ تھا کہ میں اٹھ نہ سکا۔

اور اب میں نے امید چھوڑ دی اور مرنے کے لیے تیار ہو گیا اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس سے مجھے کچھ زیادہ وحشت نہ ہوئی۔ نہ ہی یہ مرنے کی تیاری اتنی بڑی شامت ہوئی، کہتے ہیں کہ مرتے ہوئے آدمی کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے اور گزرے ہوئے زمانے کی تصویر نظر کے سامنے پھر جاتی ہے۔ لیکن میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ البتہ ہوا تو صرف یہ کہ مجھے ایشہ یاد آگئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ

وہ عورت مجھ پر کس قدر حاوی ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے سامنے ہے اور اس کے ساتھ ایک مرد بھی ہے اور وہ دونوں ایک سنگستانی گھاٹی میں کھڑے ہیں۔ اس نے ایک لمبے سفری لبادے میں اپنے آپ کو لپیٹ رکھا ہے اور اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی ہیں میں اسے سلام کرنے اور اسے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے اٹھا لیکن اس نے غضبناک آواز اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یہ کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر؟ تم زندہ ہو تو پھر میرا محبوب لیو کہاں ہے؟ بتا۔ بتا میرے محبوب کو کہاں چھپا رکھا ہے؟ بتاؤ ورنہ تم جان سے جاؤ گے۔"

یہ تصویر یا یہ ہیولیٰ یا جو کچھ بھی وہ تھا غیر معمولی طور پر صاف تھا اور یہ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے اور اس کے بعد جو واقعات ہوئے ان میں خصوصیت سے ایک واقعہ کی وجہ سے یہ تصویر یا میرا یہ خیالی پیکر بے حد اہم ہو جاتا ہے۔

جس ساعت سے یہ تصویر مجھے نظر آئی تھی اسی ساعت سے غائب ہو گئی۔

اور تب مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔

ایک بار پھر مجھے روشنی نظر آئی اور ساتھ ہی لیو کی آواز بھی سنائی دی۔

"ہورلیس!" وہ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "ہورلیس! بندوق کا کندہ مضبوطی سے پکڑ لو۔"

کوئی سخت سی چیز میرے آگے بڑھے ہوئے ہاتھوں نے محسوس کی۔ میں نے جلدی سے اسے پکڑ لیا۔ اس چیز کو بڑی قوت سے کھینچا گیا، میں نے اپنے بازوؤں کو کھنچتے محسوس کیا۔ لیکن سب بیکار۔ میں جہاں تھا وہیں رہا، ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہ ہوا۔ دفعتہً میں سنبھلا۔ میں نے اپنی ٹانگیں سمیٹیں۔ اور پھر خدا کے فضل سے یا اتفاقاً میرے قدم اس چٹان کے کنارے پر ٹک گئے جس پر میں پڑا ہوا تھا۔ ایک بار پھر میں نے اپنے بازوؤں میں کھنچاؤ محسوس کیا اور ساتھ ہی میں نے پوری قوت سے اپنے آپ کو اوپر ڈھکیلا۔ یکایک برف دائیں بائیں کھسک گئی

پھٹ گئی اور میں سوراخ سے یوں تیزی سے باہر نکلا جس طرح لومڑی اپنے بھٹ سے نکلتی ہے۔

پھر میں ایک چیز سے ٹکرا گیا۔ یہ لیو تھا جو زور لگا کر مندوق کھینچ رہا تھا۔ اس ٹکر سے لیو اپنا توازن کھو بیٹھا اور الٹ کر چت گرا ساتھ ہی ہم دونوں ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے اور عین کنارے پر جا کر رُکے۔ میں ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس وقت میں کیسی فرحت محسوس کر رہا تھا۔ میری نظریں اپنے ہاتھ پر پڑیں تو دیکھا کہ ان کی پشت پر رگیں اُبھر آئی تھیں جو روشنائی کی طرح سیاہ اور رسّی کی طرح تنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ میرے اور موت کے درمیان ایک قدم کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔

"میں کتنی دیر تک اس برفانی قبر میں رہا؟" میں نے لیو سے پوچھا جو میرے قریب ہی بیٹھا اپنے چہرے پر سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"یقین سے نہیں کہہ سکتا، یہی کوئی بیس منٹ۔"

"بیس منٹ میرے خدا۔ وہ بیس منٹ تو میرے لئے بیس صدیوں کے برابر تھے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے باہر کس طرح نکالا؟ ظاہر ہے کہ تم برف کے اس صفوف پر کھڑے تو رہ نہیں سکتے تھے؟"

"ہاں۔ جہاں برف قدرے سخت تھی وہاں میں یاک کی کھال پر لیٹ گیا اور جہاں تم ڈوبے تھے وہاں کی برف اپنے ہاتھوں سے کھودنے لگا کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم کہاں ڈوبے ہو اور وہ جگہ دور نہ تھی۔ آخر کار مجھے تمہاری انگلیوں کی پوریں نظر آ گئیں لیکن وہ ایسی جامنی ہو رہی تھیں کہ پہلے تو میں نے انھیں پتھر ہی سمجھا۔ خیر تو میں نے اپنی بندوق کا کندہ بڑھایا۔ خوش قسمتی سے تمہارے حواس اتنے قائم تھے کہ تم نے کندہ پکڑ لیا اور پھر جو کچھ ہوا اس سے تم واقف ہو

ہو۔ اگر ہم دونوں ایسے پر قوت نہ ہوتے تو تمہارا بچنا ناممکن تھا۔"

"شکریہ! میرے دوست۔" میں نے کہا۔

"میرا شکریہ کیوں ہورلیس؟" لیو نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارے خیال میں میں اکیلا ہی اس سفر پر جانا چاہتا تھا یا اسے پسند کرتا ہوں؟ آؤ بھئی اگر تمہارے حواس ٹھکانے آ گئے ہوں تو ہم آگے چلیں؟ تم سرد بستر میں سوئے تھے۔ چنانچہ تمہیں ورزش کی سخت ضرورت ہے۔ یہ دیکھو میری بندوق ٹوٹ گئی ہے اور تمہاری برف میں گم ہو گئی۔ چلو۔ اتنا بوجھ کم ہو گیا۔ میرا مطلب ہے کارتوسوں کا بوجھ۔"

اور وہ کھوکھلی ہنسی ہنسا۔

چنانچہ ہم اٹھے اور اس طرف چل پڑے جس طرف چار میل آگے بڑھ کر سڑک ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ کسی اور طرف جانا بیکار تھا۔ ہم صحیح سلامت وہاں تک پہونچ گئے۔ راستے میں ایک دفعہ برف کا گنبد کا گنبد ہمارے قریب سے لڑھکتا ہوا گزر گیا اور ایک دفعہ ایک کافی بڑی چٹان حملہ کرتے ہوئے شیر کی طرح ہماری طرف آئی لیکن ہمارے سروں پر سے نکل چلی گئی اور نیچے خلیج میں جا پڑی۔ لیکن ہم خوفزدہ نہیں ہوئے کیونکہ ہمارے اعصاب مُردہ ہو چکے تھے اور کوئی خطرہ ان پر اثر انداز نہ ہوتا تھا۔

آخر کار سڑک کا سرا آ پہونچا۔ یہاں ہمارے پیروں کے اور یاک کے کھروں کے نشانات برف پر جوں کے توں موجود تھے۔ انھیں دیکھ کر میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا کہ انھیں دوبارہ دیکھنے کے لیے ہم زندہ رہ گئے تھے۔ ہم کنارے پر کھڑے ہو کر خلیج میں دیکھا۔ دیواریں عمودی تھیں۔ جن پر چڑھنا یا اترنا ممکن نہ تھا۔

"آؤ گلیشیر پر چلیں۔" لیو نے کہا۔

چنانچہ ہم اس پر گئے اور ہیندے کی طرف نیچے اتر کر صورت حال کا جائزہ لیا۔ ہمارے اندازے کے مطابق یہاں کھڈ کی گہرائی چار سو فٹ تھی۔ لیکن یہ کہنا مشکل تھا کہ برف کا دوسرا سرا نیچے پہونچا ہوا ہے کہ نہیں کیونکہ دو تہائی گہرائی کے بعد برف کی یہ موٹی زبان کمان کی طرح مڑ گئی تھی اور دونوں طرف چٹانیں کچھ اس طرح لٹک رہی تھیں کہ ہم دیکھ نہ سکتے تھے کہ برف کی یہ زبان کہاں تک چلی گئی تھی۔ ہم واپس آ گئے اور بیٹھ گئے اور تب انتہا کی مایوسی ہمارے دلوں پر مسلّط ہو گئی۔

"اب کیا کریں؟" میں نے پوچھا۔ "سامنے موت ہے اور پیچھے بھی موت ہے کیونکہ اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ ختم ہے اور بندوقیں ہی نہیں کہ ہم شکار کر سکیں چنانچہ بھوکے پیاسے ہم ان پہاڑوں کو عبور نہیں کر سکتے۔ یہاں بیٹھے رہے تب بھی بھوک ہمارا خاتمہ کر دے گی ہم نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔"

"لیو! اب موت یقینی ہے اور قریب ہے۔ اب تو کوئی معجزہ ہی ہمیں بچا سکتا ہے۔"

"معجزہ،" لیو نے کہا۔ "میں پوچھتا ہوں ہوریس وہ کیا چیز تھی جو ہمیں اس پہاڑ پر لے آئی اور ہم ایوالانش میں دب کر مرنے سے بچ گئے اور وہ کیا چیز تھی جس نے تمہارے پیر ایک چٹان پر ٹکا دیئے جس کی وجہ سے تم برف کے سفوف میں غرق ہونے سے بچ گئے اور مجھے اتنی عقل اور طاقت دی کہ میں نے تمہیں باہر کھینچ لیا؟ اور وہ کیا چیز تھی جس نے ہمیں سترہ سال تک جان لیوا خطرات سے بچائے رکھا، ایسے خطرات سے جن کا مقابلہ کر کے کوئی ذی روح نہیں بچ سکتا؟ کوئی غیبی قوت، کوئی زبردست تقدیر جو ہمارے ساتھ تھی۔ پھر اب وہ قوت کیوں ہماری راہبری نہیں کر سکتی؟ کیوں وہ تقدیر اب ہمارا ساتھ

نہیں دے سکتی ؟"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے ایک جوش کے عالم میں کہا۔

"ہورلیس! میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ہمارے پاس بندوقیں اور سامانِ رسد ہوتا تب بھی واپس جانے کا خیال میرے دل میں کبھی نہ آتا۔ کیونکہ اس طرح میں اپنے آپ کو بزدلی اور ایشہ کے ناقابلِ ثابت کر دیتا۔ نہیں۔ میں تو آگے بڑھوں گا"

"کس طرح ؟" میں نے پوچھا۔

"اس راستے سے" اور اس نے گلیشیر کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن یہ تو موت کا راستہ ہے"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس سرزمین میں لوگ مر کر ہی حیات جاوید حاصل کر سکتے ہیں یا کم سے کم ان کا یہ اعتقاد ہے۔ اگر ہم مر گئے تو جدوجہد کرتے مریں گے اور جس سرزمین میں ہم مریں گے شاید وہیں دوبارہ پیدا ہوں گے۔ بہرحال میں تو یہ ارادہ کر چکا ہوں۔ میں تمہیں مجبور نہیں کرتا"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو لیو؟ ہم نے یہ سفر ساتھ شروع کیا تھا اور ساتھ ہی منزل پر پہونچیں گے خواہ وہ موت کی منزل کیوں ہی نہ ہو۔ شاید ایشہ جانتی ہے کہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں اور وہ ہماری مدد کرے گی" میں ہنسا "اور اگر نہیں جانتی تو ۔۔۔ آؤ بھی۔ اب چلیں۔ ہم خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہے ہیں"

اس کے بعد ہم نے مشورہ کیا اور پھر کھال کا ایک کمبل اور یاک کی کھال کاٹ کر ان کے ہتھے سے بنا لیے اور ان کو آپس میں باندھ کر اور مضبوط گرہیں لگا کر دو رسیاں بنا لیں۔ یہ رسّے ہم نے اپنی اپنی کمر سے باندھ لیے، ان کا ایک سرا آزاد چھوڑ دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس طرح نیچے اترنے میں آسانی ہوگی۔

اس کے بعد ہم نے کمبل اور کھال کے ٹکڑے اپنے پیروں اور گھٹنوں پر لپیٹ

لیے تاکہ برف کی رگڑ سے ہمارے گھٹنے اور پیر زخمی نہ ہو جائیں اور اسی خیال سے ہم نے اپنے موٹے چرمی دستانے بھی پہن لیے۔ یہ تیاری ہو چکی تو ہم اپنے بقیہ سامان اور بوجھل لبادوں میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر انھیں کھڈ میں پھینکدیا کہ اگر ہم زندہ نیچے پہونچ گئے تو یہ سامان ہمیں وہاں مل جائے گا اب ہماری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور اب اس خطرناک اور خوفناک سفر پر روانہ ہونے کا وقت ہو گیا تھا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ پہلے کبھی انسان نے ایسا سفر نہ کیا ہوگا اور نہ آئندہ کبھی کرے گا۔

ہم نے عجیب نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن منھ سے کچھ نہ کہا کیونکہ ہماری زبانیں گنگ تھیں ہم بغلگیر ہوئے اور مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت میں رو پڑا۔ یہ سب کچھ اس قدر اداس اور مایوس کن تھا۔ وہ سب خطرات جن کا مقابلہ ہم نے کیا تھا، وہ مصائب جو ہم نے برداشت کیے تھے اور برسوں کے یہ تھکا دینے والے سفر۔۔۔ اور اب ان باتوں کا، ہمارے خیال میں خاتمہ ہو جانے والا تھا۔ یہ خیال ہی لرزہ خیز اور رلا دینے والا تھا کہ لیو، میرا پیارا بیٹا، میرا پیارا ساتھی، یہ حسین و جمیل جوان چند منٹوں بعد ہی پھڑ کتے اور تڑپتے ہوئے گوشت اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا ایک گٹھڑ ہو گا۔ رہا میں تو مجھے اپنی پروا نہ تھی۔ میں بوڑھا تھا اور یوں بھی میری موت قریب تھی۔ میری زندگی معصوم گزری تھی۔ بشرطیکہ اس حسینہ کی جستجو کو معصومیت کہا جا سکے جس نے آخر کار ہمیں موت کے دہانے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

نہیں اس وقت مجھے اپنا خیال نہ تھا۔ البتہ مجھے لیو کا خیال تھا اور ضرور تھا اور جب میں نے اس کے چہرے پر استقلال کی چمک دمک اور آنکھوں میں قوت ارادی کی چمک دیکھی تو میں اس پر فخر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے اسے دعا دی اور کہا کہ وہ قیامت تک شاد کام رہے اور پھر یہ دعا مانگی کہ میں ہمیشہ اس کا ساتھی رہوں۔ لیو نے میرا

شکریہ ادا کیا اور میری دعا کے جواب میں ایسی ہی دعا مانگ کر اس نے کہا۔

"چلو!"

چنانچہ ہم نے پہلو بہ پہلو وہ خوفناک اور خطرناک اُتار اُترنا شروع کیا۔ ابتدا میں یہ کام بڑا ہی آسان رہا حالانکہ ذرا سی لغزش ہمیں کھڈ میں گرا کر ابدی نیند سلا سکتی تھی۔ لیکن ہم ہوشیار اور پھرتیلے تھے، پہلے بھی اس قسم کے حالات سے گزر چکے تھے۔ چنانچہ اس لغزش کا احتمال نہ تھا یا اگر تھا تو بہت کم۔ ایک چوتھائی راستہ طے کر کے ہم اس بڑے پتھر پر ٹھہر گئے جو برف میں پیوست تھا اور مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ پھر ہم احتیاط سے گھوم گئے، پیٹھ گلیشیر سے ٹکائی اور ادھر ادھر دیکھا۔ حقیقت میں بڑا ہی خوفناک مقام تھا یہ۔ ڈھلان دیوار کی طرح عمودی تھی۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہ دیکھ سکے کیونکہ ہم سے کوئی ایک سو بیس فٹ نیچے برف کا ایک انبار تھا جو نظر کو روک رہا تھا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھ ہی نہ سکتے تھے کہ نیچے کیا تھا۔

ہمیں احساس تھا کہ ہمارے اعصاب اس چکرا دینے والی گہرائی کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ ہمارے سر چکرانے لگتے اور ہمارے جی چھوٹ جاتے ہم نے ایک بار پھر اپنے چہرے برف کی طرف کر لیے اور سنبھل سنبھل کر اترنے لگے۔

اور اب مشکلات کا سامنا تھا۔ کیونکہ اب پتھر کم اور دُور دُور تھے۔ چنانچہ ایک دوسرے پتھر تک پہونچنے کے لیے ہمیں برف پر پھسلنا پڑ رہا تھا۔ لیکن جب ہم پھسلتے ہمارے دل میں یہ اندیشہ ضرور پیدا ہو جاتا کہ ہم نیچے والے پتھر پر نہ پہونچ جائیں گے یا اس کے قریب سے نکل کر سیدھے کھڈ کے پھندے میں جا پڑیں گے۔ لیکن چمڑے کی رسیوں نے ہمیں مرنے سے بچا لیا۔ ان کے سرے ہم پتھروں یا برف میں پھنسا لیتے اور پھر ان رسیوں کو پکڑ کر نیچے پھسلنے لگتے تھے اور جب نیچے کے پتھر پر پہنچ

جاتے تھے تو رسیوں کو کھینچ لیتے تھے۔

چنانچہ۔ ہم پھسلتے ہوئے اس جگہ تک پہونچ گئے جہاں برف کمان کی طرح مڑ گئی تھی۔ یہ موڑ آدھے یا اس سے کچھ فاصلے پر تھا۔ یعنی اوپر سے کوئی ڈھائی سو فٹ نیچے اور تنگ کھڈ کے اندھیرے پیندے سے تقریباً ڈیڑھ سو فٹ اوپر۔ یہاں پتھر تو نہ تھے البتہ برف کھردری تھی۔ چنانچہ ہم اس پر بیٹھ گئے کہ ذرا دم درست کرلیں۔

"ہوریس! ہمیں نیچے دیکھ لینا چاہیئے۔" لیو نے کہا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ کس طرح؟ صرف ایک ترکیب تھی۔ یعنی یہ کہ ہم موڑ پر سے لٹک کر دیکھتے کہ نیچے کیا تھا۔ بغیر کچھ کہے ہم نے ایک دوسرے کی دلی کیفیت معلوم کرلی اور میں یوں آگے بڑھا جیسے یہ کام میں کروں گا۔

"نہیں ہوریس!" لیو نے کہا۔ "میں تم سے زیادہ طاقتور اور جوان ہوں۔ آؤ میرا ہاتھ بٹاؤ۔"

اور وہ برف کے ابھرے ہوئے مضبوط کونے سے چرمی رسی باندھنے لگا۔

"اچھا۔" اس نے کہا۔ "اب تم میرے پیر پکڑ لو۔"

یہ سراسر پاگل پن تھا۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ چنانچہ میں نے ایک گڑھے میں اپنی ایڑیاں جما کر لیو کے پیر ٹخنوں پر سے مضبوطی سے پکڑ لیے۔ لیو آہستہ آہستہ نیچے کی طرف پھسلنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا آدھا جسم موڑ سے دوسری طرف پہونچ کر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس نے کیا دیکھا؟ یہ بات جانے دیجئے۔ کیونکہ بعد میں مجھے بھی وہ سب کچھ دیکھنا پڑا۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ یکایک اس کے جسم کا سارا بوجھ ایک جھٹکے کے ساتھ میرے بازوؤں پر آپڑا اور نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس کے پیر میری گرفت سے نکل گئے۔

یا کیا پتہ فطرت کے اسی تقاضے سے، جو آدمی کو اپنی جان بچانے پر مجبور کرتا ہے، اور خوفزدہ ہو کر خود میں نے اس کے پیر چھوڑ دیئے ہوں۔ اگر میں نے ایسا کیا تھا تو اس کا بھی الزام مجھ پر نہیں آتا۔ اگر میں نے اس کے پیر نہ چھوڑ دیئے ہوتے تو میں خود ایک جھٹکے کے ساتھ الٹ کر کھڈ میں جا پڑتا۔ اس کے بعد وہ اسی تیزی سے نیچے کی طرف چلی اور پھر تن گئی۔

"لیو! لیو"۔ میں خوف سے چیخا۔

اور میں نے بھنچی ہوئی آواز سنی جو میرے خیال میں کہہ رہی تھی۔

"آؤ۔"

لیکن حقیقت میں اس نے کہا تھا "نہ آؤ۔"

لیکن میں ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ میں نے کچھ سوچا نہیں اور۔ آپ کو میری اس جرأت کی داد دینی چاہیئے۔ ایک لمحہ کی بھی تاخیر کیے بغیر جس طرح میں بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھ کے بل برف پر پھسلنے لگا۔

دو سکنڈ میں ہی میں موڑ پر تھا اور تیسرے سکنڈ میں میں اس پر سے گزر چکا تھا اور نیچے جو کچھ تھا اسے میں برف کی ایک زبردست قلم ہی کہوں گا جو ٹوٹ کر لٹک گئی تھی اور جو کنارے سے چار پانچ گز دور تھی۔ یعنی بیچ میں چار پانچ گز کا خط تھا۔ برف کی یہ قلم پندرہ فٹ سے زیادہ لمبی نہ تھی اور باہر کی طرف ابھری ہوئی تھی۔ چنانچہ میرا اتار عمودی نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کا سرا پانی کے ٹپکنے یا کسی اور وجہ سے گھس گیا تھا جس کی وجہ سے وہ انسان کی ہتھیلی کی طرح چپٹا اور قریب قریب اتنا ہی چوڑا بن گیا تھا۔ موڑ کے بعد برف ہموار نہ تھی۔ چنانچہ یہاں میرے کپڑے الجھ رہے تھے اس کے علاوہ میں ان ابھاروں کو پکڑ پکڑ کر حتی الامکان احتیاط سے نیچے پھسل رہا تھا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ میں بڑی آہستگی سے نیچے پھسلتا چلا گیا اور چونکہ

میری ایڑیوں کو بھی ٹکنے کی جگہ نہ مل رہی تھی اس لیے میں سیدھا بلکہ کھڑا تھا اور میری حالت ایسی تھی جیسے مجھے صلیب پر لٹکا دیا گیا ہو اور پھر میں نے جو کچھ دیکھا اور جو نظر آیا اس نے میرا خون منجمد کر دیا۔

ٹوٹی ہوئی برف سے چار پانچ فٹ نیچے چرمی رسی سے لیو لٹک رہا تھا۔ وہ اوپر کے کنارے سے اور نیچے کے کنارے سے بھی دور تھا۔ نہ اوپر آسکتا تھا اور نہ نیچے پہونچ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ خلا میں رسی سے لٹکا آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا بالکل اسی طرح۔ حیرت ہے کہ اس عالم میں بھی مجھے یہ خوفناک تشبیہ سوجھ گئی۔ کہ سالم ران کو سلاخ میں پرو کر بھوننے کے لیے اسے آہستہ آہستہ آگ پر گھمایا جاتا ہے۔ نیچے گہرا اور اندھیرا کھڈ تھا اور اس کے پیندے میں برف کی سفید سی چادر نظر آرہی تھی تو یہ دیکھا میں نے۔

آپ اس منظر کو تصور میں لانے کی کوشش کیجئے۔ میں برف پر مصلوب تھا۔ میری ایڑیاں ذرا سی جگہ پر ٹکی ہوئی تھیں، میری انگلیوں نے ایسے ابھاروں کو پکڑ رکھا تھا جن پر ایک چڑیا بھی مشکل سے بیٹھ سکتی، اور میرے ارد گرد اور نیچے چکرا دینے والی گہرائیاں تھیں۔ جہاں سے میں آیا تھا وہیں واپس چڑھنا ناممکن تھا، اپنی جگہ سے ہلنا بھی ناممکن تھا، ذرا سی غلطی، پیر ذرا سا پھسلا، ہاتھ چھوٹا اور میں گیا۔

اور میرے نیچے لیو تھا جو اپنے تار سے لٹکتی ہوئی مکڑی کی طرح خلا میں لٹک رہا تھا، گھوم رہا تھا، آہستہ آہستہ چکر پھیریاں کھا رہا تھا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ تازہ کھال کی رسی اس کے بوجھ سے تن گئی تھی اور گرہیں سرک کر پھنس گئی تھیں اور، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے، میں سوچ رہا تھا کہ دیکھیں پہلے رسی ٹوٹتی ہے یا گرہیں کھلتی ہیں یا پھر یہ ہوتا ہے کہ نہ رسی ٹوٹے گی نہ گرہیں کھلیں گی اور لیو اسی طرح اس وقت تک یونہی لٹکتا رہے گا جب تک کہ اس کا ہر ایک عضو سڑ کر

جسم سے الگ ہو کر نیچے کھڈ میں نہیں جا پڑتا۔

میں اپنی اس عمر میں بڑے خطرناک مقامات سے گزرا ہوں، میں نے کوہ کے غار میں سنگِ لرزاں پر سے کانپتی ہوئی چٹانی سوئی یا ہمینہ پر چھلانگ لگائی تھی اور اس تک پہونچ نہ پاتا تھا۔ لیکن سچ کہتا ہوں کہ اس وقت جس خطرے سے دوچار تھا وہ سب سے بالا تھا۔ شدید خوف مجھ پر مسلّط ہو گیا اور میرا جسم سرد پسینے میں شرابور ہو گیا۔ میں پسینے کو اپنے رخساروں پر آنسوؤں کی طرح بہتے محسوس کر رہا تھا اور میرے سر کے بال سچ مچ کھڑے ہو گئے تھے۔

اور نیچے، مکمل ترین خاموشی میں لیو رسی سے لگا گھوم رہا تھا، گھوم رہا تھا اور ہر دفعہ اس کی نظر میری نظر سے ملتی اور اس کی آنکھوں میں ایسی مایوسی تھی کہ میں اب بھی اسے یاد کر کے کانپ اٹھتا ہوں۔

اور خاموشی۔۔۔ اس وقت کی خاموشی دوزخ کے عذاب سے کم نہ تھی۔ خاموشی اور بے کسی اور مجبوری۔ اگر لیو چیختا یا ہاتھ پاؤں چلاتا تو شاید میری حالت یا ہماری حالت اتنی بری نہ ہوتی۔ لیکن یہ خیال ہی روح فرسا کہ لیو زندہ تھا اور اس کے اعصاب تن کر ٹوٹنے کے قریب ہو گئے تھے اور ہم کچھ کر نہ سکتے تھے۔

میرے اعضا درد کرنے لگے لیکن میں ذرا سی بھی جنبش کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اعضا بری طرح سے درد کر رہے تھے کم سے کم مجھے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا اور اس جسمانی اور روحانی کرب میں میرا دماغ بے قابو ہو گیا اور مجھے ماضی یاد آنے لگا۔

مجھے یاد آیا کہ بچپن میں میں کس طرح ایک درخت پر چڑھ گیا تھا اور ایسی جگہ پہونچ گیا تھا جہاں سے نہ اوپر چڑھ سکتا اور نہ ہی نیچے اتر سکتا تھا اور مجھے یاد آیا کہ اس وقت میں کیسے کرب میں مبتلا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ مصر میں کس طرح میرا ایک بیوقوف دوست اکیلا ہی فرعون دوم یعنی فرعون خضرا کے اہرام پر چڑھ گیا تھا۔

اور پھر وہ وہیں آدھے گھنٹے تک، زمین سے چار سو فٹ کی بلندی پر ٹنگا رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ تصویر اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ میری نظروں کے سامنے گھوم گئی۔ وہ غریب بار بار اپنی ٹانگیں نیچے لٹکا رہا تھا کہ شاید کبھی کوئی سوراخ مل جائے جس میں پنجے پھنسا سکے لیکن ناکام ہو کر پھر اپنی ٹانگیں اوپر کھینچ لیتا تھا۔ اور اس وقت میں اس کا چہرہ بھی دیکھ رہا تھا جو مارے خوف کے سفید ہو گیا تھا۔

اور پھر یہ تصویر غائب ہو گئی اور اندھیرے نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور اس اندھیرے میں تصویریں نظر آئیں۔ ایوالاتس کو جو نیچے آ رہا تھا، برف کی سرد و سفید قبر جس میں وہ پھنس گیا تھا اور پھر ایشہ جو لیو کی موت کا الزام مجھے دے رہی تھی جو مجھ سے لیو کو طلب کر رہی تھی۔ اندھیرا اور خاموشی میں میں اپنے پٹھوں کے کھنچنے کی آواز سن رہا تھا۔

دفعتہً اندھیرے میں روشنی کی چمک اور خاموشی میں ایک آواز۔ یہ چمک لیو کے چاقو کی تھی جو اس نے کھینچ لیا تھا اور اب وہ دیوانہ وار چرمی رسی کو کاٹ رہا تھا کہ جو ہونا ہے سو ہو جائے لینی اس پار یا اس پار۔ اور آواز وہ تھی جو بے اختیار اس کے منہ سے نکل آئی تھی۔ یہ ایک چیخ تھی جو رسی کٹنے پر اس کے منہ سے نکلی تھی۔ کامیابی کی چیخ جو رسی کٹ جانے پر تھی اور خوف کی یہ چیخ۔

میں نے چرمی رسی کو کٹتے دیکھا یہ کٹا ہوا حصہ اوپر اور نیچے کی طرف سکڑ گیا۔ جس طرح غضبناک کتے کے ہونٹ سکڑ جاتے ہیں اور جو حصہ کٹا نہ تھا وہ کھنچنے لگا۔ اور کھنچتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بہت پتلا ہو گیا اور پھر جب وہ "چٹ" سے ٹوٹ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسی کا اوپر کا حصہ ایک دم سے اوپر آ کر میرے چہرے پر کوڑے کی طرح لگا۔

دوسرے ہی لمحے میں نے دھماکہ سنا۔ لیو کھڈ کے میندے میں جا پڑا تھا۔ لیو مر چکا تھا۔ جیسا کہ میں نے تصوّر کیا تھا اسی طرح تڑپتے اور پھڑکتے ہوئے گوشت اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا انبار۔ یہ انتہا تھی میری ہمت اور حیرت عود کر آئی۔ جب تک میری طاقت جواب نہ دے جائے تب تک میں انتظار نہ کر سکتا تھا۔ نہیں۔ میں اپنے بیٹے کے پیچھے جاؤں گا اور فوراً ہی میں نے اپھار چھوڑ دیئے۔ ہائے اس قدر سکون ملا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اپنی ایڑیوں پر توازن قائم کر کے کھڑا رہا، آسمان کی طرف آخری بار دیکھا، آخری دعا پڑھی ایک لمحے تک یوں ہی کھڑا رہا اور پھر زور سے چیخا۔

"میں آ رہا ہوں۔"

میں نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے اور نیچے اندھیرے اور گہرے کھڈ میں یوں چھلانگ لگا دی جیسی طرح نہانے والے کسی بلند جگہ سے دریا میں چھلانگ لگاتے ہیں۔

چھٹا باب

دیارِ محبوب

میرے خداوہ چھلانگ! کہتے ہیں اس طرح بلندی پر سے گرتے ہوئے لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں اس عام خیال کے خلاف کہتا ہوں کہ یہ سچ نہیں ہے جب میں اس خلا کو یوں عبور کر رہا تھا تو میرے حواس قائم تھے لیکن یہ بھی کہتا ہوں کہ اتنا مختصر سفر ایسا طویل کبھی معلوم نہ ہوا تھا اور میں نے کھڈ کا سفید پیندا جو مجھ سے ملنے کے لیے کسی زندہ چیز کی طرح جیسے اوپر کی طرف لپک

رہا تھا۔ اور پھر ـــــ خاتمہ۔

ایک دھماکہ اور ـــــ حیرت ہے کہ میں زندہ تھا۔ جی ہاں میں زندہ تھا اور پانی میں تھا۔ میں اس کی برفانی ٹھنڈک محسوس کر رہا تھا اور اس یخ پانی میں نیچے ہی نیچے اترتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ اب میں کبھی ابھر کر اوپر نہ آؤں گا۔ لیکن میں ابھرا حالانکہ میرے پھیپھڑے پھٹنے کے قریب ہو گئے تھے۔ جب میں یوں اوپر آ رہا تھا تو مجھے وہ دھماکہ یاد آیا جو میرے گرنے پر ہوا تھا۔ یہ کیا ہوا تھا؟ ٹھیک ہے۔ میں بہت بلندی پر سے گرا تھا۔ چنانچہ سطح پر کی برف توڑ کر پانی میں آ گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ سطح پر ایک بار پھر برف کا سامنا ہو گا۔ میرے خدا! اب تک تو زندہ بچ گیا تھا لیکن اب ہو گا یہ کہ میرے سر پر برف کی سطح ہو گی اور میں اس کے نیچے پانی ہی میں رہوں گا یہاں تک کہ میرا دم گھٹ جائے گا اور میں بلی کے بچے کی طرح ڈوب کر مر جاؤں گا۔ میرے ہاتھ برف کی چادر کو چھو گئے۔ میرا خیال غلط نہ تھا۔ میرے سر پر برف تھی۔ کانچ کی طرح سفید و شفاف۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا سر برف کو پھاڑ کر باہر نکل آیا۔ بات یہ تھی کہ اس اندھیری گہرائی میں برف کی تہہ ایک انچ کی موٹائی سے زیادہ موٹی نہ تھی اور یہ برف بھی گذشتہ رات کے کہرے جمائی تھی۔ چنانچہ میں یوں برفانی گہرائیوں سے ابھر کر سطح پہ آیا اور ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اپنے پیر چلا کر تیرنے لگا۔

اور پھر میں نے وہ منظر دیکھا جس نے میرے دل کو خوشی اور تشکر کے جذبات سے پُر کر دیا۔ دس گز سے بھی کم فاصلے پر لیو تھا جس کے بالوں اور داڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا باقاعدہ بہہ رہا تھا، اور وہ زندہ تھا اور اپنے ہاتھوں سے برف کو توڑتا ہوا منجدھار میں سے کنارے کی طرف تیرتا ہوا جا رہا تھا۔ لیو نے مجھے دیکھ لیا اور اس کی آنکھیں پھٹ کر (حاشیہ صفحہ ۱۰۶ پر)

حلقوں سے نکلنے کے قریب ہو گئیں۔

"ہورلیس! ہم دونوں زندہ ہیں اور خطرہ گزر چکا ہے۔" لیو نے چیخ کر بشاشت سے کہا۔ "اب یقین آیا کہ کوئی غیبی قوت ہماری رہنمائی کر رہی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ غیبی قوت ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔" میں نے اپنے ہاتھوں سے برف میں راستہ بناتے ہوئے پوچھا۔

اور تب ہمیں احساس ہوا کہ ہم یہاں اکیلے نہ تھے۔ دریا کے کنارے پر اور ہم سے کوئی تیس گز دور دو انسان کھڑے ہوئے تھے۔ ایک مرد جو ایک لمبے لٹھ پر جھکا کھڑا تھا۔ اور ایک عورت۔ یہ شخص بے حد بوڑھا تھا کیونکہ آنکھیں جالا پڑی تھیں، بال برف کی طرح سفید تھے جو اس کے جھکے شانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اور سفید داڑھی اس کے دھنسے ہوئے سینے پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کے جھریوں بھرے چہرے کی رنگت موم کی طرح زرد تھی۔ اور اس کا چہرہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پتھر سے تراشا گیا ہو۔ یہ بوڑھا اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں اپنے لٹھ پر جھکا مجسمے کی طرح بے حرکت کھڑا تھا اور ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے یہ سب کچھ پہلی ہی

۵:۔(حاشیہ صفحہ ۱۰۵) بعد میں معلوم ہوا کہ اس جگہ دریا عموماً اتھلا رہتا ہے اس کی گہرائی ایک یا دو فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ لیکن طوفان نے آگے سے اس کا راستہ روک دیا۔ اور پانی کو گہرا بنا دیا تھا کئی فٹ گہرا، چنانچہ کمال ہے کہ طوفان نے جہاں اسی طوفان نے جس نے ہمارے دلوں پر موت کا خوف طاری کر کے ہمیں مایوس کر دیا تھا اس دریا کے آگے بند سا باندھ کر اور اسے گہرا کر کے ہماری جانیں بچائی تھیں اگر ایسا نہ ہوا ہوتا اگر دریا اتھلا ہی رہا ہوتا۔ تو ہم نہ بچ سکتے۔ سچ ہے خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔

(ہورلیس ہالی)

نظر میں دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اس وقت مجھے ذرا بھی احساس نہ تھا کہ میں یہ تفصیلات کیوں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ہم برف ہٹاتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے اور یہ پورا منظر بعد میں اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ میری نظروں کے سامنے اُبھر آیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ عورت، جو دراز قامت تھی، ہماری طرف اشارہ کر رہی تھی۔

کنارے کے قریب، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دریا کے چٹانی کنارے کے قریب برف نہ تھی۔ کیونکہ یہاں پانی کا بہاؤ تیز تھا۔ یہ دیکھ کر میں اور لیو ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور ایک دوسرے کو سنبھالتے اور سہارا دیتے ہوئے تیرنے لگے اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ کیونکہ اب میری وہ طاقت جس نے اب تک میرا ساتھ دیا تھا، اس تیز بہاؤ میں میرا ساتھ چھوڑتی معلوم ہوتی تھی اور پھر پانی کی سردی سے میرے ہاتھ پاؤں بھی سن ہو گئے تھے اگر لیو میرا دامن پکڑے ہوئے نہ ہوتا تو میں سمجھتا ہوں پانی مجھے اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ چنانچہ یوں لیو سے مدد پا کر میں کچھ دیر تک جدوجہد کرتا رہا یہاں تک کہ لیو نے کہا۔

"رسی کا سرا پکڑ لو۔ میں غوطہ مار رہا ہوں۔"

چنانچہ میں نے یاک کی کھال کا وہ تسمہ پکڑ لیا جو اب بھی لیو کی کمر سے بندھا ہوا تھا۔ یوں لیو کے دونوں ہاتھ تو آزاد ہو گئے۔ اس نے بچ جانے کی اور مجھے بچا لینے کی آخری اور قابلِ تعریف کوشش کی۔ ہمارا لباس بھیگ کر بوجھل ہو گیا تھا جو ہمیں یوں نیچے کھینچ رہا تھا جیسے ہماری کمروں سے پتھر بندھے ہوئے تھے۔

بہرحال لیو اس جگہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا جہاں کوئی دوسرا پیراک ناکام رہتا۔ اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ ہم غرق ہو جاتے۔ کیونکہ پانی خطرناک تیزی سے بہہ رہا تھا لیکن ہوا یہ کہ ہمیں اس مصیبت میں پھنسا دیکھ کر اور پھر عورت کے شہ دلانے سے وہ بوڑھا حیرت انگیز تیزی سے دوڑ کر اس چٹان پر آیا

جو دریا میں چند گز تک در آئی تھی اور جس کے قریب سے ہم بہے جا رہے تھے
بوڑھے نے وہاں بیٹھ کر اپنے لٹھ کا ایک سرا ہماری طرف بڑھا دیا۔
حالانکہ پانی ہمیں زور سے بہائے لئے جا رہا تھا لیکن لیو نے کوشش
کر کے لٹھ کا سرا پکڑ لیا اور پھر ہم بہاؤ میں قلابازیاں سی کھا گئے۔ ہمارے
پیر چٹان سے ٹکرا گئے لیکن پھر چھوٹ گئے۔ لیکن ہم نے وہ لٹھ نہ چھوڑا جس کے
دوسرے سرے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہ بوڑھا چٹان سے گوہ کی طرح چمٹا
ہوا تھا اور اس عورت نے اس بوڑھے کو پکڑ رکھا تھا ہم سنبھلے اور چٹان کی
اوٹ لیتے ہوئے کنارے کی طرف بڑھے۔ ہم اب بھی خطرے سے باہر نہ تھے چنانچہ
بوڑھے نے چٹان پر پیٹ کے بل لیٹ کر اپنے دونوں ہاتھ ہماری طرف بڑھا
دیئے لیکن ہم ان تک نہ پہونچ سکے اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ لٹھ بوڑھے
کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ہم دھارے کے رحم و کرم پر تھے۔

اور اس موقع پر عورت نے حیرت انگیز جرأت اور بے جگری کا ثبوت دیا۔
ایک ہاتھ سے بوڑھے کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ پانی میں کود پڑی اور پانی اس کی
بغلوں تک آ گیا۔ اس نے جلدی سے دوسرا ہاتھ بڑھا کر لیو کے بال پکڑ لیے
اور اسے کنارے کی طرف گھسیٹ لیا۔ اب لیو نے چٹان پر پیر جما دیئے، ایک
بازو عورت کی نازک کمر میں حمائل کیا اور دوسرا میری طرف بڑھا دیا۔ اس کے
بعد کچھ عجیب و شدید جد و جہد ہوئی اور آخر کار ہوا یہ کہ ہم تینوں یعنی بوڑھا
لیو اور میں ساحل پر لڑھک آئے اور وہاں پڑے ہانپنے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد میں نے اوپر نظر کی۔

ہمارے سامنے وہ عورت کھڑی تھی، اس کے لباس سے پانی ٹپک رہا تھا
اور وہ لیو کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے خواب دیکھ رہی ہو لیو کے ماتھے پر ایک زخم

آگیا تھا جس میں جیتا جیتا خون اس کے چہرے پر بہہ رہا تھا۔ اس وقت بھی میں یہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا یہ عورت کس قدر حسین اور بہ وقار تھی۔ اور پھر وہ یوں چونکی جیسے اُسے ہوش آگیا ہو۔ اس نے اپنے لباس کی طرف دیکھا جو اس کے خوبصورت جسم سے چمٹ گیا تھا، بوڑھے سے کچھ کہا اور پلٹ کر چٹان کی طرف بھاگ گئی۔

ہم تقریباً بے سدھ پڑے تھے۔ اب بوڑھا اٹھا اور اپنی جالا پڑی آنکھوں سے ہمارا جائزہ لینے لگا۔ اس نے کچھ کہا لیکن ہم سمجھ نہ سکے۔ اس نے اب دوسری بولی میں کچھ کہا۔ ہم پھر بھی نہ سمجھے اور تیسری دفعہ ہماری سمجھ میں آگیا کیونکہ اس دفعہ وہ جو زبان بولا تھا وہ یونانی تھی۔ جی ہاں۔ یہاں وسط ایشیا میں وہ یونانی زبان بول رہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ جو زبان وہ بول رہا تھا۔ وہ فصیح نہ تھی تاہم یونانی تھی۔

"تم لوگ جادوگر ہو کہ زندہ یہاں تک پہونچ گئے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں" میں نے اسی زبان میں جواب دیا۔ عرصے سے میں نے یونانی میں کسی سے بات نہ کی تھی چنانچہ میری یہ زبان ٹوٹی پھوٹی تھی۔ "اگر ہم جادوگر ہوتے تو اس طرح نہ آتے۔"

اور میں نے اس بلند چٹان کی طرف جہاں سے میں نے چھلانگ لگائی تھی۔ اور اپنے زخموں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لوگ قدیم زبان سے واقف ہیں اور یہی ہمیں پہاڑوں پر سے کہا گیا تھا۔" وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

"اجنبی تمہیں کس کی تلاش ہے؟" اس نے پوچھا

اور اس کے اس سوال پر میں نے سوچا کہ اصل بات چھپا جاؤں۔ مبادا یہ بوڑھا

غصہ ہو کر ہمیں واپس دریا میں ڈھکیل دے۔ لیکن میں ایسا دور اندیش نہ تھا اور پھر میرے خیال میں میرے حواس بھی بجا نہ تھے چنانچہ میں نے یونانی اور عربی زبان میں، یعنی ملی جلی زبان میں جواب دیا۔

"ہمیں اس آتشیں پہاڑ کی سرزمین کی تلاش ہے جس کی چوٹی پر حیات وقوت کی علامت قائم ہے۔"

بڈھے میاں نے آنکھیں پھاڑ کر ہماری طرف دیکھا۔

"تو تم جانتے ہو؟" وہ بولا اور پھر ایک دم سے پوچھا "اور کس کی تلاش ہے تمہیں؟"

"اس کی" لیو نے ایک وحشت کے عالم میں کہا۔ "ملکہ کی"

میرے خیال میں وہ کاہنہ یا دیوی کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے لیے اس کے ذہن میں جو یونانی لفظ آیا تھا وہ "ملکہ" یا شاید اس سے ملتا جلتا لفظ یا شاید اس لیے اس کی زبان سے یہ لفظ نکلا ہو کہ وہ عورت جو بھاگتی ہوئی چٹان کی طرف گئی تھی ملکہ معلوم ہوتی تھی۔

"اوہ" بوڑھے نے کہا "تمہیں ملکہ کی تلاش ہے تو پھر یقیناً تم وہی ہو جن پر نظر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن نہیں۔ یہ میں کیسے یقین کر لوں۔"

"بڑے میاں! یہ سوالات پوچھنے کا وقت ہے؟" میں نے قدرے خفگی سے کہا۔ "اب تم بھی میرے ایک سوال کا جواب دو۔ تم کون ہو؟"

"میں؟ اجنبیو! میرا لقب محافظ باب ہے اور وہ خاتون جو میرے ساتھ تھی کلودن کی خانیہ ہے!"

اس وقت لیو کو غشی طاری ہونے لگی۔

"یہ صاحب علیل ہیں" محافظ نے کہا "اور اب چونکہ تم دم درست کر چکے ہو

اس لئے مناسب ہوگا کہ تمہیں فوراً محفوظ مقام پر پہونچا دیا جائے۔ آؤ! میری مدد کرو۔"

چنانچہ ہم نے لیو کو اٹھایا اور اسے دونوں طرف سے سہارا دیتے ہوئے ہم اس منحوس چبوترے اور جان لیوا دریا کے قریب سے ہٹے اور تنگ گھاٹی میں چل پڑے۔ کچھ ہی آگے بڑھ کر یہ گھاٹی پھیل کر کھل گئی تھی اور وہاں اس کے دہانے پر ہمیں باب نظر آیا۔ اس وقت کی تفصیلات اور گفتگو بس مجھے دھندلی دھندلی یاد ہے۔ چنانچہ اتنا خیال ہے کہ ہمارے سامنے دیوار جیسی ایک عظیم الشان چٹان تھا جسے کھود کر راستہ بنایا گیا تھا جہاں سے کسی دور میں یقیناً شاہراہ گزرتی تھی۔ اس راستے یا باب الشہر کے ایک طرف زینہ تھا جو ہم بڑی دقتوں سے چڑھنے لگے۔ اور سبب اس کا یہ تھا کہ اب لیو پوری طرح سے بے ہوش تھا اور اپنی ٹانگوں کو جنبش نہ دے سکتا تھا۔ سیڑھیوں کا پہلا سلسلہ ختم ہوتے ہوتے تو لیو دنیا وما فیہا سے بے خبر تھا۔ اور اسے اٹھانا ہمارے لئے مشکل ہو رہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے کہ میں نے پیروں کی چاپ سنی نظر اٹھا کر دیکھا تو نظر آیا کہ وہی عورت، جس نے دریا میں اتر کر لیو کو بچایا تھا، سیڑھیاں اترتی چلی آرہی تھی اور اس کے پیچھے لبادہ پہنے ہوئے دو مرد تھے جن کے چہرے تاتاریوں کے سے تھے۔ تین چہرے ان میں چڑی ہوئی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور زرد رنگت ہمیں دیکھ کر بھی ان کے بشروں سے ذرا بھی حیرت کا اظہار نہ ہوا۔ عورت نے ان دونوں سے کچھ کہا جس پر انھوں نے آگے بڑھ کر لیو کو اٹھا لیا اور یقیناً بڑی آسانی سے اور اسے یوں اٹھا کر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

ہم ان کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں پہونچ گئے جو باب کے اوپر ایک چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا، یہاں سے وہ عورت جس کا نام بوڑھے محافظ نے خانیہ

بتایا تھا، چلی گئی۔ ایک کمرے سے گزر کر ہم دوسرے کئی کمرے عبور کرتے (جن میں سے ایک شاید باورچی خانہ تھا جس میں آگ جل رہی تھی) ہم ایک بڑے کمرے میں پہونچے یہ یقیناً خواب گاہ تھی۔ کیونکہ ہمیں اس میں دو چوبی پلنگ دکھائی دیئے۔ اور گدّے اور لحاف اور چٹائیاں بھی موجود تھیں۔

یہاں لیو کو لٹا دیا گیا اور اپنے ایک ملازم کی مدد سے بوڑھے محافظ نے اس کے یعنی لیو کے کپڑے اتار لیے اور ساتھ ہی مجھے اشارہ کیا کہ میں اپنے کپڑے بھی اتار لوں۔ میں نے بڑی خوشی سے اپنے کپڑے اتار دیئے کیونکہ یہ کئی ہفتوں کے بعد پہلی دفعہ میں اپنا لباس اتار رہا تھا اور جب میں اسے اتار چکا تو دیکھا کہ میرے بدن پر بے شمار چوٹیں اور خراشیں تھیں۔

فوراً ہی ہمارے میزبان نے سیٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے ایک دوسرا ملازم ایک برتن میں گرم پانی لے کر حاضر ہوا اس گرم پانی سے ہمارے زخم اور چوٹیں دھوئی گئیں۔ اس کے بعد بوڑھے محافظ نے ہمارے زخموں پر مرہم لگایا اور پھر ہمیں کمبلوں میں لپیٹ دیا۔ اب کسی قسم کا دلیہ لایا گیا جس میں کسی قسم کی کوئی دوا ملی ہوئی تھی اس کی ایک مقدار مجھے دی گئی۔ یہاں میں یہ بتادوں کہ میں ایک پلنگ پر لیٹ گیا تھا۔ دوسری خوراک لے کر بوڑھا محافظ لیو کے قریب پہونچا اور اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر یہ دوا ملا دلیہ جو شوربے کی طرح پتلا تھا، اس کے حلق میں انڈیل دیا۔ یہ خوراک میرے حلق میں اتری ہی تھی کہ میرے پورے بدن میں گرمی کی پرسکون لہر دوڑ گئی اور میرا درد کرتا ہوا سر چکرانے لگا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔

اس کے بعد ہماری علالت کا ایک سخت اور طویل دور گزرا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کیا بیماری تھی۔ البتہ زیادہ خون بہہ جانے سے، اعصاب کے شدید تناؤ سے،

صدموں کے اثرات سے اور جسمانی اور دماغی تھکن سے آدمی کی جو حالت ہو جاتی ہے وہی حالت ہماری تھی۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن اس میں غشی، تپ بخار اور ہذیانی کیفیت کا اور اضافہ ہو گیا۔ بوڑھے محافظ کی مہمانی اور تیمار داری میں جو زمانہ گزرا اسے صرف ایک لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ لفظ ہے "خواب"۔

اس علالت میں جو خواب نظر آئے انھیں بھی میں بھول چکا ہوں اور یہ اچھا ہی ہے کیونکہ یہ اُلجھے ہوئے اور بھیانک خواب تھے۔ خواب پریشاں کی ایک کھچڑی سی تھی جس میں ہمارے گزرے ہوئے اور حالیہ مصائب نظر آتے تھے۔ کبھی کبھار خوابوں کا یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا اور میں آنکھیں کھول دیتا اور ایسا اس وقت ہوتا جب مجھے کچھ کھلایا جاتا اور اس وقت میں وہ دیکھتا جو اس کمرے میں ہو رہا ہوتا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ زرد رو محافظ چاندنی میں کھڑے ہوئے بھوت کی طرح میری پائینتی پر کھڑا نظر آتا۔ وہ لمبی داڑھی پر ہاتھ پھیر پھیر کر میری طرف دیکھ رہا ہوتا جیسے وہ میرے باطن کا جائزہ لینے اور میرے سینے کے اسرار معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہی وہ لوگ ہیں" وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا "بے شک یہی وہ لوگ ہیں"۔

اور پھر وہ میرے قریب سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور آسمان کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے ستاروں کی چال معلوم کر رہا ہو۔

اس کے بعد مجھے کمرے میں کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا اور اس میں کسی عورت کی مترنم آواز اور ریشمی لباس کی سرسراہٹ سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں تو دیکھا کہ یہ وہی عورت تھی جس نے ہمیں بچایا تھا۔ دراز قامت اور خوبصورت چہرے اور خوابناک آنکھوں والی عورت۔ اس کی آنکھیں چنگاریوں کی سی روشنی معلوم ہوتی تھیں۔ اس نے جو زنانی لبادہ پہن رکھا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا

کہ وہ ابھی ابھی سفر کر کے آئی ہے۔

وہ میرے قریب آئی اور مجھے دیکھنے لگی اور پھر وہ نفرت اور گھن سے نہیں بلکہ بے تعلقی اور بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر گھوم گئی اور بوڑھے محافظ سے کچھ کہنے لگی۔ جواب میں بوڑھا احترام سے جھک گیا اور اس نے دوسرے پلنگ کی طرف اشارہ کیا جس پر لیو سو رہا تھا۔ بڑی شان اور تمکنت سے قدم اٹھاتی وہ عورت اس دوسرے پلنگ کے قریب پہونچی۔ میں نے اسے جھکتے اور اس پٹی کے سرے کو اٹھاتے دیکھا جو لیو کے زخمی سر پر بندھی ہوئی تھی۔ اس نے کچھ کہا اور پھر مزید سوالات پوچھنے کے لئے بوڑھے محافظ کی طرف گھوم گئی۔

لیکن بڑے میاں جا چکے تھے۔ اس عورت نے سمجھا کہ میں ابھی بے ہوش ہوں چنانچہ اس نے تپائی لیو کے قریب گھسیٹ لی اور اس پر بیٹھ گئی اور لیو کی طرف، جو بے خبر پڑا تھا، غور سے دیکھنے لگی۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے جس قسم کے جذبات پیدا ہو رہے تھے انھیں دیکھ کر دل پر خوف طاری ہو رہا تھا۔ اس کی روح ان آنکھوں سے جھانکتی معلوم ہوتی تھی۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح لیو کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اٹھی اور ایک اضطراب کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بار بار اپنا ہاتھ سینے اور ماتھے پر لے جاتی تھی اور اس کے خوبصورت چہرے سے عجب الجھن کے آثار عیاں تھے جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یاد نہ آ رہا تھا۔

"کب اور کہاں؟" وہ بڑبڑائی۔ "ہائے! کب اور کہاں؟"

اس ڈرامے کا انجام کیا ہوا میں نہیں جانتا کیونکہ لاکھ کوشش کے باوجود میں اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ سکا اور مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد کا حال مجھے صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ ملکہ جیسی عورت "خانیہ" ہر دم کمرے میں ہی موجود رہی اور جی جان سے لیو کی تیمارداری کرتی رہی۔ کبھی کبھی جب لیو کو ضرورت نہ ہوتی وہ

میری طرف متوجہ ہو جاتی اور اس کے علاوہ اسے کوئی کام نہ تھا کم سے کم اسوقت تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ میرے وجود نے اس کے تجسس کو بڑھا دیا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ میں جلد از جلد رو بہ صحت ہو کر اس کا تجسس دور کر دوں۔

ایک رات پھر مجھے ہوش آگیا۔ کتنے گھنٹوں یا کتنے دنوں بعد یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ رات کا وقت تھا اور کمرے میں صرف چاندنی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی آسمان صاف تھا اور چاند پوری آب و تاب سے روشن تھا اس کی ٹھنڈی اور سیدھی شعاعیں کھڑکی میں سے داخل ہو کر اس پلنگ پر پڑ رہی تھیں جس پر لیو پڑا ہوا تھا اور اس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہی دراز قامت عورت جو ملکہ جیسی شاندار اور پر تمکنت تھی پلنگ کے قریب بیٹھی لیو کی طرف دیکھ رہی تھی۔ غالباً اس کی قربت کا کوئی اثر لیو کے دماغ پر ہوا۔ کیونکہ وہ نیند میں بڑبڑانے لگا۔ کبھی انگریزی زبان میں اور کبھی عربی میں۔ وہ عورت خانیہ بڑے اشتیاق اور دلچسپی سے لیو کی طرف جھک گئی۔ اس کی ہر حرکت سے پتہ چلتا تھا کہ وہ لیو اور اس کی بڑبڑاہٹ کی طرف ہمہ تن متوجہ تھی۔ دفعتہً وہ اٹھی اور پنجوں کے بل چلتی میرے قریب آئی۔ غالباً یہ دیکھنے کہ میں جاگ رہا تھا یا سو رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سوتا بن گیا اور اس قدر کامیابی سے کہ وہ دھوکا کھا گئی۔

بات یہ ہے کہ خود میرا بھی اشتیاق بڑھ گیا تھا۔ کون تھی یہ ؟ کیا تو ن یہ جسے بوڑھے محافظ نے کلون کی خانیہ کہا تھا ؟ کیا یہ وہی تھی جس کی ہمیں تلاش تھی ؟ کیوں نہیں لیکن اگر یہ ایشہ ہوتی تو میں بے شک و شبہ اسے پہچان لیتا۔ وہ واپس لیو کے پلنگ کے قریب چلی گئی۔ وہاں پہونچ کر وہ گھٹنوں کے بل

بیٹھ گئی۔ لیو خاموش ہو چکا تھا اور کمرے میں مکمل ترین خاموشی چھا گئی تھی اور اسی خاموشی میں میرا خیال ہے، خانیہ کے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ اور اب وہ بھی آواز میں بولنے لگی۔ وہ اسی یونانی زبان میں بول رہی تھی جس میں یہاں وہاں منگولوں کی زبان کے الفاظ آ جاتے تھے جو وسط ایشیا کی بولی میں عموماً مستعمل تھے۔ اس نے جو کچھ کہا وہ سب تو میں سمجھ نہ سکا البتہ چند فقرے میری سمجھ میں آ گئے جنہوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔

وہ کہہ رہی تھی:۔

"اے میرے خوابوں کے شہزادے! تو کہاں سے آیا ہے؟ کون ہے تو؟ ہوز یہ نے مجھے تجھ سے ملنے کا حکم کیوں دیا؟ بعد کے چند فقرے میں سمجھ نہ سکا۔" تم سو رہے ہو۔ لیکن عالم خواب میں دوسری دنیا کھل جاتی ہیں۔ بتاؤ میں حکم دیتی ہوں۔ بتاؤ کہ تمہارا اور میرا کیا تعلق ہے؟ کون سا بندھن ہے؟ میں نے کیوں تمہارے خواب دیکھے؟ کیوں تم میرے خوابوں میں آئے؟ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں جانتی ہوں؟ تمہاری صورت کیوں جانی پہچانی لگتی ہے؟ کیوں؟ کیوں؟"

اس کی تیز آواز رفتہ رفتہ خاموش ہو گئی اور کمرے میں ایک بار پھر خاموشی تھی۔ خانیہ کی آواز یوں رفتہ رفتہ ڈوبی تھی جیسے وہ خود اپنے الفاظ پر شرمندہ ہو گئی ہو۔

وہ لیو پر جھک گئی اور اس کے بالوں کی ایک لٹ جڑاؤ موباف سے آزاد ہو کر لیو کے چہرے پر پڑی۔ اس کے لمس سے جیسے ہی لیو کی آنکھ کھلی گئی اس نے اپنا سفید ہاتھ اٹھا کر بالوں کو چھوا اور انگریزی میں کہا۔

"میں کہاں ہوں —— ہاں یاد آیا۔"

اور اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو دونوں کی نظریں چار ہو گئیں اور تب اسنے

ٹوٹی پھوٹی یونانی میں کہا۔

"ہاں تم ہی وہ خاتون ہو جس نے مجھے دریا سے نکالا تھا۔ بتاؤ اے خاتون بتاؤ کیا تم ہی وہ ملکہ ہو جس کی تلاش میں میں ایک عرصے سے سرگرداں ہوں اور صعوبتیں برداشت کی ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی" اس نے شہد کی سی میٹھی لیکن کانپتی آواز میں کہا۔ "لیکن یہ سچ ہے کہ میں ملکہ ہوں بشرطیکہ خانیہ کو ملکہ کہا جا سکے۔"

"تو پھر بتاؤ اے ملکہ کہ میں تمہیں یاد ہوں؟"

"ہم خواب میں ملے ہیں۔" خانیہ نے جواب دیا۔ "اور غالباً ماضی بعید میں بھی ہماری ملاقات ہوئی ہے۔ ہاں یہ تو مجھے اسی وقت یاد آ گیا تھا جب میں نے تمہیں وہاں دریا میں غوطے کھاتے دیکھا تھا۔ اے صورت آشنا اجنبی! یہ تو بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟"

"لیو ونسی"

خانیہ نے نفی میں سر ہلا کر سرگوشی میں کہا۔

"یہ نام تو میرے لئے نیا ہے۔ البتہ تمہیں اچھی طرح سے پہچانتی ہوں۔"

"مجھے پہچانتی ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیو نے بھاری سی آواز میں کہا پھر اس پر غنودگی یا شاید غشی طاری ہو گئی۔

چند لمحوں تک خانیہ غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر جیسے وہ برداشت نہ کر سکی ہو جیسے کسی غیبی قوت نے اسے مجبور کر دیا اور وہ بے اختیار ہو کر لیو پر جھک گئی اور میں نے دیکھا کہ اس نے سوئے ہوئے لیو کے ہونٹ چوم لیے اور پھر ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ شرم کی وجہ سے کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گیا تھا۔

اور اسے اب میری موجودگی کا احساس ہوا۔
میں نے جو دیکھا تھا اس سے حیرت زدہ اور دہشت زدہ ہو کر میں بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ غالباً اسی خیال سے کہ اس طرح میں ٹھیک سے دیکھ پاسکوں گا لاشعوری طور پر میں یہ حرکت کر بیٹھا تھا۔ بے شک یہ میری غلطی تھی۔ لیکن اس پورے قصے میں میں بھی ایک اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ چنانچہ حیرت نے مجھ پر غلبہ حاصل کر لیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی۔ بے شک یہ میری حماقت تھی۔ لیکن بیماری اور حیرت نے میرے سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں سلب کر لی تھیں۔

جی ہاں۔ اس نے مجھے دیکھتے دیکھ لیا اور ایسی غضبناک ہوئی کہ میں نے سمجھ لیا کہ میرا آخری وقت آگیا ہے۔
"ہیں! تمہیں اس کی جرأت کیونکر ہوئی؟" وہ ناگن کی طرح پھنکاری۔ اور اس نے اپنے پٹکے پر ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ خنجر میرے سینے میں اترنے والا ہے۔ اس نازک ترین لمحے میں میری سمجھ بوجھ عود کر آئی اور جب وہ خنجر بلند کر کے میری طرف بڑھی تو میں نے اپنے دونوں کانپتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔
"خدا کے لیے مجھے پانی دو! پانی پانی! یہ بخار تو مجھے پھونکے ڈال رہا ہے۔" اور میں نے دہشت زدہ نظروں سے اور اس شخص کی طرح جسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو، چاروں طرف دیکھا۔ "اے وہ جس کا لقب محافظ ہے! پانی دو۔ پانی پانی۔"

اور میں دھم سے بستر پر گر گیا۔
وہ جھپٹتے ہوئے عقاب کی طرح رک گئی۔ جلدی سے خنجر نیام میں کیا۔

پھر اس نے دودھ سے بھرا ہوا پیالہ اٹھایا جو قریب کی میز پر رکھا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور پیالہ میرے لبوں سے لگا دیا اور اس تمام عرصے میں اپنی شعلہ بار نظریں مجھ پر گاڑے رہی۔ خوف، غصّے اور شرم نے اس کی آنکھوں میں سچ مچ شعلے روشن کر دیئے تھے۔ میں دودھ کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔ حالانکہ اپنی تمام عمر میں کبھی بھی چیز سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔"

"تم کانپ رہے ہو؟" وہ بولی۔ "ایسے بیہودہ خواب تمہیں پریشان کر رہے تھے"

"ہاں! اے میرے دوست۔" میں نے کہا۔ "اس خوفناک چوٹی اور وہاں سے کود پڑنے کے خواب۔"

"کچھ اور؟" اس نے پوچھا

"نہیں! کیا اتنا ہی کافی نہیں؟ میرے خدا! ایک ملکہ کی دوستی کی خاطر ایسا خطرناک سفر!"

"ایک ملکہ کی دوستی کی خاطر؟" اس نے الجھ کر کہا۔ "کیا مطلب ہے اس شخص کا؟ تم قسم کھا کر کہتے ہو کہ تم نے اور کوئی خواب نہیں دیکھا؟"

"ہاں میں قسم کھاتا ہوں حیات اور قوت کی علامت کی، میں قسم کھاتا ہوں کانپتے ہوئے شعلوں کے پہاڑ کی اور میں قسم کھاتا ہوں اے ملکہ تمہاری کہ تم دورِ قدیم سے ہو۔"

اور پھر میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ یوں ظاہر کیا جیسے مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہو کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب ذہن میں نہ آئی۔ لیکن آنکھیں بند کرتے وقت میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو پہلے لال بھبوکا تھا لیکن اب زرد ہو گیا تھا۔ کیونکہ میرے الفاظ اور ان میں جو معنی پوشیدہ تھے وہ اس کے دل میں اتر گئے تھے اس کے علاوہ وہ شک میں پڑ گئی تھی اور مطمئن نہ تھی۔

کیونکہ اس کی انگلیاں خنجر کے دستے پر گھوم رہی تھیں جس کی آواز میں سن لیا تھا اور پھر اس نے بلند آواز میں کہا جو یقیناً میرے سنانے کے لیے تھا۔ بشرطیکہ میرے کان اب بھی کھلے ہوں۔

"یہ اچھا ہی ہے۔" اس نے کہا کہ "اس نے کوئی اور خواب نہیں دیکھا۔ اگر دیکھتا اور اس کے متعلق لکھتا تو یہ برا شگون ہوتا۔ میں نہیں چاہتی کہ جس شخص نے محض ہم سے ملاقات کرنے کے لیے ایسا طویل سفر کیا ہوا ہے دفن کرنے کے لیے موت کے کتوں کے سامنے پھینک دیا جائے۔ خصوصاً ایسے شخص کا یہ انجام جو حالانکہ معمر اور بدصورت ہے لیکن دانا، عقل مند اور خاموش طبع معلوم ہوتا ہے۔"

یہ الفاظ تھے جنہوں نے مجھ پر لرزہ طاری کر دیا اور میں سوچنے لگا کہ یہ موت کے کتے کیا ہوتے ہیں جن میں لوگوں کو دفن کیا جاتا ہے؟ عین اسوقت میں نے سیڑھیوں پر بوڑھے محافظ کے قدموں کی چاپ سنی اور پھر اسے کمرے میں داخل ہوتے بھی سنا اور تب میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"بھانجی[۵]! بیماروں کا کیا حال ہے؟" محافظ نے پوچھا۔

"دونوں بے ہوش ہیں۔"

"اچھا! لیکن میرا تو خیال تھا کہ دونوں ہی جاگ رہے ہیں۔"

"کیا سنا تم نے شامن (یعنی ساحر)؟" اس نے غصے میں آ کر پوچھا۔

"میں نے؟ ہم۔م۔م۔ میں نے خنجر کو نیام میں کرنے کی آواز سنی اور دور سے موت کے کتوں کو بھونکتے سنا۔"

۵۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ خانیہ، جس کا نام اطینہ تھا سمجری کی حقیقی بھانجی نہ تھی بلکہ بھانجی کی بیٹی تھی۔ ہور لیس ہالی۔

"اور شامن تم نے اس دروازے میں سے، جس کے تم محافظ ہو، کیا دیکھا؟" خانیہ نے پھر پوچھا۔

"عجیب نظارے دیکھے خانیہ! میری بھانجی ــــ لیکن اکثر دفعہ لوگوں کو ہوش آجاتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" خانیہ نے کہا۔ "چنانچہ مناسب ہوگا کہ اس شخص کو۔" اور اس نے میری طرف اشارہ "سوتے میں ہی کسی دوسری جگہ پہونچا دو کیونکہ اسے تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور سردار کو، جو دوسرے کمرے میں ہے، کھلی جگہ اور زیادہ ہوا کی ضرورت ہے۔"

محافظ جیسے خانیہ نے شامن (ساحر) کہا تھا اپنے ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے تھا اور اس کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آتا تھا اور میں کنکھیوں سے اسکے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے عجیب جذبات کا اظہار ہوا جنہوں نے مجھے ایک حد تک خوفزدہ کر دیا۔ شروع سے ہی میں اس شخص کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ کیونکہ اس کے بشرے سے دانائی کے ساتھ ہی ساتھ کینہ پروری بھی عیاں تھی۔ اب میں اس سے ڈرنے لگا۔

"کون سے کمرے میں پہونچا دوں اسے خانیہ؟" اس نے پرمعنی انداز میں پوچھا۔

"میرے خیال میں" خانیہ نے جواب دیا۔ "اس کمرے میں جہاں یہ اچھے صحت ہو جائے۔ یہ شخص عقلمند اور دانا ہے۔" اس نے جیسے بوڑھے کو سمجھاتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اس کے علاوہ ہمیں پہاڑوں پر سے حکم ملا ہے اور اس کی خلاف ورزی کر کے اسے نقصان پہونچانا، ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟"

بوڑھے نے شانے اُچکائے۔

"میں تو صرف اتنا جانتا ہوں اور تم سے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں نے موت کے کتوں کو بھونکتے سُنا ہے۔ میں تم سے متفق ہوں۔ بے شک یہ شخص عقل مند اور دانا ہے۔ اور اس مکھی کو، جسے شہد کی تلاش ہے، چاہیے کہ مر جانے سے پہلے پھول کو چوس لے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ تم نے کہا ہے ہمیں حکم ملا ہے۔ ہر چند کہ اس کے معنی مبہم ہیں تاہم اس حکم سے سرتابی کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

پھر اس نے دروازے کے قریب جا کر اپنی سیٹی بجائی اور فوراً میں نے سیڑھیوں پر اس کے ملازموں کے قدموں کی چاپ سنی۔ بوڑھے نے انکو حکم دیا اور انھوں نے بڑی آہستگی سے مجھے اٹھایا بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ اس بستر کو اٹھایا جس پر میں لیٹا ہوا تھا اور مجھے لے کر بوڑھے کے پیچھے کئی ایک گزر گاہوں میں سے گزرے اور کئی زینے عبور کر کے مجھے ایک ایسے کمرے میں لے آئے جو پہلے کمرے سے مختلف نہ تھا فرق صرف اتنا تھا کہ یہ کمرہ اتنا بڑا نہ تھا۔

اور یہاں انھوں نے مجھے چارپائی پر لٹا دیا۔

بوڑھا محافظ چند لمحوں تک میری طرف دیکھتا رہا کہ میں کہیں جاگ تو نہیں رہا ہوں۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میرے دل پر رکھا اور میری نبض دیکھی۔ اپنی اس تفتیش سے وہ خود ہی الجھ گیا۔ کیونکہ اس کے منھ سے حیرت کی "اوہ" نکلی اور اس نے اپنا سر ہلایا پھر وہ کمرے سے چلا گیا اور باہر نکل کر اسنے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ اس وقت تک میں پوری طرح سے جاگ رہا تھا۔ لیکن اب میں سو گیا۔ میرا مطلب ہے حقیقت میں سو گیا۔

اور جب میری آنکھ کھلی تو کافی دن چڑھ چکا تھا۔ میرا دماغ صاف تھا اور کئی دنوں کے بعد آج پہلی دفعہ میں کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اور یہ حالت تھی جس سے میں نے سمجھ لیا کہ میرا بخار اتر چکا ہے اور یہ کہ میں سرعت سے رو بہ صحت ہوں۔ اور اب مجھے گزشتہ رات کے واقعات یاد آ گئے اور میں ہر پہلو سے ان پر غور کرنے لگا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ میری جان کو اب بھی خطرہ لاحق ہے۔

میں نے بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سنا تھا اور یہ عورت خانیہ تاڑ گئی تھی کہ میں نے سب کچھ دیکھا اور سنا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر میری عقل میری مدد کو نہ آتی اور میں نے "پانی پانی" کی رٹ لگا کر علامتِ حیات وقوت اور لرزتے ہوئے شعلوں کے پہاڑ کا ذکر نہ کیا ہوتا اور یوں اسے گویا بے دست و پا نہ کر دیا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ خانیہ مجھے بوڑھے محافظ کے حوالے کر کے اسے حکم دیدیتی کہ بہر حال میرا خاتمہ کر دیا جائے اور اس کا یوں بھی مجھے یقین ہے کہ وہ بوڑھا شیطان بڑی خوشی سے اس حکم کی تعمیل کرتا۔

میرے قتل سے احتراز اس لیے بھی کیا گیا تھا کہ کسی نا معلوم وجہ سے وہ میری جان لیتے ڈرتی تھی اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ میں کیا اور کتنا جانتا ہوں۔ حالانکہ موت کے کتے بھونکنے لگے تھے۔ اب پتہ نہیں اس کا کیا مطلب تھا۔ بہر حال فی الحال تو میں محفوظ تھا۔ آئندہ کی خبر خدا جانے۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ آئندہ سے حد درجہ احتیاط برتنی تھی اور اگر ضرورت پڑے تو نہ صرف لاعلمی کا اظہار کرنا تھا بلکہ اس پر اڑے بھی رہنا تھا۔

چنانچہ اب میں نے اپنی اور اپنی حفاظت کے متعلق سوچنا ترک کر دیا اور رات کے اس منظر پر، جو میں نے دیکھا تھا، اور اسکے مطلب پر غور کرنے لگا۔

کیا ہماری تلاش یہاں آکر ختم ہو گئی ہے؟ کیا یہ دیارِ محبوب ہے؟ کیا یہ عورت ایشہ ہے؟ لیو نے کچھ ایسا ہی خواب دیکھا تھا لیکن اس وقت پھر اس پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ چنانچہ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ البتہ ایک بات ضرور قابل غور تھی۔ یعنی یہ کہ خود خانیہ یہ ضرور سمجھتی تھی کہ اس کا لیو سے کوئی تعلق ہے۔ اس نے لیو کے ہونٹ چومے تھے۔ کیوں؟ اس کا تو مجھے یقین تھا کہ یہ عورت فاحشہ نہ تھی اور نہ ہی اس کی یہ حرکت جنسی جذبے کے تحت تھی۔ خصوصاً اس لیے کہ اس نے جس شخص کے ہونٹ چومے تھے وہ موت و زیست کے درمیان لٹک رہا تھا۔ اور اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا خیال ہی احمقانہ تھا۔ تو پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟ یقیناً کسی قدیم یاد سے جو کسی علم سے پیدا ہوئی تھی، مجبور ہو کر، حالانکہ یہ یاد دھندلی تھی اور علم ناقص تھا علاوہ ایشہ کے اور کون لیو اور اس کی گزشتہ زندگی سے واقف ہو سکتا تھا؟ دنیا کا کوئی انسان نہیں۔

لیکن اگر کورین اور کروڑوں بدھ متیوں کا اعتقاد صحیح ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ بھی صحیح نہ ہو۔ پھر یہ تناسخ ممکن ہو جاتا ہے، اور اگر ایسا ہی ہے، اگر واقعی انسان کی روحیں جیون بدلتی اور مختلف اجسام میں پھر اس دنیا میں آتی ہیں تو پھر ہو سکتا ہے کہ دنیا میں دوسرے بھی ایسے بہت سے لوگ ہوں جو لیو سے واقف ہوں۔ مثال کے طور پر فراعنہ کی وہ بیٹی اور مصر قدیم کی وہ شہزادی جس نے اپنی فتنہ سامانیوں سے دیوی ایزیس کے ایک کاہن کو اپنا عہد توڑنے پر مجبور کر دیا تھا وہ عورت تمالی قریط کو جاتی تھی جس سے دیوتا خوش تھے اور جس سے دیوتائے شر ڈرتے تھے اور اسکی اطاعت کرتے تھے، اس شہزادی کا نام آمن اوتاسی تھا اور وہ زبردست ساحرہ تھی۔

اور اس خیال نے چونکا دیا۔ اندھیرے میں روشنی در آئی۔ ایک انکشاف ہوا۔ ایک معمہ حل ہو گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آمن آدتاسی اور یہ عورت خانیہ، جس کی ایک ایک حرکت اسی کو شاہی خاندان کی فرد ظاہر کرتی ہے، ایک ہی ہوں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنے اس جادو کے زور سے، جس میں اس کی قوم ماہر تھی اور جس کا ذکر اس نے سفال پر کی تحریر میں کیا تھا، ماضی کے اندھیرے کو پھاڑ کر اس کاہن کو پہچان لیا ہو جیسے ایک دفعہ وہ دیوتا سے جھپٹ لینے میں کامیاب ہو گئی تھی؟ اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا کہ یہ عورت خانیہ ایشہ نہ ہو۔ بلکہ آمن ازتاسی ہو جس نے دنیا کے اس دور دراز گوشے میں جنم لیا ہو جہاں اس کی حکمرانی ہے؟ اور اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا کہ ایک بار پھر وہ اپنے اس محبوب کو بدعہدی پر مجبور کر دے گی؟ اگر ایسا ہوا تو پھر جو انجام ہو گا اس کے خیال ہی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بہرحال حقیقت پر سے پردہ اٹھانا ضروری تھا لیکن کس طرح؟

میں انھیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ بوڑھا، کینہ توز محافظ جسے خانیہ نے شامن کہا تھا اور وہ عورت خانیہ جسے شامن نے بھانجی کہا تھا، کمرے میں داخل ہوئے۔

ساتواں باب

پہلی آزمائش

بوڑھا شامن میرے قریب آیا اور بڑے اخلاق سے میری طبیعت پوچھی۔

"اچھی ہے۔ پہلے سے بدرجہا بہتر ہے میرے معزز میزبان!" میں نے جواب دیا۔

"لیکن تمہارا نام کیا ہے ؟"

"میرا نام ہجری ہے ۔" اس نے جواب دیا ۔ "اور میرا لقب، جیسا کہ میں نے دریا کے قریب بتایا تھا ، محافظ باب ہے ۔ میں پیشہ ور طبیب ہوں ، اور اس سرزمین میں میری حیثیت شاہی طبیب کی ہے ۔"

"کیا کہا تم نے طبیب یا ساحر ؟" میں نے بے تعلقی سے پوچھا اور یوں ظاہر کیا کہ جیسے اس کی بات میں نے ٹھیک سے سنی نہ ہو ۔

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا ۔

"میں نے طبیب کہا ہے اور یہ تمہاری اور تمہارے ساتھی کی خوش قسمتی ہے کہ میں اپنے فن میں ماہر ہوں ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس وقت تم زندہ نہ ہوتے اب اے میرے مہمان ! تم بھی اپنا نام بتا دو ۔"

"مجھے ہالی کہتے ہیں ۔"

"تو میرے مہمان ہالی ! اگر میں طبیب نہ ہوتا تو اس وقت تم بھی زندہ نہ ہوتے ۔"

"اے محترم ہجری ! اگر تم اور یہ خاتون خانہ دور اندیشی سے کام لیکر اس اندھیرے دریا پر نہ پہونچ جاتے تو بے شک ہم زندہ نہ رہتے ۔ تمہاری یہ دور اندیشی جس نے تمہیں دریا پر اور وہ بھی عین وقت پر پہونچا دیا میرے نزدیک جادو سے کم نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں طبیب کو ساحر سمجھ لیا ۔ حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم وہاں مچھلیوں کے شکار کو گئے ہو اور اتفاقاً ہم مل گئے ہوں ۔"

"بے شک ہالی ! میں شکار کو گیا تھا مگر انسانوں کے شکار کو اور میں دو انسان پکڑ لایا ۔"

"تو یہ اتفاق تھا۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں بلکہ جو کچھ ہوا ارادتاً ہوا۔ میں بے شک طبیب ہوں لیکن پیش بیں بھی ہوں۔ چنانچہ ہونے والے واقعات معلوم کر لیتا ہوں۔ اس سرزمین کے کاہنوں اور ساحروں کا میں سردار ہوں اور چونکہ مجھے تمہاری آمد کی خبر ملی تھی اس لئے میں تمہارا منتظر تھا۔"

"یہ تو تم نے بڑی حیرت انگیز بات بتائی ہے۔ تو یہاں طبیب ہی ساحر یا ساحر طبیب ہوتے ہیں۔۔۔؟"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم اس سرزمین میں کیسے آ گئے جہاں آج تک کوئی اجنبی نہ آیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ ہم سیاح ہوں معزز ساحر!" میں نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں بھی طب اور سحر میں دخل ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم نے سحر کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے ورنہ تم ان پہاڑوں کو عبور کرنے کے لئے زندہ نہ رہتے اور وہ بھی صرف تلاش۔۔۔ ہاں یہ بتاؤ کہ تمہیں کس کی تلاش ہے؟ یاد پڑتا ہے کہ تمہارے ساتھی نے وہاں کالے دریا کے کنارے ملکہ کہا تھا۔"

"واقعی! کیا واقعی اس نے ملکہ کہا تھا؟ یہ عجیب بات ہے کیونکہ اسے ایک ملکہ تو مل گئی ہے کیونکہ وہ شاندار نظر آتی ہوئی خاتون جس کا نام خانیہ ہے اور وہ جو ہمیں بچانے کے لئے دریا میں کود پڑی تھی شاید بلکہ یقیناً ملکہ ہی ہے اور بڑے پایے کی ملکہ ہے۔"

"بے شک وہ ملکہ ہے اور عظیم ملکہ ہے۔ کیونکہ ہماری سرزمین میں خانیہ کے معنی ملکہ کے ہی ہوتے ہیں۔ البتہ دوست ہالی یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ

شخص جو بے ہوش پڑا ہے ان باتوں سے کیسے واقف ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات بھلا میری سمجھ میں نہیں آئی تم ہماری زبان کیسے بول لیتے ہو؟"

"یہ دھی سی بات ہے کیونکہ تم جو بولی بولتے ہو وہ بے حد قدیم ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اپنے وطن میں یہ زبان نہ صرف میں نے سیکھی ہے بلکہ سکھائی بھی ہے۔ یہ یونانی زبان ہے اور حالانکہ اب تک دنیا میں بولی جاتی ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ زبان ان پہاڑوں تک کیسے پہونچی؟"

"یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ صدیاں گزریں کہ اس قوم کا، جس کی یہ زبان ہے ایک فاتح فتح کرتا پھرتا ہمارے جنوب میں پہونچا اسے تو خیر شکست کھا کر واپس لوٹ جانا پڑا لیکن اس کا سردار، جو دوسری قوم سے تھا پہاڑ عبور کر گیا اور یہاں کے لوگوں پر فتح حاصل کر لی! اور اس طرح وہ اپنے ساتھ اپنے آقا کی زبان اور اس کا مذہب بھی لے آیا۔ یہاں اس نے اپنی حکومت قائم کی اور اس خاندان کی حکومت یہاں اب تک جاری ہے کیونکہ ہماری سرزمین ناقابل عبور پہاڑوں اور صحراؤں سے گھری ہوئی ہے اس لئے بیرونی دنیا سے ہمارا کوئی رابطہ قائم نہیں رہا اور نہ ہے۔"

"ہاں میں اس داستان سے تھوڑا بہت واقف ہوں اس فاتح کا نام سکندر تھا نا؟" میں نے پوچھا۔

"یہی نام تھا اس فاتح کا اور اس سردار کا نام راسین تھا جو اس ملک کا رہنے والا تھا جسے مصر کہتے ہیں۔ کم سے کم ہماری دستاویزوں میں اس ملک کا یہی نام درج ہے۔ آج تک اسی راسین کی نسل تاج و تخت کی مالک ہے اور خانیہ اسی خاندان سے ہے۔"

"جس دیوی کی وہ سردار پرستش کرتا تھا اس کا نام ایزیس تو نہ تھا؟"

"نہیں"، شا من سیجری نے جواب دیا۔ "اس کا نام ہونز یہ تھا۔"

"جو اینز لیس کا دوسرا نام ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہ بتاؤ سیجری کہ اب تک یہاں یہی دیوی پوجی جاتی ہے؟ یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اس دیوی کی پرستش صدیوں سے مصر میں، جو اس کا گھر تھا، ختم ہو چکی ہے۔"

"سامنے کے پہاڑ پر ایک بہت بڑا مندر ہے۔" اس نے بے تعلقی سے جواب دیا۔ "اور اس میں وہ کاہن اور کاہنائیں رہتی ہیں جو کسی قدیم مذہب کی پیرو ہیں۔ لیکن اس سرزمین کے لوگوں کی دیوی آگ ہے جیسی کہ راسین کی آمد سے پہلے بھی تھی۔ یہ آگ اس پہاڑی میں ہے جو کبھی کبھی غضب میں آکر ان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔"

"تو کیا اس آگ میں کوئی دیوی رہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

اور ایک بار پھر سیجری نے غور سے میری طرف دیکھا۔

"اجنبی ہالی! میں کسی دیوی کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ وہ پہاڑ مقدس ہے۔ اور اس کے اسرار معلوم کرنے کی کوشش کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ ایسے سوالات تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ مجھے قدیم مذاہب سے خاص دلچسپی ہے اور اسی چٹان پر حیات و قوت کی علامت دیکھ کر میں تمہارے مذہب کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنے ہی اس طرف آیا ہوں اور غالباً تم نہیں جانتے کہ عالموں میں تمہارے مذہب کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔"

"تو اجنبی ہالی! میرا مشورہ مانو اور اس مذہب کے مطالعے کا خیال ترک کر دو۔ کیونکہ اس کا راستہ موت کے کتوں کے جبڑوں میں سے جاتا ہے اور وحشیوں کے بھالوں کے درمیان سے جاتا ہے اور پھر یہ بات بھی ہے کہ اس میں کوئی قابل مطالعہ بات بھی نہیں۔"

"محترم! یہ موت کے کتے کیا ہیں؟"

"یہ ایک قسم کے کتے ہیں۔ قانون کی خلاف ورزی اور خان کی حکم عدولی کرنے والوں کو ان کتوں کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے جو اسے پھاڑ کھاتے ہیں۔"

"خان کی حکم عدولی! تو پھر تمہاری اس خانیہ کا شوہر بھی ہے؟"

"ہاں" سجری نے جواب دیا۔ "جو اس کا چچازاد بھائی اور نصف مملکت کا مالک و حکمراں ہے۔ اب وہ دونوں اور ان کی ملکیتیں ایک ہو گئی ہیں۔ لیکن تم بہت بول چکے۔ میں تو تمہیں یہاں یہ بتانے آیا تھا کہ تمہارا کھانا تیار ہے۔"

اور وہ جانے کے لئے پلٹا۔

"ایک اور سوال۔ دوست سجری! میں اس کمرے میں کس طرح آ گیا اور میرا ساتھی کہاں ہے؟"

"غشی یا شاید نیند کی حالت میں تمہیں یہاں پہونچایا گیا تھا اور دیکھو یہ تبدیلی تمہاری صحت میں کس قدر معاون ثابت ہوئی ہے۔ تمہیں کچھ یاد نہیں؟"

"کچھ یاد نہیں۔ کچھ بھی یاد نہیں!" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میرے ساتھی کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی اچھا ہے۔ خانیہ اطینہ اس کی تیمارداری کر رہی ہے۔"

"اطینہ؟ میں نے کہا۔ میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ نام تو مصر قدیم کا لقب ہے جس کے معنی ہیں سورج۔ اور ہزاروں سال پہلے جس عورت کا یہ نام تھا وہ اپنے لاثانی حسن کے لیے مشہور تھی۔"

"تو کیا میری بھانجی اطینہ حسین نہیں ہے؟"

"اے خانیہ کے ماموں! یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں جب کہ میں نے خانیہ کو ٹھیک سے دیکھا ہی نہیں ہے۔"

پھر وہ چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کا زرد رو اور خاموش ملازم میرا کھانا لے کر آ گیا۔

صبح دوپہر سے گلے مل رہی تھی جب ایک بار پھر میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور خانیہ الطینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا اور کھٹکا لگا دیا۔ اس کی اس حرکت نے میرے دل میں قدرے خوف پیدا کر دیا، تاہم میں نے اٹھ کر اسے سلام کیا۔ حالانکہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ دیکھئے کیا ہو۔ اس نے شاید میری دلی کیفیت معلوم کر لی۔ کیونکہ اس نے کہا۔

"لیٹ جاؤ اور ڈرو نہیں۔ فی الحال تو تمہیں میری ذات سے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ وہ شخص جس کا نام لیو ہے۔ تمہارا کیا لگتا ہے؟ بیٹا ہے تمہارا؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ـــ بُرا نہ ماننا۔ روشنی اندھیرے سے نہیں پھوٹتی ـــ"

"لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ روشنی ہمیشہ اندھیرے سے ہی پھوٹتی ہے خانیہ۔ لیکن خیر۔ آپ نے غلط نہیں کہا۔ وہ میرا بیٹا نہیں ہے البتہ میں نے اسے گود لیا ہے اور میں اسے بہت زیادہ چاہتا ہوں۔"

"اب یہ بتاؤ کہ یہاں تم کس چیز کی تلاش میں آئے ہو؟"

"اس چیز کی جو اس آگ کے پہاڑ پر قسمت ہمیں دکھائے گی۔"

یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا۔

"تو پھر وہاں تمہیں کچھ نہ ملے گا سوائے موت کے بشرطیکہ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی تمہیں موت آ نہ لے۔ کیونکہ اس کے محافظ وحشی لوگ ہیں۔ وہاں ہوزیہ کا دارالعلوم ہے اور اس کے تقدس کی توہین کرنے کی سزا موت ہے، اس آگ کے ذریعے موت جو ہمیشہ سے جل رہی ہے۔"

"اور اس دار العلوم پر کس کی حکمرانی ہے خانیہ ___ ایک کاہنہ کی؟"

"ہاں ایک کاہنہ کی، جس کی صورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ کیونکہ وہ اسقدر بوڑھی ہے کہ اپنی بدصورتی چھپانے کے لئے ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتی ہے۔"

"اچھا تو وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتی ہے؟" میں نے جواب دیا اور میرے کانوں میں خون سنسنانے لگا۔ کیونکہ مجھے پہلے والی کورکی وہ ملکہ یاد تھی جو اس قدر بوڑھی تھی کہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتی تھی۔ "بہر حال وہ نقاب پوش ہو یا بے نقاب ہم اس کے پاس ضرور جائیں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہاں ہمارا استقبال کیا جائے گا۔"

"تم ایسی کوئی بات نہیں کرو گے کیونکہ وہاں کا جانا خلافِ قانون ہے۔ اور پھر میں نہیں چاہتی کہ تمہارا خون میری گردن پر ہو۔"

"خانیہ! آپ دونوں میں سے زیادہ پر قوت کون ہے؟ آپ یا اس پہاڑ کی کاہنہ؟"

"ہاں ___ یہی نام ہے نا تمہارا ___؟ پر قوت میں ہوں کیوں کہ میرے ایک اشارے پر ساٹھ ہزار جانباز سپاہی مرنے مارنے کو جمع ہو سکتے ہیں۔ رہی وہ کاہنہ تو اس کے پاس کاہنوں اور ان وحشی قبائل کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

"خانیہ! دنیا میں صرف تلوار ہی سب سے بڑی طاقت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اچھا یہ تو بتائیے کہ وہ کاہنہ کبھی کلوَن میں بھی آئی ہے؟"

"کبھی نہیں۔ صدیاں گزریں کہ دار العلوم والوں اور میدان والوں کے درمیان ایک زبردست اور آخری جنگ ہوئی تھی اس کے بعد دونوں میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے طے پایا تھا کہ اگر کبھی اس کاہنہ نے دریا کے اس پار قدم رکھا تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہم دونوں کے درمیان پھر فیصلہ کن جنگ اور اس میں

جو فتح حاصل کرے گا وہی دارالعلوم اور میدان کا مالک اور حکمراں ہوگا۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ کوئی خان یا خانیہ پہاڑ پر نہ جائے گی۔ الّا یہ کہ وہ کسی کو دفن کرنے یا کسی ایسے ہی اہم مقصد کے لیے وہاں جائیں لیکن محافظوں کے بغیر۔"

"تو پھر حقیقی حکمراں کون ہے؟ کلون کا خان یا پہاڑوں کی کاہنہ؟" میں نے پوچھا۔

"روحانیت میں خانیہ ہوں۔ یہ جیسے ہم ندائے روح اور دیوتا کی آواز تسلیم کرتے ہیں اور سیاسی معاملات میں کلون کا خان۔"

"خان! تو گویا آپ شادی شدہ ہیں؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "ایک بات بتائے دیتی ہوں کیونکہ جلد یا بدیر یہ تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔ بشرطیکہ اب تک اس سے واقف نہ ہوئے ہو ــــ"

"فرمائیے!"

"میں ایک شخص کی بیوی ہوں جو پاگل ہے اور جس سے میں نفرت کرتی ہوں۔"

"خانیہ! یہ دوسری بات تو مجھے معلوم ہو چکی تھی۔"

اس نے تیز نظروں سے جو برمے کی طرح دل میں اتر جاتی تھیں، میری طرف دیکھا۔

"اوہ! یہ بات تمہیں میرے ماموں شامن نے، جن کا لقب محافظ ہے، تو نہیں بتائی؟ نہیں۔ تم نے دیکھا۔ میں جانتی ہوں کہ تم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ چنانچہ تمہارا خاتمہ ہی کر دینا مناسب ہوگا۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ ہائے! کیا سوچا ہوگا تم نے میرے متعلق؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میری سمجھ ہی میں نہ آرہا تھا کہ کیا کہوں؟ بہرحال یہ بھی خوف تھا کہ باتوں کی رَو میں کہیں دوسری دفعہ بھی ایسی بات نہ کہہ جاؤں

جو خانیہ کو غضبناک کر کے میری جان لینے پر مجبور کر دے۔'

"تم نے سوچا ہوگا میں، جس نے مردوں سے نفرت کی ہے اور جس کے ہونٹ پہاڑوں پر کی برف کی طرح پاکیزہ ہیں، جسے لوگوں نے 'برف کے دل والی' نام دیا ہے، ہاں میں 'کلون کی خانیہ' ایک بے حیا عورت ہے" اور وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک کر کراہنے لگی۔

"نہیں خانیہ" میں نے کہا۔ "اس کا کوئی خاص سبب ہوگا یا ہو سکتا ہے بشرطیکہ آپ بتانا پسند فرمائیں"

"اے آوارہ گرد اجنبی! وجہ ایک نہیں بلکہ بہت سی وجوہات ہیں۔ اب چونکہ تم اتنی بہت سی باتیں معلوم کر چکے ہو اس لیے مناسب ہوگا کہ یہ وجوہات بھی جان لو۔ اپنے شوہر کی طرح میں بھی پاگل ہو گئی ہوں۔ دریا میں سے باہر گھسیٹے وقت جب پہلی دفعہ میں نے تمہارے ساتھی کی صورت دیکھی تو یہ پاگل پن مجھ پر طاری ہو گیا میں اسے میں"

"اس سے محبت کرنے لگی" میں نے کہا "خیر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی اکثر لوگوں پر یہ چیز، جسے آپ پاگل پن کہہ رہی ہیں، حاوی ہو چکی ہے۔ حالانکہ وہ پاگل نہ تھے۔"

"ہائے" اس نے کہا "لیکن جو کچھ مجھ پر حاوی ہوا وہ محبت سے بڑھ کر ہے۔ میں اپنے آپ میں نہ رہی اور اس رات میں نے جو کچھ کیا اس کا مجھے قطعی احساس نہیں۔ وہ ایک اضطراری فعل تھا۔ کوئی غیبی قوت مجھے گھسیٹ رہی تھی۔ مجبور کر رہی تھی، مقدر مجھے اکسا رہا تھا اور اب آخر تک میں اس کی ہوں صرف اس کی، ہاں میں اس کی ہوں اور قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اسے اپنا بنا کر دم لوں گی۔ ہاں اسے اپنا بناؤں گی اور وہ میرا صرف میرا ہوگا۔"

اور اس خطرناک اعلان کے بعد، جسے صورت حال نے اور بھی خطرناک بنا دیا تھا، وہ پلٹ کر کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

وہ چلی گئی اور میں نڈھال ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ یہ کیا بات ہوئی کہ اس شدید اور فوری جذبے نے اس پر بھی اپنا اثر جما لیا؟ یہ خانیہ کون تھی اور کیا تھی۔؟ میں نے ایک بار پھر دماغ لڑایا۔۔۔ اور اہم سوال تو یہ تھا کہ لیو اسے کیا سمجھے گا؟ کاش کہ میں لیو کے پاس جا سکتا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایسی بات کر دے یا کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جو ہماری تباہی کا باعث بن جائے کاش کہ میں اسے سمجھا سکتا۔

تین دن گزر گئے۔

اس عرصے میں مجھے خانیہ نظر نہ آئی۔ شامن سجری نے بتایا کہ وہ ہمارے استقبال اور قیام کا انتظام کرنے شہر چلی گئی ہے۔ میں نے بوڑھے سے درخواست کی کہ وہ مجھے لیو کے پاس پہونچا دے لیکن اس نے بڑے اخلاق سے لیکن بڑی سختی سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرا منھ بولا بیٹا میرے بغیر ہی مزے میں ہے اور ا بھیر ے دل میں شکوک سر اٹھانے لگے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لیو پر کوئی آفت نازل نہ ہو گئی ہو۔ لیکن یہ میں نہ جانتا تھا کہ اپنا یہ شک دور کرنے اور حقیقت معلوم کرنے کے لیے کیا کروں؟ کوئی بات سمجھ میں نہ آ رہی تھی اپنی پریشانی اور گھبراہٹ میں میں نے اپنی جیبی ڈائری کے صفحے پر جسے پانی نے خراب کر دیا تھا چند سطور لکھیں اور یہ رقعہ لیو تک پہونچانے کی کوشش کی۔ لیکن لردرو ملازم نے اسے ہاتھ تک لگانے سے انکار کر دیا اور سجری نے کرخت لہجے میں کہا کہ اسے ایسی تحریر قطعی پسند نہیں جسے وہ پڑھ نہ سکتا ہو۔ آخر کار تیسری رات کو میں نے طے کیا

کہ کچھ بھی ہو جائے، اجازت ملے یا نہ ملے، میں لیو کے پاس ضرور جاؤں گا۔

اس عرصے میں میں چلنے پھرنے کے قابل بلکہ تندرست ہو گیا تھا چنانچہ آدھی رات کے وقت جب چاند نکل آیا۔ کیونکہ میرے پاس روشنی کا کوئی سامان نہ تھا۔ تو میں چپکے سے اپنے بستر سے نکلا، کپڑے پہنے اور اپنا چاقو لے کر، کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا، میں نے کمرے کا دروازہ کھولا، باہر آیا اور چل پڑا۔

یہاں میں یہ بتا دوں کہ جب مجھے لیو کے کمرے میں سے اٹھا کر اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اس وقت میں نے راستے کا نقشہ دماغ میں محفوظ کر لیا تھا۔ میرے کمرے سے نکلتے ہی ایک گزرگاہ آتی تھی جو قدرے طویل تھی یہ میں نے اتنے یقین سے اس لیے کہا ہے کہ میں نے ان ملازموں کے قدموں کی چالیس شمار کی تھیں جو مجھے اٹھائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد بائیں طرف ایک موڑ تھا اور اس کے بعد دس قدم طویل ایک اور گزرگاہ۔ اور آخر میں ایک زینے کے قریب، جو نیچے اتر کر کسی انجانی جگہ چلا گیا تھا، ایک اور موڑ تھا جو دائیں طرف تھا اور یہی موڑ مڑ کر آدمی ہمارے کمرے میں پہونچ جاتا تھا۔

دیکھ لمبی گزرگاہ میں میں چلتا رہا اور حالانکہ یہاں گھپ اندھیرا تھا بائیں طرف کا موڑ میں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں چلتا رہا یہاں تک کہ دوسرے موڑ تک پہونچ گیا جو دائیں طرف تھا۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ لیو کے کمرے کا دروازہ کوئی اور نہیں بلکہ خود خانیہ باہر سے بند کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چراغ تھا اور اسی کی روشنی میں میں یہ عمل صاف طور سے دیکھ رہا تھا۔

پہلا خیال مجھے یہ آیا کہ بھاگ جاؤں اور اپنے کمرے میں پہونچ کر دبک جاؤں

لیکن پھر یہ سوچ کر اس ارادے سے باز رہا کہ دیکھ لیا گیا تو پکڑا جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اب جو ہو سو ہو۔ اگر دیکھ لیا گیا تو صاف صاف کہہ دوں گا خانیہ سے کہ لیو کو تلاش کر کے اس کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ چنانچہ میں دیوار سے لگ کر دھڑکتا دل لیے منتظر کھڑا رہا۔ میں نے اسے گزرگاہ میں جاتے اور سیڑھیاں چڑھتے دیکھا۔

اب سوال یہ تھا کہ میں کیا کروں؟ لیو کے پاس پہونچنے کی کوشش کرنا وقت ضائع کرنا تھا کیونکہ خانیہ نے دروازہ مقفل کر دیا تھا اور کنجی اس کے پاس تھی تو پھر واپس اپنے کمرے میں چلا جاؤں؟ نہیں، میں خانیہ کے پیچھے جاؤں گا اور اگر ہماری مڈبھیڑ ہو گئی تو وہی جواب دوں گا جو میں نے سوچ لیا تھا۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ میں کچھ معلومات حاصل کر لوں گا یا پھر یہ ہو گا کہ خانیہ کا خنجر ہو گا اور میر اسینہ

چنانچہ میں سانپ کی سی خاموشی سے مڑ کر زینہ چڑھ گیا۔ یہ زینہ بڑا طویل تھا اور برج کے زینے کی طرح گھومتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا۔ آخر کار یہ زینہ ختم ہوا۔ اب میں ایک چھوٹے سے پلیٹ فارم پر کھڑا تھا، جس کے سامنے ایک دروازہ تھا بہت پرانا دروازہ تھا اور کواڑوں کی درازوں میں سے روشنی باہر آ رہی تھی اور کواڑوں کے دوسری طرف سے آوازیں آ رہی تھیں ایک آواز شامن سیجری کی اور دوسری خانیہ کی تھی۔

"کچھ معلوم کیا تم نے بھائی؟" سیجری کہہ رہا تھا۔

"ہاں۔ لیکن بہت کم۔"

اب میرا شوق تجسس بڑھا اور میں جرأت کر کے دروازے کے قریب پہونچا اور کواڑوں کی ایک دراڑ میں سے اندر جھانکنے لگا۔ میرے عین سامنے چھت سے لٹکتے ہوئے چراغ کی روشنی میں، خانیہ کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے اپنا ایک ہاتھ اس میز پر ٹکا رکھا تھا جس کی دوسری طرف شامن بیجری بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت حقیقت میں بے حد خوبصورت معلوم ہو رہی تھی کیونکہ اس نے سرخ رنگ کا قیمتی لباس پہن رکھا تھا، سر پر سونے کا چھوٹا تاج تھا۔

جس میں سے اس کے سیاہ گھونگھریالے بال نکل کر اس کے شانوں اور سینے پر پڑے ہوئے تھے اسے یوں بنی سنوری دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ اس کا یہ سنگھار اور یہ لباس کسی خاص اور خفیہ مقصد کے لیے تھا اور یوں اس نے اپنے حسن کو سچ مچ چار چاند لگا لئے تھے۔ غالباً کسی کے دل پر بجلیاں گرانے کے لیے۔ بوڑھا بیجری اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس وقت اس کے چہرے سے امید و بیم کے جذبات عیاں تھے۔

"تم دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی"۔ بیجری نے خانیہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے اس سے یہاں آنے کی وجہ پوچھی اور اس نے جواب دیا کہ وہ کسی حسینہ کی تلاش میں آیا ہے۔ اس سے زیادہ اس نے کچھ نہ بتایا۔ پھر میں نے پوچھا کہ وہ عورت مجھ سے زیادہ حسین ہے؟ اس کا جواب اس نے بڑے خلوص اور سچائی سے یہ دیا کہ اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ البتہ وہ مجھ سے مختلف تھی۔ اس پر میں نے کہا کہ میرا یہ کہنا شاید اسے آپ اپنے منہ میاں مٹھو بننا معلوم ہو گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ پورے کلون میں کوئی دوسری عورت میری طرح حسین نہیں، اسکے علاوہ میں حکمران ہوں اور اسے دریا میں ڈوبنے سے کسی اور نے نہیں بلکہ میں نے بچایا ہے اور وہاں اس سے میں نے یہ بھی کہا کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں وہی عورت ہوں جس کی اسے تلاش ہے۔"

"بھانجی! ان تفصیلات میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ بیجری نے بے چینی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے بڑی مہارت سے بات کی ہو گی خیر۔ پھر کیا ہوا؟"

"اس نے کہا کہ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس عورت نے دوسرا جنم لیا ہے۔ پھر وہ چند لمحوں تک میری طرف دیکھتا رہا اور پھر پوچھا کہ کیا کبھی میں آگ میں سے گزری ہوں۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ میں جس آگ میں سے گزری ہوں بلکہ اب تک جس آگ میں جل رہی ہوں وہ میرے دل کی آگ ہے اس نے کہا مجھے اپنے بال دکھاؤ اور میں نے اپنے بالوں کی ایک لٹ اس کے ہاتھوں میں دے دی چند ثانیوں بعد اس نے میرے بال چھوڑ دیے اور اس تعویز میں سے جو اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے، اس نے بالوں کی دوسری لٹ نکالی۔ ہائے انجری! میرے ماموں! ایسے حسین بال کبھی کسی نے نہ دیکھے ہوں گے کیونکہ وہ ریشم کی طرح ملائم تھے اور میرے تاج سے فرش تک پہونچے تھے اس کے علاوہ کسی بھی کوے کے پر اتنے کالے نہ رہے ہوں گے اور ان میں ایسی چمک تھی کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔"

"تمہارے بال خوبصورت ہیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن دیکھو ان بالوں کی طرح سے نہیں ہیں۔" اس نے کہا۔

"شاید" میں نے جواب دیا۔ "کیونکہ کبھی کسی عورت کے ایسے بال نہیں دیکھے گئے۔"

"صحیح کہتی ہو۔" وہ بولا۔ "کیونکہ جس کی مجھے تلاش ہے وہ دنیا کی کسی بھی عورت سے بڑھ کر ہے۔"

اس کے بعد میں نے لاکھ کوشش کی لیکن اس نے مزید کچھ نہ کہا۔ اس انجانی عورت کے خلاف میرے دل میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھی اور میں اس خوف سے اٹھ کر چلی آئی کہ کہیں نہ کہنے کی باتیں کہہ جاؤں اب میں تم سے درخواست کرتی

ہوں کہ تم اپنی عقل کی کتاب ؟ جو تمہارے سامنے کھلی ہے دیکھو بتاؤ اس عورت کے متعلق جس کی اسے تلاش ہے کون ہے وہ اور کہاں رہتی ہے۔ جلد بتاؤ تاکہ میں اس عورت کو تلاش کر کے اسے نیست و نابود کر دوں۔"

"بشرطیکہ تم ایسا کر سکو اور وہ مرنے کے لیے زندہ ہو۔ لیکن یہ بتاؤ کہ ہم اپنی جستجو کا آغاز کہاں سے کریں ؟ اچھا پہلے یہ خط دیکھ لو جو پہاڑوں پر سے کاہن اعظم اوراروتس نے بھیجا ہے۔"

اور اس نے میز پر پڑی ہوئی جھلیوں میں سے ایک لپٹی ہوئی جھلی اٹھالی اور سوالیہ نظروں سے خانیہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"پڑھو۔" خانیہ نے کہا۔ "میں اسے پھر سننا چاہتی ہوں۔"

چنانچہ سمجری نے پڑھنا شروع کیا۔

خانۂ آتش کی کاہنہ ہوزیہ کی طرف سے کلون کی خانیہ اطلینہ کے نام

عزیز بہن!

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مغربی قوم کے دو اجنبی سفر کرتے ہوئے تمہاری سرزمین میں آرہے ہیں۔ انھیں ندائے روح کی تلاش ہے جس سے وہ کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کے متعلق تم سے دریافت کریں گے۔ چنانچہ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اگلے چاند کی پہلی تاریخ کو تم اور تمہارے ساتھ تمہارے ماموں عظیم شامن سمجری اور محافظ باب قدیم شاہراہ کے قدموں میں بہتے ہوئے دریا پر جاؤ گے اور وہاں انتظار کرو گے کیونکہ اسی محوری راستے سے اجنبی آئیں گے۔ ہر معاملے میں ان کی مدد کرو اور انھیں بہ حفاظت پہاڑ تک پہونچا دو۔ یہ یاد رہے کہ اس معاملے میں تمہیں اور سمجری کو ذمہ دار گردانوں گی اور اگر اجنبیوں کو کچھ ہو گیا تو

تم سے باز پرس کروں گی۔ میں خود ان سے ملاقات کرنے وہاں نہیں آ سکتی۔ کیونکہ یہ قدیم معاہدے کے خلاف ہوگا۔

جس میں کہا گیا ہے کہ معبد کی ہوزیہ سرزمین کلون میں داخل نہیں ہو سکتی۔ الّا یہ کہ جنگ ہو۔ اس کے علاوہ ان اجنبیوں کی آمد اور طرح سے بھی مقدر ہے۔"

"معلوم ایسا ہوتا ہے۔" مجری نے جھلّی میز پر رکھتے ہوئے کہا کہ "یہ اجنبی اتفاقاً یہاں نہیں آ گئے ہیں۔ کیونکہ ہوزیہ ان کی منتظر ہے۔"

"بے شک یہ اتفاقاً اس طرف نہیں آ گئے۔ کیونکہ ان میں سے ایک کے لیے میرا دل بھی منتظر تھا۔ اس کے باوجود ہوزیہ وہ عورت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دجہات سے تم بھی واقف ہو۔"

"پہاڑ پر اور بھی بہت سی عورتیں ہیں۔" مجری نے خشک لہجے میں کہا۔ "بشرطیکہ اس معاملے کا تعلق حقیقت میں کسی عورت سے ہی ہو۔"

"کم سے کم میرا تو اس سے تعلق ہے اور میں اسے پہاڑ پر نہ جانے دوں گی۔"

"یہ نہ بھولو بھانجی! کہ ہوزیہ بڑی طاقتور ہے اور اس کے ان نرم الفاظ میں ایک خوفناک دھمکی چھپی ہوئی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ دورِ قدیم سے پر قوت ہے۔ اور زمین پر اور ہوا پر اور پانی میں اس کے خدمتگار موجود ہیں۔ جنہوں نے ان اجنبیوں کی آمد سے اسے مطلع کر دیا اور ان کے ساتھ ہم جیسا سلوک کریں گے اس کی اطلاع بھی ہوزیہ تک پہونچ جائے گی۔ یہ میں جانتا ہوں۔ مجھے ہوزیہ سے قلبی نفرت ہے اور راسین کا شاہی خاندان پشتہا پشت سے یہ جانتا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس کی حکم عدولی نہ کرو مبادا ہم سب پر عذاب نازل ہو جائے کیونکہ ہوزیہ ردح ہے اور بہت خوفناک ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ان کا جانا

مقدر ہو چکا ہے۔"

"اور میں کہتی ہوں کہ یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ نہ جائے گا۔ اگر وہ دوسرا اجنبی جانا چاہے تو بے شک جا سکتا ہے۔"

"اطینہ! صاف صاف کہو کہ اس شخص لیو سے تم کیا چاہتی ہو۔؟ یہ کہ وہ تمہارا محبوب بنے؟"

"نہیں بلکہ میرا شوہر بن جائے۔"

"اس کے لیے اوّل تو یہ سوال ہے کہ کیا وہ بھی تمہارا شوہر بننا پسند کرے گا؟ اور دوم یہ کہ ایک عورت کے دو شوہر کس طرح ہو سکتے ہیں؟"

خانیہ نے سجری کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میرا کوئی شوہر نہیں ہے اور یہ تم اچھی طرح سے جانتے ہو سجری۔ میں تمہیں اس خون کا واسطہ دیتی ہوں جو ہم دونوں کی رگوں میں گردش کر رہا ہے کہ مجھے اس دوائی کی ایک مقدار اور بنا دو......"

"تا کہ یہ قتل ہمارے خون کے رشتے کو اور مضبوط کر دے؟ نہیں اطینہ یہ میں نہ کروں گا۔ تمہارے گناہ کا بوجھ میں ابھی سے اپنے سر پر محسوس کر رہا ہوں تم حسین ہو، اب اگر ہو سکے تو اس اجنبی کو تم خود ہی اپنے حسن کے جال میں پھنسا لو ورنہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور میرے خیال میں یہ دوسری صورت بہتر ہو گی"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ مجھے اس سے محبت کرنی ہے جس طرح کہ اس عورت سے نفرت کرتی ہے جس سے یہ محبت کرتا ہے یہ محبت اور نفرت اختیاری نہیں ہے۔ لیکن پتہ نہیں وہ کون سی قوت ہے جس نے اس کا دل میری طرف سے سخت کر دیا ہے۔ سجری! تم ماضی اور مستقبل کے حالات معلوم کر سکتے ہو۔ بتاؤ کہ تمہارے نجوم اور ستاروں نے تمہیں کیا بتایا ہے؟"

"اطینہ! گھنٹوں سر کھپانے کے بعد اپنے علم سے میں نے جو معلوم کیا ہے وہ یوں ہے۔" ہیجری نے جواب دیا "تم سچ کہتی ہو۔ بے شک تمہاری تقدیر اس اجنبی کی تقدیر سے وابستہ ہے لیکن تمہارے اور اس کے درمیان ایک عظیم الشان دیوار کھڑی ہے جس کے آر پار نہ تو میری نظر دیکھ سکتی ہے اور نہ اس دیوار پر میرے موکل چڑھ سکتے ہیں۔ البتہ یہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مر کر وہ اور تم اور وہاں میں بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہو جائیں گے۔"

"تو پھر موت آجانے دو۔" خافیہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا کہ "اس کے بعد ہی میری آرزو پوری ہو گی۔"

"اتنا یقین بھی ٹھیک نہیں۔" ہیجری نے جواب دیا۔ "کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ زبردست قوت موت کے اندھیرے غار میں بھی ہمارا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ہوزیہ کی ہر دم جاگنے والی آنکھیں اس وقت بھی ہماری روح کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہیں۔"

"تو پھر انھیں دھوکے کی دھول سے اندھا کر دو جیسا کہ تم کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ کل ایک پیغامبر کے ہاتھ ہوزیہ کو ایک خط بھی بھیج دو اس خط میں اجنبیوں کی جنس کا تذکرہ نہ کرنا اور لکھنا کہ دو بوڑھے سیاح یہاں آگئے ہیں۔ خیال رہے "بوڑھے" کا لفظ ضرور لکھنا اور یہ بھی تحریر کر دینا کہ وہ دونوں سخت بیمار ہیں، دریا میں ان کے ہاتھوں اور پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور یہ کہ جب وہ تندرست ہو جائیں گے تو میں انھیں دار الاستخارہ میں سوال و جواب کے لئے بھیج دوں گی۔" — آج سے کوئی تین ماہ بعد۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے اس خط پر یقین کر کے منتظر بیٹھی رہے اور اگر نہیں تو کم سے کم اتنا تو ہو گا کہ وہ تقاضہ نہ کرے گی۔

اب مجھے سونا چاہیئے ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ لاؤ وہ دوا دو مجھے جو پرسکون نیند لے آتی ہے۔ کیونکہ اس وقت مجھے اس کی سخت ضرورت ہے کیونکہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ غیبی آنکھیں ہر دم مجھے دیکھتی رہتی ہیں!"

اور یہ کہہ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

اب وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی چنانچہ میں وہاں سے ہٹ آیا اور یہ اچھا ہی ہوا۔ کیونکہ میں دبے پاؤں گزرگاہ میں جا ہی رہا تھا کہ میں نے اس کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔

آٹھواں باب

موت کے کتے

دوسرے دن صبح کے دس یا اس سے کچھ زیادہ بجے ہوں گے جب شامن بجری میرے کمرے میں آیا اور پوچھا کہ "رات نیند کیسی آئی؟"

"بے خبر سویا" میں نے جواب دیا۔ "سچ مچ ایسا بے خبر سویا کہ کوئی خواب آور دوا پی کر بھی ایسا نہ سوتا ہوگا۔"

"بہت خوب میرے دوست ہالی! لیکن اس کے باوجود تم کچھ تھکے معلوم ہوتے ہو۔"

"بات یہ ہے کہ اوٹ پٹانگ خواب نظر آئے تھے" میں نے جواب دیا۔

"ایسے خواب مجھے اکثر نظر آتے ہیں لیکن دوست بجری! تمہارے چہرے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے صبح تک پلک نہیں جھپکائی۔ کیونکہ میں نے آج تک تمہیں اتنا تھکا ہوا نہیں دیکھا۔"

"میں بے شک تھکا ہوا ہوں" وہ ایک آہ بھر کر بولا "کیونکہ گزشتہ رات

میں اپنے کام میں بری طرح مصروف رہا۔"

"اچھا۔"

"ہاں۔ ابواب کی دیکھ بھال کرتا رہا۔"

"کون سے ابواب؟" میں نے پوچھا۔ "وہی جن کے ذریعے ہم یہاں آئے ہیں؟ بڑے خطرناک دروازے ہیں وہ تو۔ ان پر سفر کرنے کے بجائے ان کی دیکھ بھال کرکے ہی بیٹھ رہنا مناسب ہے۔"

"وہ نہیں بلکہ ماضی اور مستقبل کے دروازے۔ اگر تم چاہو تو انھیں وہی دروازے کہہ سکتے ہو جن سے گزر کر تم یہاں پہونچے ہو۔ کیونکہ اگر تم سوچو تو نظر آجائے گا کہ تم عجیب و غریب ماضی سے سفر کرکے اس مستقبل کی طرف آئے ہو جس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔"

"اور ان دونوں سے ظاہر ہے کہ تمہیں دلچسپی ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید۔" اس نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "بہرحال میں تمہیں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر تم شہر کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔ خاقیہ تمہارے قیام و طعام کا انتظام کرنے ابھی ابھی شہر کی طرف گئی ہے۔"

"بہت اچھا لیکن یاد آتا ہے کہ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ کئی دن ہوئے شہر کی طرف گئی ہے۔ بہرحال میں تو اب تندرست ہوں اور سفر کیلئے تیار۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ میرے منھ بولے بیٹے کا کیا حال ہے؟"

"روبہ صحت ہے۔ روبہ صحت ہے۔ لیکن تم خود اسے دیکھ لوگے۔ یہ خاقیہ کا حکم ہے کہ تم شہر کے لیے روانہ ہو جاؤ اور میرے غلام تمہارے لباس لے کر آ لیے ہیں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

چنانچہ ان غلاموں کی مدد سے میں نے لباس پہنا۔ سب سے پہلے صاف اور

عمدہ زیر جامہ پہنا، اس کے بعد بڑے بڑے پائنچوں کا اونی پاجامہ اور صدری اور ان سب کے اوپر اونٹ کی کھال کا سموری، کالا اور بڑا جبہ جو لمبے اوور کوٹ کی طرح تھا۔ اسی کھال کی چپٹی ٹوپی سر پر رکھی اور پیروں میں خام کھال کے جوتے ہلکا لیے اور یہ مکمل لباس تھا۔

میں لباس پہن ہی رہا تھا کہ زرد رو خدمتگاروں نے احتراماً میرے سامنے جھک کر میرے دونوں بازو پکڑ لیے اور گزرگاہوں میں سے اور سیڑھیوں پر سے اس عمارت کے دروازے پر لے آئے۔ یہاں میں نے لیو کو دیکھا کہ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ پریشان نظر آتا تھا اور چہرے پر مردنی تھی اور اس میں تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ وہ ایک سخت اور طویل بیماری سے اٹھا تھا اس نے بھی میرے جیسا لباس پہن رکھا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا لباس قیمتی کپڑوں کا تھا اور جبہ سفید تھا جس میں کلاہ بھی تھی۔ یہ کلاہ غالباً اس کے سامنے کے زخم کو سردی اور ہوا سے بچانے کے لیے تھی۔ یہ سفید لباس اسے خوب جچتا تھا اور اس میں وہ ذرا بھی مضحکہ خیز معلوم نہ ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اچھل پڑا، لپک کر مجھ سے مصافحہ کیا، میری طبیعت پوچھی اور کہا کہ میں کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ لیو کی یہ گرمجوشی اور یہ مسرت بجری کی نظر سے، جو قریب ہی کھڑا ہوا تھا، نہ پوشیدہ رہی اور نہ ہی اسے متاثر کیے بغیر رہ سکی۔

"اس وقت تو یہی غنیمت ہے لیو کہ ہم مل گئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"دوسری باتیں بعد میں بتاؤں گا۔"

ہمارے لیے پالکیاں لائی گئیں جن کے آگے اور پیچھے ایک ایک ٹٹو جوتا گیا تھا۔ پالکیوں میں سے دو لمبے بانس آگے کی طرف کو نکلے ہوئے تھے اور ٹٹو انھیں بانسوں کے درمیان جوتے گئے تھے جس طرح کہ تانگے میں گھوڑا جوتا جاتا ہے۔

ان پالکیوں میں ہم سوار ہو گئے۔ سمبری نے اشارہ کیا، غلاموں نے آگے والے ٹٹوؤں کی لگامیں پکڑ لیں اور اس طرح ہم روانہ ہو گئے اور وہ خوفناک دروازہ اور وہ چٹانی مکان جو اس دروازے کے اوپر تھا، پیچھے چھوٹ گیا۔ اور میں یقین سے کہتا ہوں صدیوں میں ہم وہ پہلے مسافر تھے جو اس طرف آئے تھے۔

کوئی ایک میل تک تو راستہ ایک تنگ سنگستانی اور ڈھلوان گھاٹی میں سے گزرتا رہا۔ دفعتہً راستہ ایک طرف مڑ گیا اور کلون کا علاقہ ہمارے سامنے تھا۔ ہمارے قدموں میں ایک دریا بہہ رہا تھا جو غالباً وہی تھا جس میں میں نے چھلانگ لگائی تھی اور جس میں سے خانیہ نے مجھے اور لیو کو نکالا تھا وہاں خلیج میں اس کا بہاؤ خطرناک تھا کیونکہ برف پگھل پگھل کر بہاؤ کی تیزی میں اضافہ کر رہی تھی، اور راہ میں شاید اس کا منبع بھی تھا۔ بہاؤ یہاں بھی تیز تھا لیکن آگے بڑھ کر اور سپاٹ میدان میں پہونچ کر یہی دریا بے حد سست رفتار ہو گیا تھا جیسے جھیل ہو۔ اس کا پاٹ بھی میدان میں وسیع تھا۔ یہ دریا لامحدود میدان میں بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا یہاں تک کہ دور نیلے افق سے جا ملا تھا۔

البتہ شمال کی طرف اس لامتناہی میدان کو وہ پہاڑ کاٹ رہا تھا جس نے بہت پیچھے سے ہماری راہبری کی تھی جس کا نام مکان آتش تھا۔ یہ پہاڑ ہم سے بہت دور تھا سو میل سے بھی زیادہ فاصلے پر۔ اس کے باوجود بے حد عظیم نظر آتا تھا۔ اس کی چوٹی سے کئی لیگ نیچے میدان میں بہت سے چھوٹے اور دھلانے دار ٹیلے تھے جن کے درمیان کوہ مقدس کھڑا تھا جو آسمان کی نیلاہٹوں میں بیس ہزار فٹ تک بلند ہوتا چلا گیا تھا اور اس کی چوٹی پر کی برف نظر کو خیرہ کیے دے رہی تھی۔

اور اس کے دہانے کے نچلے لب پر وہ عظیم الشان مینار کھڑا تھا جس کی چوٹی پر وہ حلقہ تھا، علامتِ قوت وحیات۔ نیلے آسمان اور سفید برف کے پس منظر میں اس مینار کی سیاہی اور بھی نمایاں ہو کر دلوں پر ہیبت طاری کر رہی تھی۔

ہم اپنے دلوں میں دھڑکتا ہوا خوف اور احترام لئے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ یہ ہماری امیدوں کا مرکز تھا، یہ ہمارا روشن مینار تھا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ہماری امیدوں کا مزار بھی ثابت ہو جائے اور ہم نے سوچا کہ وہاں، اس پہاڑ پر آخر کار قسمت کا فیصلہ ہو گا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ سب لوگ، جو ہمارے ساتھ تھے، احتراماً اس مینار کے سامنے جھک رہے تھے اور ساتھ ہی دوسری حرکت یہ کرتے تھے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر یوں رکھ دیتے تھے کہ دونوں انگلیاں صلیب کا نشان بنا دیتی تھیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اشارہ پہاڑ پر کی شیطانی قوتوں سے محفوظ رہنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ سجری نے بھی اس کے سامنے سر جھکا دیا میرے خیال میں یہ قدیم توہم پرستی سے مجبور ہو کر، حالانکہ مجھے اس سے اس کی توقع نہ تھی۔

"تم کبھی گئے ہو اس پہاڑ پر؟" لیو نے سجری سے پوچھا۔

سجری نے نفی میں سر ہلا کر کچھ گول مول سا جواب دیا۔

"میدان والے پہاڑ پر نہیں جاتے اس کے دامن میں اور دریا کے اس پار بہادر لیکن حد درجہ کے وحشی قبائل آباد ہیں جن سے اکثر ہماری جنگیں ہوتی رہتی ہیں کیونکہ جب وہ بھوکے ہوتے ہیں تو ہمارا غلہ اور مویشی حاصل کرنے کے لیے تاخت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب پہاڑ غضبناک ہوتا ہے تو

اس میں سے پگھلے ہوئے پتھروں کا آتشی مادہ اُبھر کر بہنے لگتا ہے۔ اس کے بعد دفعتاً فوقتاً پہاڑ گرم راکھ پھینکتا ہے جو مسافروں کو بھون کر رکھ دیتی ہے۔"

"کبھی یہ راکھ تمہارے ملک پر گری ہے؟"

"کہتے ہیں کہ جب پہاڑ کی روح غضبناک ہوتی ہے تو وہ گرم راکھ ہم پر بھی پھینک دیتی ہے۔"

"یہ روح کون ہے؟" لیو نے اشتیاق سے پوچھا

"یہ تو میں نہیں جانتا آقا" بجری نے بے چینی سے جواب دیا "کیا انسان کی نظر روح کو دیکھ سکتی ہے؟"

"لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمہاری نظر روح کو دیکھ سکتی ہے" لیو نے جواب دیا "اور میرے خیال میں کچھ عرصہ پہلے دیکھ چکے ہو۔"

اور اس نے اپنی نظریں بجری کے جھرّیوں پڑے کرخت چہرے پر گاڑ دیں بڑے میاں کی آنکھوں سے اضطراب ٹپک رہا تھا اور یوں معلوم ہوتا جیسے وہ کوئی ایسی چیز دیکھ چکا تھا جو اسے اب بھی آسیب بن کر ستا رہی تھی۔

"آقا! یہ تمہاری ذرّہ نوازی ہے۔" وہ بولا تاہم میرے علم اور فن کی پہونچ اتنی دُور تک نہیں ہے۔ لیکن وہ دیکھئے گھاٹ نظر آرہا ہے جہاں کشتیاں ہماری منتظر ہیں۔ کیونکہ یہاں سے ہمارا سفر براہ دریا ہوگا۔"

کشتیاں کشادہ اور آرام دہ تھیں جن کی چوڑیج اور دنبالہ چپٹا تھا کیونکہ ہر چند کہ ان میں بوقت ضرورت بادبان لگا دیا جاتا تھا، انھیں کھینچا جاتا تھا اور چپّو استعمال نہ کئے جاتے تھے۔ میں اور لیو سب سے بڑی کشتی میں سوار ہو گئے اور یہ دیکھ کر ہم نے یک گونہ مسرت محسوس کی کہ سکالا گیر کے علاوہ اور کوئی ہمارے ساتھ اس کشتی میں سوار نہ ہوا۔

ہماری کشتی کے پیچھے ایک اور کشتی تھی جس میں غلام اور خدمتگار سوار ہوئے اور چند ایسے لوگ بھی جو سپاہی معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ کمانوں اور تلواروں سے مسلح تھے۔ ان پالکیوں میں سے ٹٹو کھول دیئے گئے اور پالکیاں بند کر دی گئیں پالکیوں کے ڈنڈوں کو ان چرمی رسّوں سے باندھا گیا جو کشتیوں کے حلقوں میں پروئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ ٹٹو ہماری کشتیوں کو کھینچنے والے تھے اس غرض کے لیے دریا کے کنارے کنارے بے حد عمدہ سڑکیں بنی ہوئی تھیں اور جہاں اس دریا میں نہریں تھیں یا معاون دریا آکر ملتے تھے وہاں چوبی پل بنے ہوئے تھے چنانچہ ٹٹو اس سڑک پر چل پڑے اور ہماری کشتیوں کو کھینچنے لگے اور یوں ہمارا یہ بحری سفر شروع ہوا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہم ایک بار پھر مل بیٹھے" لیو نے کہا "تمہیں یاد ہے ہوریس کہ جب ہم سرزمین کور میں داخل ہوئے تھے تو اسی طرح کشتیوں میں سوار تھے؟ وہی قصہ یہاں پھر دُہرایا جا رہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" میں نے سر ہلایا "بلکہ اب تو میں ہر بات تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوں لیو! میں تو سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہماری حیثیت مکڑی کے جالے میں پھنسی ہوئی مکھیوں کی سی ہے۔ وہ عورت خانیہ مکڑی ہے اور شامن بھی اس کا محافظ ہے۔ خیر۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا گزری اور مختصر لفظوں میں بتا رہا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ زیادہ دیر تک ہمیں تنہا نہ رہنے دیں گے۔"

"بہت اچھا۔ سنو!" لیو نے کہا "اس بوڑھے اور اس عورت نے ہمیں دریا میں سے نکالا تو اس کے بعد مجھے دروازے تک تو پہنچا دیا ہے۔ ہاں۔ ہوریس! تمہارے مکڑی کے ذکر پر یاد آیا کہ میں وہاں یاک کی کھال کی بنی ہوئی رسّی سے لٹک رہا تھا۔ یوں تو میں اسے عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔ میرے خدا! تمہیں یاد ہے کہ میں نے

چاقو سے چرمی رسی کو کاٹ دیا تھا کیونکہ مارے دہشت کے میں پاگل ہوا جا رہا تھا اور میں صحیح الدماغ رہ کر مرجانا چاہتا تھا لیکن تمہارے ساتھ کیا واقعہ ہوا تمہارا پیر پھسل گیا کہ کیا؟"

"نہیں۔ بلکہ تمہارے پیچھے پیچھے میں نے اوپر سے چھلانگ لگا دی تھی۔ مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہم دونوں ساتھ ہی مریں۔ تاکہ ہماری نئی زندگی کا آغاز بھی ایک ساتھ ہو۔"

"شاباش بہادر ہورلیس!" لیو نے بڑے پیار سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر آئے۔

"خیر۔ اس ذکر کو چھوڑو۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں یاد ہے کہ تم نے کہا تھا کہ ہم اس خطرے سے بچ کر نکل جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ اچھا اب اپنی داستان سناؤ۔"

"میری داستان دلچسپ مگر مختصر ہے۔" لیو نے سرخ ہو کر کہا۔ "میں سو گیا اور جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ ایک حسینہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی اور ہورلیس! ابتدا میں مجھے خیال آیا کہ یہ وہی ہے۔۔۔ تم سمجھ گئے ہوگے کہ میری مراد کس سے ہے۔ اسنے میرے ہونٹ چومے۔ لیکن شاید وہ ایک خواب تھا۔"

"نہیں بلکہ حقیقت تھی۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ یہ سب کچھ خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

"اوہ! یہ سُن کر مجھے واقعی افسوس ہوا۔ بہرحال بڑی حسین عورت تھی وہ خاتون کیونکہ بعد میں میں نے اسے اکثر دفعہ اپنے قریب دیکھا اور اس سے جہاں تک ممکن ہوا اپنی جدید یونانی میں گفتگو بھی کی۔ ہاں۔ یاد آیا۔ یہ واقعی عجب اتفاق ہے کہ عائشہ بھی یونانی جانتی تھی۔"

"نہ صرف یونانی بلکہ بہت سی قدیم زبانیں جانتی تھی اور دوسرے لوگ بھی جانتے ہیں۔ خیر آگے کہو۔"

"اس نے بڑے ہی جی جان سے میری تیمار داری کی اور گزشتہ رات تو بڑی لگاوٹ کا اظہار کیا۔ لیکن میرے حواس بالکل ہی گم نہ تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے واقعات کے متعلق کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ میں یوں ظاہر کرنے لگا جیسے میں کچھ سمجھتا نہیں اور میں نے کہا کہ ہم سیاح اور مہم جو ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اس نے تمہارے متعلق برابر پوچھتا رہا۔ ہاں۔ میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا تھا کہ ہوش میں آ کر دیکھا تو تم وہاں نہ تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کچھ خفا ہو گئی مجھ سے کیونکہ وہ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتی تھی اور میں جیسا کہ تم سمجھ سکتے ہو اس سے بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں اس سے کچھ معلوم نہ کر سکا۔ سوائے اس کے کہ وہ خانیہ ہے اور اسے بڑا اقتدار حاصل ہے۔ کیونکہ جب وہ مجھ سے حقائق اگلوانے کی کوشش کر رہی تھی تو ایک غلام یا شاید خدمتگار اندر آ کر مخل ہوا۔ اس پر خانیہ بہت خفا ہوئی اور اس نے اپنے چند آدمیوں کو بلا کر حکم دیا کہ اس غلام کو کھڑکی سے باہر پھینک دیں۔ وہ غلام بھاگ کر سیڑھیاں اتر گیا۔ اس طرح اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"خیر تو آمدم برسر مطلب وہ مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکی اور میں اس سے کچھ نہ معلوم کر سکا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اسے مجھ جیسے ایک اجنبی سے ایسی دلچسپی یا ہمدردی کیوں ہو گئی ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ ۔۔ وہ میرے خدا! کون ہے وہ ہوریس؟"

"تم پہلے اپنی پوری داستان سنا دو پھر سب بتاؤں گا کہ میرا خیال کیا ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی کہانی بیان کرنا مناسب ہوتا ہے۔"

"بہت اچھا۔ تو میں وقت گزرنے پر نسبتاً تندرست اور مضبوط ہو گیا مگر کل یعنی گزشتہ رات کے واقعے نے مجھے پھر لڑکھڑا دیا۔ جب بوڑھا بجری میرا کھانا رکھ کر چلا گیا اور میں کھانے سے فارغ ہو کر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ تنہا خانیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ملکہ کا سا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور وہ بڑی شاندار معلوم ہو رہی تھی، پریوں کی کہانیوں کی کتاب کی شہزادی جیسی۔ اس کے سر پر تاج تھا اور اس کے کالے گھٹاؤں کے سے بال اس کے شانوں پر پڑے تھے"

"خیر، تو پھر وہ مجھ سے عشق کرنے لگی اور وہ بھی بے حد کھلے انداز میں، کہنے لگی میرا الٹو ہی خیال ہے' وہ میری طرف دیکھے او۔ آہیں بھرنے لگی تھی اور کہا کہ ہم ماضی بعید میں ایک دوسرے کو جانتے تھے اور یہ کہ ہمیں اب بھی اپنی اس دوستی کا اعادہ کرنا چاہیئے اور ایک دوسرے کے قریب آ جانا چاہیئے۔ میں حتی الامکان اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن تم جانو جب ایک شخص بستر پر بیمار پڑا ہوا ہو اور خانیہ جیسی حسینہ سرہانے کھڑی لگاوٹ کی باتیں کر رہی ہو تو وہ اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرتا ہے۔

"آخر میں یہ ہوا کہ اس کے سوالات سے بچنے اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں نے اس سے کہا کہ مجھے اپنی بیوی کی تلاش ہے جو گم ہو گئی ہے کیونکہ ہر لحاظ! الیشہ بہر حال میری بیوی ہے۔ وہ مسکرائی۔ اور بولی کہ اب تمہیں اپنی بیوی کی تلاش میں بھٹکنا اور نہ جانا پڑے گا کیونکہ میری وہ گمشدہ بیوی اس کے روپ میں مجھے مل گئی ہے جس نے مجھے دریا میں ڈوبنے سے بچا لیا تھا۔ یہ بات اس نے اس قدر یقین سے کہی کہ مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ مجھ سے مذاق نہیں کر رہی ہے اور کیا پتہ کہ یہی وہ عورت ہو جس کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں۔ کیونکہ تم جانو اب الیشہ بدل گئی ہو گی۔

"جب میں یوں کشمکش و پیچ میں تھا تو مجھے ایشہ کے بالوں کی لٹ یاد آگئی جو ہمارے پاس اس کی آخری نشانی رہ گئی ہے۔" اور لیو نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا "میں نے بالوں کی یہ لٹ نکال کر اس کا موازنہ خانیہ کے بالوں سے کیا۔ ان بالوں کو دیکھتے ہی خانیہ ایک دم سے بدل گئی۔ میرے خیال میں رشک و رقابت نے اس کی یہ حالت کر دی۔ کیونکہ یہ بال اس کے بالوں سے لمبے اور قطعی مختلف تھے۔

"اس نے ان بالوں کو چھوا اور سچ کہتا ہوں ہورلیس! اس پر ایسا اثر ہوا جیسا کہ تیزاب کا مصنوعی سونے پر ہوتا ہے وہ اپنے اصل روپ میں آگئی اور برا روپ تھا اس کا یہ۔ مارے غصے کے اس کی آواز بگڑ گئی اور ذلیلوں کی سی باتیں کرنے لگی۔ اور یہ تو ہم جانتے ہیں کہ جب ایشہ کو غصہ آتا تھا تو وہ عیار اور خوفناک تو ہو جاتی تھی لیکن ایسی ذلیل اور عامیانہ حرکتیں نہ کرتی تھی جیسی کہ اس وقت خانیہ سے سرزد ہو رہی تھیں۔

"بہر حال تب سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خانیہ کوئی بھی ہو ایشہ تو ہر گز نہیں ہے۔" دونوں میں ایسا بعد المشرقین تھا کہ وہ بھلا ایک ہو ہی نہیں سکتیں جیسا کہ دونوں کے بالوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ خیر تو میں خاموش پڑا رہا اور اسے بکنے جھکنے دیا۔ وہ مجھے بہلانے پھسلانے اور پھر دھمکانے لگی اور تھک ہار کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے اسے دروازے کے باہر سے مقفل کرتے سنا۔ تو یہ ہے پوری داستان اور میرے خیال میں کافی سے زیادہ ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ خانیہ نہ تو یوں آسانی سے ہار ماننے والی ہے اور نہ ہی میرا پیچھا چھوڑنے والی ہے چنانچہ سچ تو یہ ہے کہ اب میں اس سے ڈرنے لگا ہوں۔"

"اور یہ ٹھیک بھی ہے۔" میں نے کہا۔ "اب ذرا سکون سے بیٹھو اور اونچی آواز میں نہ بولو۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جاسوس ہو اور میں بوڑھے

مجری کی نگاہوں کو اپنی پشت پہ لیے محسوس کر رہا ہوں اور میں جو کہوں اسے غور سے سنو! اور بیچ میں ٹوکنا نہیں۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے اور ایک ایک لمحہ قیمتی ہے"

چنانچہ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور میں اسے وہ سب کچھ سنانے لگا جو میں جانتا تھا لیو غور اور خاموشی سے سنتا رہا اور اس کے بشرے سے حیرت کا اظہار ہوتا رہا۔

"میرے خدا کیا کہانی ہے!" جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا "اب یہ ہوزیہ کون ہے جس نے پہاڑوں پر سے خط بھیجا ہے۔ اور یہ ــ یہ ــ خانیہ کون ہے؟"

"تمہاری چھٹی حس کیا کہتی ہے خانیہ کے متعلق؟" میں نے پوچھا

"آمن ارتاس؟" اس نے سرگوشی میں کہا۔ جس نے سفال پر وہ تحریر لکھی تھی اور جو الشہ کے قول کے مطابق مصری شہزادی تھی ــ جو دو ہزار سال پہلے میری بیوی تھی؟ آمن ارتاس پھر پیدا ہو گئی ہے؟" میں نے سر ہلایا۔

"خود میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں نے تم سے بار بار کہا ہے اور اس کا مجھے یقین بھی تھا کہ اگر ہم اس عجیب و غریب ڈرامے کا دوسرا منظر دیکھ سکے تو ہمیں آمن ارتاس یا کم سے کم اس کی روح ضرور مل جائے گی جو اس منظر میں ایک اہم کردار ادا کرے گی تمہیں یاد ہو گا کہ یہی بات میں نے اپنے مسودے میں بھی لکھی تھی"

"اگر بوڑھا بدھشٹ لاما کورین اپنے پہلے جنم کے واقعات یاد رکھ سکتا ہے، جیسا کہ زیادہ تر بدھشٹ دعویٰ کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو، جسے شاہی مجری کی مدد حاصل ہے، اپنا ماضی یاد نہ ہو!"

"بہرحال لیو! یہ اگر ایسا ہی ہے، اگر یہ خانیہ آمن ارتاس ہی ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ پچھلے عشق کا اثر اب تک اس کی روح پر سے زائل نہ ہوا ہو اور یہ پہلی ہی نظر میں وہ جی جان سے اس مرد پر عاشق ہو جائے جسے اس نے ہزاروں سال پہلے اسی طرح چاہا تھا۔"

"تمہاری یہ دلیل دل کو لگتی ہے ہورلیس! اچھا اگر یہ سچ ہے تو مجھے خانیہ پر ترس آتا ہے کہ اس معاملے میں اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ دیا گیا۔ بلکہ اسے گویا مجبور کر دیا گیا مجھ سے عشق کرنے کے لیے۔"

"سو تو ہے لیکن اس سے بھلا یہ ہے کہ ایک بار پھر تمہارا پیر جال میں پھنس گیا ہے۔ خدا کے لیے احتیاط سے کام لینا، کیونکہ بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں یہ تمہاری آزمائش کی جا رہی ہے اور ابھی ایسی اور بھی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا اور میں یہ بھی کہے دیتا ہوں لیو کہ کوئی غلطی کر بیٹھنے کی بہ نسبت مر جانا بہتر ہو گا۔"

"یہ میں بھی سمجھتا ہوں چنانچہ تمہیں فکر نہ کرنی چاہیے۔" لیو نے کہا "ماضی میں یہ خانیہ میری کچھ بھی کیوں نہ رہی ہو بشرطیکہ کچھ رہی ہو۔ وہ داستان بہر حال ختم ہوئی۔ مجھے الیشہ کی، صرف الیشہ کی تلاش ہے اور اب اگر حسن کی دیوی وینس خود بھی آ جائے تو مجھے الیشہ سے پھرا کر اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی۔"

اور پھر ہم اپنے دلوں میں کچھ خوف اور کچھ امید لیے اس پراسرار ہوذیہ کے متعلق باتیں کرنے لگے جس نے پہاڑ پر سے خط بھیجا تھا اور شامن سمجری کو حکم دیا تھا کہ وہ دریا کے کنارے پر ہمارا انتظار کرے اور جس کے متعلق خود سمجری نے اقرار کیا تھا کہ وہ کاہنہ دور قدیم سے "عظیم" ہے اور یہ کہ اس کے خدمتگار ہوا، پانی اور زمین پر موجود ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد ہماری کشتی کی چونچ دریا کے کنارے سے ٹکرائی اور رک گئی۔ تو میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا سمجری اپنی کشتی سے نکل آیا تھا اور ہماری کشتی میں آنے کی تیاری کر رہا تھا۔

وہ ہماری کشتی میں آ گیا اور ہمارے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا اور اسنے

بتایا کہ رات کا اندھیرا اتر رہا تھا چنانچہ یہ رات ہمارے ساتھ گزارنے اور ہماری حفاظت کرنے آیا ہے۔"

"اور یہ دیکھنے کو کہ ہم رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر فرار نہ ہو جائیں۔" لیو نے دبی زبان سے کہا۔

ایک بار پھر خدمتگاروں نے ٹٹوؤں پر چابک برسائے اور ایک بار پھر ہماری کشتیاں آگے روانہ ہو گئیں۔

"پیچھے دیکھو،" بجری نے کہا۔ "اور تمہیں وہ شہر نظر آئے گا جہاں ہمیں آج رات قیام کرنا ہے۔"

ہم نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ دس میل دور وہ شہر تھا جس کے مکانات کی چھتیں سپاٹ تھیں۔ یہ شہر بہت بڑا تو نہ تھا لیکن چھوٹا بھی نہ تھا۔ یہ بہت عمدہ جگہ بسا ہوا تھا کیونکہ ایک ایسے جزیرے پر تھا جو سطح میدان سے سو یا اس سے زیادہ فٹ بلند تھا۔ دریا اس جزیرے کے قدموں میں پہونچ کر دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا، آگے بڑھ کر یہ دونوں شاخیں پھر آپس میں مل گئی تھیں۔

یہ وسیع ٹیلہ جس پر وہ شہر آباد تھا، مصنوعی معلوم ہوتا تھا لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ اس کی مٹی صدیوں پہلے دریا کے سیلاب نے لا لا کر یہاں اکٹھا کر دی ہو اور اس کے کنارے جو کچھ ٹوٹ کے تھے، رفتہ رفتہ بلند ہو کر یہ جزیرہ بن گئے ہوں۔ اس پورے شہر میں صرف ایک عمارت بڑی اور عظیم الشان تھی جو سب سے الگ اور بلند نظر آتی تھی۔ یہ عمارت ستونوں والی تھی۔

"اس شہر کا نام کیا ہے؟" لیو نے بجری سے پوچھا۔

"کلون،" بجری نے جواب دیا۔ "جیسا کہ اس پورے سرزمین کا نام اس

زمانے میں یہی تھا جب کہ دو ہزار برس پہلے ہمارے اسلاف فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتے اس طرف آئے تھے۔ اس سرزمین کا نام ان فاتحین نے تبدیل نہ کیا البتہ پہاڑ والوں کی مملکت کو ہوزیہ کہنے لگے۔ کیونکہ بقول ان کے اس چٹان پر جو حلقہ ہے وہ اس عظیم دیوی کی علامت ہے جس کی پرستش ان کا سردار کرتا تھا۔"

"تو اب بھی وہاں کاہنائیں رہتی ہیں۔ ہے نا؟" لیو نے بڑے میاں سے حقیقت اگلوانے کی غرض سے پوچھا۔

"ہاں۔ اور کاہن بھی رہتے ہیں۔ ان کی درسگاہ ان فاتحین نے قائم کی تھی جنھوں نے یہ سرزمین فتح کی تھی۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انھوں نے ان لوگوں کی درسگاہ پر قبضہ کر لیا جنھوں نے معبد اور مندر بنوایا تھا اور ان لوگوں کی دیوی پہاڑ کی آگ تھی۔ یہ آگ اب ہمارے کاہنوں کی دیوی ہے۔"

"تو اب وہاں کس کی پرستش کی جاتی ہے؟"

"کہتے ہیں کہ دیوی ہوزیہ کی۔ لیکن اس سلسلے میں ہماری معلومات محدود ہیں کیونکہ ہمارے اور پہاڑ والوں کے درمیان صدیوں سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے وہ ہمیں اور ہم انھیں قتل کر دیتے ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کے معاملے میں سخت متعصب واقع ہوئے ہیں۔ اور وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں الا یہ کہ وہ اس کے لئے اجازت حاصل کرے۔ چنانچہ لوگ جب استخارہ معلوم کرنے یا عبادت کرنے یا قربانی چڑھانے وہاں جاتے ہیں تو پہلے سے اجازت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یہ بھی اس وقت ہوتا ہے جب ملک کا حکمران مر جاتا ہے یا جب دریا خشک ہو جاتا ہے اور خشک سالی آ جائے یا جب پہاڑ گرم گرم آگ برسانے لگے اور زلزلے زمین کو جھنجوڑنے لگیں یا پھر کوئی زبردست وبا پھیل جائے۔ سالِ گذشتہ جب ایسا ہوا اور دعاؤں اور قربانی کی ضرورت

پڑے تو اس وقت بھی میدان کے لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اِلّا یہ کہ وہ خود ہی ہم پر حملہ کر دیں۔ اگرچہ ہم لوگ فن سپہ گری کے ماہر ہیں اور ہم میں کا ہر شخص اگر ضرورت ہو تو جنگ کر سکتا ہے لیکن ہم لوگ صلح پسند ہیں اور صدیوں سے زراعت کرتے آئے ہیں چنانچہ امیر بھی ہیں۔ ارد گرد دیکھو آقا! اور بتاؤ کہ یہاں امن و سکون نظر آرہا ہے کہ نہیں؟"

چنانچہ ہم کشتی میں کھڑے ہو گئے اور چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف مویشیوں کے گلّے چراگاہوں میں چرتے نظر آئے، گھوڑوں اور خچروں کے ٹولے بھی تھے اور مربّع کھیت تھے جن میں فصل لہلہا رہی تھی جن کے چاروں طرف درخت تھے۔ بستی کے لوگ بھورے رنگ کے لمبے چغے پہنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے یا دن بھر کا کام ختم کر کے جانوروں کو ہنکاتے ہوئے بستی کی طرف جا رہے تھے۔ ان کی آمد و رفت کیلئے پشتوں پر سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔

خشک صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں اتنے برسوں تک بھٹکتے رہنے کے بعد یہ سرسبز اور شاداب علاقہ جنّت کا ایک خطّہ معلوم ہوا۔ موسم بہار تھا۔ چنانچہ غروب ہوتے ہوئے سورج کی سرخ روشنی میں یہ خطّہ اور بھی حسین لگ رہا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ہالینڈ کے ایک حصّے کو اٹھا کر یہاں اس دور افتادہ مقام میں لا دھرا ہو۔ یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کسان اور دہقان امن پسند لوگ تھے اور یہ کہ ان کی دولت بھوکے وحشیوں کو تاخت و تاراج پر ابھارتی ہوگی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ میں آتی تھی کہ جب سکندر کی بچی کھچی فوج اپنے مصری سردار کی ماتحتی میں برف پوش پہاڑوں کو گویا آہنی دیوار کو عبور کر کے اس طرف پہنچی ہو گی اور انھوں نے یہ سرسبز و شاداب خطّہ دیکھا ہوگا تو وہ لوگ پکار اٹھے ہوں گے "اب ہم نہ آگے جائیں گے، نہ مشقت برداشت کریں گے اور نہ بھٹکا

جنگ کریں گے بلکہ اب ہم یہیں مقیم ہو جائیں گے، یہیں جئیں اور یہیں مریں گے"
اور یقیناً یہی انہوں نے کیا۔ غالباً ایک ہی جنگ میں اس سرزمین کو فتح کر لیا۔
اور یہاں کے گھرانوں میں شادیاں کر کے یہیں بس گئے۔

دن کی روشنی ختم ہوئی تو پہاڑ کے اوپر جو آتشیں میں سے اٹھتے ہوئے اور اس پر چھائے ہوئے دھوئیں میں شعلوں کی سرخی آ گئی۔ جیسے جیسے اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اس سرخی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا جو دل پر ایک وحشت طاری کر رہی تھی یہاں تک کہ اس دھوئیں میں شعلوں کی لپکتی ہوئی چادریں سی نظر آئیں جو آتش فشاں کے بطن میں سے باہر آ رہی تھیں اور یہ روشنی چٹان پر کے حلقے میں سے نکل کر پھیل رہی تھی۔ روشنی کی یہ لپٹیں جو حلقے میں سے نکل رہی تھیں دور دور تک چمکتی اور سرزمین پر ایک دودھیا سا راستہ بناتی سرحدی پہاڑوں پر کی برف پوش چوٹیوں پر پہنچ گئیں۔ یہ دودھیا راستہ ہوا میں معلق تھا اور کلوان کے دھندلے دھندلے سے نظر آتے ہوئے مکانات پر سے گزر رہا تھا اور دریا پر سے گزر رہا تھا اور ہمارے سروں پر سے گزر رہا تھا، اور پہاڑوں پر سے گزر رہا تھا اور صحرا پر سے بھی جو پہاڑوں کے دوسری طرف تھا اور جسے ہم دیکھ نہ سکتے تھے، گزر رہا تھا اور اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ رہا تھا جہاں سے ہم نے اس روشنی کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ یہ منظر بے حد تعجب انگیز اور دلکش تھا۔ لیکن صرف ہمارے لیے کیونکہ ہمارے ساتھیوں کے دل میں تو اس منظر کا خوف جاگزیں ہو گیا تھا، کیونکہ ہماری کشتی کے ملاح اور کنارے پر کی سڑک پر چلتے ہوئے اور مشعلوں کو جھنکاتے ہوئے خوف زدہ لوگ اونچی آواز میں کراہتے اور دعائیں پڑھتے تھے

"کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ؟" لیو نے مجھ سے پوچھا

"کہہ رہے ہیں کہ پہاڑوں کی روح خفا ہے اور یہ اڑتی ہوئی روشنی، جسے ہم

دراصل یہ کہتے ہیں ہماری سرزمین پر کوئی مصیبت نازل کرنے کے لئے پھیل گئی ہے چنانچہ وہ اس کے سامنے گڑگڑا رہے ہیں کہ وہ انھیں تباہ نہ کرے "

"تو کیا یہ روشنی اسی طرح ہمیشہ نظر نہیں آتی ؟" لیو نے پھر پوچھا

"نہیں - کبھی کبھار ہی نظر آتی ہے۔ آج سے کوئی تین مہینے پہلے یہ روشنی نظر آئی تھی - پھر آج نظر آئی ہے - لیکن اس سے پہلے کئی سال تک یہ روشنی نظر نہ آئی تھی - چنانچہ آؤ ہم دعا میں مانگیں اور گڑگڑائیں کہ کلون اور اس کے باشندے کسی اچانک مصیبت سے محفوظ رہیں"

دل پر خوف طاری کر دینے والی یہ روشنی چند منٹوں تک یونہی قائم رہی اور پھر جس طرح فوری طور پر وہ روشن ہوئی اور پھیلی تھی اسی طرح فوری طور پر مٹ کر بجھ گئی اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک دھندلی چمک کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

کچھ ہی دیر بعد چاند طلوع ہوا اور اس کی ٹھنڈی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ ہم شہر کے قریب پہونچ گئے تھے لیکن شہر میں پہونچنے سے پہلے ہمارے لئے کچھ اور دیکھنا بھی مقدر ہو چکا تھا۔

ہم کشتی میں اطمینان سے بیٹھے تھے چاروں طرف خاموشی مسلط تھی۔ اس خاموشی کو صرف دو آوازیں توڑ رہی تھیں ایک تو ان ٹٹوؤں کی ٹاپوں کی آواز تھی جو سڑک پر چل رہے اور کشتیوں کو کھینچ رہے تھے اور دوسری ہلکی آواز لہروں کے کشتی کے پہلوؤں سے ٹکرانے کی تھی دفعتہً دور سے شور کی آواز آئی جیسے کہیں کوئی شکاری پورے ساز و سامان کے ساتھ شکار کو نکلا ہو۔

یہ آواز قریب سے قریب تر آتی چلی گئی اور شور کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ یہ آوازیں بہت قریب آگئیں اور اب دوسرے کنارے پر کی، یعنی اس سڑک پر نہیں جس پر ہماری کشتیوں کو کھینچنے والے ٹٹو چل رہے تھے۔

سڑک پر بھاگتے ہوئے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ گھوڑا بھی نظر آیا عمدہ نسل کا سفید گھوڑا تھا جس پر ایک شخص سوار تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ہمارے سامنے سے گزر گیا لیکن گزرتے وقت سوار نے رکابوں پر ذرا کھڑے ہو کر اور گھوم کر ہماری طرف دیکھا۔ چاند کی روشنی میں ہمیں نہ صرف اس کا چہرہ بلکہ اس پر موجود انتہائی خوف و دہشت کے جذبات بھی نظر آنے لگے۔

وہ اندھیرے میں سے نکل کر سامنے آیا تھا اور اندھیرے میں ہی جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن اس کے تعاقب میں آتی ہوئی شور کی وہ آوازیں بڑھ گئیں اور پھر ایک کتا نظر آیا۔ بے حد بڑا اور سرخ رنگ کا کتا جو اپنی خونخوار تھوتھنی جھکائے بھاگ رہا تھا۔ وہ شاید زمین سونگھ رہا تھا۔ دفعتہً اس نے اپنی تھوتھنی اٹھائی اور عجیب آواز میں رو یا فوراً دوسرے کتے نمودار ہوئے اور ان کے بعد اور دوسرے۔ ان کی مجموعی تعداد سو ہو گئی اور ہر کتا بو پا کر بھونک اور رو رہا تھا

"موت کے کتے۔" میں نے لیو کا بازو پکڑ لیا۔

"ہاں" اس نے جواب دیا۔ "وہ اس بیچارے کا تعاقب کر رہے ہیں اور شکاری بھی آگیا۔"

اب ایک اور شخص نظر آیا جو ایک شاندار گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے شانوں پر قیمتی لبادہ تھا جو پیچھے ہوا میں لہرا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چابک تھا جسے وہ بلند کر کے ہلا رہا تھا یہ شخص دیو قامت لیکن ڈھیلے اعضا والا تھا۔ ہمارے سامنے سے گزرتے وقت اس نے بھی ہماری طرف دیکھا اور ہمیں جو چہرہ دکھائی دیا وہ ایک پاگل کا چہرہ تھا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی اس کی آنکھوں سے جنون نمایاں تھا اور اس کے بلند، خوفناک اور کانوں میں ارتعاش پیدا کرنے والے قہقہے ایک خبط الحواس ہی کے قہقہے تھے۔

"خان۔ خان!" مجری نے خوفزدہ آواز میں کہا اور سجدے میں گر گیا۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ بوڑھا واقعی خوفزدہ تھا۔

وہ بھی چلا گیا اور اب محافظوں کا دستہ آیا۔ میں نے شمار کیا تو وہ آٹھ تھے۔ سب کے ہاتھوں میں چابک تھے جن سے وہ گھوڑوں کو مار مار کر انھیں بھگا رہے تھے جب یہ لوگ نظروں سے اوجھل ہو گئے اور شور کی آوازیں بھی دور جا کر ڈوب گئیں تو میں نے پوچھا۔

"دوست مجری! کیا مطلب ہے اس کا؟"

"دوست ہالی! اس کا مطلب یہ ہے کہ کلون کا خان اپنے مخصوص طریقے سے انصاف کر رہا ہے۔" مجری نے جواب دیا۔

"یعنی؟"

"وہ اس شخص کا شکار کھیل رہا ہے جس نے خان کو خفا کر دیا ہے۔"

"اس سے ایسی کون سی خطا ہو گئی؟ اور کون ہے وہ بیچارا؟"

"وہ شخص اس زمین کا ایک بڑا رئیس اور شاہی خاندان سے ہے اور اس کا جرم یہ ہے کہ اس نے خانیہ کے سامنے اس سے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر خانیہ اس سے شادی کرنے کا وعدہ کر لے تو وہ لڑ بھڑ کر اس کے موجودہ شوہر خان کو قتل کر دے گا۔ لیکن خانیہ کو اس شخص سے نفرت ہے جیسی کہ اسے ہر مرد سے ہے۔ چنانچہ یہ بات اس نے خان سے کہہ دی۔ یہ ہے ساری کہانی۔"

"خوش قسمت ہے وہ شہزادہ جسے ایسی وفادار بیوی ملی ہے۔" میں نے تعریفاً لیکن بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔ لیکن بوڑھے مجری نے اپنا منھ دوسری طرف پھیر لیا اور داڑھی کھجلانے لگا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی ایک بار پھر کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ اس دفعہ موت کے وہ کتے سامنے کی طرف سے لپکتے ہماری طرف آرہے تھے۔ ایک بار پھر وہ سفید گھوڑا اور اس کا سوار نظر آیا اور اب وہ دونوں بیحد تھکے ہوئے تھے۔ کیونکہ گھوڑا بمشکل دریا کے کنارے والی سڑک پر چڑھ سکا۔

ابھی وہ سڑک پر آیا ہی تھا کہ ایک جگادری کتے نے، جو سرخ تھا اور جس کے کان کالے تھے، اچھل کر گھوڑے کا جبڑا پکڑ لیا۔ اس کے دانتوں کی چبھن محسوس کر کے گھوڑے نے خوف و دہشت کی ایک چیخ ماری جس طرح کہ گھوڑے خوف کے عالم میں عموماً چیختے ہیں۔

فوراً ہی سوار اس کی پشت پر سے کود پڑا اور یہ دیکھ کر ہم کانپ گئے کہ وہ ہماری طرف بھاگا آرہا تھا۔ یقیناً وہ کشتی میں پناہ لینا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دریا تک پہونچ پاتا وہ کتے اس پر ٹوٹ پڑے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا میں بیان نہ کروں گا۔ البتہ اس منظر کو عمر بھر فراموش بھی نہ کروں گا۔ کتے اس غریب پر ٹوٹ پڑے تھے اور اسے نوچ رہے تھے اور پاگل خان اس شیطانی اور ظالمانہ منظر سے محظوظ ہو کر چیخ رہا تھا۔ اور خونخوار کتوں کو اکسا رہا اور شہ دے رہا تھا۔

نواں باب

قصر شاہی

یہ ایسا منظر تھا جس نے مجھے لرزا دیا اور میرا دل گہرائیوں میں ڈوب سا گیا۔ کلون والوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ ہمارا سفر جاری رہا۔ اگر خدانے ایسے

ظالم اور دیوانے شخص سے نفرت کرتی تھی تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی اور یہ عورت لیو پر عاشق تھی اور یہ دیوانہ خان، اس عورت کا شوہر سنگی مزاج اور حاسد تھا اور وہ اپنے حسد کی آگ کس ظالمانہ طریقے سے بجھاتا تھا اور کیسا انتقام لیتا تھا یہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ تاہم وہ خوفناک منظر ہمارے لئے باعث احتیاط تھا۔ اب ہم احتیاط سے کام لے سکتے تھے اور یہی ہمیں کرنا تھا۔ ورنہ ہمارا حشر بھی.. خدا نہ کرے۔

آخر ہم اس جگہ پہونچ گئے جہاں دریا دو شاخوں میں بٹ کر جزیرے کے دونوں طرف بہہ گیا تھا۔ یہاں ایک گھاٹ پر ہم اترے۔ کنارے پر سپاہیوں کا ایک دستہ ہمارے استقبال کو مستعد کھڑا تھا۔ یہ لوگ ہمیں فصیل کے، کیونکہ شہر کے چاروں طرف شہر پناہ تھی، ایک دروازے میں سے اندر لے گئے۔ اب ہم ایک تنگ راستے پر تھے جو پتھر جوڑ کر بنایا گیا تھا اور جو ایسے مکانوں کی قطاروں کے درمیان سے گزرتا تھا جو عام ایشیائی طرز کے تھے۔ یہ مکانات، جہاں تک چاندنی میں معلوم کر سکا، سیدھے سادے تھے اور بڑے بھی نہ تھے۔

صاف ظاہر تھا کہ شہر والوں کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ کیونکہ لوگ شوق تجسس سے بے قرار ہو کر گھروں سے نکل آئے اور سڑک کے دونوں کناروں پر، مکانات کی کھڑکیوں پر اور چھتوں پر کھڑے دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس تنگ راستے کے دوسری طرف ایک چوک تھا جسے عبور کر کے ہم ایک اندرونی دیوار کے دروازے کے سامنے پہونچے۔ لوگوں کی ایک پوری بھیڑ ہمارے ساتھ تھی اور یہ لوگ آپس میں کانا پھوسیاں کر رہے تھے اور ہم پر فقرے کس رہے تھے، جنہیں ہم سمجھ نہ سکتے تھے۔ یہاں پہرے داروں نے ٹوکا۔ لیکن سپہ سالار کے حکم دینے پر دروازہ کھول دیا گیا۔ ہم اس دروازے سے گزر کر دوسری طرف

پہونچے تو باغات میں تھے۔ روش پر سے گزرتے ہوئے ایک بڑی عمارت یا محل میں جا پہونچے۔ جس کے برج بلند تھے اور جو مصر قدیم کے محلات کی طرز پر اور پتھروں کا بنا ہوا تھا۔

اس کے پھاٹک میں سے گزر کر صحن میں پہونچے جس کے چاروں طرف برآمدہ سا تھا اور اس برآمدے میں سے چھوٹے چھوٹے راستے مختلف کمروں کی طرف جاتے تھے ہمیں اسی میں کے ایک راستے کے ذریعے ایک بڑے کمرے میں پہونچا دیا گیا۔ اس کمرے میں ایک نشست گاہ اور دو خواب گاہیں تھیں۔ یہ کمرے قدیم طرز کے بے ڈھنگے سے فرنیچر سے سجے ہوئے تھے اور جو چراغ ان کمروں کو روشن کر رہے تھے وہ بھی طرز قدیم کے تھے۔

یہاں پہونچا کر سجری کا ہم سے رخصت ہوا اور یہ کہتا گیا کہ دستے کا افسر باہر ہمارا انتظار کرے گا کہ جب ہم تیار ہو جائیں تو وہ ہمیں کمرۂ طعام میں پہونچا دیگا اب ہم خوابگاہوں میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ خاموش طبع خدمتگار خاموشی سے اپنا کام کیے جا رہے تھے۔ انھیں ہماری خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ انھوں نے ہمارے جوتے اور اوپر کے وزنی جبے اتار کر ان کی جگہ فراک کوٹ کی قسم کے ہلکے پھلکے جبے پہنا دیئے۔ یہ فراک کسی قسم کے عمدہ کپڑے کے بنے ہوئے تھے۔ سفید تھے اور ان کے کناروں پر ریشم کی گوٹ ٹنکی ہوئی تھی۔

ہمیں یوں لباس پہنا کر غلام ہمارے سامنے جھک گئے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ہمارے 'سجانے' کا کام اب ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ ہمیں بیرونی بڑے کمرے میں لے آئے جہاں دستے کا افسر ہمارا منتظر تھا۔ یہ افسر ہمارے آگے آگے چلا اور ہم اس کی راہبری میں بہت سے کمروں میں سے گزرے جو سب کے سب سجے ہوئے تھے لیکن خالی تھے یہاں تک کہ ہم ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئے

جو کافی بڑا تھا اور بہت سے چراغوں سے روشن تھا اور چونکہ ابھی راتیں سرد تھیں اس لیے اس کمرے میں آگ بھی جل رہی تھی اس کمرے کی چھت چپٹی تھی جو بہت سے ستونوں پر قائم تھی۔ ان ستونوں پر کھود کر بیل بوٹے اور مورتیاں بنائی گئی تھیں اور دیواروں پر منقش پردے لٹک رہے تھے جو کمرے کی فضا کو پرسکون اور آرام دہ بنا رہے تھے۔

کمرے کے سرے پر ایک لمبی شہ نشین تھی جس پر ایک لمبی اور تنگ میز بچھی ہوئی تھی، اس پر میز پوش تھا اور اس پر چاندی کے برتن اور قابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ یہاں ہم منتظر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ عصا بردار خانساماں پردوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور انھوں نے یہ پردے اٹھا دیئے پھر ایک شخص چاندی کا گھنٹہ بجاتا ہوا آیا۔ پھر بارہ نیرہ درباری آئے جنہوں نے ہمارے جیسے ہی سفید جبے پہن رکھے تھے، ان کے پیچھے ہی پیچھے اتنی ہی، یعنی بارہ تیرہ، عورتیں آئیں۔ ان میں سے چند جوان اور قبول صورت تھیں۔ ان کے خد و خال دل آویز اور رنگت گوری تھی۔ حالانکہ دوسری عورتوں کی رنگت زرد تھی۔ یہ عورتیں ہمارے سامنے اور ہم ان کے سامنے خم ہو گئے۔

اس کے بعد خاموشی کا وقفہ رہا جس میں ہم ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے اب ایک بگل بجا۔ زرد رنگ کی وردی میں پیادے "ادب! ادب" پکارتے داخل ہوئے اور ان کے پیچھے دو انسان پردوں کے پیچھے والی گزرگاہ میں سے آتے نظر آئے، ان کے پیچھے سجری اور اس کے پیچھے دوسرے افسر تھے۔ یہ دو انسان کوئی اور نہیں بلکہ کلون کا خان اور خانیہ تھے۔

سفید شاہی لباس میں ملبوس خان کو اس وقت دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی پاگل وحشی ہے جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنے خونخوار کتوں کے ساتھ ایک

انسان کا شکار کر رہا تھا اور انھیں اس انسان اور بیکس گھوڑے کو پھاڑ کھانے کے لیے بیخ بیخ کر ابھار رہا تھا۔ جی نہیں۔ اس وقت تو وہ ایک دیو قامت اور گنوار قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ دوہرے بدن کا اور ٹھپ دماغ والا۔ اسکی آنکھوں سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص بے عقل ہے۔ چنانچہ اس سے ایسے غضبناک اور ظالمانہ جذبات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ رہی خانیہ تو اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ایسی ہی تھی جیسی کہ ہم اسے باپ کے مکان میں دیکھ چکے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت وہ کچھ زیادہ ہی مضطرب معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک کچھ ماند پڑ گئی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ گذشتہ رات کے واقعات کے اثرات اب تک اس کے دماغ سے محو نہ ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھا تو اس کے رخساروں پر رنگ دوڑ گیا۔ اس نے ہمیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور اپنے شوہر سے کہا:۔

"سر تاج! یہی ہیں وہ اجنبی جن کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔"

خان کی بجھی ہوئی سی آنکھیں سب سے پہلے میری طرف گھوم گئیں اور میرا ڈیل ڈول اسے شاید مضحکہ خیز معلوم ہوا۔ کیونکہ اس نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر لوخانی زبان اور وحشیانہ لہجے میں کہا:۔

"کیا عجب بوڑھا جانور ہے۔ میں نے پہلے تو کبھی تمھیں نہیں دیکھا شاید؟"

"جی نہیں عظیم خان!" میں نے جواب دیا۔ "لیکن آج رات میں آپ کو شکار کرتے دیکھنے کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔ کیسا رہا آپ کا شکار؟"

فوراً ہی اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں چمک آ گئی اور اس نے ہاتھ مل کر کہا:۔

"بہت اچھا رہا۔ بہت لطف آیا۔ اس نے مجھے خوب دوڑایا۔ لیکن آخر کار میرے ننھے پیارے کتوں نے اسے پکڑ لیا اور پھر۔۔۔۔"

اور اس نے اپنے بڑے بڑے جبڑے کھٹ سے بند کیے۔

"بند کرو یہ وحشیانہ باتیں!" اس کی بیوی نے خفا ہو کر کہا۔

اس پر خان قدرے گھبرا کر اس کے قریب سے ہٹا اور یوں کرتے ہوئے لیو سے ٹکرا گیا جو اپنا تعارف کرائے جانے کے انتظار میں کھڑا تھا۔

تگڑے اور سنہری داڑھی والے لیو نے اسے حیرت زدہ کر دیا وہ چند ثانیوں تک اس کی صورت تکتا رہا اور پھر اس نے پوچھا۔

"کیا تم ہی خانیہ کے وہ دوسرے دوست ہو جس سے ملاقات کرنے وہ بابِ کے پہاڑوں پر گئی تھی؟ ہم م م۔ پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ایک شخص سے ملاقات کرنے کے لئے میری بیوی اس قدر بے قرار کیوں تھی۔ لیکن اب سمجھ گیا ہوں۔ اجنبی! ذرا ہوشیار رہنا مبادا مجھے تمہارا بھی شکار کرنا پڑ جائے۔"

اس پر لیو کو غصہ آ گیا اور وہ کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ میں نے جلدی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور انگریزی میں کہا۔

"لیو! خاموش رہو۔ یہ شخص پاگل ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے بڈھا اور بد معاش ہے۔" لیو غرایا "اور اگر اس نے اپنے لعنتی کتے مجھ پر چھوڑنے کی کوشش کی تو خدا کی قسم میں اس شخص کی گردن مروڑ دوں گا۔"

پھر خانیہ نے لیو کو اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا، مجھے اپنی دوسری طرف، اپنے اور محافظ سحری کے درمیان، بٹھایا۔ خان کچھ دور ہٹ کر بیٹھا اور دوسری لڑکیوں میں سے، جو سب سے زیادہ خوبصورت تھی، اپنے قریب بٹھا لیا۔

تو یوں ہم کلون کے محل میں داخل ہوئے۔ رہا کھانا تو وہ تعداد میں کافی سے زیادہ تھا لیکن یہ مرغن نہ تھا، جو زیادہ تر مچھلیوں، گوشت اور شیرینی پر مشتمل تھا

یہ سب چیزیں چاندی کے بڑے بڑے طباقوں میں چُنی ہوئی تھیں۔ پینے کیلئے تیز شراب تھی جو شاید جَو سے کشید کی گئی تھی۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ شراب سب نے بہت زیادہ پی۔ حالانکہ مضر ثابت ہو سکتی تھی۔ مجھ سے سفر کے متعلق چند رسمی سوالات پوچھنے کے بعد خانیہ لیو کی طرف گھوم گئی اور باقی وقت میں اسی سے مصروف گفتگو رہی۔ ادھر میں بوڑھے بجری سے باتیں کرنے لگا بجری سے مجھے اس وقت اور بعد میں جو کچھ معلوم ہوا اس کا خلاصہ میں یہاں بیان کیے دیتا ہوں۔

کلون والے تجارت سے قطعی ناواقف تھے اور سبب اس کا یہ تھا کہ صدیوں سے ان کا رابطہ جنوبی ممالک سے منقطع ہو گیا تھا کیونکہ وہ پل جو اس گہری خلیج پر تھے، ٹوٹ چکے تھے، ان کا ملک، جو کافی وسیع و عریض تھا اور جس میں گھنی آبادی تھی، پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، سوائے شمال کے کہ اس طرف کوہ آتشیں تھا اس کی ڈھلان پر اور اس کے عقب میں پھیلے ہوئے غیر معروف خطے میں، جو آگے بڑھ کر بے آب و گیاہ صحرا سے مل گیا تھا، وحشی پہاڑی قبیلے آباد تھے۔ یہ لوگ نرے جنگلی تھے اور ہر اس اجنبی کو بلا تکلف قتل کر دیتے تھے جو ان کے ہاتھے چڑھ جاتا تھا۔ یہاں ہر چند کہ قیمتی دھاتوں کی کانیں تھیں، اور ان دھاتوں سے ضرورت کے برتن اور گہنے وغیرہ بنائے جاتے تھے لیکن سکّے نہ بنائے جاتے تھے۔ چنانچہ یہاں سکّوں کا چلن نہ تھا۔ اس لیے میدان والے اور پہاڑ والے کاروبار جنسوں کے تبادلے سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ محصول وغیرہ بھی اسی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔

کلون کے سیکڑوں اور ہزاروں اصلی باشندوں میں حکمراں قوم کی آبادی بہت کم تھی یہ لوگ صحیح معنوں میں مٹھی برابر تھے۔ اور کہتے ہیں۔ غالباً یہ سچ بھی ہے۔

کہ یہ لوگ ان فاتحین کی نسل سے تھے جنہوں نے سکندر یونانی کے زمانے میں اس علاقہ کو فتح کیا تھا۔ لیکن اب ان کا خون خالص نہ رہا تھا کیونکہ فاتحین نے اصلی باشندوں کی عورتوں سے، جب وہ ابتدا میں یہاں آئے تھے شادیاں کر لی تھیں اور یہ اصلی باشندے کسی تاتاری قبیلے سے تھے جیسا کہ ان کی رنگت اور خدوخال سے معلوم ہوتا تھا۔ حکومت، بشرطیکہ ہم اسے حکومت کہہ سکیں، سراسر خود مختارانہ اور اسی مناسبت سے جابرانہ تھی۔ اور سنگدل خان یا خانیہ کو، یعنی جو بھی سلسلے میں شاہی خاندان سے، قریب ہو اس کو حکومت ملتی تھی۔

رہا مذہب، تو یہاں دو مذہب تھے۔ ایک مذہب عوام کا تھا جو کوہ آتشیں کی روح کی پرستش کرتے تھے۔ اور دوسرا مذہب حکمرانوں کا تھا جو بھوتوں، ارواح خبیثہ جادو اور دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے۔ مذہب کا یہ سایہ بھی اب رفتہ رفتہ ختم ہو چلا تھا، جیسے جیسے اس کے معتقد ختم ہو رہے تھے۔ سبب اس کا یہ تھا کہ صدیوں سے حکمرانوں کی تعداد یا تو کم ہوتی جا رہی تھی یا یہ لوگ اصلی باشندوں میں جذب ہوتے جا رہے تھے اس کے باوجود ان کی حکمرانی برداشت کی جا رہی تھی۔ میں نے سجر کی سے پوچھا کہ حکمران تعداد میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ پھر اصلی باشندے ان کی غلامی کا جوا کیوں اتار نہیں پھینکتے۔ اس پر بوڑھے نے اپنے شانے اچکا کر جواب دیا کہ اصلی باشندے جاہ طلب نہیں ہیں۔ چنانچہ دوسروں کی حکومت انھیں پسند ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ خانیہ، یعنی ہماری میزبان، حکمران خاندان کی آخری وارثہ ہے اور اس کا شوہر اور چچازاد بھائی میں شاہی خون بہت کم ہے، یعنی وہ شاہی خاندان سے براہ راست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ خانیہ کو زیادہ پسند کرتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ چونکہ حسین تھی، دلیر تھی اور ساتھ ہی ساتھ انصاف پسند اور رحمدل بھی تھی اس لیے وہ خاص و عام میں ہر دلعزیز تھی۔ غریبوں کی تعداد زیادہ تھی

کیونکہ آبادی گنجان تھی اس لیے بہت زیادہ زمین میں کاشت کی جاتی تھی اور آخر میں یہ کہ عوام کو خانیہ پر اعتبار تھا اور یقین تھا کہ اگر پہاڑ والوں نے حملہ کیا تو وہ ان کی حفاظت کرے گی۔ اگر عوام کو افسوس تھا تو صرف یہ کہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی جو اس کے بعد تخت و تاج کی مالک بنتی۔ چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہونے والا تھا کہ اس کی موت کے بعد تخت و تاج کے لئے وہی جھگڑے اٹھنے والے تھے جو اس کے باپ کی موت کے بعد اٹھے تھے۔

"سچ تو یہ ہے۔" سمجری نے کنکھیوں سے لیو کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا "کہ اب لوگ کھلے بندوں یہ کہنے لگے ہیں کہ خان، جوان پر ظلم توڑتا ہے اور جس سے وہ نفرت کرتے ہیں، مر جائے اور خانیہ دوسرا شوہر کر لے تو اچھا ہے کیونکہ ابھی وہ جوان اور حسین ہے اور دوسری شادی کر سکتی ہے۔ ہر چند کہ خان دیوانہ ہے لیکن ان باتوں سے واقف ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس قدر رشکی مزاج ہو گیا ہے کہ جب کسی کو خانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھتا ہے تو برداشت نہیں کر سکتا اور رشک و رقابت سے اور بھی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میرے دوست ہالی! تم آج رات کو دیکھ چکے ہو۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ اگر کسی نے خانیہ کا دل جیت لیا اور خانیہ اس پر مہربان ہو گئی تو اس کا مطلب ہو گا خود اسکی یعنی خان کی موت۔"

"اس کے علاوہ اسے اپنی بیوی سے محبت بھی تو ہو گی؟" میں نے سرگوشی میں کہا۔

"شاید۔" سمجری نے جواب دیا "لیکن خانیہ کو نہ اس سے محبت ہے اور نہ کسی دوسرے سے۔"

اور اس نے وہاں بیٹھے ہوئے مردوں پر ایک نظر ڈالی۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت کوئی بھی مرد محبت کرنے کے قابل معلوم ہی نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ سب کے سب نشے میں تھے۔ حتیٰ کہ عورتوں نے بھی ضرورت سے زیادہ شراب

چڑھائی تھی۔ خان کی حالت سب سے زیادہ قابل نفرت تھی وہ کرسی میں نیم دراز سا پڑا اپنے شکار کے متعلق چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ جن دو عورتوں کو اپنے ساتھ وہ لیکر بیٹھا تھا ان میں سے ایک نے اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال رکھی تھیں۔ اور دوسری سونے کے جام میں اسے شراب پلا رہی تھی اور شراب چھلک چھلک کر اس کے' یعنی خان کے سفید لباس کو داغدار اور رنگیلا کر رہی تھی۔

عین اس وقت خانیہ الطیفہ نے نظریں گھما کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور اس کے حسین چہرے سے نفرت و حقارت ٹپکنے لگی۔

"دیکھو!" میں نے اسے لیو سے کہتے سنا۔ "یہ ہے میرا سرتاج اور میرا شریک زندگی دیکھو اور سمجھو کہ کلون کی خانیہ بننا کیا معنی رکھتا ہے!"

"لیکن تم ان ذلیل لوگوں کو نکال باہر کیوں نہیں کرتیں؟" لیو نے پوچھا

"اس لیے کہ اگر یہی نہ رہے تو میرا دربار بھی باقی نہ رہے گا۔ جس طرح سور غلاظت میں لوٹنا پسند کرتا ہے اسی طرح یہ مرد اور یہ عورتیں غریبوں کی مشقت کو عیش و آرام اور شراب و کباب میں لٹا دینا پسند کرتی ہیں۔ غریب خون پسینہ ایک کر کے ان ذلیل لوگوں کے لیے غلّہ وغیرہ پیدا کرتے ہیں اور یہ لوگ ان کی محنت پر گلچھرے اڑاتے ہیں۔ بہر حال ان کا انجام قریب ہے۔ عیش و عشرت کی یہ زندگی انھیں موت کی طرف بڑی سرعت سے ڈھکیل رہی ہے۔ اور ان کی اولاد بہت کم ہے اور جو ہے وہ بھی بہت کمزور ہے کیونکہ ان کی رگوں میں قدیم خون ناقص ہو کر ختم ہو چلا ہے لیکن تم یقیناً تھکے ہوئے ہو گے چنانچہ اب آرام کرو۔ کل ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر ساتھ ساتھ تفریح کو چلیں گے۔"

اس نے افسر کو آواز دے کر حکم دیا کہ ہمیں ہمارے کمروں تک پہونچا دیا جائے۔

چنانچہ ہم اٹھے خانیہ کے سامنے جھکے اور سجدے کے ساتھ کمرے سے باہر آگئے۔

وہ جہاں تھی وہیں کھڑی ہمیں جاتے دیکھتی رہی۔ اس عشرت کدے میں وہ بڑی شاندار اور سب سے الگ معلوم ہو رہی تھی۔ خان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ہکاری سے وہ ان سب باتوں کا مطلب سمجھ کر چیخا۔

"تم سمجھتی ہو کہ ہم عیش و عشرت میں غرق ہو گئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیوں نہ ہوں جبکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اے پیلے بالوں والے اجنبی! بہتر ہو گا کہ تم اطینہ کو اپنی طرف ایسی نظروں سے نہ دیکھنے دو، کان کھول کر سن لو کہ یہ میری بیوی ہے اور اگر اس نے پھر تمہاری طرف اس طرح دیکھا تو مجھے یقیناً تمہارا بھی شکار کرنا پڑے گا۔"

اس کی اس مدہوشانہ ہرزہ رسائی پر درباری بے تحاشہ ہنسنے لگے۔ لیکن ہیجری نے لیو کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔

"دوست!" لیو نے کمرے سے باہر آتے ہی کہا۔ "تمہارا یہ خان میری جان لینے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

"تم بے فکر رہو آقا!" ہیجری نے کہا۔ "جب تک خانیہ دھمکی نہ دے تم محفوظ ہو وہی اس سرزمین کی حقیقی حکمراں ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں۔"

"اگر ایسا ہی ہے"، لیو نے کہا۔ "تو پھر مناسب ہو گا کہ آئندہ وہ شرابی مجھ سے دور ہی دور رہے کیونکہ اگر اس نے مجھ پر حملہ کیا تو پھر میں مدافعت کرنا بھی جانتا ہوں۔"

"اور اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو تمہیں کوئی الزام نہ دے گا۔" ہیجری نے کمر سے خم ہو کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پہ پر اسرار مسکراہٹ تھی۔

اس کے بعد وہ رخصت ہوا۔ ہم نے ایک ہی کمرے میں دونوں پلنگ بچھا لیے کہ احتیاط کا تقاضہ یہی تھا۔ تکیے پر سر رکھتے ہی ہم بے خبر سو گئے اور صبح ان جنگلی

کتوں کے بھونکنے سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ ان کتوں کو کہیں قریب ہی کھانا دیا جا رہا تھا۔

اب یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اس شہر کلون میں ہمیں تین مہینے تک قیام کرنا پڑا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہماری زندگی کا کوئی دور اتنا طویل اور نفرت انگیز معلوم نہ ہوا تھا جتنے کہ یہ تین مہینے معلوم ہوئے۔ کلون میں قیام کے ان تین مہینوں کے مقابلے میں وسط ایشیا کے پہاڑوں، برف اور ریگزاروں میں ہماری آوارہ گردیاں خوشگوار سفر معلوم ہوتی تھیں اور پہاڑوں کے دوسری طرف خانقاہ میں ہمارا قیام گویا بہشت کا قیام معلوم ہوتا تھا۔ اس زمانے کے واقعات کا تفصیلی بیان نہ صرف اکتا دینے والا بلکہ بیکار محض ہے۔ اس لیے یہاں میں اہم اور خاص خاص واقعات ہی بیان کروں گا۔

کلون میں پہونچنے کے دوسرے دن خانیہ نے ہمارے لئے دو خوبصورت گھوڑے بھیجے جو قدیم عمدہ نسل کے تھے۔ دوپہر کے وقت ہم ان گھوڑوں پر سوار ہو کر خانیہ کے ساتھ سیر کو چلے۔ سپاہیوں کا ایک محافظ دستہ ہمارے ساتھ تھا۔ پہلے وہ ہمیں اس سگ خانہ میں لے گئی جہاں موت کے کتے رکھے گئے تھے۔ یہ سگ خانہ خاصا وسیع تھا جس کا فرش پتھروں کا تھا اور اس کے چاروں طرف آہنی جنگلہ لگا ہوا تھا۔ اور جنگلے میں جو دروازے تھے ان میں بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے تھے۔ میرے خدا کیا کتے تھے یہ۔ پہلے کبھی میں نے اتنے بڑے اور ایسے خونخوار کتے نہ دیکھے تھے۔ ان کے سامنے تبت کے جگادری شکاری کتے محض پلّے معلوم ہوتے تھے ان کا رنگ سرخ و سیاہ تھا، کھال بال دار اور نرم تھی اور تھوتھنی اُن کتوں کی سی تھی جنہیں بلڈ ہاؤنڈ کہتے ہیں۔ ہمیں دیکھتے ہی یہ کتے غرانے اور سلاخوں سے یوں ٹکرانے لگے جس طرح سمندر کی موجیں ساحل پر کی چٹانوں سے ٹکراتی ہیں۔

ان کتوں کی دیکھ بھال ایک خاص خاندان کے لوگ کر رہے تھے۔ پشتہا پشت

سے ان کتوں کی رکھوالی اسی خاندان میں چلی آرہی تھی۔ یہ کتے ان لوگوں سے اور خان سے بے حد مانوس تھے اور ان کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن کوئی بھی اجنبی ان کے قریب تک جانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کتے سلطنت کے گویا جلاد تھے کیونکہ مجرموں اور خونیوں کو ان کے سامنے پھینک دیا جاتا تھا اور انھیں کے ذریعہ خان اس بدنصیب کا شکار بھی کرتا جس سے وہ کسی وجہ سے خفا ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ پہاڑی ہرنوں کے شکار کا بھی بے ضرر سا کام کبھی کبھی ان کتوں سے لیا جاتا تھا۔ یہ ہرن سرحد پر کے جنگلوں میں اور نرسلی دلدلوں میں شکار کی غرض سے ہی پرورش کیے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ کتے پورے ملک کے لیے خوف و دہشت کا باعث بنے ہوئے تھے کیونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب اسے کتوں کے سامنے ڈال دیا یا ان کے ذریعے اس کا شکار کیا جائے گا۔

ہمارے یہاں "کتوں کے سامنے ڈال دینا" ایک محاورہ ہے۔ لیکن کلون میں اس محاورے کو اصلی اور بھیانک روپ دے دیا گیا تھا۔

ان خونخوار درندوں کو لرزتے دلوں کے ساتھ دیکھ چکے تو وہاں سے ہٹ کر ہم شہر میں آئے اور شہر پناہ کا معائنہ کیا۔ فصیل کے قدموں میں شہریوں کی سیر و تفریح کے لیے باغات تھے۔ بہر حال یہاں کوئی قابل دید چیز نہ تھی۔ نیچے دریا بہہ رہا تھا اور اس سے پرے میدان تھے۔ فصیلیں اگرچہ کافی بلند، مضبوط اور موٹی تھی۔ لیکن اس میں بھی ایسی جگہیں تھیں جہاں سے کوئی بھی آسانی سے شہر میں آسکتا اور شہر سے باہر جا سکتا تھا۔ جس طرح حکومت کی بے پروائی سے بہت سی چیزیں تباہ و برباد ہو رہی تھیں اسی طرح یہ فصیل بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھی۔

شہر میں بھی کوئی خاص اور دلچسپ بات نہ تھی۔ کیونکہ یہاں زیادہ تر دربار کے "جی حضوری" آباد تھے۔ چنانچہ جب ہم یہاں سے گزر کر دریا کے اس پل پر پہنچے،

جس پر میرے لیے مستقبل میں ایسا نظارہ دیکھنا مقدر ہو چکا تھا۔ جو کبھی بھی انسان نے نہ دیکھا ہو گا، تو مجھے یک گونہ مسرت حاصل ہوئی۔ پل عبور کر کے ہم دوسری طرف پہنچے تو یہاں کا منظر قطعی مختلف تھا۔ یہاں کسان بسے ہوئے تھے جو اس سرزمین کے اصلی باشندوں کی نسل سے تھے اور شروع سے ہی ان کا پیشہ کاشتکاری تھا اور اسی پر ان کی گزر بسر تھی۔ ایک ایک انچ زمین پر کاشت کی گئی تھی اور آبپاشی کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ کھیتوں میں رہٹ کی قسم کے پہیوں کے ذریعے پانی لایا جاتا تھا اور جہاں اس طرح پانی نہ پہنچ سکتا تھا وہاں عورتیں اس طرح پانی لے جاتی تھیں کہ وہ اپنے شانوں پر بانس رکھ لیتیں اور ان کے سروں سے پانی کی بھری ہوئی بالٹیاں لٹکا لیتی تھیں۔

لیو نے پوچھا کہ جب بارش نہیں ہوتی تو کیا ہوتا ہے۔ خانیہ نے اداسی سے جواب دیا کہ قحط پڑ جاتا ہے جس میں ہزاروں لوگ مر جاتے ہیں اور قحط کے بعد وبا پھیل جاتی ہے۔ اس نے کہا قحط وقتاً فوقتاً پڑتا رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ بھوکے چوہوں کی طرح آپس میں ہی ایک دوسرے کو کھا جاتے کیونکہ باہر جانے کے راستے ہی نہیں اور ملک کی آبادی سرعت سے بڑھتی ہے اور حالانکہ یہ علاقہ تو کافی بڑا اور زرخیز ہے۔ تاہم نہ تو اتنے بہت سے لوگ اس میں سما سکتے اور نہ ہی اس کی پیداوار سب کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔

"اس سال کے متعلق کیا خیال ہے؟ اچھا رہے گا کہ نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"خدشہ ہے کہ یہ سال اچھا نہ ہو گا۔ کیونکہ دریا میں کافی سیلاب نہیں آیا اور بارشیں بھی کم ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ گزشتہ رات کوہ آتشیں پر جو آگ نظر آئی تھی وہ بدشگونی سمجھی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس آگ کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ کی روح ناراض ہے۔ چنانچہ خشک سالی ہو گی۔ کہیں لوگ یہ کہنے نہ لگ جائیں کہ اس سال ایسا اس لئے

کہا ہے کہ اجنبی اس سرزمین میں آئے ہیں اور اپنے ساتھ یہ نحوست لائے ہیں۔"

"اگر ایسا ہوا" لیو نے ہنس کر کہا "تو ہمیں پہاڑ کی طرف پناہ لینے کے لیے بھاگ جانا پڑے گا۔"

"تو کیا تم موت کے جبڑوں میں پناہ لینا چاہتے ہو؟" خانیہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میرے مہمان! اس طرف سے تم مطمئن رہو۔ میں جیتے جی تمہیں وہ دریا عبور کرنے نہ دوں گی جو پہاڑ کے اور ہماری سرزمین کے درمیان حدِ فاصل قائم کرتا ہے۔"

"یہ کیوں؟ خانیہ۔"

"اس لیے میرے آقا لیو۔۔۔ یہی نام ہے تمہارا۔۔۔؟ کہ میری یہ مرضی ہے اور جب تک یہاں میری حکمرانی ہے میری مرضی ہی قانون ہے۔ آؤ۔ اب گھر چلیں۔"

اس رات ہم نے کمرۂ طعام میں کھانا نہ کھایا۔ بلکہ اس کمرے میں کھایا جو ہماری خوابگاہوں سے ملحق تھا۔ اس وقت بھی ہمیں اکیلا چھوڑ دیا گیا کیونکہ خانیہ اور اس کا ماموں شامن سمبری جو سایے کی طرح اپنی بھانجی کے ساتھ لگا رہتا تھا، کھانے میں ہمارے نہ شریک ہوئے۔ ہم نے حیرت زدہ ہو کر ان کا استقبال کیا تو خانیہ نے کہا کہ یہ انتظام اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ ہماری مزید توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے کہا کہ ایک جشن شروع ہوا ہے جو ایک ہفتے تک چلتا رہے گا۔ اور یہ کہ وہ نہیں چاہتی کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس سرزمین کے لوگ کس قدر بے ہودہ اور یہاں کی رسومات کتنی واہیات ہیں۔

اس رات اور اس کے بعد بہت سی راتوں تک ہم بڑے کمرے میں کھانا کھانے نہ گئے اور ہماری شامیں سکون اور چین سے گزرتی رہیں۔ خانیہ کی فرمائش پر لیو نے اپنے آبائی وطن انگلستان اور ان مقامات کے حالات بیان کیے جہاں کے

اس نے سفر کیے تھے۔
وہاں کے لوگوں اور رسومات کے متعلق بھی اس نے خانیہ کو تفصیل سے بتایا۔
میں نے سکندر کی تاریخ بیان کی جس کے جرنیل راسپین نے، جو خانیہ کا جد امجد تھا۔
کلون کی سرزمین فتح کی تھی اور مصر کے متعلق بتایا جہاں سے راسپین آیا تھا چنانچہ
آدھی رات تک یہ باتیں ہوتی رہیں۔ الطیبنہ غور سے اور توجہ کے ساتھ یہ باتیں
سنتی رہی اور اس تمام عرصے میں اس کی نظریں لیو پر جمی رہیں۔
چنانچہ ایسی کئی راتیں ہم نے شہر کلون کے محل میں گزاریں لیکن حقیقت یہ
ہے کہ وہاں ہماری حیثیت قیدیوں کی سی تھی وہ دن ہمارے لیے بڑے بھاری اور
آزمائشی تھے۔ اگر کبھی ہم اکتا کر برآمدے کے صحن میں نکل آتے تو درباری اور انکے
حضوری ہمیں گھیر لیتے اور سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے کیونکہ وہ کاہل الوجود تھے۔
چنانچہ ان کا تجسس بڑھا ہوا تھا۔
عورتیں بھی، جن میں سے اکثر خاصی حسین تھیں کسی نہ کسی بہانے سے ہمیں باتوں
میں الجھا لیتی تھیں اور لیو سے پیار جتایا کرتی تھیں۔ کیونکہ کلون کے دبلے پتلے اور
مریل قسم کے مردوں کے مقابلے میں چوڑے سینے اور سنہرے بالوں والا لیو انھیں
پسند تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان عورتوں نے لیو کو پریشان کر دیا تھا۔ کبھی تو وہ اسے
پھول بھیجتی تھیں اور کبھی اپنے ملازموں اور سپاہیوں کو بھیج کر ملاقات کا وقت
مقرر کرتی تھیں۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لیو ان سے کبھی نہ ملتا تھا۔
اگر ہم کبھی بازار میں نکل جاتے تو ادھر مصیبت آجاتی لوگ اپنے کام اور کاروبار
چھوڑ کر ہمارے پیچھے لگ جاتے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگتے
یہاں تک کہ ہم گھبرا کر واپس محل میں بھاگ جاتے۔
چنانچہ اس صورت میں ہمارے لیے صرف ایک تفریح رہ گئی تھی یعنی یہ کہ گھوڑدوں

پر سوار ہو کر حانیہ کے ساتھ سیر کو نکل جائیں لیکن ایسی دو چار تفریحوں کے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا تھا کیونکہ خان بڑا ہی شکی مزاج تھا چنانچہ اس نے کہا کہ اگر ہم پھر حانیہ کے ساتھ گئے تو وہ اپنے موت کے کتوں کے ساتھ ہمارا تعاقب کرے گا چنانچہ اب ہم اکیلے جاتے تھے۔ لیکن اس طرح کہ سپاہیوں کا ایک دستہ ہمیں حلقے میں لیے ہوتا تھا کہ ہم فرار نہ ہو جائیں۔ اکثر دلمع کسانوں کا ہجوم بھی ہمارے پیچھے لگ جاتا تھا۔ یہ لوگ ہمیں دھمکاتے اور مطالبہ کرتے تھے کہ ہم بارشیں برسا دیں جو ہم نے یہاں آ کر روک لی ہیں کیونکہ اب خشک سالی حقیقت میں شروع ہو چکی تھی۔

چنانچہ یوں ہوا کہ اب ہمارے پاس سیر و تفریح کا صرف ایک بہانہ رہ گیا تھا۔ مچھلیوں کے شکار کا بہانہ۔ حالانکہ دریا کا پانی اتنا صاف اور اس قدر کم تھا کہ مچھلیاں تھی ہی نہیں لیکن ہم لب آب بیٹھے اس پراسرار کوہ آتشیں کی طرف دیکھا کرتے جو کافی دور سر بلند کیے کھڑا تھا اور جہاں تک پہونچنا ممکن نظر نہ آتا تھا ہم فرار ہو کر وہاں پہونچے اور وہاں کاہنہ سے ملاقات کرنے کی بے سود تدابیر سوچا کرتے تھے۔

ہمارے دل و دماغ پر دو فکریں طاری تھیں۔ ایک تو اپنی تلاش جاریہ رکھنے کی کہ اس کا یہ حل ہمیں مل جائے جو ہمیں اس پہاڑ کی چوٹی پر ملنے والا ہے بشرطیکہ ہم وہاں تک پہونچ پائیں۔ اور دوسری فکر تھی اس آفت کی جو حانیہ اطینہ کی طرف سے ہم پر نازل ہو سکتی تھی۔ باب والے مکان کی اس آخری رات کے بعد اس نے پھر لیو سے اظہار عشق نہ کیا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ ایسا کرنا چاہتی بھی تو نہ کر سکتی کیونکہ میں لیو کو ایک لمحے کے لیے بھی اکیلا نہ چھوڑتا تھا کہ احتیاط کا تقاضہ یہی تھا۔

اس کے باوجود میں دیکھتا تھا کہ خانیہ کا جذبۂ عشق کم نہ ہوا تھا بلکہ دن بہ دن بڑھتا اور شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بالکل اس طرح جس طرح کے بطن آتش فشاں میں آگ بڑھتی اور شدت اختیار کرتی رہتی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر خانیہ کے دل کی یہ آگ پھٹ پڑے گی اور تباہی مچا دے گی۔ اس متوقع تباہی کے آثار اس کی باتوں، اشاروں اور کنایوں سے ظاہر ہوتے اور اس کی اداس آنکھوں میں دیکھے جا سکتے تھے۔

دسواں باب

شامن کے کمرے میں

ایک رات شامن سیجری نے کھانے کے لئے ہمیں اپنے کمرے میں مدعو کیا جو محل کے بلند ترین برجوں میں سے ایک برج میں تھا۔ خدا نے کسی کو غیب کا علم نہیں دیا، چنانچہ ظاہر ہے کہ ہم بھی نہ جانتے تھے کہ شامن سیجری کے کمرے میں ہماری قسمتوں کا فیصلہ ہوگا اور یہیں اس عجیب و غریب ڈرامے کا آخری ایکٹ اسی کمرے میں کھیلا جائے گا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ یکسانیت سے اکتا کر ہم نے اس تبدیلی کو غنیمت سمجھا اور دل ہی دل میں ہم نے خوش ہو کر سیجری کی دعوت قبول کر لی۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے تو لیو کسی خیال میں غرق ہو گیا اور پھر اسی نے دفعۃً سیجری سے پوچھا:۔

"دوست سیجری! ایک مہربانی کریں گے آپ ہم پر؟"

"کہو۔"

"خانیہ سے کہہ دیجئے کہ وہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہمیں اپنے راستے جانے دے۔"

یہ سنتے ہی بوڑھے عیار کا چہرہ ایسا بن گیا جیسے ہاتھی دانت کا مقنع ہو۔

"آقا! بہتر ہو گا کہ یہ درخواست تم خود خانیہ سے کرو۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ تمہاری کسی معقول درخواست کو رد کر دے"، اس نے جواب دیا۔

"ہجری!" لیو نے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ ہم گول گول باتوں سے پرہیز کریں حقیقت پر نظر ڈالیں۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانیہ اطلینہ اپنے شوہر سے خوش نہیں ہے"۔

"بڑی دور رس نظر ہے تمہاری"۔ ہجری بولا۔ "اور کون کہہ سکتا ہے کہ تمہاری نظر نے دھوکا دیا ہے؟"

"میری نظر نے اس سے بھی آگے دیکھ لیا ہے ہجری!" لیو نے سرخ ہو کر کہا۔

"اور یہ کہ — خانیہ مجھ سے — بہت زیادہ — وہ — بے پناہ احترام سے دیکھتی ہے اور مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہے"۔

"اس کا اندازہ غالباً تم نے وہاں 'باب' کے مکان میں ہی لگا لیا ہو گا بشرطیکہ تم وہ باتیں نہ بھولے ہو جسے کوئی مرد بھلانا پسند نہ کرے گا اور اگر چاہے تب بھی نہیں بھلا سکتا"۔

"ہجری! مجھے وہ چند خاص واقعات ہی یاد ہیں جن کا تعلق تمہاری خانیہ کی ذات سے ہے"۔

شامن ہجری نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"کہے جاؤ —!"

"مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے۔ سوائے اس کے کہ میں خانیہ کو بدنام کرنا نہیں چاہتا ہوں"۔

"خوب کہا آقا! خوب کہا۔ حالانکہ یہاں کے لوگ ان باتوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔ لیکن اگر بدنامی کے بغیر ہی یہ معاملے طے ہو جائے تو؟

مثلاً اگر خانیہ نے دوسری شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگ مارے خوشی کے دیوانے ہو جائیں گے۔ کیونکہ خانیہ حکمران خاندان کا آخری فرد ہے۔"

"اس کا ایک شوہر زندہ ہے پھر وہ دوسری شادی کیسے کر سکتی ہے؟"

"تم سچ کہتے ہو۔ چنانچہ خود میں نے بھی اس سوال پر غور کیا ہے اور اس کا صرف ایک جواب پایا ہے کہ ہر انسان کے لیے موت ہے اور ضرور ہے۔ جلد یا بدیر، ہر جاندار موت کا مزہ چکھتا ہی ہے اور خان ایک عرصے سے بہت زیادہ پینے لگا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ انسان پر موت نازل کی جا سکتی ہے۔ اس کی جان لی جا سکتی ہے۔" لیو نے غصہ ہو کر کہا۔ "بہر حال ایسے جرم سے مجھے کوئی واسطہ نہیں تم سمجھے میری بات؟"

یہ الفاظ لیو نے کہے ہی تھے کہ مجھے سرسراہٹ سنائی دی۔ میں نے گھوم کر دیکھا اس طرف وہ پردے لٹک رہے تھے جن کے پیچھے سجری سوتا اور اپنے اصطرلاب رکھتا تھا۔ اس وقت یہ پردے ہٹے ہوئے تھے اور ان کے درمیان شاہی لباس میں ملبوس خانیہ بت کی طرح بے حرکت کھڑی ہوئی تھی۔

"جرم کے متعلق کس نے کہا تھا؟" اس نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔ "تم نے میرے آقا لیو؟"

لیو اپنی کرسی سے اٹھا اور خانیہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"خاتون! مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے میرے یہ الفاظ سن لیے۔ چاہے ان سے تمہیں رنج ہی کیوں نہ پہونچا ہو۔"

"مجھے رنج کیوں ہونے لگا؟ خصوصاً یہ دیکھ کر کہ دربار میں کم سے کم ایک شخص تو ایسا ہے جو مخلص اور ایماندار ہے۔ جو قتل و خون کو پسند نہیں کرتا۔ نہیں لیو! اس کے برخلاف ان الفاظ نے تمہاری عزت میرے دل میں اور زیادہ ہی بڑھا دی ہے۔

یہ بھی سُن لو کہ ایسا مذموم خیال کبھی مجھے بھی نہیں آ سکتا تاہم جو مقدر ہو چکا ہے سو ہو چکا ہے۔ قسمت کے لکھے کو مٹانا ممکن نہیں۔"

"بے شک! لیکن کیا مقدر کیا جا چکا ہے؟"

وہ بجری کی طرف گھوم گئی۔

"شامن بتاؤ انھیں!"

بجری اٹھ کر پردے کے پیچھے گیا اور کاغذات کا ایک پلندہ لے آیا اسے کھول کر اس نے پڑھنا شروع کیا:۔

"ستاروں کی چال نے واضح طور پر بتایا ہے کہ آئندہ نئے چاند میں پہلے خان راسین اس اجنبی آقا کے ہاتھوں مارا جائے گا جو پہاڑوں کے دوسری طرف سے اس سرزمین میں آئے گا۔"

"تو پھر ستاروں نے غلط کہا ہے۔" لیو نے کہا۔

"اس وقت تو تمہارا جو جی چاہے کہو۔" خانیہ اطینہ نے کہا۔ "لیکن یہ لکھا جا چکا ہے اور یہ ہو کر رہے گا۔ نہ میرے ہاتھوں نہ میرے خدمتگاروں کے ہاتھوں۔ بلکہ تمہارے ہاتھوں۔ پھر کیا کہو گے تم؟"

"لیکن میرے ہی ہاتھوں کیوں؟ ہالی کے ہاتھوں کیوں نہیں؟ اور بفرض محال اگر ایسا ہو بھی تو خان کی غمزدہ بیوہ مجھ سے انتقام لیگی اور مجھے نہ بخشے گی۔"

"لیو! تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ کیونکہ جانتے ہو کہ اپنے شوہر سے مجھے محبت نہیں۔"

اب میں نے سمجھ لیا کہ ہم جس وقت سے ڈرتے تھے وہ آ گیا ہے۔ لیو نے بھی شاید یہ محسوس کر لیا۔ چنانچہ اس نے خانیہ کے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا۔

"خاتون! تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو صاف صاف کہدو شاید اس میں ہم دونوں

کی بھلائی ہو۔"

"میں تمہارے حکم کی تعمیل کرتی ہوں آقا! اس تقدیر کی ابتدا کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ البتہ وہ پہلا صفحہ پڑھ سکتی ہوں جو میرے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اور اس صفحے پر کی تحریر کا تعلق میری موجودہ زندگی سے ہے۔ یہ میرے آقا! جان لو کہ بچپن سے تمہارا خیال اور تمہاری صورت مجھے آسیب بن کر پریشان کیا کرتی تھی۔ چنانچہ جب میں نے تمہیں خلیج کے دریا میں پہلی دفعہ دیکھا تو تمہاری صورت مجھے جانی پہچانی معلوم ہوئی کیونکہ اس صورت کو بارہا خواب میں دیکھ چکی ہوں۔ جب میں بچی تھی تو ایک دن دریا کے کنارے پھولوں کے تختے میں سو گئی۔ تو اس وقت پہلی دفعہ تم میرے خواب میں آئے۔ اگر تم مجھے جھوٹی سمجھتے ہو تو میرے ماموں شامن سے پوچھ لو۔ لیکن اس وقت تمہارا چہرہ ایسا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ اس وقت اس پر لڑکپن کی ملاحت تھی، نا پختگی تھی۔ اس کے بعد میں بارہا تمہیں خواب میں دیکھتی رہی، اور میں نے سمجھ لیا کہ تم میرے ہو، اور اپنے دل کے سحر سے میں نے یہ بات سمجھ لی۔

پھر طویل زمانہ گزرا جس میں تمہیں اپنے سے زیادہ قریب آتے محسوس کرنے لگی، آہستہ آہستہ، بہت ہی آہستہ آہستہ۔ لیکن تم میرے قریب سے قریب تر آتے جا رہے تھے، دنیا کے لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر، پہاڑ اور دریا اور صحرا کو عبور کر کے تم میری طرف آ رہے تھے، کھنچے چلے آ رہے تھے اور آخر کار اس کا انجام آ پہونچا۔ تین مہینوں پہلے ایک رات میں اور میرے یہ دانا ماموں بیٹھے اس علم کا مطالعہ کر رہے تھے جو انھوں نے مجھے سکھایا تھا اور اس کے اسرار ماضی کے بطن میں سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ مجھے ایک خواب نظر آیا۔

"اس وقت مجھ پر جو نیند طاری ہوئی تھی وہ ساحرانہ نیند تھی جو روح کو جسم

سے عارضی طور پر الگ کر دیتا ہے اور پھر اسے دور دراز مقامات تک بھٹکنے اور جو واقعات ہو چکے ہیں اور ہونے والے ہیں اور ہو رہے ہیں انھیں دیکھنے کی قوت بخشش دیتی ہے۔ تو اس وقت میں نے تمہیں اور تمہارے اس ساتھی کو برف کی ایک ٹوٹی ہوئی چٹان سے لٹکتے دیکھا۔ یہ چٹان خلیج میں بہتے ہوئے دریا پر تھی۔ یہ میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں کیونکہ یہ واقعہ اس پلندے میں درج ہے۔ ہاں وہ تم تھے، میں نے فوراً پہچان لیا تمہیں کہ یہی میرے خوابوں کا شہزادہ ہے۔ ہم اس مقام سے واقف تھے۔ چنانچہ وہاں پہنچے اور دریا کے کنارے انتظار کرنے لگے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہاں ہمیں شاید تمہاری لاشیں ملیں گی۔

"ہم منتظر کھڑے تھے کہ ہمیں برف کے کنارے پر بہت اوپر، جہاں کوئی انسان نہ پہونچ سکتا تھا، دو شبیہیں دکھائی دیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے تم واقف ہی ہو۔ ہم دم بخود سے کھڑے تھے ہم نے تمہیں پھسلتے اور نیچے گرتے دیکھا اور ہاں اس جانباز ہالی کو بھی دیکھا جس نے بلندیوں پر سے سر کے بل چھلانگ لگادی۔

"لیکن وہ میں ہی تھی جس نے جان پر کھیل کر تمہیں پانی سے کھینچ کر باہر نکالا ورنہ تم غرق ہو جاتے۔ ہاں تمہیں لیو ونسی! تمہیں!! کہ تم ماضی میں میرے محبوب اور حال میں میری محبت اور میرے خوابوں کا مرکز رہے ہو۔ ہاں وہ میری روح تھی جس نے تمہیں دیکھا اور وہ میرا ہاتھ تھا جس نے تمہیں دریا میں سے باہر کھینچا اور تمہیں مرنے سے بچا لیا اور اب تم انھیں میری روح اور میرے ہاتھ کو ٹھکرا دوگے جبکہ میں، کلوان کی خانیہ، انھیں تمہاری خدمت میں پیش کر رہی ہوں؟"

یہ کہہ کر کلوان کی خانیہ اطینہ۔ اپنے دونوں ہاتھ میز پر ٹیک کر قدرے آگے کی طرف جھک گئی اور لیو کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ خانیہ کے ہونٹ کانپ

رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔

"خاتون! بے شک تم نے میری جان بچائی، جس کے لیے میں پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میرے خیال میں اچھا ہوتا اگر تم نے مجھے مر جانے دیا ہوتا۔ اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور پوچھو!"

"اگر یہ ساری داستان سچ ہے تو تم نے دوسرے مرد سے شادی کیوں کی؟"

وہ ایک دم سے لڑکھڑا کر یوں پیچھے ہٹی جیسے کسی نے اس کے سینے میں چاقو گھونپ دیا ہو۔

"ہائے! مجھے الزام نہ دو۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ مصلحت تھی جس نے مجھے اس شخص کی بیوی بننے پر مجبور کر دیا جس سے میں شروع سے نفرت کرتی ہوں۔ لوگوں نے مجھے اس سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا۔ حتیٰ کہ سیجری! تم نے بھی۔ چنانچہ سارا قصور تمہارا ہے، لعنت ہو تم پر سیجری! تم ہی نے تو کہا تھا کہ راسیس کے اور میرے حمایتیوں کے درمیان خانہ جنگی ختم کرنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ تم نے کہا تھا کہ میں اصلی حکمران خاندان کے سلسلے کی آخری فرد ہوں اور اس سلسلے کو قائم رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ میرے خواب اور یادداشتیں میرے دماغ کی اختراع ہیں۔ افسوس کہ میں نے اپنے عوام کے عروج کی خاطر تمہاری بات مان لی۔

"اور اگر جو کچھ میں نے سنا ہے وہ صحیح ہے تو اس سے یہ غرض بھی تھی کہ خود تمہیں سب سے زیادہ عروج حاصل ہو۔" لیو نے تلخی سے کہا کیونکہ وہ اس معاملے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ "خیر! میں تمہیں الزام نہیں دیتا خانیہ! حالانکہ اب تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں تمہارے شوہر کو جس سے تم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے، قتل کر کے یہ بندھن کاٹ دوں جیسا کہ لوح تقدیر پر اور یہ

تقدیر اور اس کی تحریر، خود تمہاری گڑھی ہوئی ہے، لکھا جا چکا ہے۔ جو تم خود نہیں کر سکتیں وہ کام مجھ سے کروانا چاہتی ہو۔ یعنی اپنے شوہر کو میرے ہاتھوں قتل کروانا چاہتی ہو۔ اس کے علاوہ ستاروں کی چال اور اس خواب کی داستان، جس نے تمہیں، ہماری جان بچانے کے لیے بھیجدیا، محض ایک افسانہ ہے، سراسر جھوٹ ہے۔ خاتون! تم دریا پر مجھ سے ملنے محض اس لیے پہونچی تھیں کہ پہاڑوں کی روح، عظیم ہوزیہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" خانیہ نے پوچھا۔

وہ ایک دم سے لیو کی طرف گھوم گئی اور بوڑھے سیجری کا منھ حیرت سے کھل گیا۔ اور وہ آنکھیں ٹمٹمانے لگا۔

"اسی طرح جس طرح اور بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ خاتون! اگر تم جھوٹ کا سہارا نہ لیکر سچ سچ بتا دیتیں تو اچھا ہوتا۔"

خانیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور رخسار جیسے دھنس گئے۔

"کس نے کہا تم سے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا "تم نے کہا ساحرہ؟" اور وہ اپنے ماموں کی طرف اس ناگن کی طرح جو ڈسنے والی ہو، مڑ گئی "اگر تم نے کہا ہے تو یہ بات مجھ سے چھپی نہ رہے گی اور حالانکہ ہمارا خون ایک ہے۔ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں لیکن میں تمہیں اس کی سخت اور کربناک سزا دوں گی۔"

"اطمینہ! اطمینہ!" بوڑھے سیجری نے خوف کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے "تم بخوبی جانتی ہو کہ میں نے یہ بات اس سے نہیں کہی ہے!"

"تو پھر اے بندر کی صورت والے آوارہ گرد خبیث! تم نے اسے بتا دیا ہوگا۔ ہائے! میں نے شروع میں ہی تمہیں قتل کیوں نہ کر دیا؟ خیر اب بھی اس غلطی کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔"

"خاتون!" میں نے دلیری سے کہا۔ "تمہارے خیال میں میں ساحر ہوں؟"

"ہاں۔ ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں تم ساحر بھی ہو اور تمہاری کوئی معشوقہ یا داشتہ ہے جو آگ میں رہتی ہے۔"

"اگر ایسا ہی ہے خانیہ۔" میں نے کہا "تو پھر تم جانو اس قسم کے خادموں اور معشوقاؤں سے مقابلہ آسان نہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے ہوزیہ کو یہاں ہماری آمد کی اطلاع جو بھیجی ہے اس کا جواب اس نے کیا دیا ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی لیو نے کہا۔

"سنو خانیہ! تم چاہو یا نہ چاہو، اجازت دو یا نہ دو۔ میں پہاڑ پر کھوج سے ایک سوال کا جواب حاصل کرنے وہاں جاؤں گا۔ اس کے بعد تم آپس میں فیصلہ کر لینا کہ زیادہ طاقتور کون ہے؟ کلون کی خانیہ یا خانہ آتشیں کی ہوزیہ۔"

خانیہ نے یہ سنا اور چند لمحوں تک خاموش کھڑی رہی۔ غالباً اس لیے کہ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور پھر اس نے ہنس کر کہا۔

"تو یہ تمہاری خواہش ہے؟ بہر حال میں سمجھتی ہوں کہ وہاں کوئی ایسی عورت نہیں جس سے تم شادی کر سکو۔ وہاں تو صرف آگ ہے اور کوئی ایسی حسینہ اور بے حیا روح نہیں ہے جو انسان کے دل میں ہوس کی آگ بھڑکا کر اسے دیوانہ بنا دے۔"

اور پھر جیسے کسی خفیہ خیال اور انجانے جذبے نے اس کے دل میں ایک ٹیس سی پیدا کر دی جس کا اثر اس کے بشرے سے ظاہر ہوا اور اس کی زبان لمحہ بھر کے لیے گنگ ہو گئی اور پھر اس نے اسی سرد لہجے میں سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"آوارہ گرد! اس سرزمین کے اپنے اسرار ہیں جنہیں اجنبیوں کو دیکھنے کی اجازت نہیں۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتی ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں تم اس پہاڑ

پر نہیں جا سکتے۔ یہ بھی سن لو بیوقوف کہ میں نے اپنا دل تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے اور اس کا جواب تم نے یہ دیا ہے کہ تمہاری یہ طویل تلاش میرے لیے نہیں ہے حالانکہ اپنی حماقت سے میں اس خیال خام میں مبتلا تھی کہ تم مجھے ہی تلاش کرتے گئے ہو۔ لیکن دراصل تمہیں ایک ایسی بدروح کی تلاش ہے جس نے عورت کا روپ دھارن کر لیا ہے اور جسے تم کبھی نہ پا سکو گے۔ اب میں تم سے کوئی درخواست نہ کروں گی۔ کیونکہ یہ مناسب نہیں ہے۔ لیکن تم نے ضرورت سے زیادہ باتیں معلوم کر لی ہیں۔

"چنانچہ آج رات اچھی طرح غور کر لو اور کل سورج غروب ہونے سے پہلے مجھے بتا دو کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نہ تو اپنی ذات سے پھرتی ہوں اور نہ ہی کچھ پیش کر کے اسے واپس لینے کی عادی ہوں۔ چنانچہ کل تم مجھے بتاؤ گے کہ جب وقت آئے گا، یقین کرو وہ وقت آئے گا، تو تم مجھ کو قبول کر کے اس سرزمین پر حکومت کرو گے اور میری محبت کے سایے میں عظمت کی بلندیوں کو چھو لو گے یا پھر تم اور یہ مجبیت ایک ساتھ موت کو لبیک کہو گے۔ چنانچہ اب تمہیں دو باتوں میں سے ایک کو منتخب کرنا ہے۔ اطیفہ کا پیار یا اس کا انتقام۔ کیونکہ میں خود اپنی سرزمین میں اپنا مذاق اڑوانے کے لئے تیار نہیں ہوں اس عائشہ کی طرح جس نے ایک اجنبی سے محبت کا اظہار کیا اور اس اجنبی نے اسے ٹھکرا دیا۔"

خانیہ نے یہ الفاظ رک رک کر اور نیچی آواز میں کہے۔ یہ الفاظ اس کے ہونٹوں سے یوں ٹپک رہے تھے جس طرح زخم سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میں اس منظر کو کبھی بھلا نہ سکوں گا سامنے بوڑھا شامن سجری بیٹھا اپنی چالاک بڑی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا اور الو کی طرح آنکھیں ٹپٹپا رہا تھا۔ اور پھر ایک طرف شاہی لباس میں ملبوس خانیہ کھڑی تھی جس کے چہرے پر سرخ نقش منجمد

تھا اور آنکھوں میں انتقام کی چنگاریاں روشن تھیں اور اس کے سامنے دیو ہیکل لیو تھا، عزم و استقلال کا مجسمہ تم نے اپنے شکوک و شبہات کے سامنے آہنی دیوار کھڑی کر دی تھی اور دائیں طرف میں تھا جو سب دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں آپ کا ہالی، جس نے اطلینہ کی نفرت حاصل کر لی ہے، کب تک اس روئے زمین پہ زندہ رہوں گا۔

ہم یوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یکایک چھت سے لٹکتے ہوئے چراغ کا شعلہ تھرتھرایا اور میں نے اپنے چہرے پر تازہ ہوا کا ایک جھونکا محسوس کیا۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو ایک اور شخص کی موجودگی کا احساس ہوا۔ سامنے سائے میں ایک بلند قامت شخص کھڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کیونکہ ننگے پاؤں تھا۔ اب وہ چراغ کی روشنی میں آیا اور اس نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا۔

یہ خان تھا۔

اس کی بیوی اطلینہ نے اس کی طرف دیکھا اور مجھے اس عورت کی جرأت کی داد دل ہی دل میں دینی پڑی۔ حالانکہ میں نے کبھی اس کی کسی چیز کی تعریف نہ کی تھی سوائے اس کے حسن کی اس کے بشرے سے نہ غصے کا اظہار ہوا اور نہ خوف کا۔ وہاں اگر تھا کچھ تو صرف نفرت تھی۔ اس کے باوجود اسے خوفزدہ ہو جانا چاہیے تھا جس کا ایک اہم سبب بھی تھا جس سے وہ خود بھی واقف تھی۔

"راسین! تم یہاں؟" اس نے پوچھا "چوروں کی طرح ننگے پیر میری کنسوئیاں لیتے پھرتے ہو؟ یہاں کیا کام ہے تمہارا۔ جاؤ اپنی شراب اور اپنی رنڈیوں کے پاس جاؤ۔"

لیکن وہ ہنستا رہا جس طرح کہ لکڑ بگھا ہنستا ہے۔

"کیا سن لیا تم نے؟" وہ اپنے خوفناک قہقہوں کے درمیان بولا۔ "میں نے سنا کہ خانیہ۔۔۔ ہاں وہ جو اصلی حکمراں خاندان کی آخری فرد ہے، وہ خانیہ جو اس قدر پاکباز ہے کہ اپنا دامن دربار کی عورتوں تک سے بچا رکھتی ہے وہ خانیہ جو میری بیوی ہے، ہاں میری بیوی جس نے۔۔۔ غور سے سنو اجنبیو! مجھ سے خود ہی اپنی شادی کی درخواست کی تھی۔ کیونکہ میں اس کا چچازاد بھائی اور رقیب حکمراں تھا اور اس سرزمین کا امیر ترین شخص اور رئیس الرؤسا تھا، ہاں خود اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی کہ وہ مجھ سے مل کر اپنی قوت و عظمت بڑھائے ہاں میں نے اسی خانیہ کو اپنے آپ کو ایک گمنام اجنبی کو پیش کرتے سنا، اس اجنبی کو جس کی داڑھی سنہری ہے اور دیوہیکل ہے اور میں نے اس اجنبی کو بھی یہ کہتے سنا کہ وہ خانیہ سے نفرت کرتا ہے اور اس لیے اس سے اپنا دامن چھڑا کر فرار ہونا چاہتا ہے۔" اور یہاں اس نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ "ہاں اس اجنبی نے خانیہ کو اس طرح ٹھکرا دیا کہ میں دربار کی ادنیٰ سے ادنیٰ کو بھی اس طرح نہ ٹھکراتا

"میں نے یہ بھی سنا۔۔۔ لیکن یہ میں شروع سے جانتا ہوں۔۔۔ کہ میں دیوانہ ہوں۔۔۔ اجنبیو! میں دیوانہ تھا نہیں بلکہ اس بوڑھے چوہے نے" اور اس نے سمجری کی طرف اشارہ کیا "میری شادی کی دعوت میں کوئی چیز شراب میں ڈال کر مجھے پلا دی اور یوں اس جلی ککڑے نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ اس کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ ہاں اس نے نفرت کا کوئی مشروب پلایا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مجھے خانیہ اطیمنہ سے ایسی سخت نفرت ہو گئی کہ ایسی نفرت مجھے پوری سرزمین میں کسی سے نہیں حتیٰ کہ حال یہ ہے کہ میں اطیمنہ کے لمس تک کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سے مجھے گھن آتی ہے۔ میں اس کے ساتھ ایک کمرے میں رہ نہیں سکتا کیونکہ اس کی موجودگی فضا کو بگاڑ دیتی ہے۔ اس میں سحر کی بو آجاتی ہے۔

" زرد داڑھی والے! شاید تم بھی اپنے خیالات سے پریشان ہو۔ اگر ایسا ہی ہے تو اس بوڑھے چوہے سے کہو کہ وہ تمہیں محبت پیدا کرنے کا مشروب پلا دے۔ یہ بوڑھا اس فن کا استاد ہے اور پھر تمہیں بھی خانیہ بے حد حسین اور بے حد پیاری معلوم ہو گی اور پھر تمہارے چند مہینے اس کے ساتھ مزے میں کٹ جائیں گے۔ جوان! بیوقوفی نہ کرو، جو پیالہ تمہیں پیش کیا گیا ہے لذیذ ہے۔ پیو۔ جی بھر کر پیو کل تک تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا کہ اس پیالے میں جو مشروب ہے وہ کیا ہے چاہے اس میں اسکے شوہر کا خون ہی کیوں نہ ہو جسے زہر دے کر مارا گیا ہو "

اور ایک بار پھر راسین دیوانہ وار ہنسنے لگا۔

اس توہین آمیز تقریر کو، جس میں طنز کے زہریلے نشتر تھے، خانیہ اطمینہ خاموشی سے سنتی رہی پھر وہ ہماری طرف گھوم کر ذرا سی جھک گئی۔

" میرے مہمانو! " اس نے کہا " جو کچھ ہوا ہے اس کی میں معافی چاہتی ہوں۔ حالانکہ اس پر میرا اختیار نہیں ہے مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تم بھٹکتے ہوئے ایک ذلیل اور بگڑی ہوئی سرزمین میں آگئے ہو جس کا تاج اور پھول یہ سامنے کھڑا ہے۔ خان راسین تمہاری تو موت مقدر ہو چکی ہے اور قریب ہے لیکن یقین کرو میں اسے قریب نہیں لا رہی ہوں کیونکہ میں تمہارے گندے خون سے اپنے ہاتھ نہیں گندے کرنا چاہتی۔ ہر چند کہ میرے نزدیک تمہاری حیثیت ایک سانپ سے بڑھ کر نہیں جو میرے گھر میں رینگتا پھرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دوسرا پیالہ تیری دیوانگی کو ختم اور تیری اس زہریلی زبان کو خاموش کر دیتا۔ آؤ ماموں میرے ساتھ چلو۔ اپنا ہاتھ دو مجھے کیونکہ خجالت شرم اور غم نے مجھے نڈھال کر دیا ہے "

بوڑھا شامن سبجری آگے بڑھا اور پیر گھسیٹتا ہوا آگے بڑھا لیکن جب وہ خان کے سامنے پہونچا تو رک گیا اور اپنی جالا پڑی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا

اور پھر کہا۔

"راسین! تو میرے سامنے پیدا ہوا ہے، تیری ماں ایک بدچلن عورت تھی اور تیرے باپ سے کوئی واقف نہیں سوائے میرے۔ اس رات کوہ آتشیں پر شعلہ چمکا تھا اور ستاروں نے اپنے منھ چھپا لیے تھے کیونکہ کوئی ستارہ، حتیٰ کہ منحوس ترین ستارہ بھی تجھے دیکھنا نہ چاہتا تھا۔ میرے سامنے تیری شادی ہوئی اور میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ تو شادی کے جشن سے اس حالت میں اٹھا تھا کہ نشے میں دُھت تھا اور تیرا ایک ہاتھ ایک فاحشہ کی گردن میں حمائل تھا۔ میں نے تجھے حکومت کرتے بھی دیکھا۔ تو نے اپنی ظالمانہ حکومت سے اس سرزمین کو بگاڑ دیا، کھیتوں کو اپنی شکارگاہوں میں تبدیل کر دیا ان لوگوں کو جو ان کھیتوں سے سونا اگاتے تھے سڑکوں پر بھوک سے مرتے اور تنگ آ کر دریا میں کود کر خودکشی کرتے میں نے دیکھا اور جلد، بہت جلد میں تجھے بھی خود اپنے خون میں لوٹتے اور تکلیف دہ موت مرتے دیکھ لوں گا اور پھر اس شریف خاتون کی گردن پر سے، جسے تو ذلیل کرتا ہے، جوا اتر جائے گا اور یہ آزاد ہو جائے گی اور پھر تجھ سے بہتر [illegible] تیری جگہ لے گا اور تاج و تخت کا وارث پیدا کرے گا اور ایک بار پھر اس سرزمین میں امن و سکون کا دَور دَورہ ہو گا۔"

میں نے یہ الفاظ سنے اور بیان نہیں کر سکتا کہ ان میں کیسی لرزہ خیز تلخی تھی چنانچہ میں نے سوچا کہ اب خاقان تلوار کھینچ کر شامن سجری کے ٹکڑے کر دے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا اس کے برخلاف وہ خوفزدہ ہو کر یوں دبک گیا جس طرح وہ کتا، جو اپنے آقا کے چابک سے واقف ہو، اس سے ڈر کر دبک جاتا ہے۔ جی ہاں۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹ کر کونے میں دبک گیا اور شامن سجری الطینہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا لیکن کمرے

کے زبردست دروازے کے قریب پہونچ کر، جس پر آہنی خول چڑھا ہوا تھا، وہ گھوم گیا اور اپنی چھڑی سے کونے میں دبکے ہوئے خان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"خان راسین! میں نے تجھے ان بلندیوں تک پہونچایا تھا اور اب میں ہی تجھے پستیوں میں پھینکتا ہوں۔ چنانچہ جب تو خون اور تکلیف میں مر رہا ہو تب مجھے یاد کر لینا۔"

ان دونوں کے قدموں کی چاپ دور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی تو کونے میں دبکا ہوا خان سامنے آیا اور اس نے ہراساں نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

"وہ بوڑھا چوہا اور وہ دوسری چلی گئی؟" اس نے ہم سے پوچھا۔

اس نے اپنی آستین سے اپنے ماتھے پر سے پسینہ پونچھا اور میں نے دیکھا کہ انتہائی خوف نے اس کے حواس بجا کر دیئے تھے اور آنکھوں سے جھانکتی ہوئی دیوانگی گھڑی بھر کے لئے رخصت ہو گئی تھی۔

"ہاں۔ چلے گئے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم مجھے بزدل سمجھتے ہو گے۔" اس نے ایک جوش کے عالم میں کہا۔ "اور یہ سچ ہے بے شک میں اس بوڑھے اور اس کی بھانجی سے ڈرتا ہوں جس طرح کہ تم بھی، سنہری داڑھی والے! وقت آنے پر اس سے ڈرو گے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اپنی دعاؤں سے انھوں نے میری قوت اور عقل کھینچ لی ہے اور مجھے وہ بنا دیا ہے جو میں ہوں۔ کیونکہ تم ہی کہو ان کے سحر کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ سنو اور غور سے سنو! کسی زمانے میں میں شہزادہ تھا، نصف مملکت کا مالک تھا، میں شریف، نیک اور رحمدل تھا اور میں اس کے حسن پر فریفتہ تھا جس طرح کہ ہر وہ شخص اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے جس کی طرف وہ نگاہ اٹھا کر دیکھ لیتی ہے۔ اور اس نے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھا، اس نے مجھ سے شادی کی خواہش کی اور وہ بوڑھا چوہا شادی کا پیغام

لے کر میرے پاس آیا۔

"چنانچہ میں نے خانہ جنگی بند کردی، خانیہ سے شادی کر لی اور خان بن گیا۔ لیکن میں اس کا شوہر بن کر اس کی خوابگاہ میں داخل ہونے کے بجائے برتن مانجھنے والا بن کر اس کے باورچی خانے میں داخل ہوتا تو میرے حق میں بہتر ہوتا کیونکہ شروع ہی سے وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ہماری شادی کے جشن میں اس نے مجھے وہ دوا پلادی جس نے میرا دل مجھ سے پھیر دیا اور میرے دل میں اس کی طرف سے گھن بھر گئی۔ ہم دونوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے حواس جاتے رہے اور دیوانگی نے میرے دماغ کو چاٹ لیا اور اب بھی آگ کی طرح چاٹ رہا ہے۔"

خان! اگر اسے تم سے ایسی نفرت تھی تو اس نے اور تیز دوا دے کر تمہارا خاتمہ کیوں نہ کر دیا؟ میں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ یہ مصلحت نہ تھی۔ کیونکہ نصف مملکت کا حکمراں میں تھا۔ اس لیے میرا زندہ رہنا اس کے لیے سود مند تھا۔ تاکہ میں اس کے لیے نقلی کھلی بنا رہوں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ میرے ہوتے ہوئے لوگ اسے دوسرا شوہر کرنے پر مجبور نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ جان لو کہ وہ عورت نہیں بلکہ ڈائن ہے جو اکیلی رہنا چاہتی ہے، کم سے کم آج رات تک تو میں یہی سمجھتا رہا تھا۔"

اور اس نے گھور کر لیو کی طرف دیکھا۔

"اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ہر چند میں اس سے دور رہوں گا تاہم اس سے محبت کرتا رہوں گا، اپنی اس محبت کی بنا پر میرے دل میں رشک و رقابت کی آگ بھڑکے گی۔ چنانچہ میں دوسرے مردوں سے اسے بچاتا رہوں گا۔ وہ خانیہ تھی جس نے مجھے اس رئیس کے خلاف بھڑکایا تھا جسے کچھ دن پہلے میرے کتوں نے پھاڑ کھایا۔ کیونکہ وہ رئیس بڑا ہی طاقتور اور بارسوخ آدمی تھا خانیہ پر عاشق تھا

اور جواب میں انکار سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن اب " ایک بار پھر اس نے لیو کی طرف گھوم کر دیکھا" مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ ایسی سرد اور مردم بیزار کیوں تھی۔ محض اس لیے کہ دنیا میں ایک شخص ایسا موجود تھا جس کے دل کی برف کو پگھلانے کے لیے اس نے اپنی آتش قلب کو بچا رکھا تھا۔"

اب لیو جو اتنے عرصے میں خاموش کھڑا تھا، آگے بڑھا۔

" سنو خان!" اس نے کہا۔" میرے دل کی برف، ابھی تھوڑی دیر پہلے، تمہیں پگھلتی ہوئی معلوم ہوئی تھی کیا؟"

" نہیں۔ لیکن ٹھیک وہ سب بناوٹ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آگ نے اپنی پوری آنچ نہ پہونچائی تھی۔ ذرا صبر کرو وہ آگ پوری طرح سے بھڑکے گی اور پھر تمہارا دل پگھل جائے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو اطینہ کے سامنے زیادہ دیر تک ثابت قدم رہ سکے۔"

" لیکن اگر میں اس سے بچنا چاہتا ہوں تو؟ خان وہ چاہتی ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں لیکن میں تمہارے خون کا پیاسا نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے تم سے کوئی دشمنی ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری بیوی کو تم سے چھین لینا چاہتا ہوں۔ لیکن یقین کرو۔ میرے دل میں ایسی کوئی آرزو نہیں ہے۔ میں سچ کہتا ہوں میری نیت صاف ہے۔ ہم تمہارے اس شہر سے بھاگ جانا چاہتے ہیں لیکن ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے لیے اس کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ خان! تم ہمیں آزاد کر کے ہم سے پیچھا چھڑا سکتے ہو۔ ہاں یہ تم کر سکتے ہو۔ کیونکہ یہ تمہارے اختیار میں ہے ہم اپنے طور پر نہیں بھاگ سکتے۔ کیونکہ ہم قیدی ہیں اور رات دن ہم پر پہرہ لگا رہتا ہے اور ہماری نگرانی کی جاتی ہے۔"

خان نے عیاری سے لیو کی طرف دیکھا۔

" اور اگر میں نے تمہیں آزاد کر دیا تو تم کہاں جاؤ گے؟ تم بے شک اس خلیج میں

پہاند تو پڑے تھے لیکن اس کی بلندی تک تو کوئی پرندہ ہی پہونچ سکتا ہے۔
چنانچہ کہاں جاؤ گے؟"

"کوہ آتشیں پر جہاں ہمیں ایک ضروری کام ہے۔"

راسین لیو کی صورت تکنے لگا۔

"دیوانہ میں ہوں یا تم کہ کوہ آتشیں پر جانا چاہتے ہو؟ بہر حال اس سے مجھے کیا، تم کہیں بھی جاؤ لیکن مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ لیکن اگر یہ سچ ہے، اگر واقعی تم کوہ آتشیں پر جانا ہو تو پھر یقیناً واپس بھی آؤ گے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے کر آؤ گے۔ شاید تم اس سرزمین کو اور یہاں کی خانیہ کو بزور شمشیر حاصل کرنا چاہتے ہو۔ وہاں تو ہمارے دشمن ہی دشمن ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے خان!" لیو نے بڑی نرمی سے کہا۔ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہ ہوگی اور تم جانو یہ ایک مرد کا وعدہ ہے۔ یقین کرو مجھے تمہاری بیوی کی مسکراہٹ اور تمہارے ملک کی انچ بھر زمین بھی نہ چاہیئے۔ خان! حماقت نہ کرو۔ اور ہمیں جانے دو۔ پھر تم جس طرح چاہو اپنی مملکت میں رہو۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

خان چند لمحوں تک کھڑا اپنے بازو جھلاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے دماغ میں، معلوم ہوتا ہے، کوئی خیال آیا جس نے اسے بے حد محظوظ کر دیا اور اس نے قہقہہ لگایا۔

"میں سوچ رہا ہوں۔" وہ بولا، "کہ صبح اٹھ کر اطینہ کو پتہ چلے گا کہ اس کا پیارا پنچھی اڑ گیا ہے تو وہ کیا کہے گی؟ یقیناً تمہیں تلاش کرے گی اور مجھ سے غصے ہو جائے گی۔

"میرے خیال میں آج رات اس نے جتنے غصے کا اظہار کیا ہے اس سے زیادہ غصہ وہ اب نہ ہو سکے گی۔" میں نے کہا "خان! ہمیں آج رات اور اسی وقت

جانے دو۔ صبح تک ہم اتنی دور پہونچ جائیں گے کہ خانیہ ہماری گرد کو بھی نہ پاسکے گی۔"

"اجنبی! تم یہ بھول رہے ہو کہ خانیہ اور اس بوڑھے چوہے کے پاس جادو کا علم ہے۔ جو یہ جان سکتے ہیں کہ تم سے کہاں ملاقات کی جاسکتی ہے۔ وہ یہ بھی جان لیں گے کہ اب تمہیں کہاں تلاش کیا جائے۔ لیکن ــ لیکن ــ خانیہ کو غصے میں بھری دیکھنا بھی بڑا ہی پرلطف ہوگا۔ ہائے! ہائے! کیا منظر ہوگا۔ سنہری داڑھی والے! کہاں ہو تم ــ ؟" وہ اپنی بیوی کی بھونڈی نقل اتارنے لگا۔ "واپس آؤ میری جان! واپس آؤ کہ میں اپنی آتشِ قلب اور آتشِ حسن سے تمہارے دل کی برف پگھلا دوں۔"

اور وہ ہنسنے لگا۔ اور پھر کہا۔

"تم لوگ کتنی دیر میں تیار ہوجاؤ گے ؟"

"زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اپنے کمروں میں جاکر تیاری کرلو۔ میں وہیں آتا ہوں۔"

چنانچہ ہم اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔

گیارہواں باب

شکار اور شکاری

ہم اپنے کمروں میں پہونچ گئے۔ راستے میں ہماری مڈبھیڑ کسی سے نہ ہوئی۔ وہاں پہنچ کر ہم روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ سب سے پہلے تو ہم نے اپنا درباری لباس اتار کر وہ ادنی لباس پہن لیا جسے پہن کر ہم کلونی میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہمیں جو کچھ ملا اور جتنا کچھ کھا پی سکتے تھے کھا پی لیا کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ اب کب ہمیں کھانا ملے گا۔ کھانے سے فارغ ہوکر گوشت اور شراب دوا لیسے چرمی تھیلوں میں بھرلی

جو شانوں سے لٹکائے جا سکتے تھے اور کلون میں عام طور پر مستعمل تھے۔ دوسری ضروری چیزیں بھی انھیں تھیلوں میں رکھ لیں اپنے بڑے شکاری چاقو ٹپکوں میں اڑس لیے اور شکار مارنے کے چھوٹے اور ہلکے بھالے اٹھا لیے اور یوں ہم تیار اور مسلح بھی ہو گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ خان نے ہمیں مار ڈالنے کا کوئی نقشہ بنایا ہو چنانچہ بچاؤ کا سامان ہونا ضروری ہے۔" لیو نے کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں لیو سے متفق تھا کیونکہ خان کا آخری قہقہہ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہا تھا اور بڑا ہی شیطانی قہقہہ ہے وہ۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" میں نے کہا۔ "مجھے اس دلوانے درندے پر اعتبار تو نہیں۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔"

"لیکن خود اس نے کہا ہے کہ زندہ آدمی واپس آ سکتے ہیں لیکن مردہ واپس نہیں آ سکتے۔"

"اطینہ کا خیال اس کے برعکس ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کے باوجود اس نے ہمیں موت کی دھمکی دی ہے۔" لیو نے جواب دیا۔

"یہ اس لیے کہ شرم اور دوسرے جذبے نے اس کی عقل سلب کر لی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد ہم خاموش ہو رہے۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور خان داخل ہوا۔ اس نے کافی وزنی اور بڑا چغہ پہن رکھا تھا۔ جیسے اپنے آپ کو چھپانا چاہتا ہو۔

"تیار ہو تو چلو۔" اس نے کہا۔

"اب اس کی نظر ان بھالوں پر پڑی جو ہم نے پکڑ رکھے تھے۔

"ان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ تم شکار کرنے تو نہیں جا رہے ہو۔"

"بے شک نہیں جا رہے ہیں لیکن کیا پتہ کوئی ہمارا ہی شکار کرنے لگ جائے۔"

میں نے جواب دیا۔

"اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو بہتر ہوگا کہ تم یہیں ٹھہر جاؤ۔ یہاں تک کہ خانیہ سنہری داڑھی والے سے اکتا کر خود ہی تمہارے لیے دروازے کھول دے۔"

"نہیں خان! اب تو ہم ایک پل بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتے۔ آگے جو ہو گا سو دیکھا جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

اور ہم چل پڑے۔ خان آگے تھا اور ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ہم خالی کمرے عبور کرتے برآمدے میں اور وہاں سے صحن میں آ گئے۔ یہاں پہنچ کر خان نے سرگوشی میں ہم سے کہا کہ ہم حتی الامکان سایوں میں رہیں۔ کیونکہ اس رات چاند پوری آب و تاب سے روشن تھا اور اس کی چاندنی اس قدر صاف تھی کہ میں نہ صرف وہ گھاس، جو صحن کے پتھروں کی دراڑوں میں سے اگ آئی تھی، بلکہ گھاس کی ہر پتی کا سایہ بھی پتھروں پر دیکھ سکتا تھا اب میں سوچنے لگا کہ ہم باہر کس طرح جائیں گے کیونکہ دروازے پر پہرہ تھا اور خانیہ کے حکم سے حال ہی میں پہریداروں کی تعداد بڑھا کر پہرہ اور بھی سخت کر دیا گیا تھا۔ لیکن خان اس دروازے کو دائیں طرف چھوڑتا ہوا اس راستے پر چل پڑا جو فصیل دار باغ کی طرف جاتا تھا یہاں راستے میں ایک ایسے خفیہ دروازے کے سامنے لے آیا جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا اس دروازے کا قفل اس نے اس کنجی سے کھولا جو اس کے پاس تھی۔

اب ہم قصر کی فصیل کے باہر تھے اور ہمارا راستہ سگ خانے کے قریب سے جاتا تھا جب ہم سگ خانے کے قریب سے گزرے تو یہ شب بیدار کتے، جو اپنے پنجروں میں بھوک کے شیروں کی طرح ٹہل رہے تھے، ہماری بو پا کر ایک دم بھونکنے اور رونے لگے۔ یہ آوازیں سن کر میں کانپ گیا۔ کیونکہ رات کی خاموشی میں یہ بڑی ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی خدشہ تھا کہ کتوں کی آوازیں سن کر کہیں

ان کے رکھوالے جاگ نہ جائیں لیکن خان آگے بڑھ کر پنجروں کے قریب جا کھڑا ہوا اس پر کتے اپنے آقا کو پہچان کر خاموش ہو گئے۔

"ڈرو نہیں" خان نے ہماری طرف گھوم کر کہا۔ "ان کے رکھوالے جانتے ہیں کہ آج انھیں بھوکا رکھا گیا ہے کیونکہ کل چند مجرموں کو ان کے سامنے ڈالا جائے گا۔"

اب ہم محل کے پھاٹکوں کے قریب پہونچ چکے تھے۔ یہاں خان نے ہمیں ایک محراب کے سایے میں چھپ جانے کو کہا اور خود ایک طرف چلا گیا۔ میں نے اور لیو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کیونکہ ہمیں ایک ہی خیال آیا تھا یعنی یہ کہ وہ جلادوں کو بلانے گیا ہے لیکن ہمارا خیال غلط تھا۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہم نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ اب خان نظر آیا۔ وہ دو سفید گھوڑے لئے چلا آرہا تھا۔ یہ وہی گھوڑے تھے جو اطیمنہ نے ہمیں دیئے تھے۔

"ان گھوڑوں پر زین میں نے خود اپنے ہاتھوں سے رکھا ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "رخصت ہوتے ہوئے مہمانوں کی خاطر کوئی اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے؟ اب سوار ہو جاؤ اور اپنے چہرے چغیوں میں اس طرح چھپالو جس طرح کہ میں اپنا چہرہ چھپاتا ہوں۔ اور پھر میرے پیچھے آؤ۔"

چنانچہ ہم اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور خان پیادے کی طرح آگے آگے بھاگنے لگا، بجا ہاں۔ ان پیادوں کی طرح جو کلون کے خان اور رئیسوں کے آگے آگے بھاگتے تھے، جب وہ شکار یا سیر و تفریح کو جاتے تھے۔ شہر کے عام راستے کو چھوڑ کر ہم اس علاقے سے گذرے جو بدنام تھا اور یہاں کے راستے تنگ اور غلیظ تھے۔ یہاں کہیں اوباش لوگ مل رہے تھے اور کبھی کبھی جسم فروش کوئی عورت ہمیں گاہک سمجھ کر کسی اندھیرے گوشے میں سے نکل کر سامنے آجاتی۔ لیکن جب ہم اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو یہ سمجھ کر کہ ہم کسی خاص جگہ جا رہے ہیں وہ پیچھے ہٹ جاتی۔

آخر کار ہم دریا کے کنارے خالی گودی پر اور وہاں سے ایک چھوٹے سے گھاٹ پر پہونچ گئے۔ یہاں ایک چوڑی کشتی بندھی ہوئی تھی۔

"اپنے گھوڑے اس کشتی پر چڑھا دو۔" خان راسین نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ کشتی خود تمہیں کھے کر دوسری طرف پہونچنا ہوگا کیونکہ پلوں پر پہرہ لگا ہوا ہے اور اپنے آپ کو ظاہر کئے بغیر میں تمہیں دوسری طرف نہ پہونچا سکوں گا اور میں اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔"

چنانچہ قدرے دقت سے ہم نے گھوڑے کشتی میں چڑھا لیے۔ میں گھوڑوں کی لگامیں تھام کر بیٹھ گیا۔ لیو نے چپو سنبھال لئے۔

خان نے کشتی کو پانی میں ڈھکیل کر کہا۔

"لعنتی آوارہ گردو! اب جاؤ یہاں سے اور پہاڑوں کی روح سے دعا کرو کہ وہ بوڑھا چوہا اور اس کی شاگرد، یعنی سنہری داڑھی والے تمہارے محبوب اپنے جادو کے گولے میں تمہیں دیکھ نہ رہے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر بہت جلد ہماری ملاقات پھر ہوگی۔"

اور جب ہماری کشتی دھارے میں پہونچ کر تیزی سے بہنے لگی تو خان قہقہے لگانے لگا۔ اپنے وہی لرزہ خیز قہقہے اور چیخ کر بولا۔

"اجنبیو! اپنا سفر تیزی سے طے کرنا کیونکہ تمہارے تعاقب میں موت ہے۔"

لیو نے زور لگا کر چپو اوندھے چلائے یہاں تک کہ کشتی کی دم کنارے تک پہونچ گئی۔

"ہالی!" اس نے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہم کنارے پر اتر کر اس شیطان خان کو ٹھکانے لگا دیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی شرارت کرنے والا ہے۔"

لیو نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی لیکن خان نے اس کی آواز نہ صرف سن لی

بلکہ اندازاً اس کا مطلب بھی معلوم کر لیا۔ کیونکہ اکثر دیوانے بہت زیادہ ہوشیار اور سیانے ہوتے ہیں۔ بہرحال اس نے چیخ کر کہا۔

"بیوقوفو! اب تو وقت گزر چکا؟"

اور ایک آخری بھیانک قہقہہ لگا کر وہ گھوما اور گھاٹ پر ایسی تیزی کا سے بھاگا کہ اس کا چغہ اس کے پیچھے ہوا میں اڑنے اور پھڑپھڑانے لگا۔ اور پھر گھاٹ کے اندھیرے میں پہونچ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"دیکھتے رہو!" میں نے کہا۔

اور لیو چپّو پر جھک گیا۔

لیکن کشتی وزنی تھی اور بہاؤ تیز نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے کنارے تک پہونچنے سے پہلے دھارا ہمیں دور تک اپنے ساتھ گھسیٹ لے گیا۔ آخر کار ہم دوسرے کنارے کے قریب پر سکون پانی میں پہونچ گئے۔ سامنے ایک گھاٹ سا تھا۔ ہم نے کشتی اس سے لگا دی اور گھوڑوں کو اُتار لیا۔ کشتی باندھنے کا وقت نہ تھا چنانچہ ہم نے اس کو یونہی بہتا چھوڑ دیا اور گھوڑوں کے سینہ بند رکابوں اور زین وغیرہ پر ایک نظر ڈال کر اور یہ اطمینان کر کے کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے ہم ان پر سوار ہوئے اور انھیں اس سرخ دھوئیں کی طرف بھگا دیا جو بہت دور تھا۔ اور کوہ آتشیں سے اُٹھ رہا تھا۔

ابتدا میں ہماری رفتار بہت سست رہی کیونکہ یہاں کوئی راستہ نہ تھا۔ اور کھیتوں میں راستہ تلاش کرنے میں ہی زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔ پھر راستے میں ایسے گڑھے بھی تھے جن پر نہ تو پل تھے اور نہ ہی جنھیں گھوڑے پھلانگ سکتے تھے۔ چنانچہ ایسے گڑھے جب بھی سدِّ راہ ہوتے ہمیں کافی لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا تھا اس طرح ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا۔ یہاں تک کہ ہم ایک گاؤں میں

پہونچ گئے۔ یہاں سوتا پڑا ہوا تھا اور یہاں ہمیں ایک راستہ بھی ملا جو پہاڑ کی طرف جاتا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جیسا کہ بعد میں انکشاف ہوا یہ راستہ ہمیں اپنے راستے سے دور لے آیا۔ اب پہلی دفعہ ہمارے گھوڑے دلکی چلے اور قدرے تیز رفتاری سے آگے بڑھے۔ لیکن ہم نے انھیں زیادہ نہ بھگایا۔ اوّل تو اس لیے کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ وہ تھک جائیں اور دوم اس لیے کہ وہ کہیں ٹھوکر کھا کر گر نہ جائیں۔

پو پھٹنے سے کچھ پہلے چاند پہاڑ کے پیچھے غروب ہو گیا اور اندھیرا اتنا گاڑھا ہو گیا کہ ہم رک جانے پر مجبور ہو گئے اور گھوڑوں سے اتر کر اور ان کی لگامیں پکڑ کر انھیں لگی ہوئی بالیوں پر چرنے دیا۔ پھر آسمان پر روشنی پھیلنے لگی اور وہ روشنی، جو دھوئیں کے ستون میں تھی اور ہماری راہبر بنا کر رہی تھی، مدھم پڑ گئی۔ پو پھٹی اور دور پرے پہاڑ کی چوٹی پر برف پر سرخ غازہ سا پھر گیا اور پھر شعاعوں کے تیر چٹانوں کے حلقے میں سے گزرے ہم نے گھوڑوں کو اس نالی میں سے پانی پلایا جو کھیت میں سے گزر رہی تھی۔ پھر ان پر سوار ہو کر چل دیئے۔

رات کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں پر سے خوف بھی جاتا رہا تھا اور اب اس کی جگہ امید نے لے لی تھی اور ہم ایک گونہ مسرت محسوس کر رہے تھے۔ وہ نفرت انگیز اور منحوس شہر پیچھے چھوٹ گیا تھا۔ خانیہ اپنے بے پناہ اور تباہ کن عشق اور اپنے طوفانی حسن کے ساتھ پیچھے چھوٹ گئی تھی، جالا پڑی آنکھوں والا وہ بوڑھا ساحر جس کی عمر بڑے اسرار اور جانے کیسے کیسے گناہوں میں گزری تھی اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا اور خانیہ کا وہ شوہر خان جو دیوانہ تھا، جو نصف شیطان اور نصف انسان تھا اپنے تمام تر مظالم اور شیطانی

منصوبوں کے ساتھ اور اپنے گرے ہوئے درباریوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا اور سامنے آ گئی تھی، برف تھی اور وہ اسرار تھے جو ان میں پنہاں تھے اور جنہیں ہم برسوں سے تلاش کرتے آئے تھے۔ اب ہم یا تو یہ اسرار معلوم کریں گے یا پھر اسی کوشش میں مر جائیں گے۔ چنانچہ ہم دل میں ایک طرح کی خوشی لیے آگے بڑھے کہ دیکھیں اب ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے؟

کئی گھنٹوں تک ہمارا راستہ کھیتوں اور بستیوں میں سے گزرتا رہا۔ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے لوگ اپنے بیلچے وغیرہ رکھ کر ہمیں گزرتے دیکھنے کے لیے ایک جگہ جمع ہو جاتے اور جب ہم بستیوں میں سے گزرتے تو عورتیں بچوں کو لیکر گھروں میں گھس جاتیں۔ یہ لوگ سمجھتے کہ ہم حکومت کے کارندے ہیں جو ان کے جان و مال کو نقصان پہونچانے آئے ہیں۔ ان کے اس خوف سے پتہ چلتا تھا کہ خان کا ظلم ان غریبوں پر کس انتہا کو پہونچا ہوا تھا۔ دوپہر کے قریب وہ پہاڑ تو اتنی ہی دور معلوم ہوتا تھا۔ البتہ زمین کی ساخت میں تبدیلی نظر آئی۔ اب وہ بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھی چنانچہ کاشت کے قابل نہ تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ یہ علاقہ بارشوں کا محتاج ہے اور اس سال بارش نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ ہر چند آبادی گنجان تھی اور کھیتوں میں ہل چلے ہوئے تھے۔ لیکن فصل خشک ہو رہی تھی۔ یہ واقعی افسوس ناک منظر تھا کہ پانی کی کمی کی وجہ سے ہری بھری فصل زرد ہو رہی تھی، مویشی چارے کی تلاش میں بھٹک رہے تھے۔ اور کسان کھیتوں میں پریشان بھٹک رہے یا سخت اور خشک زمین پر خدا جانے کس امید میں بیلچے چلا رہے تھے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ ہمیں اجداد اجنبیوں کے طور پر

جانتے تھے جن کی آمد کا ڈنکا بجا ہوا تھا۔ پھر یہ بھی مشہور تھا کہ ہم سبز قدمے ہیں۔ جس کی وجہ سے ملک میں قحط پڑنے والا ہے۔ اسی قحط اور بھوک کے مرنے کا خوف ہی تھا جس نے انھیں اس قدر دلیر بنا دیا کہ وہ ہماری طرف گھونسے ہلانے اور چیخنے لگے کہ ہم انھیں بارشیں واپس دے دیں جو ہم نے لے لی ہیں۔ کم سے کم ہم نے تو ان کی چیخ پکار کا یہی مطلب سمجھا۔ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں نے بھی ہمیں سجدے کیے پہلے پہاڑ اور پھر صاف نیلے آسمان کی طرف اشارے کیے اور کہا کہ ہم ان کے لیے بارشیں برسا دیں۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ بیلچوں اور کدالوں سے مسلح کسانوں نے، جو بپھرے ہوئے تھے، ہمارا راستہ روک لیا۔ چنانچہ ہمیں اپنے گھوڑے سرپٹ بھگا کر ان کے درمیان سے نکلنا پڑا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے زمین بنجر اور سنگلاخ ہوتی گئی اور اب گاؤں بھی دور دور تھے۔ یہاں تک کہ اب راستے میں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور ہمیں کوئی انسان نظر نہ آتا تھا سوائے اکا دکا چرواہوں کے جو اپنے جانوروں کو چارے کی تلاش میں ادھر ادھر لیے پھرتے تھے۔

شام کے قریب ہم اس علاقے کی سرحد پر تھے جہاں غارت گر وحشی قبائل رہتے تھے۔ یہ اندازہ ہم نے اس لیے لگایا کہ یہاں جگہ جگہ پتھروں کے مینار بنے ہوئے تھے۔ جو دیدبانوں یا پناہ گاہوں کا کام دیتے تھے۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ ان میں سپاہیوں کی چوکیاں بھی تھیں کہ نہیں۔ میرے خیال میں نہ تھیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی ہمیں کوئی شخص نظر نہ آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مینار اس دور کی یادگاریں تھے۔ جب کلون کی حفاظت کا انتظام اچھا خاصا تھا اور اسے بیرونی حملوں سے بچایا جاتا تھا اور جب موجودہ خان جیسے بے پروا اور ظالم حکمراں نہ تھے۔

آخر کار یہ مینار بھی پیچھے چھوٹ گئے اور سورج غروب ہوا ہے تو ہم

ایک وسیع و عریض میدان میں تھے جو سراسر غیر آباد تھا اور جہاں کوئی جانور دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہاں پہونچ ہم نے سوچا کہ گھوڑوں کو کچھ دیر کے لیے ستا لینے دیا جائے اور اب چاند طلوع ہو تو ہم پھر آگے روانہ ہوں۔ کیونکہ ہم جانتے تھے کہ ہمارے فرار سے خانیہ کس قدر برہم ہوئی ہو گی چنانچہ اس کے غصے کے پیش نظر یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اب تک یقیناً اسے ہمارے فرار ہونے کا حال معلوم ہو چکا ہو گا کیونکہ آج سورج غروب ہونے سے پہلے جیسا کہ اس نے حکم دیا تھا، لیو کو اپنا آخری قطعی جواب اسے دینا تھا۔ چنانچہ اب ہمیں یقین تھا، وہ غضبناک ہو کر فوراً کوئی کارروائی کرے گی۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیغامبر بستی بستی گھوم کر لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہوں اور سپاہی ہمارے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہوں۔

ہم نے گھوڑوں کے زین اتار لیے اور انھیں ریتی پر لوٹ لگانے کے لیے چھوڑ دیا کہ ان کی تھکن دور ہو جائے۔ لوٹ لگا کر وہ وہاں کی اُگی ہوئی گھاس پر جھاڑیاں چرنے لگے۔ یہاں پانی نہ تھا لیکن فی الحال ہمیں اس کی کچھ فکر بھی نہ تھی۔ کیونکہ کوئی ایک گھنٹہ ہوا ہمیں راستے میں ایک کیچڑ کا پانی کا گڑھا مل گیا تھا جہاں سے ہم نے اور گھوڑوں نے بھی شکم سیر ہو کر پانی پی لیا تھا۔ ہم جو کھانا ساتھ لے کر چلے تھے اس میں سے ہم نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور سچ تو یہ ہے کہ شب بیداری اور پھر دن بھر کے سفر کے بعد ہمیں اس کی سخت ضرورت بھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم بیٹھے ہی تھے کہ میرے گھوڑے نے جس کی باگ میں نے اس کے گھٹنے سے باندھ دی تھی پھر لوٹ لگانے کی کوشش اور اسی غرض سے زمین پر لیٹ گیا۔ لیکن چونکہ باگ اس کے گھٹنے سے بندھی ہوئی تھی اس لیے وہ لوٹ نہ سکا۔ میں یونہی بیٹھا اس کی ان کوششوں کو دیکھتا رہا۔

یہاں تک کہ چوتھی دفعہ وہ اپنی پشت پر آنے اور اپنی چاروں ٹانگیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور پھر ہماری طرف کروٹ لینے میں کامیاب ہو گیا۔

"ہالی! اس کے کھر اتنے سرخ کیوں ہیں؟ زخمی ہو گیا ہے کیا؟" لیو نے بے پروائی کے ساتھ پوچھا۔

میں نے بھی اس کے کھروں کی سرخی دیکھ لی تھی۔ خصوصاً کھروں کی درمیانی دراڑ یا شگاف میں یہ سرخی کچھ زیادہ ہی تھی۔ میں یہ سوچتے ہوئے دیکھنے کے لیے اٹھا کہ شام کی روشنی کی وجہ سے شاید ہماری نظروں کو دھوکا ہوا ہے یا پھر ہو سکتا ہے کہ ہم کسی ایسی جگہ سے گزرے ہیں جہاں سرخ رنگ کی کیچڑ ہو۔ میں نے قریب جا کر دیکھا۔ کھر واقعی سرخ تھے۔ اور شگاف تو اتنا سرخ تھا کہ معلوم ہوتا تھا سرخ رنگ اس میں بھر دیا گیا ہے۔ دوسرا انکشاف اس میں یہ ہوا کہ اس میں دماغ کو پراگندہ کر دینے والی تیز سڑاند اٹھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خون میں مشک اور مرچیں حل کی گئی ہوں۔

"یہ تو عجیب بات ہے۔" میں نے کہا۔ "لیو! آؤ تمہارے گھوڑے کے کھر بھی دیکھ لیں۔"

ہم نے دیکھا اور پتہ چلا کہ لیو کے گھوڑے سموں کا بھی یہی حال تھا۔

"شاید یہ کوئی دوا ہے یہاں کی جو کھروں کو محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔" لیو نے کہا۔

میں چند ثانیوں تک سوچتا رہا اور پھر ایک خوفناک خیال دماغ میں کوند گیا۔

"لیو! میں تمہیں خوفزدہ کرنا نہیں چاہتا۔" میں نے کہا۔ "لیکن بہتر ہوگا کہ ہم گھوڑوں پر زین رکھ کر اسی وقت روانہ ہو جائیں۔"

"اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس بدمعاش خان نے گھوڑوں پر عمل جراحی کیا ہے۔"

"لیکن کیوں ؟ انھیں ڈگر اپنا دینے کے لیے ؟ ؟"

"نہیں لیو! بلکہ اس لیے کہ ہمارے گھوڑے خشک زمین پر تیز دوڑ سکتے ہیں۔"

لیو کا رنگ فق ہو گیا۔

"تمہارا مطلب ہے۔ وہ ۔۔ موت کے کتے ؟"

میں نے سر ہلا دیا۔ پھر باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر ہم نے بڑی عجلت میں گھوڑوں پر زین رکھے۔ میں زین کا آخری تسمہ باندھ رہا تھا کہ مجھے شک سا ہوا کہ کہیں دور سے کچھ مدھم آوازیں آ رہی ہیں۔

"لیو! سنو!" میں نے کہا۔

ہم کان لگا کر سننے لگے اور آوازیں پھر آئیں۔ اب شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ یہ کتوں کے بھونکنے کی آواز تھی۔

"خدا کی قسم! موت کے کتے!" لیو نے کہا۔

"ہاں" میں نے بڑے سکون سے جواب دیا کیونکہ اس خطرے میں میرے اعضا آہنی بن گئے تھے اور سارا خوف جاتا رہا تھا۔

"ہمارا دوست خان شکار کو نکلا ہے۔ ہمیں رخصت کرتے وقت اسی لیے اس نے قہقہے لگائے تھے"

"اب کیا کیا جائے ؟" لیو نے پوچھا۔ "گھوڑوں کو یہیں چھوڑ دیں ؟"

میں نے پہاڑ کی طرف دیکھا اس کی نزدیک ترین ڈھلان بھی میلوں دور تھی۔

"ابھی کافی وقت ہے۔ اگر گھوڑوں کو چھوڑ دینا ضروری ہی ہوا تو آگے چل کر دیکھا جائے گا۔ ہم پیدل چل کر تو کبھی اس پہاڑ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ لیو! یوں بھی کتے گھوڑوں کو ٹھکانے لگا دیں گے تو قوت باصرہ سے اور ہمارے قدموں کے نشانات سے اور ہماری بو سے ہمارا پتہ لگا لیں گے۔ گھوڑوں کو یہاں

چھوڑ دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ سوار ہو جاؤ اور ایسا جگٹ بھگاؤ انکو کہ پہلے کبھی کسی گھوڑے کو نہ بھگایا ہو۔"

ہم اُچھل کر اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ باگیں ڈھیلی چھوڑنے سے پہلے میں نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ ہم ایک ڈھلان عبور کر کے آئے تھے جو تین میل دور تھی، ایک پہاڑی اور اسی میدان کی جس میں ہم تھے، گویا حدِّ فاصل تھی۔ سورج اس پہاڑی کے پیچھے غروب ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہر چند کہ ابھی روشنی تھی لیکن اس میدان میں اندھیرے سائے اُبھر آئے تھے۔ چنانچہ میدان میں تو دُور کی چیز نظر نہ آتی تھی البتہ پہاڑی کو عبور کرتی ہوئی کوئی چیز روشن آسمان کے پس منظر میں صاف دکھائی دیتی تھی۔ کم سے کم اس شخص کو جس کی نگاہ تیز ہو۔

اور ہم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ یوں تھا۔

اس پہاڑی کی چوٹی پر سے چھوٹے چھوٹے کھلونوں جیسے جانور صورت سیلاب نیچے اُترے آخری ٹولے کے درمیان ایک شخص نظر آیا جو ایک مضبوط گھوڑے پر سوار تھا جو دوسرے گھوڑے کی لگام پکڑے اپنے پیچھے کھینچے لا رہا تھا۔

"کتوں کا پورا غول ہے" لیو نے کہا "اور راسین اپنے ساتھ دوسرا گھوڑا بھی لایا ہے اب پتہ چلا کہ وہ کیوں چاہتا تھا کہ ہم بھالے ساتھ نہ لیں۔ اور میں سمجھتا ہوں" ہم نے گھوڑے بھگا دیئے تھے۔ چنانچہ اس نے چیخ کر اضافہ کیا۔ "کہ بہت جلد سجری کی خالہ کے متعلق یہ پیشگوئی صحیح ثابت ہو گی کہ اس کا انجام خود اس کے خوف میں اور کربناک موت سے ہو گا۔"

گاڑھے ہوتے ہوئے اندھیرے میں ہم تیزی سے آگے بڑھے امید سے پہاڑ کی طرف۔ یولا بھاگتے ہوئے میں صورت حال پر غور کرنے لگا۔ ہمارے گھوڑے اس سرزمین کے بہترین گھوڑے تھے اور اعلیٰ النسل کے تھے، مضبوط اور تازہ دم تھے،

حالانکہ ہم نے بڑا لمبا سفر طے کیا تھا اب تک لیکن اس سفر میں ہم نے گھوڑوں کو بھگا کر تھکا نہیں مارا تھا۔ لیکن ادھر موت کے کتے بھی یقیناً تازہ دم تھے۔ کیونکہ خان نے یقیناً یہ سوچا ہو گا بلکہ اس کا اسے یقین ہو گا کہ وہ اس وقت جب ہم سو رہے ہوں گے، بے خبری میں ہم پر آ پڑے گا۔ چنانچہ وہ کتوں کو آہستہ آہستہ اور اطمینان سے لا رہا تھا، راستے میں ایک ایک بستی میں اس نے ہمارے متعلق پوچھا ہو گا اور جب آخری گاؤں پیچھے چھوٹ گیا ہو گا تو اس کے بعد ہی اس نے کتوں کو ہماری بو پر لگا دیا ہو گا۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ دو گھوڑے تھے اور ہمارے خیال میں اس کے پیچھے پیچھے اس کے سپاہی بھی چلے آ رہے تھے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ سپاہیوں کے متعلق ہمارا خیال غلط تھا۔ کیونکہ راسین اکیلا ہی اس ظالمانہ شکار سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ اب صاف ظاہر تھا کہ جب تک ہم جلد از جلد کسی ایسی جگہ نہ پہونچ جائیں جہاں آنے کی خان جرأت نہ کر سکے۔ تب تک ہمیں سخت خطرہ لاحق تھا، ایسی جگہ تھی اس پہاڑ کی ڈھلان جو بہت دور تھی، کئی میل دور۔ یہ تو صاف بات تھی اگر ہم پہاڑ تک نہ پہونچ سکے تو پھر راسین ہمیں آ لے گا اور پھر نتیجہ معلوم۔ چنانچہ انحصار اسی بات پر بھی تھا کہ کتے تھک جائیں اور پھر آگے کر ہمارا تعاقب نہ کریں۔

لیکن اس دوسری بات کی امید بہت کم تھی کیونکہ یہ کتے غیر معمولی طور پر تیز و طرار اور مضبوط تھے۔ اور درندہ صفت تھے کہ ایک دفعہ خون، جو ہمارے گھوڑوں کے سموں میں لگا ہوا تھا، کی بو پا کر تھکن سے چور ہو کر راستے میں ہی ڈھے سکتے اور مر سکتے تھے لیکن تعاقب سے باز نہ آ سکتے تھے۔ ان کتوں کے متعلق خانیہ اور سیجری نے اکثر دفعہ ہم سے یہی کہا تھا۔ ایک اور امید بھی تھی۔ شاید یہ کتے بھول جائیں یا کسی جگہ پہونچ کر بو کو نہ پا سکیں۔ لیکن ان کی خصوصیات اور فطرت کے پیشِ نظر

یہ بات ناممکن نظر آتی تھی۔ انگلستان کے معمولی کتے لومڑی یا خرگوش کی بُو گھنٹوں تک نہیں بھولتے اور شکار کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور یہ کتے تو قطعی مختلف تھے۔ اور بُو بھی ایسی مخصوص تھی جو گھنٹوں تک نہیں بلکہ دنوں تک فضا میں رہتی تھی۔ آخری اُمید۔۔۔ اگر مجبوراً ہمیں اپنے گھوڑے چھوڑنے پڑے تو بہت ممکن تھا کہ ہم بچ جائیں، کتے گھوڑوں پر ٹوٹ پڑیں، لیکن وہ بھی اس صورت میں اس وسیع و عریض میدان میں ہمیں چھپنے کی کوئی جگہ مل جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہم دیکھ لئے جائیں گے، ہماری بو پالی جائے گی اور پھر۔۔۔۔؟

نہیں صورت حال نازک تھی اور واقعات امید افزا نہ تھے۔ لیکن پہلے بھی اکثر دفعہ ایسا ہی ہوا تھا اور ناامیدی میں امید پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت ہم تین میل آگے تھے اور ہو سکتا تھا کہ پہاڑ سے ہمارے لیے مدد آ جائے کوئی غیبی امداد، چنانچہ ہم نے رفتار تیز کر دی اور حقیقت میں تیر کی طرح اڑے کہ جہاں تک روشنی ہے اس میں جتنا زیادہ فاصلہ طے ہو سکتا ہے طے کر لیں۔

لیکن روشنی تھوڑی دیر بعد ختم ہو گئی۔ اور چونکہ چاند پہاڑ کے پیچھے تھا اس لیے رات اندھیری ہی تھی۔

کتے ہمارے قریب آ گئے کیونکہ اندھیرے میں جو ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکتا تھا، ہم اپنے گھوڑوں کو تیز نہ بھگا سکتے تھے کیونکہ خوف تھا کہ وہ کہیں ٹھوکر کھا کر گر نہ پڑیں یا لنگڑے نہ ہو جائیں اور تب ایسا ہوا کہ ہمارے کلون آنے کے بعد دوسری دفعہ کوہ آتشیں پر شعلہ بھڑکا۔ جب ہم نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا تو اس کی شعاع چٹان پر کے حلقے میں سے نکل کر فضا میں دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ اور اس دفعہ بھی یہ شعاع ہمارے سروں پر سے گزری، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آتشیں تلوار فضا میں معلق ہو۔ لیکن اب چونکہ ہم اس کے منبع کے قریب تھے

اس لیے ہم پر اسرار اور نرم دودھیا روشنی میں نہا گئے جس طرح کہ موسم گرما میں سطح سمندر پر فاسفوروس کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

اس غیر ارضی روشنی نے، جو ہر چند کہ دھندلی تھی، ہماری بڑی مدد کی سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو خان اور اس کے کتوں نے ہمیں آلیا تھا۔ کیونکہ یہاں زمین سخت ناہموار تھی اور جگہ جگہ گڑھے اور سوراخ تھے جو صحرائی گلہریوں نے بنائے تھے۔ چنانچہ ہم کو پوں پہاڑ سے غیبی مدد بھیجی گئی۔ یہاں تک کہ چاند طلوع ہوا اور ساتھ ہی آتش فشاں کی آگ جس تیزی سے نمودار ہوئی تھی اسی تیزی سے غائب ہو گئی اور اب پہاڑ پر کچھ نہ تھا سوائے اس دھوئیں کے جس میں ہلکی سی سرخی تھی۔

شکار کا تعاقب کرتے اور بھونکتے ہوئے کتوں کی آوازوں کو عموماً موسیقی یا راگ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ لیکن میں نے اکثر و بیشتر سوچا ہے کہ اس ہرن یا لومڑی کے کانوں کو، جو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا ہو، یہ موسیقی کیسی معلوم ہوتی ہو گی۔ اس وقت میں کیا جانتا تھا کہ کبھی ہم پر بھی یہ وقت پڑے گا۔ مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل رہا تھا کیونکہ اب ہم شکار تھے، شکاری کتے ہمارے پیچھے آرہے تھے اور اس موسیقی کو اب ہم سن رہے تھے چنانچہ اب میں یقین سے کہتا ہوں کہ پوری دنیا میں کوئی آواز اتنی بھیانک اور ایسی مہیب ہو ہی نہیں سکتی۔ اب یہ آوازیں بہت قریب آ گئی تھیں اور رات کی مکمل ترین خاموشی میں یہ مزا ترجمہ معلوم ہو رہی تھیں۔ سارے کتے ایک ساتھ بھونک رہے تھے لیکن حیرت ہے کہ میں ایک ایک کتے کی آواز الگ الگ سن اور پہچان رہا تھا۔ خصوصاً ایک آواز جو گہری اور روتی ہوئی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ یہ وہی آواز تھی جو ہم نے اس وقت سنی تھی جب ہم کشتی میں تھے اور خان اپنے کتوں کے ساتھ اس رئیس کا تعاقب کر رہا تھا جو خانیہ سے

محبت کرنے کی غلطی کر بیٹھا تھا جب کتوں کا یہ غول ہمارے سامنے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ یہ خاص قسم کی گہری اور روتی ہوئی آواز اس کتے کے منہ سے نکل رہی تھی جو سب سے آگے تھا، جو دوسرے تمام کتوں سے زیادہ بڑا تھا، سرخ رنگ کا تھا، کان کوئلے کی طرح کالے تھے اور دانت ہاتھی دانت کی طرح چمک رہے تھے اور اس کا منہ دہکتے ہوئے بھاڑ کی طرح تھا۔ مجھے اس کتے کا نام بھی معلوم تھا اس کتے پر خان کو فخر تھا چنانچہ اس نے اس کتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اسے 'استاد' کہا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف یہی نہیں کہ کوئی کتا اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا بلکہ خان نے مجھے مطلع کیا تھا، یہ کتا تن تنہا ایک مسلح آدمی کو مار سکتا تھا۔

اب جب کہ میں نے اس کی آواز کو پہچانا تو چونکا۔ کیونکہ اس آواز سے پتہ چلتا تھا کہ خان کا یہ پسندیدہ کتا "استاد" ہم سے صرف نصف میل دور تھا۔

چاندنی پھیلی تو ہم نے اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی اور پھر یہاں چونکہ زمین بھی ہموار تھی اور ایک قسم کی خشک گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی اس لئے آئندہ دو گھنٹوں میں ہم اپنے اور تعاقب کرتے ہوئے کتوں کے درمیان فاصلہ بڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں پر صرف دو گھنٹے تھے جو ہمیں دو صدیاں معلوم ہوئے پہاڑ کی ڈھلانیں اب دس میل سے زیادہ دور نہ تھیں۔ لیکن اب ہمارے گھوڑے تھکنے لگے تھے۔ اب تک یہ بے زبان جانور بوجھ سہار کے خوب بھاگے تھے۔ حالانکہ ہم ہلکے پھلکے نہ تھے۔ لیکن کب تک؟ اب ان بیچاروں کی قوت جواب دینے لگی تھی۔ ان کے جسم پسینے میں شرابور تھے، ان کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، وہ ہانپ رہے تھے، ہوا کی طلب میں جیسے ان کے پھیپھڑے پھٹے جا رہے تھے، وہ لڑکھڑا رہے تھے اور ہمارے چابک کے باوجود اپنی رفتار بڑھا نہ سکے

تھے یا اب تک وہ سرپٹ بھاگے تھے۔ لیکن اب بھاگنے کے بجائے چل رہے تھے۔ اور میں نے سوچا کہ کوئی دم میں یہ ٹھہر جائیں گے۔

ہم نے زمین کا ایک چھوٹا سا ابھار طے کیا۔ یہاں سے زمین جو سنگلاخ اور جھاڑیوں سے بھری ہوئی تھی، نیچے اترتی تھی۔ اس ڈھلان کے نیچے، چنانچہ ہمارے نیچے اور چند میل دور دریا بہہ رہا تھا جو پہاڑ کے قدم چومتا ہوا اور اسے گھیرے میں لیتا ہوا بہہ رہا تھا۔

اس ڈھلان کو ہم نے تھوڑا ہی سا طے کیا تھا کہ سامنے دو بڑے بڑے پتھر آ گئے۔ چنانچہ دوسری طرف جانے کے لئے ہمیں مجبوراً گھومنا پڑا۔ یوں گھوم کر ہم پتھروں کے ایک پہلو کی طرف آ گئے اور تب ہم نے دیکھا کہ کتے ہم سے صرف تین سو گز دور تھے۔ اور پتھروں پر سے کود کود کر بھاگے آ رہے تھے۔ اب ان کی تعداد بہت کم تھی چنانچہ معلوم ہوا کہ زیادہ تر کتے تھک ہار کر کہیں پیچھے ہی رہ گئے تھے اور تعاقب سے باز آ گئے تھے پھر بھی زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پیچھے ہی پیچھے خان گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا اور اس کے ساتھ دوسرا گھوڑا نہ تھا۔ شاید اب وہ اس دوسرے گھوڑے پر سوار تھا اور پہلا نڈھال ہو کر کہیں راستے میں ہی ڈھے گیا تھا۔

ہمارے گھوڑوں نے بھی انھیں دیکھ لیا اور انھیں پر لگ گئے کیونکہ غالباً شروع سے ہی جانتے تھے کہ یہ زندگی اور موت کی دوڑ ہے اور ان کی تیز رفتاری پر ہی ان کی زندگی کا انحصار تھا۔ یہ میں نے اس قدر یقین سے اس لیے کہا ہے کہ جب بھی بھونکنے کی آواز قریب آتی تو ہمارے گھوڑے کانپ اٹھتے۔ یہ کپکپی وہ نہ تھی جو عموماً گھوڑوں پر شکار کا تعاقب کرتے ہوئے طاری ہوتی ہے لیکن یہ کپکپی خوف کی تھی۔ میں نے اکثر گھوڑوں کو یوں خوف سے کانپتے اس وقت دیکھا ہے جب شیر کی دہاڑ کہیں قریب ہی سنائی دیتی ہے۔

وہ یوں برق رفتاری سے بھاگ رہے تھے جیسے انھیں تازہ دم اصطبل سے لایا گیا ہو۔ اور پورے چار میل تک وہ اسی طرح بھاگتے چلے گئے۔ اب دریا زیادہ دور نہ تھا۔ کیونکہ ہم اس کے پانی کا شور صاف سُن رہے تھے۔

اب رفتہ رفتہ کتوں کا غول قریب آگیا۔ اس وقت ہم جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ جھاڑیوں کے پیچھے کھلا میدان تھا۔ ہم اس میدان میں دو سو گز ہی آگے بڑھے تھے کہ میں نے دیکھا کہ اب گھوڑے پوری طرح تھک گئے تھے اور کسی قابل نہ رہ گئے تھے۔ چنانچہ میں نے چیخ کر لیو سے کہا۔

"گھوڑے کو واپس موڑ لو اور جھاڑیوں میں چھپ جاؤ۔"

خود میں نے بھی ایسا ہی کیا اور ابھی ہم جھاڑیوں میں پہونچ کر گھوڑوں سے اترے ہی تھے کہ کتوں کا غول آگیا۔ وہ ہم سے کوئی پچاس گز کے فاصلے سے بُو سونگھتے ہوئے گزر گئے۔ وہ بھاگ تو رہے تھے لیکن اب خاموش تھے۔ کیونکہ اب شاید بھونکتے بھونکتے تھک گئے تھے۔

"لیو! بھاگو" کتے آگے بڑھ گئے، تو میں نے کہا۔ "کیونکہ وہ آگے جا کر لوٹ آئیں گے اور بو سونگھتے اسی طرف آئیں گے۔"

چنانچہ ہم، جس طرف کتے گئے تھے اس راستے سے ہٹ کر دائیں طرف مڑ لئے تاکہ اسی راستے نہ جائیں جس طرف سے آئے تھے۔

خوش قسمتی سے سو گز دور ایک چٹان تھی اور اس سے پہلے کہ کتے ایک بار پھر گھوڑوں کے نقشِ قدم پر لوٹ آتے ہم اس چٹان تک پہونچ چکے تھے۔ چنانچہ کتوں نے ہمیں نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ کتے اسی جگہ پہونچ کر جہاں سے ہم نے اپنے گھوڑوں کو موڑا تھا، لوٹے، واپس آئے، جھاڑیوں کے قریب آئے اور ان کے پیچھے چلے گئے۔ اور تب ہم بھاگے اور جہاں تک ممکن تھا دور پہونچ گئے۔ بھاگتے بھاگتے

میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا ہمارے دونوں گھوڑے جو بیچارے تھک گئے تھے واپس اسی راستے پر جا رہے تھے جس طرف سے آئے تھے جیسا کہ میں نے کہا وہ پوری طرح سے تھک چکے تھے۔ لیکن چونکہ اب ہم ان پر سوار نہ تھے اس لیے وہ خوشی خوشی زمین کے اس ابھار کی طرف بھاگ رہے تھے جسے عبور کر کے ہم آئے تھے، وہ کتوں سے آگے تھے لیکن ہم جانتے تھے کہ وہ زیادہ دیر تک ان سے بچ نہ سکیں گے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ خان نے خالی گھوڑوں کو دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ ہم نے انتہائی مایوسی کے عالم میں گھوڑوں کو چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے کتوں کو پکار رہا اور واپس بلا رہا تھا لیکن اب تک اسے کامیابی نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ کتے اپنے شکار کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔

یہ سب کچھ میں نے ایک اچٹتی ہوئی نظر میں دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ منظر اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ مجھے آج تک یاد ہے۔ وہ عظیم الشان برف پوش چوٹی جس میں سے سرخ دھوئیں کا ستون سا اٹھ رہا تھا۔ جس کا سایہ وسیع و عریض میدان میں دور تک پڑ رہا تھا، وہ چٹیل میدان جس میں چٹانیں کھڑی تھیں اور جھاڑیوں کے پیوند تھے، وہ اجل رسیدہ اور تھکے ہوئے گھوڑے جو اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی رہی سہی قوت صرف کر کے بھاگے جا رہے تھے، کتوں کا غول جو ان کا تعاقب کر رہا تھا اور ان کے درمیان اور اس وسیع و عریض میدان میں تنہا اور بودا سا نظر آتا ہوا خان اور اس کا گھوڑا جس کی کالی جلد پر پسینے کا جھاگ چمک رہا تھا اور پھر اوپر نیلا اور صاف آسمان جہاں پورا چاند یوں روشن تھا کہ دنیا کی ٹھنڈی روشنی میں ہر چیز بھی صاف نظر آتی تھی۔

نہ صرف میری جوانی پیچھے چھوٹ گئی تھی بلکہ اب میں ادھیڑ عمر سے بھی آگے بڑھ گیا تھا اور حالانکہ اب بھی میں جسمانی طور پر خاصا مضبوط تھا۔ تاہم پہلے کی طرح دوڑ نہ

سکتا تھا۔ اس کے علاوہ میں تھکا ہوا بھی تھا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اتنا طویل سفر کرنے کے بعد میرے اعضا اکڑ سے گئے تھے چنانچہ میری رفتار اطمینان بخش نہ تھی اس پر ستم یہ ہوا کہ مجھے ٹھوکر لگی اور پیر زخمی ہو گیا۔ چنانچہ میں نے لیو سے کہا کہ وہ میری پرواہ نہ کرے، مجھے یہیں چھوڑ دے اور خود آگے بھاگ جائے کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ ایک دفعہ ہم دریا میں اتر جائیں تو پھر کتے ہماری بو نہ پا سکیں گے اور اس کے بعد زندگی کی امید بندھ جائے گی۔ لیکن اس وقت میں نے اس بڑے کتے کی آواز سنی جس کا نام "استاد" تھا۔ اور دوسری آواز سننے کا منتظر رہا۔ کتے ہمارے قریب پہنچ گئے تھے۔ میں نے سمجھ لیا کہ خان لوٹ پڑا ہے اور اب ہمارے تعاقب میں آرہا ہے

چنانچہ اب ہمارا انجام قریب تھا۔

"لیو! بھاگو،" میں نے کہا "میں کم سے کم چند منٹوں تک تو انھیں روک رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور تمہیں فرار کا موقع مل جائے گا۔ جس کی تلاش میں ہم چلے ہیں وہ تمہاری ہے، میری نہیں۔ ائشہ تمہارا انتظار کر رہی ہے، میرا نہیں اور پھر میں زندگی سے تھک بھی گیا ہوں۔ جاؤ لیو! بھاگو! میں تو اب مرنا چاہتا ہوں۔"

لیو نے پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا اور بہ یک وقت نہیں بلکہ رک رک کر جب کہ میں لیو کا بازو پکڑے لڑکھڑاتا ہوا اس کے ساتھ چل رہا تھا لیکن لیو نے بے حد نیچی آواز میں جواب دیا،

"خاموش رہو ہالی! ورنہ وہ تمہاری آواز سن لیں گے۔"

اور وہ مجھے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا ..... آگے بڑھ گیا۔

اب ہم دریا کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ کیونکہ ہمارے عین نیچے پانی چمکتا نظر آرہا تھا اور میں جی بھر کر پانی پینا چاہتا تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ پیاس کی وجہ سے اس وقت میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ پانی پیوں اور پیتا رہوں۔

لیکن کتے اب اور بھی قریب آ گئے تھے اتنے قریب کہ ہم خشک و سخت زمین پر انکے پیروں اور خان کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن رہے تھے۔ دریا کا کنارہ جہاں شروع ہوتا تھا وہاں ایک ابھار پر چٹانیں تھیں ہم وہاں پہونچے تو لیو نے کہا۔

"ہالی! اب کوشش بیکار ہے ہم پانی تک نہیں پہونچ سکتے۔ چنانچہ اب یہیں ٹھہر جاتے ہیں آگے جو ہوگا سو دیکھا جائے گا۔"

چنانچہ ہم گھوم گئے اور چٹان سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، اور ہمارے سامنے کوئی سو گز دور موت کے کتے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ صرف تین تھے، دوسرے کتے گھوڑوں کے تعاقب میں گئے تھے اور شاید یہاں سے بہت دور انھوں نے گھوڑوں کو جا لیا تھا اور اب وہ کتے شاید ہمارے رہواروں کو بھنبھوڑ رہے اور کھا رہے تھے۔ چنانچہ کتوں کا پورا غول یہاں نہ تھا۔ یہاں صرف تین کتے تھے۔ اور وہ دیوانہ خان تھا جو گھوڑے پہ سوار تھا۔ لیکن یہ تین کتے۔ ایک تو وہ سرخ رنگ کا اور کالے کانوں والا استاد اور دوسرے ــ بڑے ہی خونخوار اور جگادری تھے۔

"ہالی!" لیو نے کہا۔ "وقت آ گیا ہے۔ تم کتوں کو سنبھالو اور میں خان سے نپٹتا ہوں۔" وہ جھکا اور مٹی اٹھا کر ہاتھوں پر مل لی۔ کیونکہ ہتھیلیاں پسینے سے تر تھیں، میں نے اس کی تقلید کی پھر ہم دائیں ہاتھ میں بھالا اور بائیں میں چاقو لیکر تیار اور منتظر کھڑے رہے۔

اب کتوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا چنانچہ وہ غراتے اور بھونکتے ہماری طرف بھاگے آ رہے تھے۔ وہ تیزی سے آئے اور میں یہ اعتراف کرتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں کر رہا ہوں کہ میں خوف سے لرز گیا کیوں کہ یہ کتے مجھے شیر ہی کے قد و قامت کے اور اتنے ہی خونخوار معلوم ہوئے۔ ایک کتا جو دوسرے دو سے قد و قامت میں نسبتاً

چھوٹا تھا، اپنے دو ساتھیوں سے آگے بڑھ آیا، پتھر پر چڑھا اور وہاں سے اس نے سیدھی میرے حلق پر چھلانگ لگا دی۔

کیوں اور کیسے یہ میں نہیں جانتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ جبلّی طور پر یا موقع کی نزاکت کے پیش نظر میں بھی اس کی طرف لپکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سیدھا میرے بھالے پر آ پڑا جسے میں نے اپنے جسم کی پوری قوت صرف کر کے آگے بڑھا دیا تھا بھالے کا پھل اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان گھس گیا اور خود کتّے کے دھکے سے میں بھی نیچے آ رہا لیکن جب میں اٹھ کھڑا ہوا ہوں تو دیکھا کہ کتّا زمین پر لوٹ رہا اور بھالے پر منہ مار رہا تھا یہاں میں یہ بتا دوں کہ بھالا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

دوسرے دو کتّے لیو پر جھپٹے تھے۔ لیکن اسے دبوچنے میں ناکام رہے تھے البتہ اس میں سے ایک نے اس کے چغے دبوچ کر اس کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر الگ کر دیا تھا لیو نے بیوقوفی یہ کی کہ اپنا بھالا پھینک کر مارا لیکن نشانہ خطا کر گیا بھالا کتّے کے پیٹ کے نیچے سے نکلا چلا گیا اور زمین میں گڑ گیا۔ ان دونوں کتوں نے دوسرا حملہ فوراً ہی نہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے مرتے ہوئے ساتھی کو دیکھ کر دونوں کتّے رک گئے تھے۔ بہر حال وہ کچھ دور کھڑے غرّا رہے تھے اور چونکہ ہمارے بھالے ہمارے پاس نہ تھے اس لیے وہ فی الحال محفوظ تھے۔

اب خان بھی آ پہونچا تھا اور گھوڑے پر بیٹھا خشم ناک نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا اور اس کا چہرہ غیظ و غضب سے بگڑ کر ایسا ہو گیا تھا جیسے شیطان کا چہرہ ہو۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ لیکن جب میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔ نفرت حسد اور اتنے طویل تعاقب نے اسے پوری طرح پاگل کر دیا تھا اور وہ مارنے مرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ گھوڑے پر سے اتر آیا اور اپنی چھوٹی سی تلوار کھینچ لی، کیونکہ یا تو

اس کا بھالا کہیں گر پڑا تھا یا پھر وہ بھالا لیکر چلا ہی نہ تھا، اور کتوں کو شسکار کر تلوار سے میری طرف اشارہ کیا۔ میں نے کتوں کو اپنے اوپر چھلانگ لگاتے اور خود خان کو لیو پر حملہ کرتے دیکھا۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پھر کیا ہوا؟

میرا چاقو دستے تک ایک کتے کے جسم میں اتر گیا، وہ زمین پر گر پڑا اور اٹھ نہ سکا کیونکہ اس کے جسم کا پچھلا حصہ بیکار ہو گیا تھا۔ وہ زمین پر گر پڑا چیخ چلا رہا تھا اور اپنے جبڑے کھول کر میری طرف آنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن دوسرے کتے نے، اور یہ وہی شیطان استاد تھا، میرا دایاں بازو نیچے کہنی سے پکڑ لیا۔ اس کے جبڑوں کی آہنی گرفت میں مجھے اپنی ہڈی چٹختی محسوس ہوئی اور تکلیف دہشت سے، کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے، چاقو میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اب میں ہٹتا تھا اس شیطان نے مجھے چٹان پر سے گھسیٹ لیا اور اب وہ مجھے جھنجھوڑ اور جھنجھوڑ رہا تھا۔ حالانکہ میں پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لاتیں جما رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل گرا اور اتفاقاً میرا بایاں ہاتھ ناریل جتنے بڑے ایک پتھر پر جا پڑا۔ میں نے یہ پتھر اٹھا لیا، کوشش کر کے خود بھی اٹھا اور یہ پتھر اندھا دھند اس کی کھوپڑی پر مارنے لگا۔ لیکن اب بھی اس نے میرا بازو نہ چھوڑا اور یہ اچھا ہی ہوا تھا کیونکہ اگر وہ میرا بازو چھوڑ دیتا تو دوسری دفعہ میرا حلقوم پکڑ لیتا۔

ہم دونوں۔ یعنی ایک کتا اور ایک انسان۔ آپس میں گتھم گتھا تھے، چک پھیریاں کھا رہے تھے اور ادھر ادھر لڑکھڑا رہے تھے۔ یونہی ایک چک پھیری میں میں نے دیکھا کہ لیو اور خان ایک دوسرے سے لپٹے زمین پر لڑھکنیاں کھا رہے تھے۔ دوسری دفعہ دیکھا کہ خان چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور میری طرف دیکھ رہا ہے۔ فوراً ہی یہ خیال میرے دماغ میں آیا کہ اس نے لیو کو ختم کر دیا ہے اور اب اطمینان سے بیٹھا کتے کو مجھے جھنجھوڑتے اور میری جان لیتے دیکھ رہا ہے۔

عین اس وقت جب کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا کوئی چیز کود کر میری طرف آئی اور میں نے دیکھا کہ کتے کا پورا جسم زمین پر سے اُٹھ گیا، اس کے جبڑے کھل گئے اور میرا بازو اس کی گرفت سے آزاد ہو کر پہلو پر لٹک گیا۔ وہ بگا دری کتا زمین سے اوپر ہوا میں گول گول گھوم رہا تھا۔ لیو نے اس کی پچھلی ٹانگیں پکڑ رکھی تھیں اور اپنی زبردست قوت کو بروئے کار لا کر اسے گھما رہا تھا۔

ڈھک کی آواز آئی۔ لیو نے اس کا سر چٹان پر دے مارا تھا اور اب وہ کتا مردہ پڑا ہوا تھا۔ سرخ و سیاہ ایک لوتھڑا سا۔

یہ عجیب بات ہے کہ میں بے ہوش نہ ہوا۔ میرا خیال ہے کہ تکلیف اور شدید درد نے مجھے بے ہوش نہ ہونے دیا۔ کیونکہ میں نے ہانپتے ہوئے لیو کو بڑی سنجیدگی سے کہتے سنا۔

"چلو یہ قصہ تو ختم ہوا اور میں نے بوڑھے شامن سیمری کی پیشینگوئی بھی پوری کر دی ہے۔ تاہم آؤ، دیکھ کر اطمینان کر لیں۔"

اور وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر ایک چٹان کے قریب لے گیا۔ وہاں چٹان سے ٹیک لگائے خان بیٹھا تھا ابھی اس میں جان باقی تھی۔ لیکن وہ ہاتھ پیر نہ ہلا سکتا تھا۔ دیوانگی کے آثار اس کے بشرے پر زائل ہو چکے تھے۔ اس نے اداس آنکھوں سے، بیمار بچے کی سی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا۔

"تم بہت بہادر لوگ ہو" اس نے کمزور آواز میں کہا۔ "اور طاقتور بھی کہ ان کتوں کو مار ڈالا اور میری ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔ تو اس بوڑھے سیمری نے جو پیشینگوئی کی تھی وہ آخر کار پوری ہوئی۔ بہرحال مجھے تمہارا انہیں بلکہ اطمینہ کا شکار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب وہ میرا بدلہ لینے کے لیے زندہ ہے۔ لیکن یہ بدلہ وہ میرا نہ لے گی بلکہ اپنی توہین کا لے گی۔

سنہری داڑھی والے وہ بھی تمہارا تعاقب کر رہی ہے اور ان کتوں کے ساتھ جو میرے ان کتوں سے زیادہ خونخوار ہیں اور وہ کتے ہیں اس کے بھڑکے ہوئے اور ٹھکرائے ہوئے جذبات۔ سنہری داڑھی والے تم مجھے معاف کر دو اور پہاڑ کی طرف بھاگ جاؤ جہاں تم سے پہلے میں پہونچ رہا ہوں۔ وہاں ایک ایسی ہستی رہتی ہے جو اطینہ سے زیادہ طاقتور ہے۔"

پھر اس کا جبڑا کھل گیا اور منہ کا ڈھلک گیا۔

خانیہ کا شوہر اور کلوئن کا دیوانہ خان مر چکا تھا۔

بارھواں باب

پیغامبر

"خان مرگیا۔" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "اور اس کے چلے جانے سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

"خود دنیا نے اس بیچارے کو کیا دیا تھا؟" لیو نے جواب دیا جو تھکن سے چور ہو کر زمین پر لیٹ گیا تھا۔ "چنانچہ اب اس غریب کی برائی کرنے سے کیا فائدہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے یہ ایسا برا نہ ہو گا۔ اس بوڑھے سیمی اور خانیہ نے اسے دیوانہ بنا کر ایسا بنا دیا تھا۔ بہرحال وہ بہادر تھا اور میں ایسے آدمی سے مقابلہ نہ ہونے کی دعا مانگ رہا ہوں۔"

"تمہارا اس کا معاملہ کیا رہا تم اسے ختم کرنے میں کس طرح کامیاب ہوئے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے مجھ پر تلوار کا وار کیا تو میں غوطہ مار کر اس کی کمر سے لپٹ گیا اور اسے

اُٹھا کر اس پتھر پر دے مارا۔ میں نے کوئی داؤں نہیں چلایا۔ اپنی جسمانی قوت سے کامیاب رہا۔ بے شک یہ ٹیڑھا لمانہ فعل تھا لیکن کیا کرتا کہ موت و زیست کا سوال تھا۔ اس کی زندگی یا میری زندگی۔ اور اس خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اب یہ تمہاری بھی خوش قسمتی تھی کہ میں نے اسے جلد ہی ٹھکانے لگا دیا اور تمہیں اس دوزخی کتے سے بچا لیا ورنہ یقیناً وہ تمہارا حلق ادھیڑ دیتا۔ سچ کہنا ایسا زبردست کتا تم نے کبھی دیکھا ہے؟ ایک گدھے جتنا تھا۔ تمہیں زیادہ زخم تو نہیں آئے ہولیس؟"

"صرف میرا بازو کمبخت نے کہنی کے قریب سے چبا لیا ہے اور تو کوئی زخم نہیں آیا۔ آؤ جلدی دریا پر چلیں۔ اگر مجھے جلد ہی پانی نہ ملا تو شاید میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ کتوں کا غول کہیں قریب ہی ہوگا۔ اور اس غول میں پچاس سے کم کتے نہ ہوں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ کتے اب ہمیں پریشان نہ کریں گے کیونکہ وہ ہمارے گھوڑوں کو بھنبھوڑ رہے ہوں گے۔ ایک منٹ۔ میں ابھی آیا۔"

وہ اٹھا اور خان کی تلوار اٹھالی۔ بے حد خوبصورت اور قدیم ہتھیار تھا یہ اور ایک وار میں اس کتے کا خاتمہ کر دیا۔ جسے میں نے زخمی کیا تھا اور جو اب ہماری طرف دیکھ دیکھ کر غرا رہا تھا اور دانت کٹکٹا رہا تھا۔ اس طرف سے فرصت پا کر اس نے دونوں بھالے اور میرا چاقو اٹھالیا اور کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ان کی ضرورت پڑ جائے۔ بغیر کسی دقت کے خان کا گھوڑا پکڑ لیا جو گردن جھکائے قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ اس خوفناک لڑائی سے ڈر کر بھاگ نہ سکا تھا۔

"ہولیس!" لیو نے کہا۔ "تم اس پر سوار ہو جاؤ کیونکہ تم پیدل چلنے کے قابل نہیں رہ گئے ہو۔"

کر خان کے گھوڑے پر سوار کرا دیا۔
اور لیو نے مجھے سہارا دے کر خان کے گھوڑے پر سوار کرا دیا۔

اب لیو نے گھوڑے کی باگ شانے میں پہن لی اور آگے چلا۔ گھوڑا انتہائی تکلیف سے چل رہا تھا کیونکہ اس کی ٹانگیں اکڑ سی گئی تھیں۔ ہم دریا کی طرف جا رہے تھے جو پاؤ میل سے زیادہ دور نہ تھا۔ لیکن چونکہ میں تکلیف اور تھکن سے نیم جان ہو رہا تھا اس لیے مجھے یہ پاؤ میل فاصلہ صبر آزما حد تک طویل معلوم ہوا۔

بہر حال ہم کسی نہ کسی طرح دریا تک پہونچ گئے۔ اپنے زخموں کی تکلیف بھول کر میں گھوڑے پر سے کود پڑا۔ لب آب پیٹ کے بل لیٹ گیا، اپنے ہونٹ سطح آب پر رکھ دیئے اور بے تحاشہ پانی پینے لگا اور پیتا ہی چلا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اتنا بہت سا پانی میں نے اپنی عمر میں کبھی نہ پیا تھا اور پہلے کبھی کوئی چیز، کوئی مشروب اس قدر خوش ذائقہ معلوم نہ ہوا تھا۔ جتنا کہ اسوقت یہ پانی اور اس کا ہر گھونٹ معلوم ہو رہا تھا۔ جب میں اپنی پیاس بجھا چکا تو اپنا سر پانی میں ڈبو دیا اور پھر پہلو بدل کر اپنا زخمی بازو پانی میں لٹکا دیا۔ اور میری تکلیف ٹھنڈے پانی میں جذب ہوتے محسوس ہوئی۔

کچھ ہی دیر بعد لیو اٹھا۔ اس کی داڑھی اور چہرے سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"ہورلیس! اب کیا کیا جائے؟ دریا کا پاٹ کافی چوڑا معلوم ہوتا ہے سو گز سے زیادہ چوڑا۔ پانی زیادہ گہرا تو نہیں معلوم ہوتا تاہم ہو سکتا ہے کہ بیچ میں گہرا ہو۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے؟ دریا ہم اسی وقت عبور کرنے کی کوشش کریں، اس صورت میں ڈوب جانے کا امکان ہے، یا صبح تک یہیں ٹھہر جائیں اور کتوں کا خطرہ مول لیں؟"

"ابھی دریا کو عبور کرنا تو الگ، ہے اس وقت تو ایک قدم بھی چلنے کی جگہ

میں سکت نہیں۔" میں نے مردہ آواز میں کہا۔

کنارے سے کوئی تیس گز دور ایک جزیرہ تھا جس پر نرکل اور گھاس اُگ رہی تھی۔

"شاید ہم اس جزیرے پر پہونچنے میں کامیاب ہو جائیں۔" لیو نے کہا۔ "تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔ میں وہاں پہونچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

میں بدقسمت تمام اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ لیو آہستہ سے پانی میں اترا اور پھر قدم پر بچا کا پانی میں ڈالتا اور یوں گہرائی ناپتا آگے بڑھا۔ پانی اتھلا تھا۔ وہ کسی جگہ اس کے گھٹنوں سے اوپر نہ آیا۔ چنانچہ ہم بغیر کسی مشکل کے جزیرے پر پہونچ گئے۔

یہاں لیو نے مجھے نرم گھاس پر لٹا دیا اور پھر کنارے پر جا کر باقی ہتھیار اور سیاہ گھوڑے کو بھی جزیرے پر لے آیا۔ اس نے گھوڑے پر سے زین اتار کر اور اس کی باگ اس کے گھٹنوں سے باندھ کر چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن گھوڑا فوراً لیٹ گیا۔ اس غریب میں اتنی بھی سکت نہ تھی کہ گھاس چر سکتا۔

اب لیو میرے زخموں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ آستین موٹی تھی۔ اس کے باوجود کتے کے دانتوں نے اس موٹے کپڑے کے آرپار پہونچ کر بازو کا گوشت اُدھیڑ دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہڈی بھی شاید ٹوٹ گئی تھی۔

لیو نے نرم نرم گھاس دو مٹھیاں بھر کر توڑ لیں، بازو پر کے زخم دھوئے، اُن پر رومال باندھا اور پھر اس پر نرم گھاس گیلی لپیٹ دی، اس پر دوسرا رومال باندھا پھر نرسلوں کی کھپچیوں کو ٹیکر سہارے کے طور پر بازو پر رکھیں اور اپنے زیر جامے میں سے بہت سی پٹیاں پھاڑ کر ان کھپچیوں پر باندھ دیں۔ جب وہ اس کام میں مشغول تھا تو مجھ پر غنودگی یا شاید غشی طاری ہو گئی کیونکہ اسکے بعد کیا ہوا مجھے کچھ یاد نہیں۔

اسی رات پتہ نہیں رات کے کون سے حصے میں، لیو نے ایک خواب دیکھا جو اس نے

صبح میرے ساتھی نے من وعن بیان کر دیا۔ میرے خیال میں یہ خواب ہی تھا۔ کیونکہ خود میں نے نہ کچھ دیکھا، نہ سنا اور نہ ہی کچھ محسوس کیا۔

خیر تو اس نے جو کچھ دیکھا وہ کچھ یوں تھا ـــــ یہ میں اسی کے الفاظ میں بیان کر رہا ہوں ـــ کہ اس نے ایک بار پھر موت کے کتوں کی آوازیں سنیں جو قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں وہ ہماری بو سونگھتے دریا کی طرف آ رہے تھے کتوں کا وہ پورا غول تھا جس نے ہمارے گھوڑوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اب آ پہونچ کر یہ کتے ٹھہر گئے اور نا خوش ہو گئے۔ یکایک ہوا کا ایک جھونکا مخالف سمت سے آ کر جزیرے پر سے گزرا اور ہوا کے اس جھونکے نے ہماری بو غول کے ایک کتے تک پہونچا دی وہ اپنی تھوتھنی اٹھا کر ایک دفعہ رویا۔ دوسرے کتے اس کے گرد جمع ہو گئے اور ایک دم سے پانی میں کود پڑے۔

یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا، اسے احساس تھا کہ ہماری موت اب یقینی ہے اور قریب ہے۔ اس کے باوجود اس نے اپنے اس خواب پریشاں کے باعث گرفتہ یہ خواب، خواب پریشاں ہی ہو، نہ تو اپنا ہاتھ ہلا سکتا تھا اور نہ ہی مجھے پکار سکتا تھا۔ اس کے اعضا مفلوج و گنگ ہو گئے تھے۔

اور اب جو ہے وہ خواب کا عجیب ترین حصہ ہے بلکہ معجزہ ہے۔

کتے کچھ تیرتے اور کچھ چھلانگیں لگاتے اور ساتھ ہی ساتھ بھونکتے اس جزیرے کے قریب آ گئے جس پر ہم سو رہے تھے کہ یکایک لیو نے دیکھا کہ یہاں ہم اکیلے نہ نہ تھے ہمارے عین سامنے جزیرے کے کنارے پر ایک عورت سیاہ لباس پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ لیو یہ نہ بتا سکا کہ اس کی صورت شکل کیسی تھی کیونکہ ہماری طرف اس کی پشت تھی۔ لیو تو صرف یہ دیکھ سکا کہ وہ اب پہریدار کی طرح کھڑی تھی اس نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا رکھا تھا جس میں وہ کوئی چیز پکڑے ہوئے تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے

کتوں نے ناگہاں اسے دیکھا اور پھر فوراً ہی ایسا معلوم ہوا کہ گتے بے حد خوفزدہ ہو گئے، کیونکہ ان کا رونا اور بھونکنا خوف و دہشت کی چیخوں میں تبدیل ہو گیا۔ ایک دو کتے جو قریب پہونچ گئے تھے ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ دریا میں بہہ گئے۔ بقیہ بدحواس ہو کر پلٹے، دوسرے کنارے پر پہنچے اور دم دبا کر بھاگ گئے۔

پھر وہ کالی حاکمانہ شبیہہ، جسے لیو نے اپنے خواب میں پہاڑ کی محافظ روح سمجھا تھا غائب ہو گئی۔ اس کا تو میں بھی شاہد ہوں کہ وہ پراسرار عورت اپنے قدموں کے نشان بھی نہ چھوڑ گئی تھی۔ کیونکہ صبح اٹھ کر ہم نے اس کے قدموں کے نشان تلاش کئے تھے جو کہیں نظر نہ آئے۔

بازو میں شدید درد محسوس کر کے جب میں نے آنکھیں کھولیں تو پو پھٹ رہی تھی، دریا اور جزیرے پر ہلکا سا کہر چھایا ہوا تھا اور اس کے پردے میں سے لیو کو اپنے قریب گہری نیند سوتے دیکھ رہا تھا اور یہ بھی نظر آیا کہ خان کا سیاہ گھوڑا اٹھ کر گھاس چر رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک بے حرکت پڑا پچھلے واقعات یاد کر کے دل ہی دل میں حیران ہوتا رہا کہ اتنی گزر جانے کے بعد بھی میں نہ صرف زندہ بلکہ بیدار بھی تھا۔ میں یونہی پڑا ہوا تھا کہ بہتے پانی کی گنگناہٹ سے بالا چند ایسی آوازیں سنائی دیں جنہوں نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ یہ انسان کے باتیں کرنے کی آوازیں تھیں۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور نرسلوں کے پیچھے جھانک کر دیکھا اور سامنے، دریا کے کنارے پر دو انسانی سایے نظر آئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور اس کہر میں عظیم الجثہ معلوم ہوتے تھے۔ ان دو میں سے ایک مرد تھا اور دوسری عورت وہ زمین کی طرف اشارہ

کر رہے تھے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہمارے قدموں کے نشانات دیکھ رہے تھے۔ پھر میں نے مرد کو کہتے سنا کہ کتے کوہ آتشیں کے علاقے میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ مرد کی یہ بات مجھے اس وقت پھر یاد آئی۔ جب لیو نے اپنا خواب میرے سامنے بیان کیا تھا فوراً ہی مجھے خود اپنی حالت کا احساس ہوا اور یہ یاد آیا کہ ہم کہاں تھے۔

"اٹھو!" میں نے لیو کو جھنجھوڑ کر سرگوشی میں کہا۔ "اٹھو یار! ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

اب دونوں نے جو کنارے پر تھے لیو کو دیکھ لیا۔ اور ایک شیریں آواز نے کہا۔ "میرے مہمان! ہتھیار رکھ دو۔ کیونکہ ہم تمہیں کوئی نقصان پہونچانے نہیں آئے ہیں۔" یہ خانیہ اطینہ کی آواز تھی اور جو مرد اس کے ساتھ تھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ شامن سحر تھا۔

"ہولیس! اب ہم کیا کریں؟" لیو نے کراہ کر کہا کیونکہ دنیا میں یہی دو ہستیاں ایسی تھیں جن کی صورت وہ دوبارہ دیکھنا نہ چاہتا تھا۔

"کچھ نہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہمارے پاس آ جاؤ!" خانیہ نے سامنے کے کنارے سے کہا۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ہم تمہیں کوئی نقصان پہونچانے نہیں آئے ہیں۔ تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہم اکیلے ہیں۔"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" لیو نے کہا۔ "تاہم یہ ناقابل یقین سی بات معلوم ہوتی ہے ہم جہاں پہونچ گئے ہیں وہیں ہمارا قیام کم سے کم اس وقت تک رہے گا جبتک کہ ہم سفر کے قابل نہ ہو جائیں۔"

اطینہ نے سحر سے کچھ کہا۔ کیا کہا یہ ہم سن نہ سکے۔ کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسے مسئلے پر سحر سے بحث

کر رہی تھی جو اس کے نزدیک اہم تھا۔ لیکن بجری اس سے متفق نہ تھا۔ پھر یکایک دونوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور ہماری طرف آئے۔ جزیرے پر پہنچ کر وہ گھوڑوں پر سے اترے اور اب ہم ایک دوسرے کی صورت تک رہے تھے بوڑھا بجری بے حد تھکا ہوا اور بے چین معلوم ہوتا تھا۔ لیکن خانیہ ہمیشہ کی طرح تازہ دم اور حسین تھی۔ اس کے بشرے پر تھکن اور ہیجان کا شائبہ تک نہ تھا اور خانیہ ہی تھی جس نے اس خاموشی کو توڑا اور کہا۔

"میرے مہمانو! میری آخری ملاقات کے بعد تم نے بڑا طویل سفر حیرت انگیز تیزی سے طے کیا ہے اور راستے میں اپنا بڑا مہیب نشانی چھوڑتے آئے ہو۔ سامنے پتھروں پر ایک لاش پڑی ہے۔ اس کے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے۔ چنانچہ یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس کی جان کاہے سے لی ہے؟"

"ان سے" لیو نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر جواب دیا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا" خانیہ نے کہا۔ "اور میں اس کا الزام تمہیں نہیں دیتی کیونکہ شروع سے یہی لکھا جا چکا تھا کہ اس کی موت اسی طرح ہوگی اور اب قسمت کا وہ لکھا پورا ہوا۔ اس کے باوجود سرزمین کلون میں ایسے لوگ ہیں جنکے سامنے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ تنہا میں تمہیں بچا سکتی ہوں۔"

"یا مجھے دھوکے سے پھنسا سکتی ہو" خانیہ سے لیو نے کہا۔ "خانیہ سچ کہو تم چاہتی کیا ہو؟"

"اپنے سوال کا جواب جو تمہیں مجھے اب سے بارہ گھنٹے پہلے دینا تھا۔ کوئی جواب دینے سے پہلے یہ سن لو کہ تنہا میں تمہیں بچا سکتی ہوں۔ اور وعدہ کرتی ہوں کہ میں نہ صرف تمہیں بچاؤں گی بلکہ مردہ خان کا تاج بھی تمہارے سر پہ رکھوں گی۔"

"خانیہ! تمہیں اپنے سوال کا جواب اس پہاڑ سے مل جائے گا" لیو نے برابر

پہاڑ کی طرف انگلی اٹھا دی "جہاں میں اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے جا رہا ہوں"

خانیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے جواب دیا۔

"وہاں جانا موت کے منھ میں جانا ہے کیونکہ، جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، اس کی حفاظت ایسے وحشی لوگ کر رہے ہیں جو رحم و کرم سے نا آشنا ہیں"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر موت ہی وہ جواب ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔ چلو ہولیس! ہم موت کے پاس چلیں"

"لیو! خانیہ نے جلدی سے کہا" میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ وہاں کوئی عورت نہیں رہتی، ہاں وہاں تمہارے خوابوں کی ملکہ نہیں رہتی، وہاں وہ عورت میں ہی صرف میں جس طرح کہ تم میرے خوابوں کے شہزادے ہو"

"تو پھر تم بھی پہاڑ پر چلو اور وہاں اپنے دعوے کا ثبوت دے دو"

"وہاں کوئی عورت نہیں رہتی" اطینہ نے جلدی سے کہا، وہاں کوئی نہیں رہتا وہاں کچھ نہیں ہے اگر کچھ ہے تو آگ ہے اور ایک آواز ہے"

"کیسی آواز؟"

"آواز ندائے روح ہے جو آگ میں کلام کرتی ہے۔ روح کی آواز جسے دیکھی کسی نے دیکھا ہے اور نہ کبھی کوئی دیکھے گا"

"چلو ہولیس!" لیو نے کہا اور گھوڑے کی طرف بڑھا۔

"گوگو!" بجری نے کہا "یہ کیا حماقت ہے کہ تم جان بوجھ کر موت کے منھ میں جا رہے ہو؟ سنو! میں اس آسیب زدہ پہاڑ پر گیا ہوں کیونکہ وہ میں ہی تھا جو رسم کے مطابق خانیہ کے والد خان کی نعش دفنانے کیلئے وہاں لے گیا تھا اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ بھول کر بھی وہاں کے مندروں میں قدم نہ رکھنا!"

"جہاں تمہاری ملکہ کے بقول ہم پہونچ ہی نہیں سکتے" میں نے طنزاً کہا۔

"بڑے میاں تم نے خبردار کیا ہے۔ اسی کے لیے ہم تمہارے مشکور ہیں۔" لیو نے کہا پھر میری طرف گھوم کر بولا۔

"ہولیس! میں گھوڑے پر زین کستا ہوں۔ تب تک تم ان دونوں پر نظر رکھو۔ مبادا یہ کوئی شرارت کر گزریں۔"

چنانچہ میں نے اپنے زخمی ہاتھ میں بھالا اٹھایا اور مستعد کھڑا ہو گیا۔ لیکن انھوں نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ اس کے برخلاف وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر آپس میں کچھ سرگوشیاں کرنے لگے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دونوں بے حد پریشان تھے۔ چند منٹوں میں ہی لیو گھوڑے پہ زین رکھ چکا تھا۔ اس نے مجھے سہارا دے کر سوار کر لیا اور پھر کہا۔

"ہم قسمت کا لکھا پورا کرنے جا رہے ہیں لیکن رخصت ہونے سے پہلے خانیہ! میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے اور درخواست کرتا ہوں کہ عقل سے کام لو اور ہمیں بھول جاؤ گویا ہمارا کوئی وجود ہی نہیں! خانیہ! تمہارے شوہر کا خون بلا ارادہ ہی میری گردن پر آ پڑا ہے۔ تاہم یہی ایک بات ہم دونوں میں دائمی جدائی پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ! اب میرے اور تمہارے درمیان موت اور قسمت کی دیوار کھڑی ہو گئی ہے۔ اپنے لوگوں میں جاؤ اور اگر بلا ارادہ میری طرف سے کوئی رنج اور دکھ پہونچا ہو تو مجھے معاف کر دو۔ اچھا الوداع۔"

خانیہ سر جھکائے سنتی رہی اور پھر اداس لہجے میں بولی۔

"میں تمہارے نرم الفاظ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ لیکن لیو ونسی ہم یوں آسانی سے جدا نہیں ہو سکتے۔ تم نے مجھے پہاڑ پر چھپنے کی دعوت دی ہے اور میں پہاڑ تک بھی تمہارے پیچھے آؤں گی اور میں اس کی روح سے ملاقات کروں گی جیسا کہ میں شروع سے جانتی تھی کہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا اور جیسا کہ شامن بھی شروع

سے جانتے ہیں۔ یہ ہو کر رہے گا۔ ہاں میں اپنے سحر کو اپنی قوت کو اس کے سحر اور اس کی قوت سے ٹکراؤں گی جیسا کہ میرے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ اور پھر فاتح بلا شرکت غیرے اس تاج و تخت کا مالک ہوگا، جس کے لیے صدیوں سے ہماری یہ جنگ چلی آرہی ہے۔"

اس کے بعد الیشہ اچھل کر گھوڑے پر سوار ہوئی اس کا رخ پھیرا اور پایاب پانی میں سے دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہونچ گئی۔ بجری اس کے پیچھے تھا، جو اپنے دونوں خشک ہاتھ اوپر اٹھائے۔ جیسے مایوسی اور خوف کے عالم میں بڑبڑایا ......

"الیشہ! تم ممنوعہ دریا میں داخل ہو چکی ہو۔ اور ہم سب پر فیصلے کا دن نازل ہوگا، ہم پر اور اس پر بھی، اور وہ دن تباہی اور جنگ کا دن ہوگا۔"

"کیا مطلب ہے اس کا؟" لیو نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا البتہ یقینی ہے کہ جلد ہی ہمیں معلوم ہو جائے گا اور یہ کہ جو کچھ ہوگا شاید برا ہوگا۔ آؤ اب چلیں۔"

دوسرے کنارے پر پہونچنے سے پہلے اور دریا عبور کرتے وقت مجھے دو تین جگہ یہ خیال بھی آیا کہ ہمارے ڈوبنے کا دن آگیا ہے کیونکہ اکثر جگہ بہاؤ اتنا تیز تھا کہ معلوم ہوتا تھا وہ ہمیں بہا لے جائے گا لیکن لیو جو خان کے گھوڑے کی باگ پکڑے آگے چل رہا تھا، سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا تھا اور ہمارے کا سہارا لیے ہوئے تھا۔ چنانچہ ہم بخیر و خوبی دوسرے کنارے پر پہونچ گئے۔

اب ہمارے سامنے جو وسیع خط تھا وہ دلدلی تھا۔ جب دریا میں طغیانی آتی ہوگی تو پانی یہاں بھر جاتا ہوگا۔ اس دلدلی میدان کو ہم نے حتی الامکان تیزی سے عبور کیا۔ کیونکہ ہمیں خوف تھا کہ کہیں خانیہ سپاہیوں کے دستے کوئے کر ہمارا

تعاقب نہ شروع کر دے جو اس نے ہمارے خیال میں ٹیلے کے عقب میں چھپا رکھا تھا۔ اس وقت ہم اس بات سے واقف نہ تھے جو ہمیں بعد معلوم ہوئی یعنی یہ کہ دریا حدِ فاصل تھا، اور اس کے بعد کا پورا خطہ مقدس سمجھا جاتا تھا اور وہاں کسی کو بھی قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ اکثر جنگلوں میں کلون والے دریا عبور کر کے اس منطقے پر حملہ آور ہوئے تھے لیکن ہر دفعہ یہی ہوا تھا کہ پوری فوج کی فوج تباہ کر دی گئی تھی یا وہ کسی تباہ کن حادثے سے دوچار ہو گئی تھی اس صورت میں اگر کلون والے یہ یقین کرتے تھے کہ خادمۂ آتشیں کی حفاظت کوئی ایسی روح کر رہی تھی جس پر فتح پانا ممکن نہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھا۔

دریا عبور کر کے ہم ایک بنجر میدان میں پہنچے جو بتدریج بلند ہوتا ہوا تقریباً چار میل کے فاصلے پر پہاڑ کی نچلی ڈھلانوں سے جا ملا تھا۔ یہاں پہنچے تو اب ہمیں یہ دھڑکا لگا رہنے لگا کہ وہ وحشی قبائل ہم پر حملہ کر دیں گے جن کے متعلق ہم نے سن رکھا تھا۔ لیکن ہمیں کہیں کوئی جاندار نظر نہ آیا۔ یہ پورا علاقہ ریگزار تھا جس میں یہاں وہاں چٹانوں کی دھاریاں سی تھیں جو کبھی پگھلا اور دہکتا ہوا لاوا رہا ہوگا۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ یاد نہیں کیونکہ بازو کے زخم کی شدید تکلیف نے میرے حواس مختل کر دیئے تھے اور میں ارد گرد کے مناظر کی طرف توجہ دینے کے قابل نہ رہا تھا۔ آخرکار یہ چڑھائی ایک وسیع اور بنجر وادی میں جا کر ختم ہو گئی۔ یہاں کہیں گھاس کی ایک پتی تک نہ اگ رہی تھی۔ وادی کا پیندا انجماد لاوے سے پوری طرح ڈھکا ہوا تھا اور جگہ جگہ پتھروں کے ملبے کے انبار تھے جو شدید بارشوں یا پگھلتی ہوئی برف کی وجہ سے اوپر سے لڑھک آئے تھے۔ اس وادی کو انتہائی سرے پر چار سو فٹ بلند ایک چٹان کھڑی تھی اس چٹانی دیوار میں کوئی شگاف، کوئی راستہ نظر نہ آ رہا تھا۔

اس کے بعد ہم اس اندھیری اور سنسان وادی میں اترے جس میں ایک طرح

کی دھندلی دھندلی روشنی سی جیسے چٹانوں سے پھوٹ رہی تھی ہم اس میں پہونچے تو دیکھا کہ لاوے کے فرش پر کچھ سفید اور چمک دار چیزیں سی بکھری ہوئی تھیں۔ جلد ہی ہم اس قسم کی ایک چیز کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ انسانی پنجر تھا۔ یہ وادی موت تھی، انسانی پنجروں کی وادی، ہزاروں لاکھوں پنجر پڑے ہوئے تھے۔ یہ وادی ایک زبردست قبرستان تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی زبردست لشکر پورا کا پورا یہاں کھیت رہا ہے اور میں نے چٹانوں سے پھوٹتی ہوئی جس دھندلی روشنی کا ذکر کیا ہے وہ دراصل یہ سفید ہڈیاں تھیں جو وادی کے اندھیرے میں چمکتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

کسی لشکر کے یہاں کھیت رہنے کا ہمارا خیال جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا غلط نہ تھا۔ ماضی بعید میں کسی وقت کلون والے اس طرف حملہ آور ہوئے تھے تو وحشی قبائل نے انھیں اس وادی میں گھیر کر ان کا قتل عام کر دیا تھا اور ان کی لاشوں کو آئندہ نسلوں کی عبرت کے لیے یہیں چھوڑ دیا تھا۔

ان ڈھانچوں میں ہم بھٹکتے اور چٹانی دیوار میں راستہ تلاش کرتے رہے لیکن کہیں کوئی راستہ نہ ملا۔ چنانچہ مایوس ہو کر ہم ٹھہر گئے۔ ہم جانتے نہ تھے کہ اب کیا کریں اور کس طرف جائیں اور یہاں ہمیں پہلی دفعہ پہاڑ کے ایک عجیب کرشمے سے سابقہ پڑا یوں کہیے کہ اس علاقے میں داخل ہونے کے بعد ہمیں پہلا اور حیرت انگیز تجربہ ہوا۔

اس وادی کی ویرانی، اداسی اور تاریکی اور یہاں پڑے ہوئے ڈھانچوں کے انباروں کا منظر ہمارے اعصاب پر اسی بری طرح اثر انداز ہوا تھا کہ ہماری زبانیں عارضی طور پر گنگ سی ہو گئی تھیں ہمارے منھ سے کوئی لفظ نہ نکل رہا تھا اور سچ ہے کیوں نہ کہوں کہ ہمارے دلوں پر خوف مسلط تھا۔

ہمارا گھوڑا ابھی خوفزدہ تھا کیونکہ وہ ہولے ہولے نتھنوں سے آواز نکال رہا تھا اور سر جھکا کر کانپ رہا تھا۔ ہمارے قریب ہی ہڈیوں کا انبار تھا اور یہ ان بدنصیبوں کی ہڈیاں تھیں جنہیں زندہ یا مردہ اوپر سے یعنی چوٹی پر سے نیچے پھینک دیا گیا تھا اور اس انبار کی چوٹی پر پھر ایک چھوٹا سا ڈھیر سا تھا۔ اسے بھی ہم نے ہڈیاں ہی سمجھا تھا

"اگر ہمیں اس منحوس مردہ خانے میں سے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا تو پھر جلد ہی ہماری ہڈیوں کا اضافہ اس ڈھیر میں ہو جائے گا۔ میں نے چاروں طرف مایوس نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ الفاظ میری زبان سے نکلے ہی تھے کہ مجھے کچھ شک سا ہوا کہ قریب کی ہڈیوں کے انبار نے جس کی طرف میں کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا، حرکت کی۔ میں نے گردن گھما کر غور سے دیکھا۔ بے شک وہ چوٹی پر کا ڈھیر ہل رہا تھا۔ وہ اٹھا وہ کھڑا ہو گیا اور یہ کوئی انسان تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ کوئی عورت تھی۔ لیکن یہ بھی یقین سے نہ کہہ سکا۔ کیونکہ وہ سر سے پیر تک ایک سفید لبادے میں لپٹی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی جس میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔ وہ عورت یا مرد یا جو کچھ بھی وہ چیز تھی ہماری طرف بڑھی۔ ہم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ گھوڑے کی نظر پڑی تو وہ یوں بدکا کہ میں اس کی پیٹھ پر سے گرتے گرتے بچا۔ ہم سے دس قدم دور وہ ہستی ٹھہر گئی اور اپنا ہاتھ اٹھا کر ہمیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اس کے پتلے بازوؤں پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جیسی کہ ممی پر بندھی ہوئی ہوتی ہیں۔

"کون بلا ہو تم؟" لیو چیخا اور اس کی آواز پہاڑ کی ننگی چٹانوں میں بہت ہی خوفناک سے گونج گئی۔ لیکن اس پراسرار ہستی نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اشارے سے ہمیں بلاتی رہی۔

لیو اس کی طرف بڑھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ہم کسی دماغی خلفشار اور نظر کے دھوکے کا شکار تو نہیں ہو رہے ؟

لیو کے آگے بڑھتے ہی وہ ہیولیٰ جیسے ہوا میں بہتا ہوا پیچھے ہٹا اور ہڈیوں کے انبار پر جا کھڑا ہوا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے جن لوگوں کی ہڈیاں یہاں پڑی تھیں یہ ہیولیٰ ان میں سے کسی کا بھوت تھا یا کوئی کفن پوش لاش تھی کیونکہ یہ ہستی ایسی ہی معلوم ہوتی تھی۔ یعنی ایک زندہ لاش۔

لیو اسے مجھ کر یہ اطمینان کرنے کے لیے آگے بڑھا کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ حواس اور نظر کا دھوکا ہے۔ فوراً اس ہیولے نے اپنا سفید پٹیوں بند حا ہاتھ اٹھایا اور آہستہ سے لیو کے سینے پر مارا۔ لیو گھبرا کر پیچھے ہٹا تو اب ہیولے نے ہاتھ اٹھا کر اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ چوٹی کی طرف یا شاید آسمان کی طرف اور پھر اس چٹانی دیوار کی طرف جو ہمارا راستہ روکے ہوئے تھی۔

لیو نے میری طرف گھوم کر پوچھا۔

"اب ہم کیا کریں ؟"

"میرے خیال میں ہمیں اس کے پیچھے چلنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا کیونکہ یہ اوپر کا کوئی پیغامبر ہو گا۔"

اور میں نے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔

"یا پھر نیچے کا پیغامبر ہے۔" اور لیو نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ "کیونکہ مجھے اس راہبر پر اعتبار نہیں۔"

لیو نے زبان سے تو یوں کہا اور اس ہیولے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا صاف ظاہر تھا کہ اس نے لیو کا اشارہ سمجھ لیا کیونکہ وہ پر اسرار کفن پوش گھوم کر چل دیا۔ اور ہڈیوں کے انباروں اور پتھروں سے بچتا ہوا احتیاط سے قدم اٹھاتا اور ذرا بھی

آواز پیدا کیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

کئی سو گز تک ہم اس کے پیچھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمارے آگے چلتا ہوا نقاب پوش چٹان کے ایک شگاف کے سامنے پہونچ گیا۔ یہ شگاف تنگ اور اتھلا تھا، ہم نے پہلے دیکھا تھا۔ لیکن چونکہ باہر سے یہ صرف تین فٹ کی گہرائی تک جا کر ختم ہوتا معلوم ہوا تھا اس لیے ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر آگے بڑھ گئے تھے۔

وہ ہیولیٰ اسی شگاف میں داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔

"یہ تو کوئی سایہ تھا؟" لیو نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"کیا بکتے ہو؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "سایے کسی کے سینے میں ہاتھ نہیں مارتے۔ چلو آگے بڑھو!"

چنانچہ وہ گھوڑے کو کھینچتا ہوا آگے بڑھا اور تب ہم نے دیکھا کہ یہ شگاف سرے پر سے دفعتہً دائیں طرف مڑ گیا تھا اور یہ کہ وہ ہیولیٰ وہاں کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ہیولیٰ پلٹ کر آگے بڑھا۔ ہم اس کے پیچھے چلے۔ یہاں یہ شگاف بھی اور زیادہ تنگ تھا اور اندھیرا بھی زیادہ تھا یہ تنگ شگاف ایک غار میں یا چٹان کاٹ کر بنائی ہوئی ایک سرنگ سے جا ملا تھا۔

یہاں ہمارا وہ پراسرار رہبر پلٹ کر ہماری طرف واپس آیا۔ یقیناً ہمارے گھوڑے کی باگ پکڑنے کے لیے۔ اسے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر گھوڑے نے اپنے نتھنوں سے خوف کی آواز نکالی اور اپنی پچھلی ٹانگوں پر یوں کھڑا ہو گیا کہ مجھ پر گرتے گرتے بچا۔ جب وہ دوبارہ اپنی چاروں ٹانگوں پر کھڑا ہوا تو اس ہیولے نے اس کے ماتھے پر اسی طرح غیر انسانی دکھائی طور پر ہاتھ سا مارا جیسا لیو کے سینے پر مارا تھا۔ اس پر گھوڑا لرز اٹھا اور پسینے میں شرابور ہو گیا جیسے حد سے زیادہ خوفزدہ ہو۔ اور پھر اس نے بھاگنے اور حکم عدولی کرنے کی کوشش نہ کی۔

اب ایک طرف سے اس کفن پوش نے اپنے پٹیاں بندھے ہاتھ سے اور دوسری طرف سے لیو نے اس کی باگ پکڑی اور ہم اس سرنگ میں داخل ہو گئے۔

ہماری حالت عجیب تھی۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ بھیانک راہبر ہمیں کہاں لیے جا رہا ہے۔ خیال تھا تو صرف یہ کہ آگے پہونچ کر اندھیرے میں ہمارا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ میں نے اندازہ لگایا کہ راستہ نہ صرف بہت زیادہ تنگ تھا بلکہ اس کے ایک طرف گہرے غار ہیں۔ کیونکہ میں پتھروں کے لڑھکنے اور بڑی گہرائی میں گرنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ اس کے علاوہ گھوڑا بھی جھجک جھجک کر قدم اٹھا رہا تھا اور خوف سے ہنستے ہوئے کراہ بھی رہا تھا۔

آخر ہمیں دن کی روشنی دکھائی دی اور اسے دیکھ کر مجھے جتنی مسرت حاصل ہوئی ہے ایسی پہلے کبھی نہ حاصل ہوئی تھی۔ حالانکہ اس روشنی میں یہ بھی نظر آیا کہ دائیں طرف ایک گہرا کھڈ تھا اور راستے کی چوڑائی دس فٹ سے زیادہ نہ تھی۔

اب ہم سرنگ سے جس نے ہمیں ایک لمبا چکر کاٹنے سے بچا لیا تھا باہر تھے اور پہاڑ کی اس ڈھلان پر پہونچ گئے تھے جو بہت اوپر تک بلند ہوتی چلی گئی تھی۔ اور دور پر پہاڑی بھیڑوں کے ریوڑ اور مویشی بھی چرتے نظر آ رہے تھے۔

اب ہم ایک گھاٹی میں داخل ہو کر ایک ایسے ناہموار راستے پر چلے جو ایک تیز بہتے ہوئے دریا کے کنارے کنارے چلا گیا تھا۔ یہ جگہ بالکل سنسان تھی جو تقریباً میل یا اس سے کچھ زیادہ چوڑی رہی ہوگی اور اس کی ڈھلانوں پر عجیب و غریب شکلوں کی لاوے کی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ ابھی ہم نے پورا ایک میل کا فاصلہ بھی طے نہ کیا تھا کہ میں نے ایک سیٹی کی تیکھی آواز سنی اور دیکھا کہ ان چٹانوں کے پیچھے سے آدمی نکل آئے جو تعداد میں پچاس سے کم نہ تھے۔ اس وقت ہم صرف اسی قدر دیکھ سکے کہ یہ لوگ وحشی تھے ان میں زیادہ تر آدمیوں کے بال اور داڑھیاں

سرخ تھیں۔ حالانکہ رنگت گہری سانولی تھی، انھوں نے بکری کی سفید کھال کے چغے پہن رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں بھالے اور ڈھالیں تھیں۔ یہ لوگ نعرے لگاتے اور سیٹیاں بجاتے ہماری طرف لپکے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اسی جگہ ہمیں اپنے بھالوں سے چھید کر رکھ دینا چاہتے تھے۔

ہم ان وحشیوں کے نرغے میں تھے، فرار کی کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ لیو نے اپنی تلوار کھینچ کر کہا۔

"لو بھئی! آخر وہ وقت آ ہی گیا۔ خدا حافظ اب دوسری دنیا میں ملاقات ہوگی۔"

"خدا حافظ!" میں نے مردہ آواز میں جواب دیا۔

اور اب میری سمجھ میں آیا کہ خانیہ اور سحری نے جو یہ کہا تھا کہ ہم پہاڑ کی پہلی ڈھلان تک پہونچنے سے پہلے ہی مارے جائیں گے تو ان کا مطلب کیا تھا۔

اسی اثنا میں ہمارا وہ پراسرار راہبر ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے جاکر غائب ہو گیا تھا اس وقت مجھے خیال آیا کہ وہ عورت ـــــ بشرطیکہ وہ عورت ہی ہو ـــ اپنا کام پورا کر چکی تھی اس لیے اب وہ چلی گئی تھی اور اس کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ غالباً یہی تھا کہ ہمیں یہاں تک لے آئے اور ان وحشیوں میں پھنسا دے۔

لیکن یہاں میں نے اس سے ناانصافی کی تھی کہ میں نے اس کے متعلق ایسا سوچا کیوں کہ دراصل وہ ہمیں اسی آفت سے بچانے آئی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو آج میں یہ داستان لکھنے کے لیے زندہ نہ ہوتا جب وحشی ہم سے چند گز ہی دور رہ گئے تھے تو یکایک وہ پتھر پر نمودار ہوئی اور اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھا دیا اس نے منھ سے کچھ لفظ نہ کہا صرف اپنا پھیلوں بند ہاتھ اٹھا دیا لیکن اس کا اثر فوری اور حیرت انگیز ہوا۔

اسے دیکھتے ہی سارے کے سارے وحشی ایکدم سے سجدے میں چلے گئے۔

جیسے ان پر بجلی گری ہو۔ پھر اس کفن پوش نے اپنا ہاتھ جھکا کر قریب آنے کا اشارہ کیا، اس پر ایک دیو ہیکل وحشی، جو میرے خیال میں سب کا سردار تھا، اٹھا اور رینگتے ہوئے کتے کی طرح سر جھکائے اس کی طرف بڑھا۔ اب دیو ہیکل سے اس عورت نے یا جو کوئی بھی وہ تھی، اشارے میں کچھ کہا۔ پہلے ہماری طرف اور پھر پہاڑ کی طرف اشارہ کیا اور پھر بار بار ایک پر دوسرا بازو رکھتی اور اشارے کرتی رہی۔ لیکن جہاں تک میری سماعت کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس نے منہ سے ایک لفظ نہ کہا۔ یہ تو بہرحال صاف ظاہر تھا کہ سردار نے اس کے اشارے سمجھ لیے تھے کیونکہ اس نے ایک عجیب سی بولی میں کوئی جواب دیا۔ پھر اس نے سیٹی بجائی۔ وحشی فوراً سجدے میں سے اٹھے اور بڑی تیزی سے جس کا جس طرف منہ تھا بھاگ گیا۔ چنانچہ جس طرح اچانک طور پر وہ نمودار ہوئے تھے یونہی تیزی سے وہ غائب بھی ہو گئے۔

اب ہماری راہبر نے ہمیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ ہمارے آگے آگے ہماری راہبری کرتی، چڑھائی یوں اطمینان اور بے تعلقی سے چڑھنے لگی جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

دو گھنٹے تک ہم یوں ہی چلتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ راستہ ہمیں اس وادی سے نکال کر ایک گھاس دار اتار پر لے آیا۔ راستہ اس کو قطع کرتا اور بل کھاتا گزرتا تھا۔ یہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آگ جل رہی تھی اور اس پر مٹی کی ہنڈیا چڑھی ہوئی تھی جس میں کوئی چیز پک اور ابل رہی تھی حالانکہ یہاں کوئی شخص اس کو پکارتا نظر نہ آتا تھا بلکہ دُور دُور تک کسی انسان کا پتہ نہ تھا۔ ہماری راہبر نے مجھے گھوڑے پر سے اتر آنے کا اشارہ کیا اور پھر ہنڈیا کی طرف اشارہ کیا کہ کھانا کھالو۔ یقیناً یہ کھانا اس نے وحشیوں کو حکم دے کر خاص ہمارے لیے تیار کروایا تھا۔ میں نے بڑی خوشی سے اس کے اشارے کی تعمیل کی گھوڑے

کی خوراک کا انتظام بھی کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ قریب ہی ہری اور تازہ گھاس کا گٹھا رکھا ہوا تھا۔

لیو نے گھوڑے پر سے زین اتار کر اس کے سامنے گھاس ڈال دی اور ان آبخوروں میں، جو وہیں رکھے ہوئے تھے، ہنڈیا میں سے کھانا نکال لیا۔ میں نے چشمے پر جا کر پانی پیا اور اس کے برف سے سرد پانی میں اپنا زخمی بازو ڈبو دیا اس سے مجھے بڑا ہی سکون ملا۔ اس وقت تک مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس دوزخی کتے "استاد" کے نکیلے دانتوں نے میرے ہاتھ کی چھوٹی ہڈی ہی توڑ دی تھی یا اسے نقصان پہنچایا تھا۔ یہ انکشاف بڑا ہی اطمینان بخش تھا۔ اپنا بازو دھو کر میں نے چھاگل میں پانی بھرا اور واپس آیا۔

جب میں پانی لے کر واپس آ رہا تھا تو مجھے ایک خیال آیا اور میں اس طرف چلا جہاں وہ پراسرار ہستی حضرت لوطؑ کی اس بیویؓ کی طرح، جو پتھر بن گئی تھی، بالکل بے حس و حرکت کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے پانی کی چھاگل اس کی طرف بڑھا دی اور یہ میں نے اس خیال سے کیا تھا کہ پانی پینے کے لیے وہ اپنی نقاب ضرور اٹھائے گی۔ اور اب پہلی دفعہ ظاہر ہوا یا کم سے کم میرا یہ خیال ہے کہ وہ انسان ہے۔ کیونکہ اس نے میرا شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنا سر ذرا سا جھکا دیا اور اگر ایسا ہی تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ مجھے دھوکا ہوا ہو۔

ؓ:۔ جب سدوم اور گومورا پر قہر الٰہی نازل ہو رہا تھا تو خدا کے حکم سے حضرت لوطؑ اپنے کنبے کو لے کر نکلے اور سب کو ہدایت کر دی کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ لیکن انکی بیوی نے شوقِ تجسس سے بے قرار ہو کر پیچھے دیکھ لیا اور فوراً ہی پتھر کی بن گئی کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ مترجم۔

تو پھر اس نے اور کچھ نہ کیا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے وہ میری طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس نے میری پیشکش قبول نہ کی تھی۔ چنانچہ وہ اس وقت پانی پینا نہیں چاہتی تھی۔ شاید وہ کبھی پانی پیتی ہی نہ تھی۔ اس نے کچھ کھایا بھی نہیں کیونکہ جب لیو نے بعد میں اسے کھانا پیش کیا تو اس وقت بھی اس نے اسی طرح پیٹھ پھیر لی۔

اس عرصے میں لیو آگ پر سے ہنڈیا اتار چکا تھا اور جب کھانا ٹھنڈا ہوا تو اس پر مر بھکوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کھانے سے فارغ ہو کر لیو نے میرے زخم دھوئے اور ان پر نئے سرے سے پٹیاں کس دیں اور اس کے بعد ہم بیٹھ کر سستانے لگے اور ہم اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ میرا خیال ہے کہ اونگھ گئے۔

دفعتہً مجھ پر ایک سایہ پڑا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ہماری لاش جیسی کفن پوش راہبر قریب کھڑی تھی۔ پہلے اس نے سورج کی طرف اور پھر گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ ابھی ہمیں طویل سفر کرنا تھا۔ چنانچہ ہم نے گھوڑے پر زین کسا اور روانہ ہو گئے اور اب ہم بہت حد تک تازہ دم ہو گئے تھے غالباً اس لیے کہ اب ہمارے پیٹ خالی نہ تھے۔

دن کے باقی حصے میں ہم گھاس دار ڈھلانیں چڑھتے رہے اور کہیں کوئی اور انسان نظر نہ آیا۔ البتہ وقتاً فوقتاً سنائی دیتی ہوئی سیٹیاں اس بات کا پتہ دیتی تھیں کہ وحشی ہم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ جب سورج غروب ہو لیا تھا تو ہم نے دیکھ لیا کہ زمین کی صورت میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب گھاس کی جگہ پتھر اور چٹانیں تھیں جن کے درمیان خود رو جھاڑیاں اگ رہی تھیں۔ دکنی ڈھلانیں نیچے چھوٹ گئی تھیں اور اب ہم خود پہاڑ کی چڑھائی پر

چڑھ رہے تھے۔

سورج غروب ہوگیا لیکن ہم نے دھندلکے میں اپنا سفر جاری رکھا دھندلکا بھی ختم ہوگیا اور اب ہم اندھیرے میں سفر کر رہے تھے۔ اب ستاروں کی اور پہاڑوں سے اٹھتے ہوئے دھویں کی ناکافی روشنی میں، جیسے برف نیچے لوٹا رہی تھی، ہمیں اپنا راستہ نظر آرہا تھا۔

ہم آگے بڑھتے رہے ہماری وہ کفن پوش اور پراسرار راہبر آگے آگے چل رہی تھی معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ تھکنا جانتی ہی نہ تھی۔ اگر پہلے وہ غیر انسانی، غیرارضی اور مہیب معلوم ہوتی تھی تو اب بالکل ہی بھوت معلوم ہوتی تھی کہ سفید کفن پہنے ادھر اُدھر دیکھے بغیر، خاموشی اور ذرا بھی آواز پیدا کیے بغیر وہ پتھروں اور جھاڑیوں اور چٹانوں سے بچتی چلی جارہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ہم اُلجھ گئے اور راستہ یاد رکھنا ممکن نہ رہا۔

ہم کبھی ایک طرف مڑ جاتے تھے اور کبھی دوسری طرف، کبھی کھلی جگہ میں سے گزرتے تھے اور کبھی اندھیرے سایوں میں سے۔ یہاں تک کہ جب چاند طلوع ہوا تو ہم ایک گھاٹی میں داخل ہوئے اور اس راستے پر جو اس میں اتر رہا تھا چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہونچ گئے جس کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ جگہ ایک بے حد وسیع ایمفی تھیٹر تھا اور یہ ایمفی تھیٹر خود قدرت نے اپنے ہاتھوں سے پہاڑی چٹانیں کاٹ کر بنایا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس جگہ کا انتخاب مدافعت کے لیے کیا گیا تھا کیونکہ اس میں داخل ہونے کا راستہ اس قدر تنگ اور پُرپیچ تھا، اور انتہائی سرے پر یوں بنا ہوا تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی شخص اس میں سے گزر سکتا تھا۔ اندر جو کھلی جگہ تھی اس کے سرے پر چٹان سے لگ کر جو مکانات تھے ان مکانات کے سامنے اور چاندنی میں

کئی سو عورتیں اور مرد الگ الگ گروہ بنائے اور نیم دائرے میں کھڑے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی قسم کی مذہبی رسم ادا کر رہے تھے۔

وحشت ناک منظر تھا یہ۔

ان لوگوں کے سامنے اور نیم دائرے کے عین بیچ میں سرخ داڑھی والا ایک دیو ہیکل آدمی کھڑا ہوا تھا وہ جسم سے ننگا تھا البتہ صرف ایک لنگوٹ سا اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا وہ اپنے دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھے آگے پیچھے جھوم رہا تھا۔ اور یوں جھوم جھوم کر اپنے منھ سے "ہو — ہا ہا۔ ہو" قسم کی آوازیں نکال رہی تھی۔ جب وہ تماشائیوں کی طرف جھکتا تو وہ بھی اس کی طرف جھک جاتے اور جب وہ سیدھا ہوتا تو تماشائی بھی ایک آواز ہو کر اس کے ساتھ 'ہو' کہتے اور اتنے زور سے کہ چٹانیں گونجنے لگتیں۔ بات صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ سرخ داڑھی والے کی بال بھری کھوپڑی پر ایک سفید بلی اپنی کمر کمان کیے بیٹھی ہوئی تھی۔

ایسا عجیب و غریب اور وحشتناک منظر، جو اس میدان میں نظر آ رہا تھا اور جسے سفید چاندنی اور بھی زیادہ وحشتناک بنا رہی تھی میں نے اپنی عمر میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکوں گا۔ سرخ بالوں والے نیم برہنہ مرد اور عورتیں، دیو ہیکل کاہن، وہ سفید بلی جو کمر اٹھائے اور اس کی کھوپڑی سے چپکی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ اپنی دم ہلا کر گویا اس مذہبی رسم میں حصہ لے رہی تھی، وہ منحوس "ہو۔ ہا ہا۔ ہو" اور اس کی اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز گونج اب سب باتوں نے مل ملا کر اس پورے منظر کو دوزخ کے منظر کی طرح ہیبت ناک اور لرزہ خیز بنا دیا تھا اس کا اثر ہمارے دلوں پر زیادہ شاید اسی لیے ہوا کہ ہم لوگ اسوقت یہ سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے اور اس کا مطلب کیا ہے، یہ تو بالکل ایسا ہی تھا جیسے ہم کوئی بھیانک خواب دیکھ کر بیدار ہوئے ہیں لیکن کھلی ہوئی آنکھوں کے

سامنے اس بھیانک منظر کا ایک حصہ اب بھی موجود ہے۔

اب اس کھلی جگہ کے گرد، جہاں یہ وحشی کوئی مذہبی یا کوئی اور رسم ادا کرتے تھے، کھُردرے پتھروں کی ایک دیوار تھی جو کوئی چھ فٹ بلند تھی اس دیوار میں ایک دروازہ تھا۔

ہم اس دروازے کی طرف بڑھے اور کسی نے ہمیں نہ دیکھا۔ کیونکہ اس طرف سرو کی قسم کے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ ہماری راہبر ہمیں اس جھنڈ میں لے آئی اور پھر اس جگہ پہونچ کر رک گئی جہاں درخت زیادہ گنجان تھے۔ وہ دروازہ جو دیوار میں تھا اور کھُلا تھا دائیں طرف اور ہم سے صرف چند گز دور تھا۔ ہماری راہبر نے یہاں پہونچ کر ہمیں بھی رک جانے کا اشارہ کیا۔

پھر وہ آگے بڑھ کر ایک جگہ، جہاں دیوار نیچی تھی۔ یوں کھڑی ہو گئی جیسے اندر جو کچھ ہو رہا تھا اُسے دیکھ رہی ہو۔ ہمیں یوں محسوس ہوا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ ایسا تھا جو اس کی توقع کے خلاف تھا۔ چنانچہ وہ اُلجھ گئی اور اسے غصہ بھی آ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد معلوم ہوا کہ وہ کوئی ارادہ کر چکی تھی کیونکہ ایک بار پھر اس نے ہمیں جہاں تھے وہیں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اپنے پٹیوں پر بندھے ہاتھ کی انگلی اپنی نقاب پر رکھ کر ہمیں خاموش رہنے کا بھی اشارہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ جا چکی تھی وہ کیسے اور کہاں گئی؟ یہ میں نہیں جانتا، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ہمارے سامنے نہ تھی۔

"اب ہم کیا کریں؟" لیو نے میرے کان میں کہا

"یہیں ٹھہرتے ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔

"کب تک؟"

"جب تک وہ واپس نہیں آ جاتی۔ یا کوئی واقعہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ ہم وہیں کھڑے رہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا ہمیں دھڑکا

یہ لگا ہوا تھا کہ کہیں گھوڑا ہنہنا کر وحشیوں کو ہماری طرف متوجہ نہ کر دے یا وہ لوگ کسی طرح سے ہماری موجودگی سے واقف نہ ہو جائیں۔ اس صورت میں ہماری موت یقینی تھی۔

بہر حال کچھ ہی دیر ہم اس خطرے کو، جو ہمیں درپیش تھا، بھول کر ہمارے سامنے جو کچھ ہو رہا تھا اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ یہ بڑا ہی وحشت انگیز منظر تھا جو ہماری دلچسپی کو ابھار رہا تھا۔

معلوم ہوا کہ ہم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ دراصل ڈرامے کی تمہید تھی اور یہ کہ اس کا خوفناک ترین حصّہ اب شروع ہو رہا تھا جس میں چند مجرموں کو موت کی سزا دی جانے والی تھی۔ یہ ہم نے اندازے سے معلوم کر لیا تھا۔ کیونکہ کچھ ہی دیر بعد وہ وحشیانہ "ہو۔ ہاہا۔ ہو" کا راگ بند ہو گیا اور سفید بڑی والے دیو ہیکل بوڑھے کے سامنے سے بھیڑ چھٹ گئی۔ اور لوگ دائیں بائیں دب گئے، اور اب ہم نے دیکھا کہ بوڑھے کے پیچھے سے دھوئیں کا ستون سا فضا میں اٹھ رہا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کسی بھٹی کو جو زمین کھود کر بنائی گئی تھی، بھڑکا دیا گیا تھا۔

اب اس رخنے میں سے، جو لوگوں کے دائیں بائیں دبنے سے پیدا ہو گیا تھا، سات آدمیوں کو لایا گیا۔ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے ان میں مرد تھے اور عورتیں بھی۔ جن میں ایک بوڑھا تھا اور ایک قبول صورت اور بلند قامت عورت تھی جو خاصی جوان معلوم ہوتی تھی بلکہ لڑکی ہی تھی۔ ان ساتوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ بے حد خوفزدہ تھے۔ کیونکہ بوڑھا گھٹنوں پر گرا اور ایک عورت ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ کچھ دیر کے لیے کوئی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ غالباً اس بات کا انتظار تھا کہ بھٹی میں آگ ٹھیک سے بھڑک اٹھے اور انھیں جلانے کے قابل ہو جائے۔ کچھ ہی دیر بعد آگ پوری شدت سے

بھڑکنے لگی اور ارد گرد کے منظر کو اس نے سرخ کر دیا۔

اب ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

اب ایک شخص چوبی کشتی لیے سرخ داڑھی والے بوڑھے کے پاس آیا جو اب ایک تپائی پہ بیٹھا ہوا تھا اور سفید بلی اس کے گود میں تھی۔ ہم نے دیکھا تھا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہ اس کے سر پہ سے کود کر اس کی گود میں آ گئی تھی۔ بوڑھے نے چوبی کشتی کو اس کے دستوں سے پکڑ لیا۔ بلی سے کچھ کہا اور وہ اچھل کر کشتی میں بیٹھ گئی

اب مکمل ترین خاموشی طاری تھی۔ بوڑھا اٹھا اور اس نے چند دعائیہ الفاظ کہے جو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ یہ الفاظ اس نے بلی کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ جو بوڑھے کی طرف منہ کیے بیٹھی تھی۔ وہ یہ الفاظ کہہ چکا تو کشتی کو گھما دیا گیا۔ اب بلی کی دم اس کی طرف تھی۔ اب وہ آگے بڑھ کر قیدیوں کی قطار کے قریب پہونچا اور ان کے سامنے اس سرے سے اس سرے تک ٹہلنے لگا۔ اس طرح اس نے کئی چکر لگائے اور ہر چکر میں وہ قیدیوں کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتا گیا۔

وہ دائیں طرف کے قیدی کے سامنے رک گیا اور کشتی اس کی طرف بڑھا دی۔ تو بلی اٹھی، اس نے اپنی کمر کمان کی اور اپنے پنجے اٹھا کر اوپر نیچے کرنے لگی۔ اب بوڑھا دوسرے قیدی کی طرف آیا اور کشتی اس کی طرف اٹھا دی۔ بلی نے پھر ویسا ہی کیا۔ یوں ایک ایک کے سامنے رکتا ہوا وہ بوڑھا پانچویں قیدی کے سامنے پہونچا۔ یہ وہی قبول صورت اور نوجوان لڑکی تھی جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اب بلی ایک دم سے غصے میں ہو گئی کیونکہ وہاں طاری موت کی سی خاموشی میں ہم اسے غراتے اور ”خوں خوں“ کرتے صاف سن رہے تھے۔ دفعتہ بلی نے اپنا پنجہ اٹھایا اور لڑکی کے چہرے پر مارا۔ لڑکی کے منہ سے فلک شگاف چیخ نکل گئی۔ لرزہ خیز چیخ تھی یہ۔ ساتھ ہی فضا تھرا گئی کیونکہ تماشائی ایک زبان ہو کر اور چیخ کر ایک

لفظ دہرا رہے تھے جس کے معنی ہم اس لیے جانتے تھے کہ ہم نے کلون والوں کو اکثر یہ لفظ استعمال کرتے سُنا تھا۔

"ڈائن! ڈائن! ڈائن!"

جلاد جو بچی کے اس انتخاب کے منتظر کھڑے تھے۔ دوڑے آئے۔ انھوں نے لڑکی کو پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے آگ کی طرف، یعنی اس بھٹی کی طرف لے چلے۔ دوسرے قیدی نے، جو اس کے قریب ہی تھا اور یقیناً اس کا شوہر تھا، اسے بچانے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اس لیے وہ غریب کچھ نہ کرسکا۔ ایک جلاد نے ڈنڈا مار کر اسے گرا دیا۔ اس کی بیوی اپنے آپ کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوگئی۔ وہ بھاگ کر آئی اور اپنے شوہر پر گر کے اسکے لیے ڈھال بن گئی۔ لیکن جلادوں نے اسے گھسیٹ لیا اور بڑی بے دردی سے اسے آگ کی طرف گھسیٹنے لگے تماشائی گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔

"میرا خیال ہے میں اسے برداشت نہیں کرسکتا" لیو نے کہا۔ "یہ تو صاف و صریح قتل ہے، بے دردانہ قتل!"

اور اس نے تلوار کھینچ لی۔

"بہتر ہوگا کہ ان وحشیوں کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے۔" میں نے کہا حالانکہ خود میرا بھی خون کھول رہا تھا۔

اس نے میری بات سنی یا نہیں یہ تو میں نہیں جانتا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ دوسرے ہی لمحے لیو بلند آواز میں نعرے لگاتا اور خان کی تلوار ہلاتا دروازے میں بھاگتا ہوا داخل ہوچکا تھا۔ میں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ ماری اور لیو کے پیچھے بھاگا۔

ایک سکنڈ میں ہی ہم ان کے درمیان تھے۔

ہمیں دیکھتے ہی وحشی گھبرا کر ادھر ادھر دب گئے اور حیرت سے ہماری طرف دیکھنے لگے۔ غالباً وہ ہمیں بھوت یا روحیں یا خدا جانے کیا سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ یوں لیو پیدل بھاگتا ہوا اور میں گھوڑے پر سوار وہاں پہونچ گئے۔

جلّاد اپنے شکار کو گھسیٹتے ہوئے آگ کے قریب پہونچ گئے تھے اور بڑی زبردست آگ تھی یہ جو رال صفت صنوبر کی لکڑیوں کی وجہ سے پورے زور شور سے اس کھڈ میں جل رہی تھی جو آٹھ فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ اس کھڈ کے قریب وہ سرخ داڑھی والا کاہن اپنی تپائی پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے ہونٹوں پر چنگیزی مسکراہٹ تھی اور وہ قریب رکھے ہوئے ایک برتن میں سے کچھ گوشت کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر اپنی پیاری سفید بلّی کو کھلا رہا تھا۔ اس کام میں وہ ایسا مشغول تھا کہ اس نے اس وقت تک ہمیں نہ دیکھا جب تک کہ ہم اس کے سر پر نہ پہونچ گئے۔

"چھوڑ دو اسے سورو!" لیو چیخا۔

اور جلّادوں پر پل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ جلّاد جو تلوار کا وار کر چکا تھا اس کا بازو کٹ کر گرا۔ یہ وہ جلّاد تھا جس نے عورت کی گردن دبوچ رکھی تھی۔

غصّے اور تکلیف کی ایک چیخ کے ساتھ وہ جلّاد پیچھے ہٹ گیا اور اپنے کٹے ہوئے بازو کا ٹھنٹھ لوگوں کی طرف ہلانے اور خود لیو کی طرف وحشت سے دیکھنے لگے۔

اس کے فوراً بعد جو گڑبڑ مچی اس میں میں نے دیکھا کہ وہ عورت جلّادوں کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگی اور اندھیرے میں پہونچ کر غائب ہو گئی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ سرخ داڑھی والا جو "وِچ ڈاکٹر" ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھا۔ وہ اب بھی کشتی پکڑے ہوئے تھا جس میں بلّی بیٹھی ہوئی تھی۔ اب وہ بوڑھا نہایت ہی غصّے کے عالم میں لیو کو گالیاں دینے لگا۔ لیو بھی ترکی بہ ترکی، انگریزی اور دوسری بہت سی زبانوں میں، جواب دینے لگا۔

اور یکایک بلی نے، جو میرے خیال میں شور و غل اور کھانے میں خلل پڑنے کی وجہ سے جھلا گئی تھی، لیو کے چہرے کی طرف چھلانگ لگادی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے چہرے تک پہونچتی لیو نے بایاں ہاتھ بڑھا کر اسے ہوا میں دبوچ لیا اور پھر اسے پوری قوت سے زمین پر دے مارا۔ بلی تڑپنے اور چیخنے لگی اور پھر جیسے اسے کچھ خیال آگیا ہو، اس نے جھک کر تڑپتی ہوئی بلی اٹھائی اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھ سکتا، آگ میں پھینک دی کیونکہ مارے غصے کے وہ دیوانہ ہورہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کررہا ہے۔

اس خوفناک توہین پر، کیونکہ ان وحشیوں کی نزدیک یہ ان کے مذہب کی توہین تھا، تماشائی خوف اور غصے سے چیخ اٹھے اور بصورت سیلاب ہماری طرف دھنس آئے، میں نے دیکھا کہ لیو نے ایک آدمی کی گردن اڑادی لیکن دوسرے ہی لمحے وحشی مجھے گھوڑے پر سے گھسیٹ چکے تھے اور مجھے آگ کی طرف لیے جارہے تھے اور جب میں اس جہنمی کھڈ کے قریب پہونچا تو دیکھا کہ لیو کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن وہ اب بھی جدوجہد کررہا تھا اور وحشی اس سے خوفزدہ تھے۔

"میں پوچھتا ہوں لیو تم نے اس لعنتی بلی کو اس کے حال پر کیوں نہ چھوڑ دیا" میں نے چیخ کر اس سے کہا۔

اور یہ میں نے بڑی احمقانہ بات کہی تھی۔ کیونکہ میرے حواس بالکل ہی گم تھے اور کوئی بات میری سمجھ میں نہ آرہی تھی سوائے اس ایک بات کے کہ اب ہمیں آگ میں پھینکا جانے والا ہے۔

میں آگ کے کھڈ اور اس کے کنارے پر پہنچ چکا تھا، آگ کی تپش اپنے جسم اور پورے چہرے پر محسوس کررہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ آتشی کھڈ اپنا منہ پھاڑے مجھے نگل لینے کو تیار تھا کہ یکایک ان ہاتھوں نے جو مجھے پکڑے ہوئے تھے، مجھے چھوڑ دیا۔

اور میں پیچھے کی طرف چت گرا اور وہیں پڑے پڑے میں نے اوپر دیکھا۔ اور میں نے جو کچھ دیکھا وہ یوں تھا۔

آگ کے سامنے ہماری وہی پر اسرار راہبر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ غصّے سے کانپ رہی تھی اور اس نے اپنا مٹھیوں بندھا ایک ہاتھ اٹھا رکھا تھا۔ جس سے وہ سرخ داڑھی والے کاہن کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ لیکن اب وہ اکیلی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ کوئی بیس آدمی تھے جنہوں نے سفید چغے پہن رکھے تھے اور جو تلواروں سے مسلح تھے۔ ان کی آنکھیں کالی تھیں اور یہ جوگی سے معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کی داڑھیاں اور سر منڈے ہوئے تھے۔ جو آگ کی سرخی میں چمک رہے تھے۔

انھیں دیکھتے ہی ان وحشیوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا جو ابھی ایک سکنڈ پہلے ہی دیوانے سانڈوں کی طرح ہو رہے تھے۔ اب وہ دائیں بائیں بھیڑیے سے ڈر کر بھاگتی ہوئی بھیڑوں کی طرح بھاگ رہے تھے۔ ان سفید پوش کاہنوں کا سردار، جس کے چہرے سے رحمدلی اور متانت عیاں تھی اور جس کے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی، سرخ داڑھی والے وچ ڈاکٹر کو مخاطب کر رہا تھا اور جو کچھ کہہ رہا تھا وہ میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔

"کتے!" اس نے بے حد ٹھہری ہوئی اور نیچی آواز میں کہا۔ لیکن لہجہ لرزہ خیز تھا۔ "لعنتی کتے! حیوانوں کے پرستار! پہاڑوں کی عظیم ماتا کے مہمانوں کے ساتھ تو کیا سلوک کرنے والا تھا؟ کیا اسی لیے تیری اور تیرے بت پرست پیروؤں کی جاں بخشی کی گئی تھی؟ جواب دو! اگر کوئی جواب ہے تمہارے پاس تو فوراً دو کیونکہ تمہارا وقت اب بہت قریب آ گیا ہے۔"

خوف کی کراہ کے ساتھ سرخ داڑھی والا بوڑھا گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

لیکن اس کا ہن اعظم کے سامنے نہیں بلکہ ہماری پُر اسرار راہبر کے سامنے وہ گڑگڑا رہا تھا اور رحم طلب کر رہا تھا۔

"خاموش ہو جاؤ!" کاہن اعظم نے کہا۔ "یہ منصف ہے جو انصاف کرتی ہے اور تلوار ہے جو وار کرتی ہے۔ لیکن اس کے کان اور اس کی آواز میں ہوں۔ وہ میرے کانوں سے سنتی اور میری زبان سے بولتی ہے۔ مجھ سے کہو جو کہنا ہے اور بتاؤ کہ کیا تم ان لوگوں کو، جن کے استقبال کا تمہیں حکم دیا گیا تھا اس آگ میں جھونک دینے والے تھے اور وہ بھی محض اس لیے کہ انھوں نے اس عورت کی جان بچائی جو تمہاری شیطنت کا شکار بننے والی تھی اور اس لعنتی جانور کی جان لی جس کی تم پوجا کرتے ہو؟ نہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جان لو کہ یہ ایک جال تھا جو تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے بچھایا گیا تھا، ہاں تمہیں جسے اب تک زندہ رکھا گیا۔"

لیکن وہ دیو ہیکل بوڑھا اب بھی اس کفن پوش عورت کے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔

"پیغامبر!" کاہن اعظم نے کہا۔ "اختیارات اور قوت تمہیں حاصل ہے انصاف کرو اور حکم دو۔"

اب ہماری راہبر نے آہستہ آہستہ اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر آگ کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً ہی سرخ داڑھی والے کا رنگ مردے کی طرح سفید ہو گیا، وہ کراہا اور دھم سے چت گرا اور جیسا کہ میرا خیال تھا خوف و دہشت سے اس کی جان نکل گئی تھی اور وہ مر چکا تھا۔

بہت سے لوگ بھاگ گئے تھے۔ لیکن اب بھی کئی وحشی وہاں کھڑے ہوئے تھے۔ کاہن اعظم نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں انھیں مخاطب کر کے آگے بڑھنے کا

اشارہ کیا۔ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ وہ رینگتے ہوئے کاہن اعظم کے قریب آئے۔

"دیکھو!" اس نے زمین پر پڑے ہوئے وچ ڈاکٹر کی طرف اشارہ کیا "دیکھو اور ماتا ہوزیہ کے انصاف اور قہر سے ڈرو۔ دیکھو اور جان لو اور یقین کرو کہ جو حشر اس کا ہوا وہی حشر ہر شخص کا ہو گا جو ماتا ہوزیہ کی نافرمانی کرے گا اور جادو کرے گا اور جو قتل کرے گا۔ اس مُردہ کتے کو اٹھاؤ جو تمہارا سردار تھا۔"

ان میں سے چند لوگ رینگ کر آگے بڑھے اور اس کے حکم کی تعمیل کی۔

"اب اسے آگ کے اس بستر پر ڈال دو جو اس نے دوسروں کے لیے تیار کیا تھا۔" کاہنِ اعظم نے حکم دیا۔

وہ لوگ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے اور اس کے حکم کی بھی تعمیل کی۔

دلو ہیسکلی کی لاش کو اس زبردست آگ نے نگل لیا۔

"سنو اے لوگو!" کاہن اعظم نے کہا۔ "اور جان لو کہ یہ شخص ایسی خوفناک موت کا مستحق تھا تم جانتے ہو کہ یہ شخص اس عورت کو کیوں مار ڈالنا چاہتا تھا جسے ان اجنبیوں نے بچایا تھا؟ تم کہو گے کہ اس لیے کہ اس کی سفید بلی نے اپنا پنجہ اس کے منہ پر مار کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ڈائن ہے۔ لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ بات نہ تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ عورت حسین تھی اور یہ بوڑھا شیطان اس کو اس کے شوہر سے چھین لینا چاہتا تھا۔ جیسا کہ بہت سی عورتوں کو ان کے شوہروں سے چھین چکا ہے۔ لیکن اس عورت نے اس کی پیشکش ٹھکرا دی، لیکن آنکھوں نے دیکھا، آدا نے کہا اور پیغامبر نے انصاف کیا۔ وہ اپنے دام میں خود پھنس گیا اور یہی حال تم میں سے ہر ایک کا ہو گا جو اپنے دل میں بد ارادہ کرے گا اور اپنے

ہاتھوں سے جامۂ عمل پہنائے گا۔"

"یہ ہے ماتا ہوزیہ کا سچّا اور اٹل حکم جو اس نے پہاڑ کی آگ میں سے اور اپنے آتشی تخت پر سے تم لوگوں پر نافذ کیا ہے۔"

تیرھواں باب

گہرے سائے

خوفزدہ وحشی یکے بعد دیگرے وہاں سے کھسک گئے۔ جب آخری وحشی بھی چلا گیا تو کاہن اعظم نے آگے بڑھ کر اور اپنا ہاتھ ماتھے پر رکھ کر لیو کو سلام کیا۔

"آقا!" اس نے اسی بگڑی ہوئی یونانی میں کہا جو کلون کے دربار میں مستعمل تھی۔ "میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تمہیں کوئی گزند پہنچا ہے کہ نہیں۔ کیونکہ جب سے تم مقدّس دربار میں داخل ہوئے ہو اسی وقت سے تم ایک غیبی قوّت کی حفاظت میں ہو۔ چنانچہ تمہیں اور تمہارے ساتھی کو کوئی انسان اور کوئی روح ذرا سا بھی نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ تاہم ناپاک ہاتھ تمہارے جسموں سے چھو گئے ہیں اور تم سے زیادتی کی گئی ہے اور اسی ماتا کا جس کا میں ایک ادنیٰ سا خادم ہوں، یہ حکم ہے کہ اگر تم چاہو تو میں ہر شخص کو جس نے تمہیں چھوا تھا اسی وقت اور تمہاری نظروں کے سامنے قتل کر دوں؟ کہو! کیا کہتے ہو؟"

"نہیں" لیو نے جواب دیا۔ "وہ لوگ اندھے اور پاگل تھے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ ہماری خاطر خون بہایا جائے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں برادر۔ لیکن تمہارا نام کیا ہے؟"

"مجھے 'اوروس' کہتے ہیں۔" کاہن اعظم نے جواب دیا۔

"کسی پہاڑ پر رہنے کے لیے یہ نام بے حد ضروری تھا ہے۔ ہاں تو برادر اوروس ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں کھانے اور رہنے کو جگہ دی جائے اور پھر ہمیں بلا تاخیر اس کے حضور لے جایا جائے جسے تم مانتے ہو۔ اس خدائے اُوح کے حضور میں جس کی دانائی سے فیضیاب ہونے کے لیے ہم نے یہ دور دراز کا سفر کیا ہے۔"

اوروس نے خم ہو کر جواب دیا۔

کھانا اور آرام گاہ تیار ہے۔ جب تم آرام کر لوگے اور تازہ دم ہو جاؤ گے تو میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا جہاں تم جانا چاہتے ہو کہ اس کا حکم مجھے مل چکا ہے آؤ میرے ساتھ۔"

اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ آگ کے قریب سے گزر کر ہم اس عمارت کے سامنے پہونچے جو آگ کے کھڈ سے پچاس گز دور اور ایمفی تھیٹر کی چٹانی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

معلوم ایسا ہوتا تھا کہ یہ مہمان خانہ تھا یا کم سے کم اسی غرض کو پورا کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا کیونکہ چراغ روشن تھے اور آگ جل رہی تھی۔ کیوں کہ یہاں ہوا سرد تھی۔ یہ مکان دو حصوں میں تقسیم تھا یعنی دو کمرے تھے اس میں دوسرا کمرہ خوابگاہ تھا۔ چنانچہ ہم پہلا کمرہ عبور کر کے اس دوسرے کمرے میں آ گئے۔

"آؤ! کیونکہ تمہیں ہاتھ دھونے کی ضرورت ہے۔" اوروس نے کہا اور میری طرف گھوم کر بولا۔ "اور یہیں تمہارے بازو پر کے زخم کا علاج کیا جائے گا جو

---

۵ - اوروس "اُر" سے بنا ہے اور اُر ORE کچی دھات کو کہتے ہیں۔ مترجم۔

بڑے کتے کے دانتوں سے آیا ہے۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

اس سے تمہیں کیا غرض؟ تمہارے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ ہر چیز پہلے سے ہی تیار کر لی گئی ہے۔" اوروس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

یہ دوسرا کمرہ بھی پہلے کی طرح روشن تھا اور آگ جلا کر اسے بھی گرم کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ دھات کے بڑے بڑے پیالوں میں گرم پانی بھرا ہوا تھا۔ اور چار پائیوں پر سفید لباس اور گہرے رنگ کی ٹوپی دار چغے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جن کے کنارے سموری تھے۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹی میز پر مرہم پٹیاں اور کھپچیاں رکھی ہوئی تھیں، جنہیں دیکھ کر میں نے حیرت سے دانتوں میں انگلی دے لی۔ کیونکہ مرہم پٹیوں اور کھپچیوں سے پتہ چلتا تھا کہ یہ لوگ میرے زخم کی نوعیت سے بھی واقف تھے۔ لیکن میں نے مزید سوالات نہ پوچھے کیونکہ میں بے حد تھکا ہوا تھا اس کے علاوہ یہ بھی جانتا تھا کہ مجھے میرے کسی سوال کا جواب نہ ملے گا۔

کاہن اوروس کی مدد سے میں نے اپنا پھٹا ہوا لباس اتار لیا۔ اس کے بعد اس نے میرے بازو پر سے پٹیاں کھولیں، بڑی آہستگی سے گرم پانی سے میرے زخم دھوئے (اس پانی میں اس نے کوئی دوا حل کر دی تھی) اور پھر ایک سند یافتہ ڈاکٹر کی سی مہارت سے میرے زخموں کا معائنہ کیا۔

"کتے کے نوکیلے دانتوں نے گہرائی تک گوشت پھاڑ دیا ہے۔" اوروس بولا۔

"اور چھوٹی ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہے۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ زخم کا نشان عمر بھر باقی رہے گا۔"

اور پھر زخم پر مرہم لگا کر اس نے ایسے ماہر ہاتھوں اور ایسی نرمی سے پٹی

باندھی کہ میں نے ذرا بھی تکلیف محسوس نہ کی۔

"کل سوجن اُتر جائے گی" اس نے کہا "تب ہڈی جوڑ دیں گے۔"

اور ہوا بھی ایسا ہی۔

جب یہ ہو چکا تو اس نے میرا منھ دھلایا، مجھے کپڑے پہنائے اور پھر میری گردن میں ایک گلی پٹی ڈال کر اس میں میرا ہاتھ رکھ دیا۔ اس عرصے میں لیو بھی لباس تبدیل کر چکا تھا۔ چنانچہ ہم اس کمرے سے باہر آئے تو قطعی مختلف انسان تھے۔ میرا مطلب ہے ان آوارہ گردوں کے مقابلے میں جو اس طرح یہاں آئے تھے، کہ خاک دھول اور خون میں اَٹے ہوئے تھے۔

باہر کمرے میں ہمارے لیے کھانا تیار تھا۔ تو ہم نے خدا کا شکر ادا کر کے شکم سیر ہو کر کھایا اور خاموشی سے کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر واپس خوابگاہ میں آئے۔ تھکن سے نڈھال تھے اس لیے اوپری لباس اتار کر بستر پر لیٹ گئے اور کچھ ہی دیر بعد دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔

رات کے کسی حصے میں، میں نہیں جانتا کہ اس وقت کتنے بجے تھے، دفعتہً میری آنکھ کھل گئی۔ اکثر لوگوں کی نیند بڑی ہوشیار ہوتی ہے اور جب کوئی ان کے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو ان کی آنکھ فوراً کھل جاتی ہے۔ چاہے آنے والا کسی بھی قسم کی آواز پیدا نہ کر رہا ہو۔ چنانچہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے ہی مجھے احساس ہوا کہ ہمارے ساتھ کمرے میں کوئی اور بھی تھا اور میرا یہ احساس غلط نہ تھا۔

کمرے میں ایک چراغ اب بھی جل رہا تھا۔ بجھی ہوئی ایک بتی تھی جو تیل میں پڑی اب بھی سلگ رہی تھی اور اس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ ایک دھندلا اور کم صورت کا سایہ دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اسے بھوت

ہی سمجھا۔ لیکن پھر مجھے یاد آیا اور میں نے دیکھا کہ یہ ہماری کفن پوش راہبر تھی اور غور سے اس چارپائی کی طرف دیکھ رہی تھی جس پر لیو لیٹا ہوا تھا۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال تھا کیونکہ اس کا سر اسی طرف جھکا ہوا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ خاموش کھڑی رہی اور پھر اس کے منھ سے ایک کراہ نکلی، بھنچی ہوئی اور خوفناک کراہ جو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ گونگی نہ تھی جیسا کہ میرا خیال تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ عام انسانوں کی طرح دکھ محسوس کر سکتی اور اس کا اظہار بھی کر سکتی تھی۔ پھر وہ اپنے بٹھیاں پٹے ہاتھ جیسے افسوس یا مصیبت کے عالم میں ملنے لگی۔ اب ایسا معلوم ہوا کہ لیو کو بھی اس پراسرار ہستی کی موجودگی کا احساس ہوا کیونکہ اس نے نیند میں کروٹ بدلی اور بڑبڑانے لگا۔ ابتدا میں اس کی آواز اس قدر مدھم تھی کہ میں صرف اتنا ہی سمجھ سکا کہ وہ عربی میں بڑبڑا رہا ہے۔ پھر مجھے ایک لفظ سنائی دیا جو اس نے دو دفعہ دہرایا۔

"عائشہ!" اس نے کہا "عائشہ!"

وہ پراسرار کفن پوش آگے بڑھی اور لیو کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ لیو بستر پر اٹھ بیٹھا وہ اب بھی گہری نیند میں تھا کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے جیسے وہ اس کو اپنی آغوش میں لینا چاہتا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ پھر اس نے بے حد جذباتی آواز میں کہا۔

"عائشہ! موت و حیات میں میں نے تجھے تلاش کیا ہے۔ میرے پاس آجاؤ میری دیوی! میری محبوبہ!"

وہ آگے بڑھی، وہ لیو کے اور بھی قریب آئی، ذرا بھی آواز پیدا کئے بغیر اور

اب میں نے دیکھا کہ وہ کانپ رہی تھی اور اب اس نے بھی اپنے ہاتھ بڑھا دیئے بستر کے قریب پہونچ کر وہ رک گئی اور لیو ایک بار پھر لیٹ گیا۔ اس کے یوں بیٹھنے اور پھر لیٹ جانے سے وہ چادر نیچے کی طرف کھسک گئی جو اس نے اوڑھ رکھی تھی۔ چنانچہ اب اس کا سینہ کھلا تھا جہاں وہ تعویذ یا بٹوہ تھا جسے وہ ہمیشہ گلے میں پہنے رہتا تھا اور جس میں عائشہ کے بالوں کی لٹ تھی۔ لیو گہری نیند میں تھا اور اس پراسرار ہستی کی نگاہیں اس بٹوے پر مرکوز تھیں۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا۔ بڑی آہستگی سے بٹوے کا منہ کھولا اور چمکدار لمبے بالوں کی لٹ نکالی۔ بہت دیر تک غور سے وہ ان بالوں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے یہ تبرک بٹوے میں رکھ دیا، بٹوہ بند کیا اور کچھ دیر تک، ایسا معلوم ہوا وہ روتی رہی۔ جب وہ یوں کھڑی ہوئی تھی تو سوتے ہوئے اور شاید کوئی خواب دیکھتے ہوئے لیو نے ایک بار پھر اپنے بازو پھیلا دیئے اور ایک بار پھر اس نے اسی جذبات سے پر آواز میں کہا۔

"میرے پاس آؤ۔ میری پیاری! میری حسینہ!! میری حسینہ!!!"

اس پر اس پراسرار ہستی کے منہ سے ایک دبی ہوئی چیخ نکلی، وہ پلٹی اور کسی خوفزدہ شب بیدار پرندے کی طرح کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ چلی گئی ہے تو میں نے ایک لمبا سانس لیا۔ میں نے انتہائی وحشت اور حیرت کے عالم میں سوچا کہ کیا مطلب ہو سکتا ہے اس کا۔ یقیناً کوئی خواب تو نہ تھا کیونکہ میں پوری طرح سے جاگ رہا تھا۔ تو پھر کیا معاملہ تھا یہ؟ وہ خوفناک ممی جیسی چیز یا ہستی کون تھی جو ہمیں بڑے ہی بھیانک قسم کے خطرات سے بچا کر یہاں لائی تھی، کون تھی یہ راہبر جس سے سب ڈرتے تھے اور جس کے ایک ادنیٰ اشارے پر وحشیوں کے

کاہی کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے؟ آدھی رات کے وقت اس کا ہماری خواب گاہ میں آنے کا کیا مطلب تھا جیسے کوئی بھٹکی ہوئی روح اپنے محبوب کو دیکھنے آئی ہے؟ یہ کیا بات ہے کہ اس کی موجودگی کا مجھ پر اور لیو پر مختلف اثر ہوا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی تھی لیکن لیو خواب دیکھنے لگا تھا؟ اس نے بالوں کی وہ لٹ کیوں اُتاری؟ بلکہ اسے کیسے پتہ چلا کہ اس بٹوے میں بالوں کی وہ لٹ تھی؟ اور پھر کیوں لیو کے وہ محبت بھرے الفاظ سُن کر وہ خوفزدہ چمگادڑ کی طرح بھاگ گئی؟

کاہی اوروس نے اسے منصف اور تلوار کہا تھا۔ یعنی وہ ہستی جو انصاف کرتی اور احکام نافذ کرتی ہے۔ لیکن اگر انصاف اور احکام اسی کی طرف سے ہوں تو؟ اگر یہی وہ ہستی جس کی تلاش میں ہم سرگرداں تھے یعنی خود الیشہ، تو؟ لیکن اس خیال سے میں کانپ کیوں گیا۔ خصوصاً اس لیے کہ اگر یہی الیشہ ہوئی تو پھر ہماری ساری جستجو ٹھکانے لگی اور ہمیں ہماری محنت کا پھل مل گیا سمجھو؟ اس کپکپی کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس پراسرار ہستی میں کوئی خاص بات تھی، کوئی خوفناک، غیر انسانی اور لرزہ خیز بات۔ ممی کے سے اس کفن میں اگر الیشہ ہی تھی تو پھر وہ اس الیشہ سے مختلف تھی جسے ہم جانتے تھے اور جس کے ہم پرستار تھے۔ مجھے کور کی نقاب پوش الیشہ اچھی طرح سے یاد تھی اور یہ بھی یاد تھا کہ ہمارے سامنے نقاب اٹھانے سے پہلے کس کس طرح اس کا بے پناہ حسن وجمال نقاب سے اور پورے لباس سے چھن چھن کر باہر آرہا تھا کہ کوئی نقاب اور کوئی لباس اس کے حسن کو چھپا نہ سکتا تھا۔

تو پھر کون تھی یہ پراسرار کفن پوش ہستی؟ میں اس خیال پر جما نہ رہ سکا کہ وہ الیشہ تھی۔ میرا یہ خیال غلط تھا۔ یقیناً وہ وہی تھی جو اوروس نے کہا تھا۔ ایک

نیم فوق الفطرت ہستی جیسے چند قوتیں عطا کی گئی تھیں اور اس وقت وہ یقیناً نیند میں ہماری حالت کا پورا پورا اندازہ لگانے آئی تھی تاکہ ہماری مکمل رپورٹ اس ہستی کو دے سکے جس نے اسے یہ قوتیں عطا کی تھیں۔

اپنے آپ کو یوں تسلی دے کر میں پھر سو گیا۔ کیونکہ تکان میرے عام شکوک اور خوف پر غالب تھی۔ صبح جب اس قسم کے شکوک اور اندیشے نسبتاً ماند پڑ جاتے ہیں، میں نے چند در چند وجوہات کی بنا پر فیصلہ کیا کہ میں نے جو کچھ دیکھا تھا اسے فی الحال لیو سے چھپا رکھنا ہی مناسب ہوگا اور میں نے اپنے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے کئی دنوں تک لیو سے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا۔

جب میں بیدار ہوا تو خواب گاہ میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور کاہن اوروس میرے قریب کھڑا ہوا تھا۔ میں بستر سے اٹھ بیٹھا اور وقت پوچھا اس نے مسکرا کر اور نیچی آواز میں جواب دیا کہ دوپہر ہونے میں دو گھنٹے باقی ہیں۔ اور پھر کہا کہ وہ میرے بازو کی ہڈی بٹھانے آیا ہے۔ اب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اس قدر نیچی آواز میں کیوں بول رہا ہے؟ جبکہ لیو اب بھی گہری نیند سو رہا تھا۔۔۔۔۔

"انھیں سونے دو" اوروس نے میرے بازو پر سے پٹی کھولتے ہوئے کہا۔ "کیوں کہ انھوں نے بڑے مصائب برداشت کیے ہیں اور شاید ابھی اور بھی برداشت کرنے پڑیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا برادر اوروس؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔ "اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو تم نے کہا تھا کہ اس پہاڑ پہ ہم محفوظ ہیں۔"

"میں نے تم سے کہا تھا دوست ۔۔۔" اوروس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔۔۔۔

"مجھے ہالی کہتے ہیں"

"میں نے کہا تھا دوست ہالی کہ تمہارے جسم محفوظ ہیں۔ باقی کے متعلق تو میں نے کچھ نہیں کہا۔ اور تم جانو انسان صرف گوشت و پوست کا ہی نام نہیں ہے اس میں روح بھی ہوتی ہے اور ذہن بھی اور ان کو بھی نقصان پہونچایا جا سکتا ہے۔"

"ایسا کون ہے جو ان چیزوں کو نقصان پہونچا سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دوست ہالی!" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "تم اور تمہارا ساتھی ایک آسیبی اور پر اسرار زمین پر آئے ہو۔ لیکن اتفاقاً نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اب تک تم زندہ نہ ہوتے بلکہ تم ایک ارادہ کر کے اور ان اسرار پر سے پردہ اٹھانے آئے ہو جو پشت ہا پشت سے نہاں چلے آ رہے ہیں۔ تمہارا یہ ارادہ پوشیدہ نہیں رہا۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن اگر یہ پردہ اٹھ گیا تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری روح کانپ جائے اور تم پاگل ہو جاؤ۔ اب بتاؤ تم اس سے خوفزدہ ہو کہ نہیں؟"

"ہاں۔ کچھ کچھ"۔ میں نے جواب دیا۔ لیکن میں نے اور میرے منھ بولے بیٹے نے عجیب و غریب واقعات دیکھے ہیں اور ہم زندہ رہے ہیں۔ ہم نے آتش حیات کو اس کی پوری تابناکی میں دیکھا ہے۔ ہم ایک لافانی ہستی کے مہمان رہ چکے ہیں، اور ہم نے موت کو اس ہستی پر قابو پاتے دیکھا ہے۔ لیکن ہم بچ گئے ہیں۔ تو کیا اب ہم، تمہارے خیال میں، بزدل بن جائیں گے؟ نہیں ہم قسمت کے لکھے کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھیں گے پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

میرے ان الفاظ پر کاہمی اوروس نے نہ تو حیرت کا اظہار کیا اور نہ ہی تجسس کا۔ گویا میں نے وہی باتیں کہی تھیں جن سے وہ پہلے ہی سے واقف تھا۔

"خوب!" اس نے مسکرا کر کہا اور اپنا منڈا ہوا سر ذرا جھکا دیا۔ "تو ایک

گھنٹے بعد تم اپنی قسمت کا لکھا پورا کرنے کے لیے آگے روانہ ہو جاؤ گے۔ بہرحال میں نے تمھیں خبردار کر دیا ہے، کیونکہ مجھے اس کی ہدایت کر دی گئی تھی، اگر تمھیں برا معلوم ہوا تو میں معافی چاہتا ہوں۔ یہ ہدایت شاید مجھے تمہاری آزمائش کے لیے کی گئی تھی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں ان آقا کو بھی خبردار کر دوں؟"

اور اس نے لیو کی طرف دیکھا۔

"لیوونس ہے ان کا نام۔" میں نے کہا۔

"لیوونس؟ ہاں لیوونس۔" اس نے یوں دہرایا جیسے وہ اس نام سے واقف تو تھا لیکن یاد نہ آرہا تھا۔ "لیکن تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ کیا ضروری ہے کہ میں انھیں بھی خبردار کر دوں؟"

"اس کی ضرورت تو نہیں، لیکن اگر تم چاہو تو اس کے بیدار ہونے پر اپنے الفاظ اس کے سامنے دہرا سکتے ہو۔"

"نہیں۔ میں تم سے متفق ہوں۔ میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں اس موازنے کی معافی چاہتا ہوں۔ جس کام کی جرأت بھیڑیا کر سکتا ہے۔" اور یہاں اس نے میری طرف دیکھا۔

"اس سے بڑھ کر نہیں بھاگ سکتا۔" اور اس نے لیو کی طرف اشارہ کیا۔ "خیر، تمہارے بازو کے زخموں کی حالت اب بہتر ہے، اور ورم بھی اتر گیا ہے۔ اب میں اس پر پٹی کیسے دیتا ہوں اور چند ہفتوں ہی میں تمہارا بازو اچھا ہو کر ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ پہلے تھا یعنی خان رامین جب میدان میں شکار کھیل رہا تھا اور اس سے تمہاری مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ ہاں یاد آیا۔ جلد ہی ایک بار پھر تم خان کو اور اس کی حسین بیوی کو بھی اس کے ساتھ دیکھو گے۔"

"ایک بار اسے دیکھ لوں گا؟ کیا اس پہاڑ پر مُردے زندہ ہو جاتے ہیں؟"

"نہیں بلکہ چند خاص مُردوں کو دفنانے کے لیے یہاں لایا جاتا ہے کیونکہ کلون کے حاکموں کو خصوصیت سے یہ شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ کلون کی خانم ندائے روح سے کچھ پوچھنا چاہتی ہے!"

"یہ ندائے روح کیا ہے؟" میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہ ایک آواز ہے۔" اس نے مبہم سا جواب دیا "ندائے روح ہر جگہ آواز ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آواز ہی ہے۔"

"ہاں۔ اطیفہ نے بھی یہی کہا تھا۔ لیکن آواز اسی کی ہوتی ہے، جس کا وجود ہوتا ہے۔ تو کیا یہ بولنے والی وہی ہے جسے تم لوگ ماتا کہتے ہو؟"

"شاید۔"

"اور یہ ماتا روح ہے؟"

اس موضوع پر کافی بحثیں ہو چکی ہیں، ہو رہی ہیں اور ہوں گی۔ میدان والوں نے بھی یہی بتایا ہو گا تمہیں؟ اور وحشی قبائل بھی یہی سمجھتے ہیں اور یہ قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ ہم سب گوشت و پوست کے ہیں اور وہ ــــ لیکن جب تم خود اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر لو گے تو پھر ہم اس موضوع پر بحث کریں گے لو۔ ہچکی بندھ گئی۔ اب ذرا احتیاط سے کام لینا۔ نہ تو اس پر چوٹ آنے پائے اور نہ یہ لٹکنے پائے۔ دیکھو تمہارا ساتھی بھی بیدار ہو رہا ہے۔"

کوئی ایک گھنٹے بعد ہم آگے روانہ ہوئے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اب ہم پہ چڑھائی چڑھ رہے تھے۔ میں خان کے گھوڑے پر سوار تھا جسے دانہ پانی دیا جا چکا تھا اور جو ستا چکا تھا چنانچہ تازہ دم تھا۔ لیو کیلئے ڈولی لائی گئی تھی

جس میں سوار ہونے سے اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ تندرست ہو چکا اور یہ کہ عورتوں کی طرح ڈولی میں بیٹھ کر سفر کرنا نہیں چاہتا چنانچہ وہ بھالے کے دستے سے لاٹھی کا کام لیتا اور اسے زمین پر ٹیکتا میرے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پا پیادہ چلنے لگا۔ ہم آگ کے اس کھڈ کی طرف گزرے جو اب سفید راکھ سے بھرا ہوا تھا اور اس میں اس شیطان وچ ڈاکٹر کی اور اس کی خوفناک بلّی کی راکھ بھی شامل تھی۔ ہماری کفن پوش راہبر پھر آگے آگے چل رہی تھی۔ قبیلے کے لوگ جو اب گاؤں میں واپس آ گئے تھے ہماری اس راہبر کے سامنے سجدے میں گر جاتے اور اس وقت تک سجدے میں ہی پڑے رہتے جب تک کہ ہم آگے نہ بڑھ جاتے۔

لیکن ان سجدہ ریز لوگوں میں سے ایک عورت اٹھی اور ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کاہنوں کی قطار کو چیرتی اور انھیں ڈھکیلتی لیو کے قریب آ گئی، ان کے سامنے گھٹنوں کے بل گر گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ یہ وہی نوجوان عورت تھی جس کی جان لیو نے بچائی تھی۔ اس کے بشرے سے شرافت اور تمکنت عیاں تھی اور اس کے بال سنہرے تھے۔ اس کے ساتھ اس کا شوہر تھا جس کے بازوؤں پر بندھنوں کے نشانات اب بھی نظر آ رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہماری کفن پوش راہبر نے بھی دیکھ لیا لیکن کس طرح یہ میں نہیں جانتا۔ بہرحال یہ ضرور ہوا کہ وہ دفعتہً ہماری طرف گھوم گئی اور اس نے چند اشارے کیے جسے کاہن اوروس نے سمجھ لیا۔

اوروس نے اس عورت کو قریب بلایا اور ڈانٹ کر پوچھا کہ اس نے اس اجنبی کو اپنے ناپاک ہونٹوں سے چھونے کی جرأت کیسے کی؟ اس پر عورت نے جواب دیا کہ شکر کے جذبات نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اوروس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اسی لیے اس کی اس گستاخی کو معاف کیا جاتا ہے اور یہ کہ اسے

جو کچھ اذیتیں برداشت کی ہیں ان کے صلے میں اس کے شوہر کو قبیلے کا سردار اور حکمران کا عہدہ دیا جاتا ہے اور یہ کہ وہ ماتا کی رضامندی سے سردار اور حکمران رہے گا۔ اب اوروس نے اعلان کیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سردار کا احترام کریں اور اس کا حکم بجالائیں اور یہ کہ ان کا سردار اگر کوئی برائی کرے تو اس کی اطلاع پہاڑ پر پہونچائی جائے تاکہ اسے مناسب سزا دی جائے پھر اس نے میاں بیوی کو پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور ان کے شکریے اور لوگوں کے خوشی کے نعروں کی طرف متوجہ ہوئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

جب ہم اس گھاٹی میں سے گزر رہے تھے، جس میں سے ہو کر گزشتہ رات گاؤں میں پہونچے تھے، تو ہم نے گانے کی آواز سنی۔ آگے بڑھے تو راستہ مڑ گیا تھا۔ وہاں پہونچے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک ماتمی جلوس چلا آ رہا تھا اور اس جلوس کے آگے کوئی اور نہیں بلکہ خود خانیہ گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے اس کا ماموں شامن سمبری تھا اور ان کے پیچھے سر منڈے کاہنوں کا گروہ تھا جنہوں نے سفید چغے پہن رکھے تھے۔ انھوں نے ایک جنازہ اٹھا رکھا تھا جس پر کسی اور کی نہیں بلکہ خان کی لاش رکھی ہوئی تھی، جو کالے کفن میں لپٹی ہوئی تھی لیکن اس کا چہرہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ مرنے کے بعد خان کا چہرہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ جب وہ زندہ تھا تو اس پر کرختگی اور دہشت تھی لیکن موت نے یہ دونوں اثرات دور کر کے اس کے چہرے کو پروقار بنا دیا تھا۔ یہ وقار اسے زندگی میں نصیب نہ ہوا تھا۔

چنانچہ یوں اور اس حالت میں ہماری اور خان کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ہمارے سفید پوش راہبر کو دیکھ کر خانیہ کا گھوڑا ایکدم سے پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا اور میں سمجھا کہ وہ خانیہ کو اپنی پیٹھ پر سے پھینک دے گا۔ لیکن اس نے چابک نچا کر اور

پچکار کر گھوڑے کو قابو میں کیا اور چیخ کر پوچھا۔

"کون ہے یہ چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی۔ یہ گمشو جو خانیہ اطینہ اور اس کے مرحوم شوہر کا راستہ روکنے کی جرأت کر رہی ہے؟ میرے ہاتھوں! میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری ساتھی کوئی اچھی ہستی نہیں ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خبیث روح ہے جو تمہیں کسی بڑی مصیبت کی طرف لے جا رہی ہے۔ تمہاری یہ راہبر یقیناً کوئی گھناؤنی اور نفرت انگیز ہستی ہے۔ کیونکہ اگر یہ کوئی حسینہ ہوتی تو اپنی صورت دکھاتے نہ ڈرتی۔"

اس پر شامن سمجھا نے اپنی ملکہ کو خاموش کرنے کے لیے اس کی آستین پکڑ کر اسے ہلکا سا جھٹکا دیا اور کاہن اور دوسروں نے خانیہ کے سامنے احتراماً جھک کر درخواست کی کہ وہ ایسی جلی کٹی باتیں ہوا میں نہ کہے کیونکہ پتہ نہیں ہوا اس کے یہ الفاظ کہاں پہنچا دے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے خانیہ اطینہ کے دل میں جبلّی نفرت کا لاوا ابل رہا تھا اور اس کا اپنی زبان پر اختیار نہ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے ہماری راہبر کو اب جو مخاطب کیا تو وہ صاف تو تکار پر اتر آئی۔ یہ انداز تخاطب ہرچند کہ پہاڑ پر عام تھا لیکن میدان میں عام نہ تھا۔

"ہوا کا جہاں جی چاہے میرے الفاظ کو پہنچا دے۔ میں کسی سے ڈرتی نہیں۔" اس نے ہماری راہبر کو براہ راست مخاطب کیا۔ "ساحرہ! یہ چیتھڑے اپنے جسم پر سے اتار دے جو کسی گھناؤنے اور سڑے ہوئے مُردے کو ہی زیب دیتے ہیں۔ ظاہر ہو میرے سامنے! آخر میں بھی تو دیکھوں کہ تو کون ہے؟ اور کیا ہے؟ منحوس الوئن! تو مجھے اپنے اس کفن سے ڈرانا چاہتی ہے؟ باہر آ اپنے اس کفن سے جس نے تیری نحوست اور یہ بدصورتی اور گھناؤنے پن کو چھپا رکھا ہے۔"

"خاتون میں درخواست کرتا ہوں کہ اپنی زبان کو لگام دو۔" اوروس نے اب پہلی دفعہ گھبرا کر کہا۔ "یہ کوئی اور نہیں بلکہ کارپرداز ہے اور اسے قوتیں اور اختیارات حاصل ہیں۔"

"ہوں گے۔ لیکن خانیہ الطینہ پر نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "تو قوتیں حاصل ہیں اسے تو دکھائے اپنی قوت اور اس میں کوئی قوت ہے تو وہ خود اس کی نہیں ہے بلکہ پہاڑ کی اس ساحرہ کی عطا کردہ ہے جو اپنے آپ کو روح ظاہر کرتی یا اس کا دعویٰ کرتی ہے اور جس نے اپنے جادو سے میرے مہمانوں کو مجھ سے چھین لیا، اور یہاں بلا لیا۔" اور یہاں اس نے ہماری طرف اشارہ کیا۔ "اور یوں اس نے میرے شوہر پر موت نازل کردی۔"

"بھانجی! اب بس کرو" شامن سجری نے کہا جس کا جھریوں پڑا چہرہ خوف سے سفید ہو گیا تھا۔ اوروس نے اپنے دونوں ہاتھ یوں اوپر اٹھائے جیسے وہ کسی غیبی اور ان دیکھی قوت سے التجا کر رہا ہو۔

"اے وہ! جو دیکھ رہی ہے اور سن رہی ہے۔" اس نے کہا۔ "میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس عورت کی گستاخی معاف کر اور اس پر رحم کر کیونکہ یہ پاگل ہو رہی ہے ہاں اسے معاف کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے خدمتگاروں کے ہاتھ مہمانوں کے خون سے رنگ جائیں اور ہماری عبادتوں کی قدیم روایتوں پر حرف آئے اور ان کی توقیر انسانوں کی نظر میں نہ رہے۔"

یوں دعا کی اس نے اور حالانکہ اس کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اب اس کی نظریں ہماری راہبر پر جمی ہوئی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ خود ہم بھی اس پراسرار ہستی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب اوروس یوں کہہ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ہماری راہبر نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا بالکل اسی طرح جب

اس نے دشنیوں کے درمیان ڈاکٹر پر موت نازل کی تھی یا اس کی موت کا حکم دیا تھا۔ پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کچھ سوچا اور اپنا ہاتھ یوں ہی تھوڑا سا اٹھا دکھا اس طرح کہ اب وہ خانیہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ ہماری راہبر نے ذرا جنبش نہ کی منھ سے کچھ نہ کہا۔ صرف خانیہ کی طرف اشارہ کیا اور خانیہ کے غصیلے الفاظ نے اس کی زبان پر دم توڑ دیا۔ غصے کے جذبات اس کی آنکھوں سے اور رنگ اس کے چہرے پر سے غائب ہو گیا۔ جی ہاں! وہ خاموش اور سفید ہو گئی اور اس مردے کی طرح جو اس کے پیچھے جنازے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس غیبی طاقت نے اسے اس قدر خائف کر دیا اور اس قدر لاچار کر دیا کہ اس نے اپنے گھوڑے پر یوں بے تحاشہ چابک برسائے کہ وہ اس بلائے ناگہانی سے گھبرا کر ایک دم سے بھاگ پڑا اور بگولے کی طرح ہمارے قریب سے نکلتا ہوا گاؤں کی طرف بگٹٹ بھاگا۔ جہاں ان لوگوں کو جو جنازہ لے کر آئے تھے، کچھ دیر ستانا تھا۔

جب شامن بجری خانیہ کے پیچھے چلا تو کاہن اورو س نے اس کے گھوڑے کی باگ تھام لی اور اس سے کہا۔

"ساحر! ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔ مثال کے طور پر اس وقت جب موجودہ خانیہ کے باپ کا جنازہ یہاں لایا گیا تھا۔ چنانچہ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم خانیہ کو خبردار کر دو کہ وہ اس سرزمین کی حکمراں کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت نہ کرے تم اسے خبردار کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم حکمراں کی قوت سے ایک حد تک واقف ہو اور حقیقت جانتے ہو۔ اور میری طرف سے اس سے یہ کہہ دو کہ اگر وہ جنازے کے ساتھ نہ آئی ہوتی اور جنازے کے ساتھ آنے والوں کے لئے امن نہ ہوتا تو یہاں اور اسی وقت وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ آخری منزل کی طرف روانہ ہو جاتی۔ اچھا اب جاؤ! ہم پھر ملیں گے۔"

اور اوروس شاسن بیجری کی لگام چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔
کچھ دیر بعد ہم جلوس جنازہ کو بہت پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ اب ہم گھاٹی میں سے نکل آئے اور موڑ مڑ کر پہاڑ کی ڈھلان پر چڑھ رہے تھے اور اس برف کی طرف جا رہے تھے جو اب زیادہ بلندی پر نہ تھی۔ جب ہم اس گھاٹی میں سے جس میں چیڑ اور صنوبر کے گھنے جھنڈ تھے اور ان کی وجہ سے وہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا، باہر آئے تو یکایک دیکھا کہ ہماری کفن پوش راہبر غائب تھی۔
"وہ ۔۔۔ وہ ۔۔۔ کہاں گئی؟" میں نے پوچھا "کیا خانیہ سے بحث مباحثہ کرنے اس کے پیچھے گئی ہے؟"
"نہیں" اوروس نے مسکرا کر جواب دیا "میرے خیال میں وہ ہوزیہ کو یہ اطلاع دینے گئی ہے کہ اس کے معزز مہمان قریب پہونچ گئے ہیں"۔
"اچھا" میں نے پہاڑ کی ننگی ڈھلان کی طرف دیکھا۔ جہاں سے اگر کوئی چوہا بھی گزرتا تو نظر آ جاتا۔ "میں سمجھ گیا۔ وہ آگے گئی ہے"۔
اور یہ بات یہیں ختم ہو گئی۔ لیکن جو بات میری سمجھ میں نہ آئی وہ یہ تھی کہ ہماری راہبر گئی کیسے؟ لیکن چونکہ پہاڑ میں غار اور سرنگوں کی افراط تھی اس لیے میں نے سمجھا کہ وہ ان میں سے کسی ایک میں گھس گئی ہے۔
دن کے باقی حصے میں ہم برابر سفر کرتے رہے اور چڑھائی چڑھتے رہے اور رفتہ رفتہ اس مقام کے قریب چلے گئے جہاں سے برف کا سلسلہ یا یوں کہو کہ برف کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اس سفر میں ظاہر ہے کہ میں خاموش نہ تھا بلکہ اوروس سے سوالات پوچھ پوچھ کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور جو کچھ میں اس سے معلوم کر سکا اس کا لب لباب یہ ہے۔
اوروس کے بیان کے مطابق ابتدائے آفرینش سے یعنی ہزار ہا سال سے یہ

پہاڑ ایک خاص قسم کی آتش پرستی کلچر گزر رہا ہے۔ اس پرستش کی 'سجادہ نشین' ایک عورت تھی لیکن بیس صدیوں پہلے ایک فاتح سردار نے، جس کا نام راسین تھا، یہاں چڑھائی کی، علاقے پر قبضہ کیا اور پھر کلون کا خان بن بیٹھا۔ اس راسین نے ایک نئی کاہنہ کو پہاڑ پر لا بٹھایا۔ اور اس کی پرستش جاری کروا دی۔ یہ کاہنہ مصری دیوی ہوذیہ یا آئمکیس کی کاہنہ اور پرستار تھی۔ اس کاہنہ نے قدیم مذہب میں چند ترمیمات اور اصلاحیں کیں۔ قدیم اور سیدھی سادی آتشی پرستی کو منسوخ کر کے اسکی جگہ نیا مذہب رائج کیا۔ البتہ چند قدیم رسوسات کو قائم رکھا اور ان کا خط "روح حیات" یا "فطرت" کو بنا دیا اور خود اس کی خدائی کاہنہ کی نمائندہ یا اوتار بن گئی۔ چنانچہ اسی کو پوجا جانے لگا۔

اس کاہنہ کے متعلق اوروس صرف اس قدر بتا سکا کہ وہ "شروع سے ہے، ہر دم ہے اور ہر دم رہے گی اور ہر جگہ ہے۔" البتہ ہم نے سمجھ لیا یا یوں کہیے کہ ہم نے اندازہ لگا لیا کہ جب ایک کاہنہ مر جاتی ہے یا آگ میں چلی جاتی ہے تو (جیسا کہ اوروس نے کہا تھا) تو پھر اس کی بیٹی جو یا تو اس کے بطن سے ہو یا اس کی متبنیٰ ہو اس کی جانشین قرار پاتی ہے اور پھر اسی نام سے یعنی "ہوذیہ" یا "ماتا" کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا اس ماتا کے دیدار کر سکیں گے تو اس نے جواب دیا کہ وہ بہت کم کسی کے سامنے آتی ہے اس ماتا کی شکل و صورت اور ظاہری خصوصیات کے متعلق اوروس نے کچھ نہیں بتایا۔ سوائے اس کے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو تبدیل کرتی رہتی ہے اور یہ کہ وہ جب چاہے مجسم اور مکمل ترین قوت بن سکتی ہے۔

اوروس نے ہمیں بتایا کہ اس کے معبد میں تین سو کاہن ہیں، نہ ایک کم اور نہ ایک زیادہ اور اتنی ہی کاہنائیں ہیں۔ ان میں سے ان کاہنوں اور کاہناؤں کو شادی کرنے کی بھی اجازت ہے جو شادی کرنا چاہیں اور ان کی جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی

آئندہ چل کر کاہن ادر کاہنہ ہی بنتی ہے۔ چنانچہ یوں ایک نسل تیار ہو جاتی ہے۔ جس کے لوگ تمام لوگوں سے الگ اور برتر ہوتے ہیں اور یہ غلط بھی نہ تھا کیونکہ جو لوگ ہمارے ساتھ تھے وہ شکل و صورت میں بہت حد تک ایک دوسرے سے مشابہ تھے۔ بے حد قبول صورت خدوخال صاف، کالی آنکھیں اور رنگت گندمی جو ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے اعلیٰ شرقی نسل کے لوگ ہیں، جن کی رگوں میں یونانی اور مصری خون گردش کر رہا ہے۔

ہم نے اوروس سے پوچھا کہ پہاڑ پر عظیم الشان چٹان پر جو زبردست قلعہ ہے کیا اسے انسانوں نے بنایا ہے۔ ہمارے اس سوال کا جواب اس نے نفی میں دیا اور بتایا کہ قدرتی ہے اور یہ کہ جو روشنی اس میں سے گزرتی ہے وہ اس آگ میں سے آتی ہے جو آتش فشاں کے دہانے میں جلا کرتی ہے۔ سب سے پہلی کاہنہ نے اسی حلقے میں اس علامت حیات کو پہچان لیا جس کی پرستش مصری کرتے تھے چنانچہ اس نے اپنی قربان گاہ اسی کے سایہ میں بنوائی۔

رہیں دوسری باتیں تو ان کا تو یہ ہے کہ عظیم الشان پہاڑ کی ڈھلانوں پر اور دامن میں اور سرحدوں پر نیم وحشی لوگ آباد ہیں۔ لیکن جنہوں نے ہوزیہ کی حکومت قبول کر لی ہے اور اس کی خدمت میں وہ دھاتیں اور غلہ بطور خراج پیش کرتے رہتے ہیں لیکن زیادہ تر غلہ خود کاہن پہاڑ پر کے ہی محفوظ کھیتوں میں اگا لیتے ہیں اور مویشیوں کی پرورش بھی کرتے ہیں جن سے انھیں گوشت مل جاتا ہے اور دھاتوں سے مختلف چیزیں خود ہی بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ ہوزیہ کی یہ حکومت ایک قسم کی روحانی حکومت ہے جس کا تعلق جنگ و جدل اور فتوحات سے نہ تھا اور نہ ہی اس کا ان خانہ جنگیوں سے کوئی واسطہ تھا جو میدان والوں اور پہاڑ والوں میں ہوا کرتی تھی البتہ ماتا مجرموں کو اس طرح سزا دے دیا کرتی تھی جیسا کہ ہم دیکھ چکے تھے اور ان

سرداروں کو بھی برطرف کر دیا جاتا اور انھیں سزا دی جاتی تھی جو جنگ کرتے تھے اِلّا یہ کہ خود ان پر حملہ ہوا ہو اور انھوں نے اپنے بچاؤ کے لیے جنگ کی ہو۔ البتہ سارے قبائل ہوزیہ اور اس کے معبد کی حفاظت کرنے کا حلف لے چکے تھے ہر چند کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں وقت آنے پر ہوزیہ کی حفاظت کے لیے ایک ہو جاتے اور اسی کی خاطر مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے۔ البتہ اس کا سب کو یقین تھا کہ کلوون کے باشندوں اور کاہنوں میں ایک بار پھر ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ ہو گی چنانچہ وہ لوگ اسی آخری جنگ کے لیے تیار تھے۔

چنانچہ یہ باتیں تھیں جو ہمیں کاہن اوروس سے معلوم ہوئیں اور جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا یہ ساری باتیں صحیح تھیں۔

شام ہو چکی تھی جب ہم ایک وسیع و عریض میدان میں پہونچ گئے۔ جو ایک جانب بڑے پیالے کی طرح تھا کہ اس کے کنارے اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ یہ زبردست پیالہ اسی مقام کے جہاں سے برف کی حدود شروع ہو جاتی تھیں، عین نیچے تھا۔ اور نہایت عمدہ زرخیز مٹی سے بھرا ہوا تھا، یہ مٹی میرے خیال میں پہاڑ کی بلندی سے بہہ کر آئی تھی۔ اس کے اوپر اٹھے ہوئے کناروں اور پہاڑوں نے اس میدان کو ایسا محفوظ مقام بنا دیا تھا کہ ہر چند کہ یہ کافی بلندی پر اور جنوب مغرب کے رخ واقع تھا۔ اس کے باوجود یہاں معتدل آب و ہوا میں اگنے والے غلّے کی کاشت افراط سے کی جا رہی تھی۔ اسی میدان میں معبد کے کھیت تھے جن میں خوب کاشت ہو رہی تھی۔ اس زبردست پیالے میں جو نیچے سے نظر نہ آتا تھا، ہم ایک قسم کے قدرتی دروازے سے داخل ہوئے جو ایسا تھا کہ صرف چند آدمی یہاں کھڑے ہو کر بڑی سے بڑی فوج کو کامیابی کے ساتھ روک سکتے تھے۔

اور اس کی اور بھی خصوصیات تھیں لیکن ان کا ذکر یہاں کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا چنانچہ صرف یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ میرے خیال میں آتش فشاں سے اس میدان کو کافی حرارت مل جاتی تھی، اور یہ کہ جب آتش فشاں پھٹتا تھا، اور ایسا کبھی کبھار ہوتا تھا، تو لاوا اس پیالے کے باہر اجاباہر جنوب اور شمال میں بہہ جاتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس پیالے کے کنارے منجمد لاوے ہی نے بنائے تھے۔

اس سرسبز و شاداب اور باغ کی قسم کے خطے سے گزر کر ہم ایک چھوٹی سی بستی میں پہونچے جس کے مکان خوبصورت تھے اور لاوے کے پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ یہاں کاہن رہتے تھے اور یہاں کسی اجنبی اور وحشی قبائل کے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ تھی سوائے ان لوگوں کے جو کاہنوں کی خدمت پر مامور ہوں۔

اس بستی کی سب سے بڑی سڑک یا شاہراہ پر چلتے ہوئے عقبی بلند چٹان کے سامنے ہم پہونچ گئے۔ یہاں ایک زبردست محرابی دروازہ تھا جس میں مضبوط آہنی کواڑ لگے ہوئے تھے جو عجیب شکل کے تھے۔ یہاں ہمارے بدرقے کے کاہن میرا گھوڑا لے کر چلے گئے۔ البتہ اوروس ہمارے ساتھ ہی کا رہا۔ جب ہم قریب پہونچے تو یہ زبردست کواڑ اپنی چولوں پر گھوم کر اندر کی طرف کھل گئے۔ جب ہم اس دروازے میں داخل ہوئے ہی تو میرے دل و دماغ میں ایک ایسا ہیجان بپا تھا جسے الفاظ میں بیان کرنا کم سے کم میرے لیے تو ممکن نہیں۔ ہم ایک اندھیری گزرگاہ میں ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھے اور اب پھر ایک اور بند دروازے کے سامنے تھے۔ اس کے کواڑوں پر بھی آہنی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ ہمارے قریب پہونچتے ہی یہ کواڑ بھی کھل گئے اور دوسرے ہی لمحے ہم حیرت سے لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے کیونکہ کواڑوں کے کھلتے ہی اندھیری گزرگاہ میں ایسی تیز روشنی در آئی تھی کہ ہماری آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

جو حضرات یہ سطور پڑھ رہے ہیں وہ سب سے بڑے گرجا کو یاد کریں جو انھوں نے دیکھا ہو اور پھر اس کی وسعت کو تین گنی اور چوگنی کر دیں تب شاید اس مندر کی وسعت کا کچھ اندازہ کر سکیں گے جس میں ہم اپنے آپ کو پا رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں یہ کوئی قدرتی غار رہا ہو۔ تاہم یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن اب اس کی کھردری چکنی چٹانی دیواروں اور بے شمار بلند اور مضبوط ستونوں کو جو بہت اوپر گنبد نما چھت کو سہارا دیے ہوئے تھے، انسانی ہاتھوں نے تراش کر سجایا بنایا تھا اور یہ صنعت کاری ان آتش پرستوں کی تھی جو صدیاں ہوئیں کہ مر کھپ گئے تھے۔

آپ حیران ہوں گے کہ ایسی وسیع و عریض جگہ ایسی روشنی کس طرح تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لاکھ سر کھپائیں اس کی وجہ معلوم نہ کر سکیں گے اور کر بھی کیسے سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ روشنی بھڑکتے اور بل کھاتے ہوئے ستونوں سے نکل رہی تھی۔ زندہ آگ کے ستون تھے یہ۔ ایسے اٹھارہ ستون تو میں نے شمار کیے لیکن ایسے دوسرے بھی آتشی ستون یقیناً ہوں گے۔ آگ کے یہ ستون مندر کے فرش میں سے پھوٹتے تھے اور مناسب فاصلے سے دو رویہ قطاروں میں چلے گئے تھے، یہ آتشی ستون فرش سے نکل کر یکساں حجم کے ساتھ چھت تک بلند ہوتے چلے گئے تھے، ایسی زبردست طاقت تھی اس زیر زمینی گیس میں جو اس آگ کو اتنی بلندی تک پھینکتی تھی۔ خیر تو اوپر پہونچ کر یہ آتشی ستون غائب ہو جاتے تھے میرا خیال ہے کہ موٹی چٹانی چھت میں بڑے بڑے سوراخ یا چمنیاں بنائی گئی تھیں۔ جن کے ذریعے یہ آگ باہر نکل جاتی تھی۔ کمال تو یہ ہے کہ اس آگ میں نہ تو کسی قسم کی بو تھی اور نہ ہی یہ دھواں دیتی تھی۔ اور نہ ہی اس زبردست مقام کو ان آتشی ستونوں نے تپایا تھا۔ صرف سفید آگ تھی جیسا کہ پگھلا ہوا لوہا ہوتا ہے اور ہلکی سی

تیز سرسراہٹ کی آواز تھی جیسے سیکڑوں سانپ پھنکار رہے ہوں اور بس۔

یہ عظیم الشان مندر بالکل خالی تھا اور آگ کی سرسراہٹ کے علاوہ کوئی اور آواز کسی طرف سے نہ آرہی تھی۔ دلوں پر رعب و خوف طاری کر دینے والی جگہ تھی یہ۔

"تمہاری یہ زبردست موم بتیاں بجھ بھی جاتی ہیں؟" لیو نے اپنے ہاتھ سے آنکھوں پر چھجا بنا کر اوروس سے پوچھا۔

"کیسے بجھ سکتی ہیں" اوروس نے اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیا جب کہ انھیں وہ ابدی آگ روشن کیے ہوئے ہے جس کی پرستش اس مندر کو بنانے والے کیا کرتے تھے؟ شروع سے یہ ستون اسی طرح روشن چلے آرہے ہیں اور آخر تک اسی طرح روشن رہیں گے۔ البتہ جب ہم چاہیں اس کی روشنی بند کر سکتے ہیں٭۔ میرے ساتھ آؤ اور دوسرے عجائبات بھی دیکھو گے۔"

چنانچہ ہم اوروس کے پیچھے چل دیئے۔ اس وسیع و عریض اور زبردست عمارت میں تینوں انسان کس قدر چھوٹے اور حقیر نظر آرہے تھے! آخر کار ہم اس کے انتہائی سرے پر پہونچ گئے اور دیکھا کہ دائیں اور بائیں راستے جاتے تھے۔ جو فراخ تھے اور یہ آتشی ستونوں سے روشن تھے۔ یہاں اوروس نے ہمیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور ہم خاموش کھڑے رہے۔ فوراً ہی دائیں بائیں راستوں سے گانے کی آواز آئی اور کچھ ہی دیر بعد نظر آیا کہ دونوں ستونوں کی گہرائیوں میں سے

٭:۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ روشنی بند کرنے کیلئے بڑے بڑے پتھر ان سوراخوں پر رکھ دیئے جاتے تھے جن سے یہ آگ کے ستون نکل رہے تھے اور اس طرح گیس یا آگ کو باہر آنے سے روکتے تھے۔ یہ پتھر زنجیروں سے بند سے ہوئے تھے اور یہ زنجیریں چرخیوں پر لپٹی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان پتھروں کو آسانی سے ادھر ادھر کھسکایا جا سکتا تھا۔

سفید پوشوں کا ایک جلوس نکل کر ہماری طرف آرہا تھا۔

یہ لوگ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آرہے تھے اور اب ہم نے دیکھا کہ دائیں طرف سے جو جلوس آرہا تھا وہ کاہنوں کا تھا اور بائیں طرف سے جو جلوس آرہا تھا وہ کاہناؤں کا تھا اور ان دونوں کی مجموعی تعداد سو کے قریب تھی۔

اب مرد ہمارے سامنے صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور عورتیں ہمارے پیچھے۔ اسی طرح صف بنا کر کھڑی ہو گئیں وہ سب کے سب اب کوئی عجیب اور وحشتناک گیت گا رہے تھے۔ اور ان کا اشارہ پا کر ہم آگے بڑھے۔ اس دفعہ ایک تنگ راستے میں جس کے سرے پر چوبی کواڑ تھے۔ جب ہمارا جلوس ان کواڑوں کے قریب پہونچا تو وہ کھل گئے۔ اور اب ہمارے سامنے اس عجیب معبد کا سب سے بڑا عجوبہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑا بیضوی اور بلند طاق سا تھا۔ اور اب ہماری سمجھ میں آیا اس مندر کا نقشہ۔ اس زبردست ستون کی شکل پر بنایا گیا تھا جس کی چوٹی پر وہ حلقہ یا علامت حیات تھی۔ اور ہمارا یہ اندازہ بھی غلط نہ تھا کہ اس طاق کا محیط بھی اتنا ہی تھا جتنا کہ اس حلقے کا۔ یہ انسانی کاریگری اور نہایت ہی صحیح پیمائش کا حیرت انگیز نمونہ تھا۔

اس طاق کے گرد اگرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر وہی آتشی ستون تھے جن سے چکا چوند پیدا کر دینے والی روشنی نکل رہی تھی۔ ان کے علاوہ یہ مقام بالکل خالی تھا۔

یہ شاید میں غلط کہہ گیا۔ یہ مقام بالکل خالی نہ تھا کیونکہ اس طاق کے انتہائی سرے پر اور آتشی ستونوں کے درمیان ایک سادہ سی، چوکور اور ایک چھوٹے سے کمرے جتنی قربان گاہ تھی۔ جب ہم آگے بڑھے تو نظر آیا کہ اس قربان گاہ کے آگے چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے پردے لٹک رہے تھے۔ اس قربان گاہ پر چاندی کا

ایک بڑا بُت رکھا ہوا تھا۔ جس کی پشت پیچھے چٹانی دیوار سے ٹکی ہوئی تھی اور آتشی ستونوں کی روشنی میں یہ مجسمہ یا بت بڑی شدت سے یوں چمک رہا تھا کہ نظر بھر کر اس کی طرف دیکھنا بھی ممکن نہ تھا۔

بہت خوبصورت چیز تھا یہ۔ لیکن اس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ ایک برہنہ عورت کا مجسمہ تھا جس کے شانوں پر دو بازو تھے، یہ اس طرح آگے کی طرف جھکے ہوئے تھے کہ اس کی برہنگی کو چھپا رہے تھے۔ لیکن ان بازوؤں سے ڈھکا ہوا ایک نرینہ بچہ صاف دکھائی دے رہا تھا جسے اس عورت نے اپنے بائیں بازو سے سنبھال کر اپنی ننگی چھاتی سے لگا رکھا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ یقیناً یہ مادرانہ شفقت کا بت تھا۔ لیکن جو کچھ اس بت مادر بچے کی خوبصورت صورتوں سے ظاہر ہوتا تھا اسے بیان کرنا ممکن نہیں۔ تاہم کوشش کرتا ہوں۔

تو آئیے پہلے بچے کا ذکر کیا جائے۔ یہ تندرست و توانا بچہ تھا صحت کا مکمل ترین نمونہ اور قوت حیات سے پر۔ تاہم معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ سو رہا ہے۔ اور یہ کہ وہ نیند میں ہی دہشت زدہ ہے۔ یہ دہشت موت و شیطنت کی تھی۔ اس کے بے حد پیارے دہانے پر اور گل گوتھنے رخساروں پر خوف کے آثار تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ہونٹ کانپ رہے ہوں۔ اس نے اپنا ایک ننھا۔۔۔۔ بازو ماں کی گردن میں حمائل کر رکھا تھا۔ اور اس کے سینے سے چمٹا اس کے چہرے کی طرف حفاظت طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ نیچے کی طرف اور اس کی پھیلی ہوئی انگلیاں پیچھے کی طرف اشارہ کر رہی تھیں جیسے وہ بتلا رہا ہو کہ خطرہ اسی طرف ہے۔ اسکے باوجود بھی یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا خوف زائل ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کی

آنکھوں سے کچھ کچھ اعتماد اور اطمینان قلب بھی ہویدا تھا۔

اب آیئے ماں کی طرف۔ وہ اپنے بچے کے خوف و دہشت کو مذاق نہ سمجھ رہی تھی بلکہ اس کے خوبصورت چہرے پر تفکر اور چوکنے پن کے آثار تھے اس کے باوجود اس کے بشرے سے بے پناہ محبت اور ناقابل یقین استقلال عیاں تھا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ بے کسوں کو کسی بھی خطرے سے بچانے کا مصمم ارادہ کر چکی ہے۔ بڑی بڑی پرسکون آنکھیں آپ اپنی کہانی سنا رہی تھیں۔ نیم وا لب کوئی پر امید کہانی سرگوشی میں کہہ رہے تھے اور آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہاتھ اس سرچشمے کی طرف اشارہ کر رہا تھا، جہاں سے یہ لافانی امید پھوٹ رہی تھی۔ ساری محبت اس مجسمے میں سمٹ آئی تھی جو انسانی ہوتے ہوئے بھی اس قدر ملکوتی تھا کہ ان کے جھکے ہوئے بازوؤں کے سامنے آسمانی راستے کھلے نظر آتے تھے اور مڑا ہوا گھٹنا اور ذرا سا اوپر کو اٹھا ہوا پیر اس بات کا پتہ دیتا تھا کہ وہ مائل بہ پرواز تھی۔ تاکہ خدا کے اس عطا کردہ اس پیارے بوجھ کو دنیوی خطرات سے نکال کر آسمان کے ابدی سکون میں پہونچا دے۔

اگرچہ یہ پوز ابت یوں تھا کہ ماں اپنے خوفزدہ بچے کو سینے سے لگائے ہوئے ہے لیکن بت تراش نے اپنے کمال فن سے اس مفہوم کو، جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں اس قدر وضاحت سے واضح کر دیا تھا کہ کند ذہن سے کند ذہن شخص بھی اسے آسانی سے سمجھ لے۔ یہ ایک اشارہ تھا۔ ماں دراصل قدرت تھی اور بچہ انسان جس کی وہ حفاظت کر رہی تھی۔

ہم دم بخود کھڑے فن بت تراشی کے اس اعلیٰ ترین نمونے کو دیکھ رہے تھے جب کاہن اور کاہنائیں قربان گاہ کے دائیں بائیں الگ الگ قطاروں میں کھڑی ہو گئیں یعنی اس طرح کہ پہلے ایک کاہن پھر ایک کاہنہ پھر کاہن اور پھر ایک کاہنہ۔ علیٰ ہذا القیاس

یہ ترتیب انھوں نے آتشی ستونوں کے دوسری طرف قائم کرلی۔ اس قربان گاہ کی فراخی کا اندازہ کچھ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سو انسان اس کے گرد اپنے درمیان کافی فاصلہ چھوڑ کر کھڑے ہوگئے، اور اس کے پس منظر میں ہمیں ایسے معلوم ہوئے جیسے چھوٹے چھوٹے بچے سفید چمکتا ہوا لبادہ پہنے کھڑے ہوں۔ رہا ان کا گیت تو وہ ہمیں یوں سنائی دے رہا تھا جیسے دور سے، بہت دور سے یہ آواز آرہی ہو۔ قصہ مختصر اس مقدس مقام، اس کے عجوبے اور وہاں کھڑے ہوئے کاہنوں اور کاہناؤں کا مجموعی اثر کچھ ایسا تھا کہ میرا دل تھرتھرانے لگا۔

اور میں اس وقت تک خاموش اور منتظر کھڑا رہا جب تک کہ آخری کاہن بھی اپنی مقررہ جگہ پر نہ پہونچ گیا، پھر وہ ہماری طرف گھوم گیا اور اپنی نرم آواز اور شائستہ لہجے میں کہا۔

"اے اجنبیو! جنھیں پیارا کہا گیا ہے۔ آگے بڑھو! اور ماتا کو سلام کرو!"

اور اس نے مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔

"کہاں ہے ماتا؟" لیو نے سرگوشی میں پوچھا۔ کیونکہ یہاں ہم اونچی آواز میں بولنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ "یہاں تو مجھے کوئی نہیں نظر آرہا ہے۔"

"ہوزیہ یہاں رہتی ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

اور ہمارے ہاتھ تھام کر وہ ہمیں طاق کے زبردست خلا اور پھر قربان گاہ کے کنارے پر لے آیا۔

جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے کاہنوں اور کاہناؤں کے گانے کی آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی جارہی تھی اور اب اس راگ میں فتحمندی کی جھلک نمایاں تھی اور ساتھ ہی یہ بھی ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ میرا وہم ہو۔ کہ بل کھاتے ہوئے آتشی ستونوں کی روشنی دفعتہً تیز ہوگئی۔

آخر کار ہم وہاں پہونچ گئے اور تب اوروس نے ہمارے ہاتھ چھوڑ دیے اور قربان گاہ کے سامنے یکے بعد دیگرے تین سجدے کیے۔ پھر وہ اُٹھا، پیچھے ہٹا اور ہاتھ پیچھے سینے پر ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر مودّب اور خاموش کھڑا ہو گیا ہم بھی خاموش کھڑے تھے اور اُمید و بیم سے ہمارے دل دھڑک رہے تھے۔

کیا ہماری مشقتوں کا اب خاتمہ ہو گیا تھا؟ کیا ہمیں وہ مل گئی تھی جس کی تلاش میں ہم اب تک سرگرداں رہے تھے؟ یا ہم کسی حیرت انگیز جال میں پھنس گئے تھے اور ایک انجانی قوم کی مُتغا سپکار رسومات دیکھنے والے تھے؟ ہم نے برسوں تک مختلف مقامات کی اور بھیانک خطوں کی خاک چھانی تھی، اسی تلاش میں وہ سب روحانی اور جسمانی...... صعوبتیں برداشت کی تھیں جنہیں شاید ہی کوئی انسان برداشت کر سکے اور زندہ بھی رہ سکے۔ اور اب وہ وقت آ گیا تھا جب ہمیں پتہ چلنے والا تھا کہ ہماری یہ ساری جستجو محض بیکار رہی تھی۔ یا ہمیں اس کا ثمر ملنے والا تھا اور ہاں لیو کو یہ پتہ چلنے والا تھا کہ اس سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہو گا یا وہ محض ایک گزرا ہوا خواب تھا۔ جس کی تعبیر مرنے کے بعد ہی حاصل کی جا سکتی تھی؟ چنانچہ اب اگر لیو کانپ رہا تھا اور امید و بیم نے اس کا رنگ سفید کر دیا تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔

خدایا! یہ انتظار کس قدر طویل معلوم ہو رہا تھا ہمیں! ہم ان چمکدار پردوں کے سامنے کھڑے تھے جو اس قربان گاہ پر پڑے ہوئے تھے جس کے سامنے وہ بت تھا ہم خاموش اور منتظر کھڑے تھے اور گھنٹے، سال اور صدیاں گزرتی معلوم ہوتی تھیں ہم امید و بیم کی اندھیری گھاٹیوں میں بھٹک رہے تھے اور ہمارے سامنے کالے پانیوں میں گزشتہ واقعات تیر رہے تھے اور اُبھر اور ڈوب رہے تھے داستان کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک تفصیل ہمیں یاد آ رہی تھی جو کور کے غاروں میں شروع تو

ہوئی تھی لیکن اختتام کو نہ پہونچی تھی۔ ہمارے خیالات نہ جانے کس طرح ایک دوسرے سے منسلک تھے اور ایک دوسرے پر ظاہر تھے۔

اور اب انکشاف ہوا۔ ہمارے خیالات میں ایک تیسری ہستی بھی شامل تھی۔ وہ بھی انھیں گزشتہ واقعات اور تفصیلات کو دیکھ رہی تھی جو مجھے اور لیو کو نظر آ رہی تھی، وہاں کوئی اور نہ تھا سوائے قربان گاہ کے اور دیوتا بت کے اور سانپوں کی طرح پھنکارتے ہوئے آتشی ستونوں کے۔ اس کے باوجود ہم جانتے تھے کہ کوئی ہستی ہے، ماتا کے پر دوں کے سایے تلے کوئی ہستی ہے جو ہمارے دلوں کو پوری طرح سے کھلی ہوئی کتاب کی طرح پڑھ رہی ہے۔

چودھواں باب

عدالت موت

اب پردے اُٹھا دیئے گئے۔ ان کے پیچھے ایک حجرہ تھا جو قربان گاہ کو کھود کر اس کے جسم میں بنایا گیا تھا۔ اس حجرے کے عین بیچ میں ایک تخت تھا اور اس تخت پر سفید لباس میں ملبوس ایک ہستی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سفید لباس اتنا بڑا تھا کہ تخت کی ہتھیوں پر سے ہوتا ہوا تخت کی سنگ مرمر کی سیڑھیوں تک پہونچ رہا تھا اس حجرے کی تاریکی میں اس سے زیادہ ہم اور کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ سوائے اس کے کہ اس ندائے روح کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ عصا تھا جس کے سرے پر حلقہ بنا ہوا تھا۔ علامت حیات و قوت۔

کسی اندرونی ہیجان سے مغلوب ہو کر ہم نے اوروس کی تقلید کی یعنی وہ گھٹنوں گر گیا اور ہم نے بھی ایسا ہی کیا اور گھٹنوں پر ہی گرے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے چھوٹی

چھوٹی گھنٹیوں کی آواز سُنی، نظریں اٹھا کر دیکھا تو نظر آیا کہ اس ہستی نے اپنا دہ بازو، جس پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں اور جس میں وہ مسترم نما عصا تھا، ہماری طرف بڑھا رکھا تھا پھر ایک باریک اور صاف آواز نے ہمیں مخاطب کیا اور میرا خیال ہے کہ یہ آواز کانپ رہی تھی۔ وہ یونانی زبان میں بول رہی تھی لیکن اس کی یونانی یہاں کے باشندوں کے مقابلے میں بے حد سُلجھی ہوئی اور رواں تھی۔

"اے مسافرو! میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں کیونکہ تم دور دراز کا سفر طے کر کے اور راستے کی صعوبتیں برداشت کر کے اس قدیم معبد کی زیارت کو آئے ہو اور حالانکہ تمہارا مذہب کوئی دوسرا ہے تاہم تم اس ہستی کے سامنے احتراماً جھکے ہو اور اس میں تم نے خرمساری اور جھجک محسوس نہیں کی، جو اس وقت ندائے روح اور اس معبد کے اسرار کی تنہا محافظ ہے۔ اٹھو اور مجھ سے ڈرو نہیں۔ کیونکہ میں نے ہی اپنا ایلچی اور خدمتگاروں کو بھیجا تھا کہ وہ تمہیں یہاں تک بہ حفاظت لے آئیں۔"

ہم لوگ آہستہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن نہیں جانتے تھے کہ کیا کہیں چنانچہ خاموش رہے۔

"مسافرو! میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں۔" اسی آواز نے پھر کہا۔ "تم بتاؤ" اور اس نے اپنا عصا لیو کی طرف گھما دیا۔ "نام کیا ہے تمہارا؟"

"لیوو ونسی۔" لیو نے جواب دیا۔

"لیوونسی! یہ نام مجھے پسند آیا میرے خیال میں ایسے قبول صورت شخص کے لیے یہ نام بے حد مناسب ہے۔ اور تمہارا نام کیا ہے اے لیوونس کے ساتھی؟"

"مجھے ہولیس ہال کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ لیوونس اور ہولیس ہالی!! کہ تم اتنا دور کس چیز کی تلاش

یہاں آئے ہو؟"

میں نے لیو کی طرف اور اس نے میری طرف دیکھا۔ اور پھر کہا۔

"یہ داستان بے حد طویل اور حیرت انگیز ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ ہم آپ کو کس نام سے مخاطب کریں؟"

"اسی نام سے جس نام سے میں یہاں پکاری جاتی ہوں۔ یعنی ہوزیہ۔"

"ہوزیہ"۔ میں نے یہ نام دہرایا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ خدا جانے دوسری جگہ کا کیا نام ہوگا؟"

"بہرحال میں یہ داستان سننا چاہتی ہوں"۔ ہوزیہ نے کہا اور مجھے آواز میں شوق و تجسس کی جھلک محسوس ہوئی۔ "لیکن شروع سے آخر تک آج ہی حالات کو نہیں کیونکہ جانتی ہوں کہ تم بے حد تھکے ہوئے ہو۔ البتہ اس کا کچھ حصہ سنادو۔ بات یہ ہے اجنبیو! کہ یہاں کی زندگی میں یکسانیت ہے کہ میرے لیے ماضی اور حال برابر ہیں۔ چنانچہ میری دنیا سے باہر کی دنیا کی کہانی سننا میں پسند کروں گی لیو ونسی! تم سناؤ یہ داستان اور مختصراً سناؤ۔ اس کے علاوہ خیال رہے کہ اس میں جھوٹ اور مبالغہ کا شائبہ تک نہ ہو۔ کیونکہ اس کے سامنے جس کی میں کاہنہ ہوں اور جس کی میں آواز ہوں، کسی کی بھی زبان سے علاوہ سچ کے اور کچھ نہ نکلنا چاہیے۔"

"کاہنہ! لیو نے کھڑی آواز میں کہا۔" میں تعمیل حکم کرتا ہوں۔ برسوں پہلے کی بات ہے جب میں نوجوان تھا اس وقت میں اور میرے یہ ساتھی، جو میرے دینی باپ بھی ہیں، ایک قدیم تحریر کا سہارا لے کر ایک دور دراز سفر پر روانہ ہوئے اور ایک وحشت ناک دور افتادہ خطے میں پہونچ گئے اور وہاں ہمیں ایک ایسی مقدس عورت ملی جس نے وقت کی باگیں کھینچ رکھی تھیں اور اس پر قابو حاصل کرلیا تھا"

"تب تو وہ عورت بے حد بوڑھی اور بدصورت ہوگی؟"

"میں نے کہا ہے کاہنہ کہ اس نے وقت کی باگیں کھینچ رکھی تھیں اور اس پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ چنانچہ وقت اس پر اثر انداز نہ ہوا تھا۔ اس لیے وہ ہر دم جوان تھی۔ اس کے علاوہ وہ بد صورت نہیں بلکہ دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔"

"چنانچہ اجنبی! تم اس کے بے پناہ حسن کی وجہ سے اس کی پرستش کرنے لگے ہو گے جیسا کہ ہر مرد کرتا ہے۔"

"میں اس کی پرستش نہیں بلکہ اس سے محبت کرتا تھا اور یہ دوسری ہی بات ہے۔ یہ کاہن اور بس آپ کی پرستش کرتے اور آپ کو ماتا کہتے ہیں۔ لیکن میں غیر فانی عورت سے محبت کرتا تھا، عاشق تھا اس پر۔"

"تو پھر اب بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو گے؟ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ محبت تو ایک فانی جذبہ ہے۔"

"میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔" لیو نے جواب دیا۔ "حالانکہ وہ مر چکی ہے۔"

"یہ کیسے ہوا؟ تم نے تو کہا تھا کہ وہ لافانی تھی۔"

"شاید وہ بظاہر مر گئی۔ شاید اس نے روپ بدل لیا۔ بہر حال وہ مجھ سے بچھڑ گئی اور میں اس کا متلاشی ہوں۔ برسوں سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"لیو ونسی! تم اسے یہاں، میرے پہاڑ پر تلاش کرنے کیوں آئے ہو؟"

"اس لیے کہ ایک خواب میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں اس پہاڑ پر کی ندائے روح سے اس کے متعلق مشورہ طلب کروں۔ چنانچہ میں یہاں اپنی گم شدہ محبت کے متعلق معلوم کرنے آیا ہوں کیونکہ اسی جگہ سے مجھے اطمینان بخش جواب مل سکتا ہے۔"

"اور بابا! تم بھی اس غیر فانی عورت کے عشق میں مبتلا ہو جس کی لافانیت معلوم ہوتا کہ آخر کار موت سے شکست کھا گئی؟"

"کاہنہ!" میں نے جواب دیا۔ "میں اس کی تلاش کی قسم کھا چکا ہوں۔ چنانچہ

جہاں میرا منحہ بولا بیٹا لیوونس جائے گا میں بھی جاؤں گا۔ اسے حسن کی تلاش ہے جو مرچکا......"

"اور تم لیوونس کے ساتھ ہو چنانچہ تم دونوں کو حسن کی تلاش ہے جیسا کہ مردوں نے ابتدا سے کیا ہے" ان مردوں نے جو بیوقوف اور دیکھتی آنکھوں اندھے ہوتے ہیں۔"

"نہیں" میں نے جواب دیا۔ "اگر وہ اندھے ہوتے تو حسن ان کے لیے کوئی حقیقت نہ رکھتا کیونکہ وہ اسے دیکھ ہی نہ سکتے اور اگر وہ بیوقوف یا پاگل ہوتے تو حسن کو سمجھ ہی نہ سکتے۔ اے ہوزیہ! علم اور سمجھ عاقلوں اور داناؤں کا خاصہ ہے۔"

"تمہارا دماغ بھی تیز ہے اور زبان بھی۔ ہاں! جیسا کہ —" وہ ایک دم سے خاموش ہو گئی اور پھر دفعتہ اس نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ میری خادمہ کلون کی خانیہ نے اپنے شہر میں تمہاری ٹھیک سے خاطر مدارات کی کہ نہیں؟ اور یہ کہ میرے حکم کے مطابق تمہیں اس طرف فوراً ہی بھیج دیا کہ یہاں آنے سے تمہیں روکنے کی کوشش کی؟"

"یہ تو ہم نہ جانتے تھے کہ وہ آپ کی خادمہ ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن میزبانی کا فرض اس کے شوہر کے موت کے کتّوں نے ادا کیا۔ یہ بتائیے کا ہنہ کہ آپ ہمارے اس سفر کے حالات سے کس حد تک واقف ہیں؟"

"میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "تین چاند ہوئے پہلے میرے جاسوسوں نے تمہیں دور کے پہاڑوں پر دیکھا، تم جو آپس میں باتیں کر رہے تھے ان سے انھوں نے تمہاری آوارہ گردیوں کا حال معلوم کیا، تمہارے ارادوں سے واقف ہوئے۔ اور پھر وہاں سے تیزی سے یہاں واپس آئے اور مجھے اطلاع دی۔ چنانچہ میں نے خانیہ اطینہ اور اسی کے بوڑھے ماموں جادوگر کو حکم دیا کہ وہ کلون کے قدیم باب پر جائیں، تمہارا استقبال کریں اور پھر تمہیں فوراً یہاں پہونچا دیں۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ تمہارے دلوں میں تجسس کی

جو الا بھڑک رہی تھی۔ تم اپنے سوالوں کے جواب پانے کے لئے بے قرار تھے اس کے باوجود تم یہاں بہت دنوں میں پہونچے اور یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔"

"اے ہوزیہ!" لیو نے کہا۔ "جہاں تک ہمارے اختیار میں تھا ہم نے یہاں جلد سے جلد پہونچنے کی کوشش کی۔ اگر آپ کے جاسوس اس پہاڑ پر آسانی سے پہونچ سکتے ہیں جہاں کسی انسان کا پہونچنا ممکن نہیں اور پھر وہاں سے واپس بھی لوٹ سکتے ہیں تو پھر وہ ہمارے دیر سے پہونچنے کی وجہ سے بھی واقف ہوں گے اور اس طرف سے انھوں نے یقیناً آپ کو اندھیرے میں نہ رکھا ہوگا۔ چنانچہ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ تاخیر کی وجہ ہم سے نہ پوچھیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ میں خود خانیہ سے دریافت کروں گی اور وہ میرے ہر سوال کا جواب دے گی۔

"خانیہ؟"

"ہاں خانیہ۔ جو اس وقت باہر کھڑی ہوئی ہے۔" ہوزیہ نے بے حد سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اور وس! خانیہ کو فوراً حاضر کرو۔"

اور وس پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس چوبی دروازے کی طرف بڑھا، جس میں سے گذر کر ہم یہاں آئے تھے، وہ باہر نکل گیا۔

"ہاں!" لیو نے انگریزی زبان اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کاش اس وقت ہم یہاں نہ ہوتے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہاں جھگڑا ہوگا۔"

"شاید ہو شاید نہ ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن میرے خیال میں جھگڑا ہو تو یہ ہمارے حق میں اچھا ہی ہوگا۔ کیونکہ اس جھگڑے کی وجہ سے وہ حقیقت ہمارے سامنے آجائے گی جس کی ہمیں تلاش ہے۔"......

اور یہاں میں ایک دم سے خاموش ہوگیا کیونکہ اسی پراسرار عورت نے کہا تھا کہ اسکے

جاسوسوں نے ہماری باتیں سُن لی تھیں اور اسے مطلع کیا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ وہاں، ان پہاڑوں پر ہم نے انگریزی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں گفتگو نہ کی تھی۔

اور میرا اندیشہ غلط نہ تھا کیونکہ فوراً ہی ہوزیہ نے کہا۔

"ہاں! تم بے حد تجربہ کار آدمی ہو۔ واقعی جھگڑے سے حقیقت یوں نچڑ کر سامنے آجائے گی جس طرح انگور سے شراب"

اس کے بعد وہ فوراً خاموش ہو گئی۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں بھی خاموش رہا کہ احتیاط کا تقاضا یہی تھا۔

دروازہ کھلا اور سیاہ پوشوں کا ایک جلوس اندر آیا۔ سب کے آخر میں بوڑھا شامن بجری ساتھا، اس کے پیچھے جنازہ تھا جس میں خان کی نعش تھی اور اس جنازے کو آٹھ کاہنوں نے اٹھا رکھا تھا۔ اس کے بعد خانیہ اطیمنہ تھی جو سر سے پیر تک سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس تھی اور اس کے پیچھے کاہنوں کا ایک گروہ تھا۔ قربان گاہ کے سامنے جنازہ رکھ دیا گیا، کاہن پیچھے ہٹ گئے اور اب جنازے کے قریب صرف خانیہ اور شامن سبجری ہی کھڑے رہ گئے۔

"میری طابع فرمان کلون کی خانیہ کیا چاہتی ہے؟" ہوزیہ نے بغیر جذباتی آواز میں اس سے پوچھا۔

اب اطیمنہ آگے بڑھی، حکمرانہ انداز میں ذرا سی خم ہوئی اور کہا۔

"اے قدیم ماتا! اے ازلی ماتا!! میں آپ کے تقدس کے سامنے احترام سے سر جھکاتی ہوں جس طرح کہ میرے اجداد جھکاتے آئے ہیں" اور ایک بار پھر وہ ذرا سی خم ہو گئی۔ "ماتا یہ مرحوم مرد آپ سے آتش کوہ میں دفن ہونے کا حق مانگ رہا ہے"

وہی حق جو شروع سے ہی کلوں کے حکمرانوں کو عطا کیا گیا ہے۔"

"یہ حق"۔ ہوزیہ نے جواب دیا۔ "جیسا کہ تم نے کہا کہ مجھ سے پہلے والی کاہنائیں تمہارے اجداد کو عطا کرتی آئی ہیں اور میں بھی تمہارے مرحوم آقا کو یہ حق دیتی ہوں اور اے اطینہ! جب تمہارا وقت آئے گا تو اطمینان رکھو، یہ حق تمہیں بھی مل جائے گا۔"

"اے ہوزیہ! میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور باادب ہو کر آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ کا یہ فرمان لکھ لیا جائے کیونکہ آپ کے سر پر وقت کی برف جم چکی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب آپ ہمیں کچھ عرصے کے لیے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ چنانچہ اپنے کاتبوں سے کہو کہ وہ یہ فرمان لکھ لیں کہ آپ کے بعد جو ہوزیہ حکمراں ہو وہ اس فرمان پر عمل کرے۔"

"خاموش خاتون خاموش! جس کا احترام تم پر لازم ہے یہ اس کے سامنے تم زبان درازی کر رہی ہو۔ بیوقوف عورت! تو یہ تک نہیں جانتی کہ تیرا یہ حسن جس پر تجھے ناز ہے کل نذرِ آتش ہو جائے گا۔ چنانچہ میں کہتی ہوں کہ تلخ باتیں نہ کہہ اور بتا کہ تیرے شوہر کی موت کیسے ہوئی۔"

"بہتر ہوگا کہ یہ سوال آپ ان آوارہ گردوں سے پوچھیں جو میرے شوہر کے قاتل تھے کیونکہ ان کے ہاتھ میرے شوہر کے خون میں رنگے ہوئے ہیں، اس کی روح انتقام انتقام! پکار رہی ہے اور آپ سے انصاف طلب کرتی ہے۔"

"میں نے اسے قتل کیا ہے۔" لیو نے جواب دیا۔ "اور وہ بھی خود حفاظتی کے تحت اس نے اپنے کتوں سے ہمیں مروا ڈالنے کی کوشش کی تھی اور یہ ہے اس کا ثبوت۔" اور اس نے میرے بازو کے زخموں کی طرف اشارہ کیا۔ "کاہن اورک اس کے شاہد ہیں کیونکہ انھوں نے ہی ان زخموں کی مرہم پٹی کی ہے۔"

"یہ کیسے ہوا؟" ہوزیہ نے اطینہ سے پوچھا۔

"میرا شوہر پاگل تھا،" الطینہ نے بے دھڑک جواب دیا۔ "اور انسانوں کا شکار اس کا ظالمانہ مشغلہ تھا۔"

"اچھا اور کیا وہ رشک و رقابت کی آگ میں بھی جل رہا تھا؟ نہیں خانیہ میں دیکھ رہی ہوں تو جھوٹ بولنے جا رہی ہے بہتر ہو گا تو اسے اپنے سینے میں دفن رکھ۔ میں جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ لیو ونسی! تم بتاؤ۔ لیکن نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس عورت کا راز فاش کرو جس نے تم سے اظہار عشق کیا ہے۔ ہالی! تم بتاؤ۔ اور دیکھو سچ ہی کہنا۔"

"اے ہوزیہ!" میں نے کہا "قصہ یہ ہے کہ اس خاتون نے اور اسکے ساتھی شاہین سحری نے ہمیں بچایا اور اس دریا میں سے نکالا جو کلولن کے پہاڑوں کے قدموں میں بہتا ہے اور جس میں ہم غرق ہو چلے تھے۔ اس کے بعد ہم علیل رہے اور ان لوگوں نے ہماری خبر گیری اور تیمار داری کی لیکن پھر خانیہ میرے منھ بولے بیٹے پر فریفتہ ہو گئی۔"

یہاں ڈھیلے لبادے میں ہوزیہ کا جسم کانپ گیا اور اس نے پوچھا۔

"اور کیا تمہارا یہ منھ بولا بیٹا بھی اس پر فریفتہ ہو گیا؟ کیونکہ تم جانتے وہ مرد ہے اور خانیہ بے شک و شبہہ حسین ہے؟"

"اے ہوزیہ! اس سوال کا جواب تو وہی دے سکتی ہے میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس نے خانیہ سے بچنے اور بھاگنے کی کوشش کی اور یہ کہ آخر میں خانیہ نے اسے ایک دن کی مہلت دی کہ یا تو وہ مرنے کے لیے تیار ہو جائے یا خان کے مرنے پر خانیہ سے شادی کر لے۔ چنانچہ خان کی مدد سے، جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک رہی تھی ہم ان پہاڑوں کی طرف فرار ہو گئے، جہاں پہونچنے کی آرزو میں ہم تڑپ رہے تھے۔ پھر خان نے اپنے کتے ہم پر چھوڑ دیئے۔ کیونکہ وہ دیوانہ ہو رہا تھا اور اس کا دل صاف نہ تھا۔ ہم نے اس کا خاتمہ کر دیا، اس خاتون اور اسکے

ماموں نے ہمیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ہم اس طرف چلے آئے۔ یہاں پڑتوں کی وادی میں ہمیں ایک نقاب پوش خاتون ملی جو ہمیں نہ صرف یہاں تک لے آئی بلکہ اس نے دو دفعہ ہماری جان بھی بچائی تو یہ ہے پوری داستان۔"

"اب کیا کہتی ہے تو؟" ہوزیہ نے کڑک کر پوچھا۔

"مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے۔" خانیہ اطیشہ نے بے خوفی سے کہا۔ "میں برسوں تک ایک پاگل اور ظالم شخص سے وابستہ رہی۔ اب اگر میرا دل اس اجنبی کی طرف اور اس کا دل میری طرف جھک گیا تو یہ ایک فطری بات تھی۔ اس کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتی ہوں؟ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے، یہ اجنبی انتقام کے خیال سے ڈر گیا یا شاید یہ شخص ہاں ڈر گیا، جس کے جسم کے ٹکڑے کاش کر خان کے کتے نے اڑا دیئے ہوتے۔ چنانچہ ان دونوں نے ہمارے یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوئے اور اتفاقاً آپکے پہاڑ پر پہونچ گئے۔ لیکن اب جانے دو ان باتوں کو جن سے اکتا نے لگی ہوں۔ کل دفن کی رسم ادا کرنے سے پہلے میں آپ سے آرام کرنے کی اجازت چاہتی ہوں۔"

"اطیشہ!" ہوزیہ نے کہا۔ "تو کہتی ہے کہ تو اس مرد کی طرف اور یہ تیری طرف مائل ہو گیا تو یہ ایک فطری بات تھی اور یہ کہ اس کا دل تیرا ہو گیا لیکن یہ تیرے شوہر کے انتقامی جذبے سے ڈر کر فرار ہو گیا۔ حالانکہ یہ بزدل تو نہیں معلوم ہوتا تو پھر بتا کہ اس شخص نے تعویذ میں، جو اس کے سینے پر لٹک رہا ہے بالوں کی جو لٹ بطور تبرک کے رکھی ہے کیا وہ تیری محبت کی نشانی ہے؟"

"میں نہیں جانتی کہ اس نے اس تعویذ میں کیا چھپا رکھا ہے۔ خانیہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"حالانکہ اس شخص نے اس وقت، جب پہاڑ کے دروازے کے حجرے میں بیہوش پڑا

ہوا تھا۔ بالوں کی اس لٹ کا موازنہ تیرے بالوں سے کیا تھا۔ اب کہو! یاد آیا؟"

"اچھا تو وہ ہمارے سارے راز آپ کو بتا چکا ہے۔ حالانکہ ایسے راز مرد اپنے تک ہی رکھنا بہتر سمجھتے ہیں۔"

"خانیہ! میں نے اس معاملے میں کاہنہ سے کچھ نہیں کہا ہے۔" لیو نے غصہ ہو کر کہا۔

بے شک اے اجنبی! تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ یہ باتیں تو مجھے میری بھٹکنے والی روح نے بتائی ہیں۔ اطمینہ! کیا تو اس ہوزیہ سے کوئی بات چھپا سکتی ہے جس سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے؟ اگر تیرا یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ جان لے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور مدت سے معلوم ہے۔ میں نے تیری حکم عدولی کو نظر انداز کر دیا۔ تیرے جھوٹے پیغام کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ وقت میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ چند در چند وجوہات کی بنا پر میں نے یہ بھی گوارہ کر لیا کہ تو میرے ان مہمانوں کو اپنے یہاں قید رکھے اور لیو کو ڈرا دھمکا کر اس کی محبت حاصل کر لے۔ ہاں یہ میں نے چاہا تھا کہ ایسا ہو اور ایسا ہی ہوا۔ جان لے کہ وقت میرے لیے بے معنی ہے۔"

ہوزیہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہی پھر بولی۔

"اے عورت! سن۔ اپنے گناہ کو مکمل کرنے کے لیے تو نے عین میرے معبد میں جھوٹ بولنے کی جرات کی ہے۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو اس سے کیا فرق پڑ جاتا ہے؟" خانیہ نے دلیری سے جواب دیا۔ "میں تجھ سے پوچھتی ہوں ہوزیہ! کہ کہیں تو خود اس شخص پر عاشق تو نہیں ہو گئی ہے۔ نہیں یہ تو بڑا ہی گھناؤنا خیال ہے۔ خود قدرت ایسی شرمناکی پر لرز پڑے گی۔ ہوزیہ! یوں غصے سے کانپو نہیں۔ میں تیری شیطانی قوتوں سے واقف ہوں۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں تیری مہمان ہوں۔ اور یہ کہ اس مقام مقدس میں اور اس مقدس علامت کے سائے میں خون نہ بہائے گی۔ اس کے

علاوہ تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی ہوزیہ! کیونکہ میں لسے میں تیرے برابر ہوں لاشے"

"اطینہ!" ہوزیہ نے ٹھہری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "اگر میں چاہتی تو جہاں تو کھڑی ہے وہیں تیرا خاتمہ کر دیتی۔ لیکن اے نافرمانبردار خادمہ! میں تیرا خاتمہ نہ کروں گی کیونکہ تو نے سچ کہا ہے۔ اطینہ! کیا میں نے اپنے اس پیغام میں جو تیرے اس بوڑھے ماموں کے ذریعے تجھ تک پہونچا تھا۔ تجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے مہمانوں کو فوراً میرے معبد تک پہونچا دے؟ اب میں جاننا چاہتی ہوں کہ تو نے میرے اس حکم کی خلاف ورزی کیوں کی..... کیوں کی؟"

"بہت اچھا۔ یہ بھی بتائے دیتی ہوں۔" اطینہ نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ وہ جھوٹ بولنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہ کر رہی تھی۔ "میں نے اس لیے تیرے حکم کی خلاف ورزی کی کہ یہ مرد تیرا نہیں بلکہ میرا ہے۔ بلکہ کسی بھی عورت کا نہیں ہے سوائے میرے۔ میں اس سے پیار کرتی ہوں اور آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے جب سے ہماری روحیں عالم وجود میں آئیں تب سے میں اس سے اور یہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یہ بات خود میرا دل مجھ سے کہہ رہا ہے اور میرے ماموں کا سحر ایسا کہہ رہا ہے۔ حالانکہ میں یہ نہیں جانتی کہ ہمارا یہ پیار کب اور کہاں ہوا تھا۔ چنانچہ اے قدیم ماتا! اے اسرار کی محافظ! میں حقیقت معلوم کرنے تیرے پاس آئی ہوں۔ کم سے کم تو خود اپنی قربان گاہ کے سامنے جھوٹ نہ بول سکے گی۔ چنانچہ میں تجھے اس عظیم قوت کا واسطہ دیتی ہوں، جس کے سامنے تجھے بھی آخر کار حساب دینا ہے، مجھے میرے سوالات کے جواب یہاں اور اسی وقت دے۔

"بتا کون ہے یہ شخص جس کی طلب میرا وجود کر رہا ہے؟ کون تھا یہ میرا؟ مجھ سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اے ندائے روح! بتا اور اس راز پر سے پردہ اٹھا دے۔

بتا۔ میں تجھے حکم دیتی ہوں۔ بول۔ چاہے بعد میں تو میرا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دے۔"

"ہاں۔ بتاؤ۔ بتاؤ۔" لیو نے کہا۔ "کیونکہ اس سوال نے اور اس کی سنسنی نے مجھے بھی دیوانہ بنا رکھا ہے۔ میں بھی اپنے شدید خیالات اور یادوں کی وجہ سے وحشت زدہ ہوں اور امید و خوف مجھے چین لینے نہیں دیتا۔"

"ہاں بتاؤ۔" میں نے کہا۔

چند لمحوں تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد ہوزیہ نے پوچھا۔

"لیوونسی! تمہارے خیال میں میں کون ہوں؟"

"میرے خیال میں!" لیو نے کہا۔ "تم وہی عائشہ ہو جس کے ہاتھوں میں صدیوں پہلے کور کے کھنڈروں میں مارا گیا تھا۔ میرے خیال میں تم وہی عائشہ ہو جسے میں نے بیس سال پہلے انھیں کھنڈروں میں پایا تھا اور اس سے محبت کی تھی اور جسے میں نے اسے آتشِ حیات میں جل کر مرتے دیکھا اور یہ قسم کھاتے سنا تھا کہ تم واپس آؤ گی۔"

"اب یہ دیکھو۔ اس شخص کے پاگل پن کی یہ انتہا ہے کہ نہیں؟" اطینہ نے تحمندی سے کہا۔ "اس نے کہا کہ صرف بیس سال پہلے۔ اس کے برخلاف میں یہ جانتی ہوں کہ اسّی موسموں سے پہلے میرے پردادا نے اپنی جوانی میں اسی کاہنہ کو ماتا کے اسی تخت پر بیٹھے دیکھا تھا۔"

"ہاں! تم کیا کہتے ہو؟ تمہارے خیال میں کون ہوں میں؟" ہوزیہ نے اطینہ کی بات سنی ان سنی کر دی اور مجھ سے پوچھا۔

"جو لیو کا خیال ہے میرا بھی خیال ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرے ہوئے دوسرا جنم لیتے ہیں لیکن حقیقت سے صرف تم واقف ہو۔ اور صرف تم اس پر سے پردہ اٹھا سکتی ہو۔"

"ہاں!" ہوزیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرے ہوئے دوسرا جنم لیتے ہیں اور عجیب و غریب شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور شاید یہ بھی صحیح ہے کہ تنہا میں حقیقت سے واقف ہوں۔ کل جب اس نعش کو دفن کے لیے لے جائیں گے تب ہم پھر اس موضوع پر مزید گفتگو کریں گے۔ تب تک کے لیے تم سب آرام کرو اور اس خوفناک چیز سے متعارف ہونے کی تیاری کرو جس کا نام حقیقت ہے۔"

ابھی ہوزیہ نے اپنی بات پوری نہ کی تھی کہ پردے اسی پراسرار طریقے سے بند ہو گئے جس طریقے سے وہ کھلے تھے۔ پھر جیسے کوئی اشارہ پاکر، سیاہ پوشوں کا ہجوم آگے بڑھا۔ انھوں نے اطلینہ کو اپنے درمیان لے لیا اور اسے معبد سے باہر لے چلے۔ شاہی مجبری اپنی بھانجی کے ساتھ چلا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا، کانپ رہا تھا اور الو کی طرح آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ اب یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی یہ حالت تھکن کی وجہ سے تھی یا خوف کی وجہ سے۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو وہ کاہن اور کاہنائیں جو دیواروں کے قریب اور حد سماعت سے باہر کھڑی تھیں، آگے بڑھیں اور ان لوگوں نے اپنی اپنی قطاریں بنائیں اور گیت گاتے ہوئے چلے گئے۔ اب اس جگہ سوائے میرے اور لیو اور اوروس کے کوئی نہ تھا۔ میں بھولا۔ وہ جنازہ، جس میں خاں خان کی نعش تھی، وہیں دھرا ہوا تھا جہاں لاکر اسے رکھا گیا تھا۔

اب کاہن اعظم اوروس نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اس پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ یہاں کی قبر کی سی خاموشی چکا چوند کر دینے والی پراسرار روشنی جس نے اس خاموشی کو عجیب بات ہے کہ اور بھی بھیانک بنا دیا تھا اور جنازے میں لیٹی ہوئی لاش۔ یہ سب باتیں ہمارے اعصاب کو، جو پہلے سے ہی کچھ کم تنے ہوئے نہ تھے، جھنجھنا دیا تھا، اور جب ہم اندرونی

گزرگاہیں طے کر کے اس آہنی دروازے کے سامنے، جو ہماری آمد سے خودبخود کھل گیا تھا اور اس سے گزر کر باہر کی کھلی فضا میں پہونچے تو ایک بار پھر میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب ہم باہر پہونچے ہیں تو رات ختم ہو رہی تھی اور پو پھٹنے کا وقت قریب تھا۔

اور وس ہمیں ایک مکان میں لے آیا جو سجا ہوا اور آرام دہ تھا۔ یہاں اس نے ہمیں کوئی مشروب پینے کو دیا جسے ہم نے جیسے خواب کے عالم میں پیا۔ میرے خیال میں اس مشروب میں کسی قسم کی خواب آور دوا ملی ہوئی کیونکہ اسے پینے کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ البتہ جب میری آنکھ کھلی ہے تو میں ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا اور حیرت انگیز طور پر تازہ دم تھا اور عجیب طرح کی تازگی اور توانائی محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات مجھے عجیب معلوم ہوئی کیونکہ کمرے میں جلتا ہوا چراغ اس بات کا پتہ دے رہا تھا کہ ابھی اندھیرا تھا اور یہ کہ میں تھوڑی دیر ہی سویا تھا۔

میں نے پھر سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آئی۔ چنانچہ میں سوچنے لگا یہاں تک کہ سوچتے سوچتے تھک گیا۔ کیونکہ یہاں سوچنا بھی میری مدد نہ کر سکتا تھا۔ کوئی چیز کوئی بات مدد نہ کر سکتی تھی۔ سوائے حقیقت کے جسے نقاب پوش کاہنہ نے "خوفناک چیز" کہا تھا۔

اگر یہ کاہنہ یہ ہیوز یہ عائشہ نہ ہوئی جس کی ہمیں تلاش ہے بلکہ کوئی بڑی بھیانک ہستی ہوئی تو؟ خافیہ کے کنایوں اور اس قدر ڈرانے کا کیا مطلب تھا؟ جو یقیناً کسی باطنی قوت اور علم کا نتیجہ تھا! اور اگر — نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا — مناسب ہو گا کہ میں بستر میں سے نکل آؤں اور اپنے بازو پر سکنڈ قسم کی پٹی بدل لوں یا لیو کو بیدار کر دوں کہ وہ یہ کام کر دے۔ آخر دھیان بٹانے کے لیے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ مقررہ وقت آجائے جب ہمیں

اچھی یا شاید بری خبر سننے کو مل جائے۔
میں اٹھ کر بستر میں بیٹھ گیا اور کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ یہ اوروس تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک چراغ لئے ہوئے تھا۔

"دوست ہالی! بہت سوئے تم۔" اس نے کہا۔ "اب اٹھو کہ چلنے کا وقت آگیا ہے؟"

"بہت سویا؟" میں نے تلخی سے جواب دیا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ ابھی اندھیرا ہے ۔۔۔؟"

"یہ یوں ہوا کہ یہ اندھیرا دوسری رات کا ہے۔ کئی گھنٹے گزرے جب تم اس بستر پر لیٹے تھے اور یہ اچھا ہی ہوا کہ تم نے ایسی گہری اور طویل نیند لے لی۔ کیونکہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب کب سونا نصیب ہو۔ لاؤ۔ تمہارے زخم کو دھو کر مرہم پٹی کر دوں۔"

"یہ تو بتاؤ ۔۔۔۔" میں نے کہنا شروع کیا۔

"نہیں۔" اوروس نے سختی سے میری بات کاٹ دی۔ "میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گا سوائے اس کے کہ جلد ہی تمہیں خان کی رسم تکفین میں شریک ہونا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہاں تمہیں اپنے سوالات کے جواب بھی مل جائیں۔"

دس منٹ بعد وہ مجھے مکان کے کمرۂ طعام میں لے گیا۔ یہاں میں نے لیو کو پہلے ہی سے تیار بیٹھے پایا۔ معلوم ہوا کہ اوروس نے اسے مجھ سے پہلے بیدار کر دیا اور تیار ہونے کی ہدایت کر دی تھی۔ یہاں اوروس نے ہمیں بتایا کہ ہیسا نے حکم دیا تھا کہ مقررہ وقت سے پہلے ہمیں بیدار نہ کیا جائے کیونکہ آج ہمارا سابقہ عجیب و غریب باتوں سے پڑنے والا اور ہمیں بہت کچھ برداشت کرنا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔
ایک بار پھر ہم آتشیں ستونوں کے کمرے میں سے گزرے اور علامت حیات والے مقام میں پہونچ گئے۔ اس وقت یہ جگہ خالی تھی۔ حتیٰ کہ خان کا جنازہ بھی

اب یہاں نہ تھا اور نہ ہی نقاب پوش ہوز یہ قربان گاہ کے حجرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پردے اُٹھے ہوئے تھے اور یہاں کوئی کاہن یا خدمتگار نہ تھا۔

"قدیم رسم کے مطابق ماتا مردے کی عزت افزائی کے لیے جا چکی ہے۔" اوروس نے ہمیں مطلع کیا۔

اب ہم قربان گاہ کے عقب میں پہونچے۔ یہاں دیوار میں ایک دروازہ تھا دروازے کے پیچھے گزر گاہ تھی اور اس کے بعد ایک بڑا ہال تھا جس میں سے بہت سے راستے مختلف سمتوں میں جا رہے تھے۔ ان راستوں کے دوسری طرف حجرے تھے جو ہمارے راہبر نے بتایا ہوز یہ اور اس کی خدمتگار عورتوں کے رہائشی کمرے تھے۔ اوروس نے بتایا کہ یہ کمرے پہاڑ کے عین پہلو میں تھے چنانچہ ان کی کھڑکیاں باہر باغ میں کھلی تھیں اور ان سے روشنی اور تازہ ہوا اندر آتی تھی۔ اس میں چھ کاہن منتظر کھڑے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی بغل میں مشعلوں کا گٹھر دبائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں جلتا ہوا چراغ لیے ہوئے تھا۔

"ہمارا راستہ اندھیرے میں سے جاتا ہے۔" اوروس نے کہا۔ "اگر دن کا وقت ہوتا تو ہم باہر کی برف پر سے چڑھ کر جا سکتے تھے لیکن اندھیرے میں ایسا کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

اب اس نے مشعلیں لیکر چراغ سے جلائیں اور ایک ایک مشعل ہمیں دیدی۔ اور اب ہماری چڑھائی شروع ہوئی اور ہم لامتناہی سرنگوں میں چلتے اور اوپر چڑھتے رہے۔ یہ سرنگیں دورِ قدیم کے آتش پرستوں نے چٹان کے قلب میں بنائی تھیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ سرنگیں میلوں تک چلی گئی تھیں اور میرا یہ خیال غلط بھی نہ تھا۔ ہر چند کہ ڈھلانیں نا معلوم سی تھیں لیکن ہر ڈھلان چڑھنے میں کم سے کم ایک گھنٹہ لگ جاتا تھا۔ آخر کار ہم ایک بہت بڑے زینے کے قدموں میں پہونچ گئے۔

"میرے آقا! کچھ دیر کے لیے یہاں سُستا لیجیے" اوروس نے بڑے ادب سے لیو کے سامنے جھک کر کہا۔ وہ شروع سے ہی لیو کا ایسا ہی احترام کرتا آیا تھا۔ "کیونکہ یہ زینہ عمودی ہے اور اونچا بھی۔ اس وقت ہم پہاڑ کے بلند ترین لب پر کھڑے ہوئے ہیں اور اب اس طبقے والی چٹان پر چڑھنے والے ہیں جو پہاڑ کی چوٹی پر سے اوپر آسمان کی نیلاہٹوں کی طرف اٹھی ہوئی ہے۔"

چنانچہ ہم اس بند گنبد نما جگہ بیٹھ گئے۔ ڈھلانی سرنگوں کی مسلسل چڑھائی سے ہمارے بدن تپ رہے تھے۔ چنانچہ سرگوں میں سسکیاں بھرتی ہوئی اور زینے پر سے تیزی سے آتی ہوئی ہوا سرد اور فرحت بخش معلوم ہو رہی تھی۔ جب ہم بیٹھے سستا رہے تھے تو میں نے گرج کی آواز سنی اور اوروس سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ آتش فشاں کے دہانے کے قریب بہت قریب تھے اور چٹانی دیوار کے آرپار سے ہم جو آواز سن رہے تھے وہ دہکتی ہوئی آگ کی آواز تھی۔ دم درست کرنے کے بعد ہم زینہ چڑھنے لگے۔

یہ چڑھائی اتنی خطرناک نہ تھی جتنی کہ تھکا دینے والی تھی۔ کیونکہ اس زینے میں تقریباً چھ سو سیڑھیاں تھیں۔ سرنگوں میں سے گزرتے وقت ہمیں مصر کے سب سے بڑے اہرام کے اس راستے کی یاد آگئی تھی جو کئی فرلانگ لمبا تھا۔ اور یہ زینہ چڑھتے وقت گرجا کے مینار کا زینہ یاد آگیا بلکہ یوں کہیے مناسب ہوگا کہ یوں معلوم ہوا جیسے یہ بہت سے ایسے میناروں کی چڑھائی تھی جو ایک دوسرے پر بنائے گئے ہوں۔

وقتاً فوقتاً سستانے کے لیے ٹھہرتے ہوئے ہم عمودی سیڑھیوں پر چڑھتے بلکہ یوں کہیے کہ اپنے آپ کو گھسیٹتے رہے۔ ہر سیڑھی کی بلندی ایک فٹ تھی۔ یہاں تک کہ مینار کی بلندی ختم ہوگئی اور اب صرف چوٹی پر کا حلقہ باقی رہ گیا۔ اوروس کی راہبری

میں اب ہم اس حلقے کی چڑھائی چڑھنے لگے۔ میں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ چڑھائی بھی چٹان کے اندر ہی اندر تھی۔ کیونکہ ہوا کے تیز جھکڑوں میں یہ زبردست حلقہ مجھے لرزتا محسوس ہو رہا تھا۔

آخر ہمیں اپنے سامنے روشنی نظر آئی اور بیس سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ہم ایک پلیٹ فارم پر تھے۔ لیو، جو ہم سے آگے تھا، اوپر چڑھ کے آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ اور دس اور ایک کاہن نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ چنانچہ میں نے چیخ کر اس سے پوچھا۔

"لیو! کیا ارادے ہیں ان لوگوں کے؟"

"برے نہیں ہیں" لیو نے چیخ کر جواب دیا۔ "یہ جگہ بہت بلند ہے چنانچہ انھیں خوف ہے کہ کہیں مجھے چکر نہ آ جائیں اور میں گر نہ پڑوں۔ ہولیس ذرا سنبھل کر آنا"

اور اس نے اپنا ایک ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں سرنگ سے باہر آ گیا اور اگر میں نے لیو کا ہاتھ نہ پکڑ لیا ہوتا تو شاید میں وہیں اس چٹانی پلیٹ فارم پر ڈھے جاتا کیونکہ میں نے جو منظر دیکھا اس نے میرا دماغ مفلوج کر دیا اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا ایسا دوسرا منظر پیش نہیں کر سکتی۔

ہم حلقے کی عین چوٹی پر کھڑے تھے۔ جو چپٹی تھی اور پلیٹ فارم کی طرح تھی۔ یہ پلیٹ فارم اسی گز لمبا اور کوئی تیس گز چوڑا تھا۔ سر پر تاروں بھرا آسمان تھا۔ جنوب کی طرف اور کوئی بیس ہزار فٹ یا اس سے بھی زیادہ نیچے کلون کا میدان پھیلا ہوا تھا اور مشرق و مغرب کی طرف پہاڑ کی برف پوش ڈھلانیں تھیں اور ان کے نیچے پھر بھوری اور چوڑی ڈھلانیں تھیں۔ شمال کی طرف ایک دوسرا ہی منظر تھا جو ہیتا کی میں آپ اپنی مثال تھا۔ اس طرف ہمارے عین نیچے، کیونکہ چٹانی مینار اس طرف جھکا ہوا

تھا، آتش فشاں کا وسیع و عریض دہانہ تھا اور اس کے عین بیچ میں آگ کا ایک تالاب سا تھا جس میں آتشی بلبلے بن اور پھوٹ رہے تھے اور شعلے لپک رہے تھے بلکہ یوں کہئے کہ آگ کے فوارے سے چھوٹ رہے تھے۔

اس تالاب کی سطح سے دھوئیں اور گیسیں اوپر اٹھ رہی تھیں جو آگ کو اپنے ساتھ لے کر اوپر فضا میں بکھیر رہی تھیں۔ چنانچہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے فضا میں آگ کی جناتی چادر سی تنی ہوئی ہو۔ اس چادر کی روشنی کا عکس اس حلقے میں سے گزر رہا تھا جس کی چوٹی پر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ روشنی ایک آتشی اور خلائی راستے کی طرح کھوکھلے سے گزرتی ہوئی دور کے پہاڑوں تک پہونچ رہی اور پھر افق میں غائب ہو رہی تھی۔

ہوا جنوب سے شمال کی طرف چل رہی تھی جیسے آتش فشاں کا جلتا ہوا دہانہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور جذب کر رہا تھا یہ گرم ہوا پر شور آواز سے حلقے میں سے گزر رہی تھی اور آتشی چادر کو دور دھکیل رہی تھی اور اس چادر کے جلتے ہوئے چیتھڑوں کو یوں اڑا کر لے جا رہی تھی جیسے طوفانی سمندر میں تیز ہوا بادبان کے ٹکڑوں کو اڑائے جاتی ہیں۔

اگر یہ تیز ہوا مسلسل نہ بہہ رہی ہوتی تو کسی بھی انسان کا حلقے کی اس چوٹی پر زندہ رہنا ناممکن ہوتا کیونکہ آتش فشاں کی زہریلی گیسیں اس کا خاتمہ کر دیتیں لیکن یہ کبھی نہ رکنے والی ہوا ان زہریلی گیسوں کو شمال کی طرف اڑائے جاتی تھی اور اسی وجہ سے یہاں تپش بھی نہ تھی کہ آدمی کو جھلسا دے۔

اس خوفناک منظر سے، جو زمین کے بجائے جہنم کا معلوم ہوتا تھا گھبرا کر اور اس خوف سے کہ کہیں یہ تیز ہوا مجھے خشک پتّے کی طرح اڑا نہ لے جائے میں گھٹنے اور اپنا دہانہ ہاتھ، جو زخمی نہ تھا، اس چٹانی پلیٹ فارم پر ٹیک کر بیٹھ گیا اور چیخ کر

لیو نے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھا اور اب نظر آیا کہ چغہ پوش کاہنوں کی ایک قطار پلیٹ فارم کے کنارے پر گھٹنوں کے بل جھکی عبادت میں مصروف تھی۔ لیکن ہوزیہ، خانیہ الطینہ اور خان کا جنازہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔

میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اوروس نے جس کے اعصاب پر اس عجیب منظر نے کوئی اثر نہ کیا تھا، چند کاہنوں کے ساتھ آگے بڑھ کر ہمیں اپنے درمیان لے لیا اور لیو، وہ لوگ ہمیں اپنے حلقے میں لے کر آگے بڑھے۔ پلیٹ فارم کے کنارے پر پہنچ کر ہم چند سیڑھیاں نیچے اترے اور یہاں ہم نسبتاً محفوظ جگہ تھے۔ کیونکہ اب ہوا ہمارے سروں پر چنگھاڑ رہی تھی۔ بیس قدم اور آگے بڑھے اور اب ہم ایک شگاف میں تھے جو چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا اور اسی طرح اوپر منجمد لاوے کی چھت آگے کی طرف گھونگھٹ کی طرح نکلی ہوئی تھی۔

یہ شگاف یا چٹانی حجرے تک جو اتنا بڑا تھا کہ بہت سے لوگ اس میں آسانی سے پناہ لے سکتے تھے۔ چٹان کاٹ کر تراشی ہوئی ایک کرسی پر ہوزیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بدستور سر سے پیر تک اپنے مخصوص لباس میں ملبوس تھی۔ لیکن اس وقت اس نے اس کفن جیسے لباس پر ایک سرخ بھڑکدار لباس بھی پہن رکھا تھا اس کے قریب ہی خانیہ الطینہ اور بوڑھا ساحر شامن سمبری کھڑا ہوا تھا جو کچھ گھبرایا ہوا اور پریشان معلوم ہوتا تھا اور ان کے سامنے جنازے میں خان کی لاش تھی جس کے سفید چہرے اور برہنہ جسم پر شعلوں کا عکس رقص کر رہا تھا۔

ہم کرسی کی طرف بڑھے اور ہوزیہ کو جھک کر سلام کیا۔ ہوزیہ نے اپنا نقاب پوش چہرہ اوپر اٹھایا کیونکہ وہ اب تک یوں سر جھکائے بیٹھی تھی جیسے کسی سوچ میں ہو۔ اب اس نے اوروس کو مخاطب کیا۔ اس چٹانی حجرے میں باہر کی بہ نسبت سکوت تھا اور ایک دوسرے کی آواز اور گفتگو صاف سنائی دیتی تھی۔

"تو تم انھیں بہ حفاظت یہاں تک لے آئے میرے خادم؟" ہوزیہ نے کہا۔ "اور یہ دیکھ کر مجھے مسرت حاصل ہوئی کیونکہ ان لوگوں کے لیے جو اس سے واقف نہیں ہیں۔ یہ راستہ بے حد خطرناک ہے میرے مہمانو! ہوزیہ کے بچوں کے دفن کے لیے جو گڑھا ہے اس کے متعلق تمہارا خیال کیا ہے؟"

"ہمارے مذہب میں ایک مقام کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے جس کا نام دوزخ ہے۔" لیو نے جواب دیا۔ "اور تمہارا یہ آتشی کھڈ مجھے تو اسی دوزخ کا دہانہ معلوم ہوا۔"

"نہیں میرے معزز مہمان!" ہوزیہ نے کہا۔ "دوزخ وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں ہم خود ہی اسی دنیا میں اپنی زندگی اپنے لیے دوزخ بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ ونسی! جان لو کہ دوزخ اسی چھوٹے سے سیارے پر ہے جس کا نام دنیا ہے۔ اور جان لو ونسی کہ دوزخ یہاں ہے۔" اور اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔ "ہاں۔ یہاں دوزخ ہے۔"

اور اس نے ایک بار پھر اپنا سر جھکا لیا۔ جیسے وہ کسی اندرونی دکھ اور غم کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس کا سر خود بخود اس بوجھ سے جھک گیا ہو۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا۔

"آدھی رات گزر چکی ہے اور صبح ہونے سے پہلے بہت کچھ کرنا ہے۔ ہاں اندھیرے کو اجالے سے بدلنا ضروری ہے۔ یا شاید اجالے کو ابدی اندھیرے سے۔"

"خانیہ اطلینہ! اے کلون کی ملکہ!!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "اس کے حق کے مطابق تو اپنے مرحوم شوہر کو اس متبرک جگہ دفن کرنے لائی ہے۔ جہاں اس کے پیشرو حکمرانوں کی ہڈیاں مقدس آگ کا ایندھن بن چکی ہیں۔ اور وس! مستغیث کو بلاؤ اور اسے بلاؤ جو دعا غ کرتا ہے" اور کہتا ہیں

کھولدو کہ میں مرنے والے کا فیصلہ کرسکوں اور اس کی روح کو دوبارہ زندہ رہنے کے لیے بلا سکوں یا پھر دعا کردوں کہ اس سے زندگی کا حق چھین لیا جائے۔"

"اے کاہن! عدالت موت کی کارروائی شروع کی جائے۔"

پندرھواں باب

دُوسری آزمائش

اوردوس نے جھک کر سلام کیا اور حجرے سے باہر چلا گیا۔ اب ہوزیہ نے ہمیں اشارہ کیا کہ ہم اس کے بائیں طرف کھڑے ہو جائیں اور پھر خانیہ اطیفہ کو اپنے دائیں طرف کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا۔ چند ثانیوں بعد دائیں اور بائیں طرف سے پچاس کے قریب کاہن اور کاہنائیں نکل کر حجرے میں آئیں۔ یہ سب کے سب نقاب پوش تھے۔ یہ کاہن اور کاہنائیں دیوار کے قریب صف بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے بعد اور دو آدمی کالے لباس میں ملبوس اور چہروں پر کالی ہی نقابیں ڈالے آئے۔ یہ دونوں اپنے ہاتھوں میں ایک ایک کتاب لیے ہوئے تھے۔ ان سیاہ پوشوں میں ایک خان کی نعش کے دائیں اور دوسرا بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کا رخ ہوزیہ کی طرف تھا۔ یعنی وہ 'ماتا' کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔

اب ہوزیہ نے اپنا عصا والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ یہ اشارہ پا کر اوردوس نے کہا۔

"کتابیں کھولی جائیں!"

اس پر نعش کے دائیں طرف کھڑے ہوئے نقاب پوش نے جو مستغیث تھا کتاب کی مہر توڑی اور کتاب کھول کر اس کے صفحات پر کی تحریر بلند آواز میں

پڑھنے لگا۔ یہ مرحوم خان کے گناہوں کی داستان تھی جو اس کتاب میں تفصیل سے درج تھی کہ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ شخص خان کا ضمیر ہو جو مجسّم ہو کر سامنے آیا ہو اور اُسے قوتِ گویائی مل گئی ہو نہایت ہی ٹھنڈے پنے اور دہشت ناک تفصیل سے خان کے بچپن کی شرارتوں، جوانی کی غلط کاریوں اور ادھیڑ عمر کی خطاؤں کا بیان تھا۔ اور جب اس کے ان سب گناہوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا گیا تو معلوم ہوا کہ خان کا ریکارڈ اس قدر کالا تھا کہ اس کی بخشش کی کوئی امید نہ کی جا سکتی تھی۔

میں دم بخود کھڑا الزامات کی یہ فہرست سُنتا اور حیرت سے سوچتا رہا کہ ایسا تو کون سا جاسوس ہے جو خان کے پیدا ہونے سے لیکر اس کے مرنے تک اس پر نہ صرف نظر رکھتا بلکہ اس کا ایک ایک گناہ، ایک ایک لغزش اور ایک ایک خطا کو درج کرتا رہا اور ساتھ ہی یہ سوچ کر کانپ گیا کہ ہماری پیدائش کے ساتھ ہی خدا نے بھی دو فرشتے کراماً کاتبین ہم پر متعین کر دیئے ہیں۔ جو مرنے تک ہمارا نامۂ اعمال لکھتے رہیں گے اور قیامت کے دن خدا کے حضور میں پیش کریں گے تو وہ نامۂ اعمال کس قدر سیاہ ہو گا؟ خدا ہی ہے جو ہمیں بخشش دے کہ وہ غفور اور رحیم اور بڑا بخشنے والا ہے۔

آخر کار خان کے گناہوں کی یہ طویل فہرست ختم ہوئی جس کے آخر میں دریا کے کنارے ایک رئیس کو اپنے کتوں کے ذریعے مروا ڈالنے کا قصّہ اور بلا وجہ ہماری جان لینے کی کوشش، ہمارے پیچھے کتے چھوڑ دینے کا واقعہ اور اس کا انجام بھی تفصیل سے درج تھا۔ اب مستغیث نے اپنی کتاب بند کی اسے فرشتوں پر پھینک کر بولا۔

"مہاتما! یہ ہے مرنے والے کا اعمال نامہ اب اس سے نتیجہ اخذ کر کے فیصلہ

سُنانا آپ کا کام ہے کیونکہ آپ دانا اور بینا ہیں!"

کوئی بھی جواب دیئے بغیر ہوزیہ نے اپنا عصا دفاع کرنے والے کی طرف اٹھا دیا اب اس نے اپنی کتاب کی مہر توڑی اور پڑھنے لگا۔

یہ داستان مرنے والے کی ان بھلائیوں کی تھی جو اس نے اپنی زندگی میں کی تھیں اس کے ہر اس الفاظ کا ذکر تھا جو اس نے بھلائی سے اور رحم سے کہا تھا اس کے شریف اور رحیمانہ افعال کی فہرست تھی، اس کی ان اصلاحوں کا تذکرہ تھا جو اس نے رعایا کے لیے رائج کی تھیں جبھی برائیوں یا ہوس پرستیوں سے وہ بچا ان کا تذکرہ تھا اس کی اس سچی محبت کی تفصیل تھی جو اسے اس عورت سے تھی جو اس کی بیوی بنی۔ اس کی ان عبادتوں کا ذکر تھا جو اس نے کی تھیں اور ان چڑھاووں کی تفصیل تھی جو اس نے ہوزیہ کے نام پر چڑھائے تھے۔

خانیہ کا نام لئے بغیر یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی بیوی اس سے کیسی سخت نفرت کرتی تھی اور یہ کہ اس عورت نے کس طرح اپنے ماموں کی مدد سے، جس نے اس عورت کی پرورش کی تھی اور جو اس کا ماموں اور ساحر تھا، دوسری عورتوں کو مرنے والے کے پاس بھیج دیا کہ یہ عورت، یعنی مرنے والے کی بیوی، اس سے، یعنی اپنے شوہر سے بچی رہے اور یہ کہ کس طرح ان دونوں کی سازش سے اسے ایک دوا پلا دی گئی جس کی وجہ سے نہ صرف وہ پاگل ہو گیا بلکہ اس کی ساری برائیاں ایکدم سے راہ پا گئیں اور اچھائیاں مقید ہو گئیں اور اس مشروب کے اثر سے ہی وہ اس عورت سے بھی ڈرنے لگا جو اس کی بیوی تھی اور جس کی محبت میں وہ اب بھی گرفتار تھا۔

اس داستان میں یہ بھی کہا گیا کہ اس کا بڑے سے بڑا گناہ بھی اس کی بیوی کی وجہ سے ہی تھا۔ یعنی خود وہ اسے ہر گناہ پر مجبور کر دیتی تھی۔ کیونکہ وہ چاہتی

تھی لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگیں ان کے دلوں میں اس کی نفرت پوری طرح بیٹھ جائے یہی مرنے والے کی بیوی چاہتی تھی اور اسی لیے وہ مرنے والے کو گناہوں اور مظالم پر ابھارتی تھی۔ وہ مرنے والے کے دل میں حسد کی آگ بھڑکا دیتی تھی اور تب وہ ظلم کرنے پر اور بربریت پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اسی طرح وہ آخری مذموم فعل پر مجبور کیا گیا۔ اس نے مہمان نوازی کے مقدس اصولوں کی خلاف ورزی کی اور بے گناہ اجنبیوں کی جان کے درپے ہو گیا۔ لیکن آخر میں خود انکے ہاتھوں مارا گیا۔

ابو دفاع کرنے والے نے کتاب بند کر کے فرش پر پھینک دی اور کہا۔

"ماتا! یہ ہے اس کا اعمال نامہ۔ اب فیصلہ آپ کریں کہ آپ داتا اور بینا ہیں"

اب خانیہ، جو اب تک ساکت اور خاموش کھڑی تھی، بولنے کے لئے آگے بڑھی اور اس کے ساتھ اس کا ماموں شامن سِمجری بھی آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ہوزیہ نے اپنا عصا اٹھا کر اسے روک دیا اور کہا۔

"تیرے لیے فیصلہ کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے اور نہ ہی ہمیں فی الحال تجھ سے کوئی واسطہ ہے جب تو اس جگہ پڑی ہو گی جہاں تیرا شوہر پڑا ہے اور جب تیرے گناہوں کی کتاب کھولی جائے گی تو اس وقت دفاع کرنے والے کو تیرا بچاؤ کرنے کی اجازت ہو گی!"

"بہتر ہے" خانیہ نے غرور سے گردن اکڑا کر کہا اور پیچھے ہٹ گئی۔

اور اب کاہن اعظم اوروس کی باری تھی۔

"ماتا!" اس نے کہا "تم نے دونوں کا بیان سن لیا۔ اب دونوں کتابوں کی تحریروں کا موازنہ کر کے حقیقت سے الگ کرنا اور اپنی دانائی کے مطابق فیصلہ سناؤ کہ ہم اسے، جو زندگی میں راسین تھا، اس آتشی کنوئیں میں پیروں کے بل پھینک دیں کہ وہ پھر زندگی کے راستے پر چل سکے یا سر کے بل پھینک دیں کہ وہ

فنا ہو جائے؟"

اب وہاں مکمل ترین خاموشی تھی اور سب ماتا کے فیصلے کے منتظر تھے اور ماتا سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ آخر کار اس نے اپنا سر اٹھایا اور اپنا فیصلہ یوں سنایا۔

"میں نے سنا ہے۔ میں نے موازنہ کیا اور میں نے پرکھا لیکن میں فیصلہ نہیں کرتی حالانکہ مجھے اس کا اختیار ہے چنانچہ اس روح کو فیصلہ کرنے دو جس نے اسے دنیا میں بھیجا تھا اور جس کے پاس اسے لوٹنا ہے۔ مرنے والے کے گناہ سخت ہیں۔ لیکن اس کے خلاف جو گناہ کیا گیا ہے وہ سخت ترین ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دیوانگی اس کے گناہوں کو ہلکا کر رہی ہے اور پھر یہ دیوانگی سازش سے اور نفرت سے اس پر لادی گئی تھی چنانچہ اسے پیروں کے بل اس کی آتشی قبر میں ڈال دو تاکہ آئندہ نسلیں اس کا نام یاد رکھیں اور وقت مقررہ پر ایک بار پھر یہ اس دنیا میں آئے۔ بس میں کہہ چکی۔"

اب مستغیث نے آگے بڑھ کر فرش پر سے مرنے والے کے گناہوں کی کتاب اٹھائی اور آگے بڑھ کر آگ میں پھینک دی۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ مرنے والے کے گناہ معاف ہوئے۔ اس کے بعد وہ پلٹا اور حجرے سے چلا گیا۔ اب دفاع کرنے والے نے فرش پر سے اپنی کتاب اٹھا کر اوروس کو دیدی کہ اسے معبد کے کتب خانے میں رکھ کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ یہ ہو چکا تو وہاں موجود کاہنوں نے ایک ماتمی گیت کے بول اٹھائے جس میں "زیر زمین" کے عظیم دیوتا سے دعا کی گئی تھی کہ وہ اس کی روح کی وہاں بھی بخشش کر دے جس طرح کہ یہاں اس کی کاہنہ ہوذیہ نے اس کی بخشش کر دی ہے۔

اس رسم میں بھیانک ماحول اور ماتمی سنجیدگی کے علاوہ جو چیز سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم تھی۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس رسم کا مرکزی حصہ

مستغیث کی کتاب اور دفاع کرنے والے کی کتاب تھی اور میرے خیال میں یہ ساری رسم محض اسی کی خاطر ہی ادا کی جاتی تھی۔ اس سے یہ پتہ چل جاتا تھا کہ حالانکہ ہوزیہ کا معبد اور اس کے کاہن بظاہر میدان والوں کے افعال سے بے پروا تھے لیکن وہ پردہ ان کی ایک ایک حرکت پر نہ صرف نظر رکھے ہوئے تھے بلکہ انھیں تابع فرمان کرنے اور ان پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کے موقع کے منتظر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ پہاڑ والوں کی روحانی حکومت تو اب بھی میدان والوں پر قائم تھی۔ اس کے علاوہ اس رسم سے یہ بھی ثابت ہو جاتا تھا کہ ہوزیہ اور اس کے کاہنوں کے جاسوسوں کا جال میدان میں پھیلا ہوا تھا اور ایسا خفیہ اور مکمّل ترین تھا کہ اس پر مشکل سے ہی یقین آتا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ میدان والے ہوزیہ کو "حاضر وناظر" تسلیم کرتے اور اس کی روحانی قوتوں سے خائف تھے۔

اب چند کاہن آگے بڑھے اور انھوں نے آہستہ سے اور احترام سے خان کا جنازہ اٹھایا اور اسے آتش فشاں کے دہانے کے کنارے تک لے گئے اور پھر ماتا کا اشارہ پا کر خان کی نعش کو پیروں کے بل آگ میں پھینک دیا اور وہاں موجود ہر شخص یہ دیکھنے کے لئے چند قدم آگے بڑھ گیا کہ لاش شعلوں کی آغوش میں کس طرح جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ان کے لیے ایک شگون تھا۔ اگر آتشی کھڈ میں گرتے وقت نعش قلابازی کھا جاتی تو سمجھ لیا جاتا کہ فانی انسانوں کا فیصلہ زیر زمیں کی روح نے قبول نہیں کیا۔ لیکن خان کی نعش قلابازی کھائے بغیر تیر کی طرح سیکڑوں گز نیچے آگ میں جا پڑی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئی اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی، کیونکہ جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا نعش کے پیروں سے وزن باندھ دیا گیا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ پوری کارروائی، شروع سے آخر تک یعنی آخری فیصلے کے

الفاظ تک، دور قدیم سے عمل میں آتی تھی۔ یہ رسم کاہنوں، کاہناؤں اور میدان کے حکمرانوں اور چند رئیسوں کے لیے مخصوص تھی۔ یہی رسم مصر قدیم میں بھی تھی اور یقیناً مردے کے اعمال نامے کی یہ رسم مصر قدیم سے ہی لی گئی تھی اور یہ اب تک ہوزیہ کی مملکت میں جاری تھی اور کوئی کاہنہ مردے کی روح کے حق میں برا فیصلہ نہ دیتی تھی۔ کم سے کم موجودہ ہوزیہ تک کسی نے بھی مردے کو سر کے بل آگ میں جھونک دینے کا حکم نہ دیا تھا۔ خصوصاً اس لیے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ "روح" جو لافانی ہوتی ہے، ایک بار پھر دنیا میں جسد خاکی کو تلاش کر لیتی ہے یہ اعتقاد قدیم مصریوں کا بھی تھا۔

دفن کی یہ رسم، بشرطیکہ ہم اسے دفن کرنا کہہ سکیں، پوری ہوئی اور مردہ اپنے گناہوں کے ریکارڈ کے ساتھ بلکہ اس کے پیچھے ہی پیچھے آگ کے اس کھڈ میں غرق ہو گیا اور اب تک جل کر مٹھی بھر راکھ بن چکا ہو گا۔ اس کی کتاب زندگی بند ہو چکی تھی۔ لیکن ہماری کتاب زندگی اپنے عجیب ترین باب کے ساتھ کھلی تھی اور یہ ہم سب جانتے تھے اور دھڑکتے دل لئے منتظر بیٹھے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

ہوزیہ اپنے پتھر کے تخت پر سر جھکائے بیٹھی کسی خیال میں غرق تھی۔ وہ خود بھی جانتی تھی کہ اب وقت آ گیا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی اس نے ایک لمبا سانس لیکر سر اٹھایا، اپنے عصا کو حرکت دی اور چند الفاظ کہے جس پر سارے کاہن اور کاہنائیں چلی گئیں اور یہ لوگ پھر نہ دیکھے گئے۔ البتہ صرف دو باقی رہ گئے ایک کاہن اعظم اوراس اور دوسری کاہنہ اعظم جس کا نام "پاپادے" تھا یہ ایک قبول صورت اور نوجوان عورت تھی۔

"سنو میرے خادمو!" ہوزیہ نے کہا۔ "اب عظیم اور عجیب واقعات ہونے

والے ہیں جن کا تعلق ان اجنبیوں کی آمد سے ہے جن کا انتظار میں برسوں سے کر رہی تھی۔ جیسا کہ تم خود جانتے ہو۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتی کہ نتیجہ کیا ہوگا کیونکہ مستقبل مجھ پر ظاہر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ غیر محدود قوتیں مجھے عطا کی گئی ہیں۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی یہ تخت خالی ہو جائے اور یہ جسم ابدی آگ کی خوراک بن جائے۔ نہیں نہیں میرے خادمو! رنجیدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں مر نہیں سکتی۔ اگر بظاہر ایسا ہو بھی گیا تو میری روح پھر واپس آ جائے گی۔"

"سنو پاپادے! تم صحیح النسب ہو اور تنہا تم پر میں نے دانائی کے دروازے کھولے ہیں اب۔ اگر میں اس وقت یا آئندہ کبھی دنیا سے پردہ کر لوں تو قدیم قوتوں کو تم اپنے اختیار میں لے لینا، میری جگہ پر کرنا اور تمام باتوں میں ایسا ہی کرنا جیسا کہ میں نے تمہیں ہدایت دی ہے تاکہ اس پہاڑ پر سے روشنی چل کر ساری دنیا میں پھیل جائے۔ اس کے علاوہ میں تمہیں اور رائے کاہن اور روس تمہیں بھی حکم دیتی ہوں کہ اگر مجھے اس دنیا سے جلا لیا جائے تو ان اجنبیوں کی خاطر مدارت کرنا، یہاں تک کہ انھیں اس سرزمین سے باہر پہنچا دینا۔ چاہے اس راستے سے جس سے یہ آئے ہیں۔ چاہے شمالی پہاڑوں اور صحرا کے راستے سے۔ اگر خانیہ اطینہ انھیں ان کی مرضی کے خلاف روکنے کی کوشش کرے تو پہاڑی قبائل کو ہوذیہ کے نام پر اس کے خلاف صف آرا کر دینا، اسے تخت سے اٹھا دینا اور اس کے ملک پر قبضہ کر کے معبد کے زیر حکمرانی لے آنا۔ میرے خادمو! میرا یہ حکم سنو اور اسے بجا لاؤ۔"

"ماتا! ہم نے سنا اور ہم یہ حکم بجا لائیں گے۔" اوروس اور پاپادے نے ایک زبان ہو کر کہا۔

ہوذیہ نے ہاتھ ہلا کر اس بات کا اظہار کیا کہ جہاں تک اس معاملے کا تعلق

تھا وہ ختم ہوا۔ اس کے بعد وہ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی اور خانیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"اطینہ! گزشتہ رات تو نے مجھ سے ایک سوال پوچھا تھا کہ تو اس شخص سے (اور اس نے لیو کی طرف اشارہ کیا) محبت کیوں کرتی ہے اس سوال کا جواب آسان اور سیدھا ہے یعنی یہ کہ یہ شخص جوان اور خوبصورت ہے اور تجھ جیسی عورت کے دل میں محبت کا جذبہ پیدا کر سکتا ہے لیکن تو نے یہ بھی کہا تھا کہ خود تیرا دل یہ کہتا ہے اور اس ساحر کا، جو تیرا ماموں ہے، جادو بھی کہتا ہے۔ جب سے تیری روح وجود میں آئی ہے تب سے تو اس شخص کو چاہتی ہے اور تو نے اس عظیم قوت کا، جس کے سامنے ایک نہ ایک دن مجھے جانا ہے، واسطہ دے کر کہا ہے کہ میں ماضی پر پڑے ہوئے پردے ہٹا کر حقیقت تجھ پر ظاہر کر دوں۔

"اے عورت! اب وہ وقت آ گیا ہے اور میں تیرے چیلنج کو قبول کرتی ہوں اس لیے نہیں کہ تو نے مجھے اس کا حکم دیا ہے بلکہ یہ اس لیے کہ یہ میری مرضی ہے۔ ابتدا کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتی کیونکہ میں فوق الفطرت قوتوں کی مالک ہونے کے باوجود دیوی نہیں بلکہ انسان ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ ہم تینوں کیوں اور کس طرح قسمت کے اس الجھیڑے میں الجھ گئے ہیں، میں نہیں جانتی کہ ہم ہزاروں زندگیوں یا جنم جنم کی اس سیڑھی پر لاکھوں مصائب اور دکھ جھیل کر کون سا موقع پورا کرنے کے لیے چڑھ رہے ہیں اور اگر جانتی ہوں تو بتا نہیں سکتی۔ چنانچہ اس داستان کا آغاز وہاں سے کرتی ہوں جہاں سے میری یادداشت مجھے راہ دکھاتی ہے۔"

ہوز یہ خاموش ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی اندرونی جذبے یا قوت ارادی نے اسے کپکپا دیا ہو۔

"اب اپنے پیچھے دیکھو۔" دفعتہً اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اور چیخ کر کہا۔

ہم نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ پہلے تو نظر نہ آیا۔ سوائے آگ کی چادر کے۔ جو آتش فشاں کے دہانے میں سے نکل رہی تھی، جس کی چوٹی جیسا کہ میں پہلے کہیں بتا چکا ہوں، ہوا کے جھکڑوں کی وجہ سے دوسری طرف جھکی ہوئی تھی۔ لیکن ابھی ہم دیکھ ہی رہے تھے کہ اس سرخ چادر کے بطن میں ایک تصویر بننے اور ابھرنے لگی جس طرح کہ جادوگر کے کانچ کے گولے میں ابھر آتی ہے۔

ایک وسیع وعریض ریگزار کے وسیع وعریض نخلستان میں، جس کے درمیان سے ایک نہر نا گزرتا تھا۔ ایک مندر تھا جس کے زبردست دروازے اور صحن میں سے کاہنوں کا ایک جلوس گزر رہا تھا ان کاہنوں کے ہاتھوں میں جھنڈے تھے جن کے پھریرے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ صحن خالی ہو گیا اس میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور صحن کے فرش پر ایک عقاب کا سایہ دکھائی دیا جو کہیں اوپر پرواز کر رہا تھا۔ اب ایک کاہن معبد کے جنوبی دروازے سے داخل ہوا اس کا سر منڈا ہوا تھا، اس کے پیر ننگے تھے اور اس نے سفید اور ڈھیلا چغہ پہن رکھا تھا اور وہ پتھر کی اور رنگین قربان گاہ کی طرف بڑھا اس قربان گاہ پر ایک عورت کا بت تھا جس کے سر پر مصر کا دوہرا تاج تھا اور اس پر کھلے ہوئے کنول کے پھول کی کلغی تھی۔ اس کے ہاتھ میں مقدس سسترم تھا اب اس کاہن نے جیسے کوئی آواز سنی اور چلتے چلتے رک کر اور گھوم کر دیکھا۔ اب اس کا چہرہ ہماری طرف تھا خدا کی قسم اس کاہن کا چہرہ لیو ونسی کا چہرہ تھا۔ ہو بہو، لیو ونسی جیسا کہ وہ اپنی جوانی کے آغاز میں تھا۔ اس کے علاوہ یہ اسی قالی قریط کا چہرہ تھا جس کی لاش ہم کوور کے غار میں دیکھ چکے تھے ؂

؂ ملاحظہ ہو ناول ایشہ مطبوعہ نسیم بکڈپو، لکھنؤ۔

"میرے خدا! دیکھو ــــ دیکھو ـــ" لیو نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔

میں نے صرف سر ہلا دیا، یعنی، جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا میں بھی دیکھ رہا تھا۔

وہ کاہن پھر آگے بڑھا، بت کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا، اس کے پیروں پر سر رکھا اور دعا مانگنے لگا۔

اب دروازہ کھلا اور ایک جلوس داخل ہوا۔ آگے آگے ایک نقاب پوش عورت چل رہی تھی جو چڑھاوے لے کر آئی تھی۔ یہ چڑھاوے اس نے اس میز پر رکھ دیئے جو قربان گاہ کے سامنے تھی۔ پھر وہ بھی دیوی کے بت کے سامنے جھک گئی۔ یوں دیوی کے سامنے جھکنے اور دعا ختم کرنے کے بعد وہ اٹھی اور جانے کے لیے گھومی۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے اس نے اپنا ایک ہاتھ چپکے سے جوان کاہن کے ہاتھ سے چھوا دیا اور آگے بڑھ گئی۔ کاہن لمحہ بھر تک حیرت کے عالم میں کھڑا رہا۔ لیکن پھر اس عورت کے پیچھے چل دیا۔

اس عورت کے سارے ساتھی باہر چلے گئے۔ لیکن وہ خود ایک یا دوسرے بہانے سے دروازے کے قریب ٹھہر گئی۔ وہ کاہن سے سرگوشی میں کچھ کہہ رہی تھی اور دریا اور جنوبی سرزمین کی طرف اشارے کر رہی تھی جو دریا کے اس پار تھی۔ کاہن پریشان تھا وہ عورت سے بحث کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس عورت نے چاروں طرف دیکھا اور کسی کو موجود نہ پا کر اپنی نقاب الٹ دی، وہ کاہن کی طرف جھک گئی اور دونوں کے لب مل گئے۔

اس بوسے کے بعد جب وہ بھاگ رہی تھی تو اس کا چہرہ ہماری طرف ہو گیا۔ میرے خدا یہ کسی اور کا نہیں بلکہ اطلینہ کا چہرہ تھا اور اس کے سنہری بالوں پر جڑاؤ تاج تھا جس پر سانپ کا پھن تھا اور تاج اس کے شہزادی ہونے کی علامت تھا۔ اس نے سر گھما کے کاہن کی طرف دیکھا، یوں ہنسی جیسے فتح اس کی

ہوئی ہو، اس نے مغرب میں ڈھلتے ہوئے سورج اور دریا کی طرف اشارہ کیا اور چلی گئی۔

اور ہمارے قریب کھڑی ہوئی اطیبنہ نے قہقہہ لگایا، وہی صدیوں پہلے کا قہقہہ جو اس نے کاہمن کا ہونٹ چوم کر لگایا تھا۔ یہ اطیبنہ بھی فتحمندی کا سے قہقہہ لگا رہی اور چیخ کر شامون سجری سے کہہ رہی تھی۔

"بے شک میرا دل اور تمہارا علم جھوٹا نہیں ہے۔ دونوں نے ہمارا سچ کہا ہے۔ دیکھو! دور قدیم میں میں نے کس طرح اس شخص کا دل جیت لیا تھا۔"

اور تب آگ پر گرتی ہوئی برف کی سی ٹھنڈی آواز میں اہوزیبہ نے کہا۔

"خاموش اے عورت! اب یہ بھی دیکھ لے کہ دور قدیم میں تو نے کس طرح اسے گنوا دیا تھا۔"

اور آتشی چادر پر کا منظر بدل گیا۔ اب ایک مسہری پر ایک حسینہ سو رہی تھی۔ وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی، وہ خوفزدہ تھی اور اس پر ایک سایہ سا، جو اس معبد کی دیوی کے لباس میں ملبوس تھا جھکا اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن اس تصویر میں اس دیوی کے سر پر جو تاج تھا اس پر عقاب بازو پھیلائے بیٹھا تھا۔ سوئی ہوئی عورت نے یکایک آنکھیں کھول دیں اور چاروں طرف دیکھا اور اس کا چہرہ عائشہ کا چہرہ تھا۔ بالکل وہی چہرہ جو ہم نے پہلی دفعہ کور کے غاروں میں اس وقت دیکھا تھا جب اس نے پہلی دفعہ ہمارے سامنے اپنے چہرے کو بے نقاب کیا تھا۔

میرے اور لیو کے منہ سے ایک لمبی آہ نکل گئی۔ آج ہم پھر دنیا کی حسین ترین عورت کا دیدار کر رہے تھے۔ چنانچہ ہماری زبانیں گنگ تھیں۔

ایک بار پھر وہ سو گئی۔ ایک بار پھر وہی دیوی آ کر اس پر جھک گئی اور اس کے

کان میں کچھ کہنے لگے۔ دیوی نے ایک طرف اشارہ کیا اور فوراً ہی فاصلے سمٹ گئے، اور اب ہم نے دیکھا کہ طوفانی سمندر میں ایک کشتی تھی اور اس کشتی میں دو آدمی ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے ان میں سے ایک مرد تھا۔ یہ وہی کاہن تھا۔ دوسری عورت تھی اور یہ وہی شہزادی تھی اور ان کے سروں پر انتقام کے فرشتے کی طرح، ایک عقاب اپنی گردن لمبی کیے اور بازو پھیلائے منڈلا رہا تھا۔ یہ عقاب ایسا ہی تھا جیسا کہ دیوی کے تاج پر تھا۔

یہ تصویر بھی غائب ہو گئی اور اب وہ آتشی چادر گرمیوں کی دوپہر کے آسمان کی طرح خالی تھی۔ پھر اس پر دوسری تصویریں ابھریں۔ پہلے ایک زبردست غار نظر آیا جس کی دیواریں ہموار تھیں، جس کے فرش پر نرم ریت کا فرش تھا اور ہم اس غار کو بھولے نہ تھے۔ پھر اس ریت کے فرش پر اسی جوان کاہن کی لاش نظر آئی جس کا سر منڈا ہوا نہ تھا بلکہ اب اس کے سر پر سنہری بال تھے۔ اس کی بے نور آنکھیں کھلی تھیں اور اس کا سفید جسم خون میں لتھڑا ہوا تھا اور اس کے قریب دو عورتیں کھڑی ہوئی تھیں ایک عورت کے ہاتھ میں برچھی تھی اور یہ عورت بالکل برہنہ تھی۔ صرف اس کے لانبے بال تھے جو اس کی ستر پوشی کسی حد تک کر رہے تھے اور عورت حسین تھی تصور سے بھی زیادہ حسین۔ دوسری عورت جو سیاہ لباس میں تھی اپنے ہاتھ اٹھا اٹھا کر برہنہ عورت کو بد دعا دے رہی تھی۔ برہنہ عورت وہی تھی جس کے کان میں دیوی نے دو دفعہ کچھ کہا تھا اور دوسری عورت مصر کی وہ شہزادی تھی جس نے دیوی کے معبد میں کاہن کے ہونٹ چومے تھے۔

آہستہ آہستہ یہ تصویر مدھم ہو کر غائب ہو گئی گویا آگ نے انھیں نگل لیا ہو کیونکہ پہلے یہ تصویریں مدھم ہو کر راکھ کی طرح بن گئی تھیں اور پھر غائب ہو گئیں۔ ہوزیر جو آگے کی طرف جھکی ہوئی تھی، کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی جیسے خود وہ

اپنے اس سحر سے تھک گئی ہو۔

ایک لمحے تک دھندلی اور موہوم اور اُلجھی ہوئی تصویریں اس آگ کے پردے پر اُبھرتی، بھاگتی، دوڑتی اور مٹتی رہیں جس طرح دو ہزار سال کی یادداشتیں مدھم ہوگئی ہوں، آپس میں گڈمڈ ہوں اور ان کا سرا نہ مل رہا ہو۔

وحشت انگیز مناظر، لوگوں کے گروہ، زبردست غار اور ان میں تیرتی ہوئی صورتیں جن میں ہماری صورتیں بھی تھیں، یہ سب مناظر صاف اور دھندلے نمودار ہوتے اور غائب ہوتے رہے۔ عظیم الشان بت اور مجسمے، دیویوں اور دیوتاؤں کے، عفریتوں اور غیر انسانی قسم کی مخلوق کے مناظر، جرّار لشکر جو دھوپیلے میدانوں میں سے گزر رہے تھے، لاشیں جو خون میں پڑی ہوئی تھیں اور فضا میں پھڑپھڑاتی ہوئی موت۔

یہ تصویریں بھی دوسری تصویروں کی طرح غائب ہوگئیں اور اب آتشی چادر خالی تھی۔

اب عائشہ نے زبان کھولی۔ اس نے بولنا شروع کیا۔ ابتدا میں کمزور اور مردہ آواز میں جو رفتہ رفتہ جاندار اور بلند ہوگئی۔

"اطینہ! تجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا؟"

"ماتا! میں نے عجیب مناظر دیکھے ہیں، تیرے سحر کا حیرت انگیز نمونہ دیکھا ہے۔ لیکن میں یہ کیسے یقین کرلوں کہ یہ سب سچ ہے اور تیرے دماغ کی اپج نہیں ہے جس کا عکس تو نے کسی طرح اس آتشی چادر پہ ہمیں ذلیل کرنے اور ہمارا مضحکہ اڑانے کے لیے پیدا کردیا تھا۔ ؎

؎ :۔ بعد میں خود عائشہ نے ہمیں جو کچھ بتایا اس کے پیش نظر (حاشیہ صفحہ ۳۲۰)

"اچھا تو سنو!" ہوزیہ نے اپنی تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں ان تصویروں بلکہ ماضی کی اس تحریر کا مفہوم سنو اور اپنے شکوک سے مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ اپنی اس آخری طویل زندگی کے دور سے ہزاروں برس پہلے مصر کی عظیم دیوی، ایزیس کا معبد مقدس نیل کے ساحل پر سمایت میں واقع تھا۔ اب وہ معبد کھنڈر ہو چکا ہے اور دیوی مصر سے چلی گئی ہے۔ حالانکہ اب بھی وہ اپنی پیدا کرنے والی قوت کے ماتحت دنیا پر حکمرانی کرتی ہے۔ کیونکہ وہ خود "قدرت" ہے اس معبد کا کاہن ایک یونانی تھا جس کا نام قالی قریط تھا جسے خود دیوی نے اپنی خدمت کے لیے منتخب کیا تھا کیونکہ وہ بڑا ہی عبادت گزار تھا۔ وہ ابدالآباد تک دیوی سے پیمان باندھ چکا تھا اور اس کی خدمت کی قسم کھا چکا تھا۔ یہ بڑی خوفناک قسم تھی اور اسے توڑنے کی سزا سخت اور ابدی تھی۔

آتشی چادر پر تم اس یونانی کاہن قالی قریط کو دیکھ چکی ہو اور اسی وقت وہی کاہن ہمارے قریب کھڑا ہے، لیو ونسی وہی کاہن ہے جو اپنی اور ہماری قسمتوں کا لکھا پورا کرنے کو دوسرا جنم لے کر آیا ہے۔

"اس زمانے میں خاندان فراعنہ کی ایک شاہزادی بھی تھی۔ اس کا نام آمن آرتاس تھا۔ اس نے قالی قریط کو محبت کی نظر سے دیکھا اور اپنی طرف

ع :۔ (حاشیہ صفحہ ۳۱۹ ع) میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اطینہ کا قیاس حیرت انگیز حد تک درست تھا اور یہ کہ یہ وحشت انگیز تصویریں، جو حالانکہ گزرے ہوئے واقعات کا ہی تھیں، خود ہوزیہ کے دماغ میں منڈلاتے ہوئے "انجرات" سے بنی تھیں۔ جن کا عکس اس نے آتشی آئینے پر کسی طرح نمایاں کر دیا تھا اور جیسا کہ اطینہ نے کہا۔ "ہمیں ذلیل کرنے اور ہمارا مضحکہ اڑانے کے لیے۔" "ہولیس ہالی"

حاصل کر لیا کیونکہ آج کی طرح اس وقت بھی وہ تحریریں دسترس میں رکھتی تھی۔ چنانچہ اسی آمن ہارتاس نے فالی تریبا کو اپنی قسم توڑ کر اس کے ساتھ فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا جیسا کہ تم نے آتشی چادر پر دیکھا۔ الطینہ اس دور قدیم میں تم آمن ارتاس تھیں۔

"اب سنو! اسی دور میں ایک حسین اور لاریک عورت تھی جس کا نام الیشہ تھا۔ اس الیشہ نے اپنی بے کیف زندگی اور علم کے بوجھ اور غموں سے عاجز آ کر مادر کل کی آغوش میں پناہ لی کیونکہ اس کا خیال تھا اس آغوش میں اسے وہ علم بھی مل جائے گا جس سے وہ اب تک محروم رہی تھی۔ جیسا کہ تم نے دیکھا۔ اس الیشہ کے پاس دیوی خواب میں آئی اور اسے حکم دیا کہ وہ ان بے وفاؤں کا تعاقب کرے اور ان پر آسمانی قوت کا انتقام نازل کرے۔ دیوی نے وعدہ کیا کہ اس کے عوض الیشہ کو اس دنیا میں موت پر فتح اور بے پناہ حسن عطا کرنے کا وعدہ کیا۔

"چنانچہ الیشہ نے ان دونوں کا تعاقب بہت دور تک کیا اور جہاں کا ارادہ وہ دونوں رکھتے تھے وہاں پہنچ کر الیشہ ان کا انتظار کرنے لگی۔ اس تعاقب میں ایک تارک الدنیا شخص الیشہ کی راہبری اور مدد کر رہا تھا۔ یہ شخص شروع سے الیشہ کی خدمت میں تھا اور اس کا نام نوٹ تھا اور ہالی یہ نوٹ تم تھے۔ الیشہ کو وہ سرچشمہ مل گیا جس میں غسل کر کے انسان لافانی بن جاتا ہے اور پشتوں، مذاہب اور حکومتوں پر اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ الیشہ اس سرچشمے میں نہائی اور نہاتے وقت کہتی رہی: "میں ان گنہگاروں کو قتل کر دوں گی۔ ہاں میں انھیں فوراً قتل کر دوں گی جیسا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔"

"لیکن الیشہ نے انھیں قتل نہ کیا کیونکہ اب ان کا گناہ الیشہ کا بھی گناہ تھا۔ کیونکہ وہ جس نے کبھی کسی سے محبت نہ کی تھی اس فالی تریبا کی آرزو کرنے لگی۔ چنانچہ وہ انھیں اس مقام حیات تک لے آئی کہ خود بھی اس میں نہائے اور محبوب کو بھی اس میں نہلائے اور دونوں ابدی زندگی حاصل کر لیں اور وہ عورت آمن ارتاس مر جائے لیکن،

قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔ کیونکہ اب دیوی نے اپنا غضب نازل کیا الیشہ کو ابدی زندگی مل گئی۔ جیسا کہ دیوی نے وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ نوجوان الیشہ کا بے پناہ حسن دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے شہزادی کے دامن میں پناہ لی۔ اس پر الیشہ رشک و رقابت سے اندھی ہو گئی اور اس نے اس جوان کو قتل کر دیا۔ لیکن افسوس صد افسوس خود زندہ رہی کیونکہ اب اس کے لیے موت نہ تھی۔

"اور اس طرح غضبناک دیوی نے اپنے وفادار پرستاروں سے انتقام لیا کاہن کو فوری موت دیدی، الیشہ کو طویل، دکھ بھری اور غمناک زندگی اور شہزادی آمن ارتاس کو حسد جو زندگی اور موت سے زیادہ تلخ تھی اور اپنی گمشدہ محبت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جد و جہد کی سزا دی۔ کیونکہ یہ محبت اس نے آسمان کی عظیم قوت کو دھوکا دے کر حاصل کی تھی۔ لیکن اسے کبھی نہ حاصل کرنا اس کا مقدر ہو چکا تھا۔

صدیاں گزر گئیں۔ الیشہ جس کے لیے موت نہ تھی، اپنے محبوب کے دوبارہ جنم لینے کی منتظر رہی اور اس کے مرنے پر ماتم کرتی رہی اور اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرتی رہی یہاں تک کہ مقررہ وقت پر اس کا وہی محبوب اسے تلاش کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اور اسی وقت جب دونوں کو اپنا مستقبل درخشاں نظر آ رہا تھا، اس دیوی نے پھر اپنا غضب نازل کیا اور الیشہ کو اپنے محبوب سے محروم کر دیا۔ وہ خود اپنے محبوب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوئی۔ اس کا حسن نفرت انگیز اور گھناؤنی بدصورتی میں تبدیل ہو گیا اور لافانی الیشہ مرتی نظر آئی۔

"لیکن اے قالی قریط میں تم سے کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں کہ وہ مری نہیں۔ الیشہ نے کور کے غاروں میں قسم نہیں کھائی تھی کہ وہ پھر آئے گی؟ کیونکہ اس خوفناک وقت میں یہاں ایک یقیناً اس کا تنہا وارث تھا۔ اس کے بعد اے لیو ونسی۔۔۔ کہ تم ہی قالی قریط ہو۔۔۔ بتاؤ کہ کیا الیشہ کی روح تمہارے

خواب میں نہیں آئی اور کیا اس نے تمہاری راہبری نہیں کی اور تجھے اس چوٹی پر نہیں پہونچا دیا جو تیری منزل ہے ؟ کہ تو اپنا مقصد پالے اور کیا تو برسوں سے اس کی تلاش میں نہ تھا حالانکہ نہ جانتا تھا کہ وہ قدم قدم پر تیری راہبری اور خطرات میں تیری حفاظت کرتی رہی ہے یہاں تک کہ تو وقت مقررہ پر واپس اس کے پاس پہونچ جائے۔

وہ خاموش ہو گئی اور لیو کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس کے جواب کی منتظر ہو۔

”خاتون اس داستان کی ابتدائی حصے کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ چند باتیں مجھے آموں ارتاس کے سفال پر کی تحریر سے معلوم ہوئی تھیں۔“ لیو نے کہا: ”رہی بقیہ باتیں تو ان کے متعلق میں بلکہ یوں کہیئے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ سچ ہیں۔ اس کے باوجود میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور آپ کو مہربانی کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ اس کا جواب فوراً اور مختصراً دیجئے۔ آپنے کہا ہے کہ مقررہ وقت پر میں الیشہ کے پاس پہونچ گیا۔ تو پھر الیشہ کہاں ہے ؟ کیا آپ ہی الیشہ ہیں ؟ اگر ہاں تو پھر آپ کی آواز بدلی ہوئی کیوں ہے ؟ آپ کا قد چھوٹا کیسے ہے ؟ آپ جس دیوتا کی پوجا کرتی ہیں اس کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کیا۔ تم ہی الیشہ ہو ؟“

”ہاں میں ہی الیشہ ہوں۔“ اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”وہی الیشہ جس سے ابدی محبت کی تم نے قسم کھائی ہے۔“

”یہ جھوٹ بکتی ہے، جھوٹ بکتی ہے۔“ اطینہ نے کہا۔ ”اے میرے شوہر! یہ خود ہو ز یہ نے اعلان کیا ہے کہ تم میرے شوہر ہی ہو۔ لے میرے شوہر میں تم سے کہتی ہوں کہ یہ عورت دعویٰ کرتی ہے کہ بیس سال سے بھی کم عرصہ ہوا کہ یہ تم سے اس عالم میں رخصت ہوئی تھی کہ حسین اور جوان تھی لیکن حقیقت میں یہ بے حد

بوڑھی ہے کہ کم سے کم ایک صدی سے یہ ہوزیہ اس جہنم میں رہتی ہے اور حکمرانی کرتی ہے۔ اگر یہ میرے اس بیان کو، میرے اس دعوے کو جھٹلا سکتی ہے تو جھٹلائے۔"

"داوروس۔" ہوزیہ نے کہا۔ "خانیہ جس کاہنہ کا ذکر کر رہی ہے۔ اس کے انتقال کی داستان تم ہی سنا دو۔"

اوروس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا دیا اور اپنی مخصوص اور پر سکون آواز میں جیسے وہ روزمرہ کے عام واقعات بیان کر رہا ہو، یہ داستان اپنے بیگانگی جھلکاتے ہوئے انداز میں بیان کی کہ کم سے کم مجھے تو اس پر یقین نہ آیا۔ اس نے کہا:۔

"اس پہاڑ پر ہوزیہ کی حکمرانی قائم کرنے کے دو ہزار تین سو تینتیس (۲۳۳۳) سال کے موسم سرما میں اور آج سے اٹھارہ سال پہلے اس کاہنہ کا جس کا ذکر خانیہ کرتی ہیں، بڑھاپے میں اور میرے سامنے انتقال ہو گیا اور اس نے ایک سو آٹھ برس تک حکمرانی کی۔ اس کے تین گھنٹے بعد ہم اس کی نعش کو اس تخت پر سے اٹھانے گئے جس پر اس نے انتقال کیا تھا کہ قدیم رسم کے مطابق اس کی تجہیز و تکفین کریں اور اسے مقدس آگ کے سپرد کر دیں۔ لیکن اسی وقت ایک معجزہ ہوا۔ وہ ہوزیہ پھر زندہ ہو گئی تھی، بے شک وہ رہی تھی، لیکن بظاہر بدلی ہوئی۔ ہاں اس کی شکل و صورت بدلی ہوئی تھی۔

"کاہنوں اور کاہناؤں نے سمجھا کہ یہ کسی بدروح کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے ہوزیہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسے تخت سے اتارنے لگے تو کہ پہاڑ گرجنے اور دھواں اگلنے لگا۔ آتشی ستونوں کی روشنی بجھ گئی اور سب کے دلوں میں زبردست خوف سرایت کر گیا اور تب اس قربان گاہ کے جہاں بنی نوع انسان کی ماتھا ٹھکرتا ہے، اوپر سے گھنگھور اندھیرے میں

سے ابدی دیوی کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔

"اے لوگو! اس کی حکومت تسلیم کرو جسے میں نے تم پر حکمراں بنایا ہے تاکہ میرا وعدہ اور میرا فیصلہ پورا ہو۔"

"آواز خاموش ہو گئی، آتشی ستون پھر پوشیدہ ہو گئے اور ہم اس نئی ہوزیہ کے سامنے جھک گئے اور سب کے سامنے ہم نے اسے ماتا تسلیم کر لیا۔ تو یہ ہے وہ کہانی جس کی تصدیق سیکڑوں آدمی کر سکتے ہیں۔"

"سُنا اطینہ؟" ہوزیہ نے پوچھا۔ "کیا اب بھی تمہیں شک ہے؟"

"ہاں" خانیہ نے جواب دیا "کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اوروس بھی جھوٹ بولتا ہے اور اگر جھوٹ نہیں بول رہا ہے تو اس نے ایسا خواب دیکھا ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے جو آواز سنی تھی وہ شاید تیری ہی تھی۔ اگر تو حقیقت میں دیوی عائشہ ہے تو اس کا ثبوت ان دونوں آدمیوں کے سامنے پیش کر جو عائشہ کو دیکھ چکے ہیں اور اسے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اتار دے یہ نقاب اور یہ پٹیاں جو تیرے حسن کو کامیابی سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ہاں اپنے بے پناہ حسن و جمال کو عریاں کر کے ہماری نظر کو خیرہ کر دے۔ یقین ہے کہ تیرا عاشق اس چکا چوند پیدا کر دینے والے حسن و جمال کو بھولا نہ ہو گا۔ یقیناً یہ تجھے جانتا ہو گا اور تیرے سامنے جھک کر کہے گا کہ بے شک یہی میری عائشہ ہے، یہی میری لافانی محبوبہ ہے۔

"اس کے بعد میں تیرے وعدے کو سچ سمجھوں گی۔ ورنہ کہوں گی، سب سے کہوں گی کہ تو جھوٹی ہے اور ایک ایسی خبیث روح ہے جس نے انسان کا خون پی کر ابدیت حاصل کی ہے اور اپنے شیطانی حسن کو لوگوں کو جھکانے کیلئے استعمال کر رہی ہے۔"

تخت پر بیٹھی ہوئی ہوزیہ اب بے حد پریشان معلوم ہوئی کیونکہ وہ آگے پیچھے

جھومنے لگی اور اپنے پٹھیوں. مندھے ہاتھ ملنے لگی۔

"قالی قریط!" اس نے ایسی آواز میں کہا جو ایک کراہ تھی۔ "تم بھی یہی چاہتے ہو؟ اگر ہاں تو جان لو کہ مجھے اس حکم کی تعمیل کرنا ہوگی۔ تاہم میں التجا کرتی ہوں کہ مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا حکم نہ دو۔ کیونکہ اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ وہ وعدہ جو توڑا نہیں جا سکتا۔ اب تک پورا نہیں ہوا ہے۔ قالی قریط! میں تھوڑی سی بدل گئی ہوں۔ ہاں! وہاں کور کے کھنڈروں میں میں نے تیرا ماتھا چوم کر تجھے اپنا کہا تھا۔ تب سے لے کر اس وقت تک میں، میں ظاہری طور پر کچھ بدل گئی ہوں۔"

لیو نے پریشانی اور مایوسی سے چاروں طرف دیکھا اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی نظریں اطینہ پر پڑیں جس کا چہرہ فتحمندی سے دمک رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں مضحکہ اڑانے کی چمک تھی۔ وہ چیخ کر بولی۔

"میرے آقا! اس سے کہو کہ اپنے آپ کو بے نقاب کر دے۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرے دل میں رشک و رقابت کا جذبہ موجزن نہ ہوگا۔"

اطینہ کے اس طنز سے لیو بھڑک اٹھا۔

"ہاں! میں کہتا ہوں کہ نقاب اٹھا دو!" اس نے کہا "تاکہ بھلا یا برا مجھے معلوم ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو امید و بیم کا یہ عالم میرا خاتمہ کر دے گا چاہے جتنی بھی بدل گئی ہو، اگر یہ الیشہ وہی ہے تو بے شک میں اسے پہچان لوں گا اور اگر یہ الیشہ ہی ہوئی تو میں اس سے، صرف اسی سے محبت کروں گا۔"

"قالی قریط!" ہحذیہ نے کہا "بڑے ہی دلیرانہ الفاظ کہے ہیں تم نے۔ تاہم میں ان کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یہ بے حد شیریں اور وفا شعار الفاظ تم نے کہے تو ہیں۔ لیکن یہ جانے بغیر کہ یہ کس قدر اہم ہیں۔ چنانچہ اب تم پر

حقیقت ظاہر ہو جانا چاہیے کیونکہ میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ جب میں اپنے چہرے پر سے نقاب اٹھا دوں گی تو تمہیں اس دنیا میں دو ہستیوں میں سے کسی ایک کو آخری دفعہ منتخب کرنا ہوگا۔ یا تو اس عورت کو جو شروع سے میری رقیب رہی ہے یا اس البتہ کو جس سے وفاداری کی تم نے قسم کھائی ہے۔ اگر تم چاہو تو مجھے ٹھکراسکتے ہو۔ بے خوف و خطر ایسا کر سکتے ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے میری طرف سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔ بلکہ اس کے برخلاف تم پر ایسی رحمتیں نازل ہوں گی جن کی انسان آرزو کرتا ہے۔ یعنی قوت، دولت اور پیار۔ لیکن اس صورت میں تمہیں مجھے اور میری محبت کو اپنے دل سے نکال پھینکنا ہوگا۔ کیونکہ پھر میں تمہیں تمہاری قسمت کے سپرد کرکے چلی جاؤں گی۔ یہاں تک کہ ان افعال اور مصائب کا مقصد واضح ہو جائے گا۔

"ہوشیار ہو جاؤ کہ یہ تمہاری کڑی آزمائش ہے، آگاہ ہو کہ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ تمہیں وہ محبت دوں گی جو آج تک کسی عورت نے کسی مرد کو نہیں دی۔ ایسی محبت جو شاید اس دنیا میں تسکین پذیر نہ ہو سکے۔"

اب اس نے میری طرف گھوم کر کہا۔

"اے ہالی! اے میرے سچے دوست! اے میرے قدیم محافظ! اے وہ جو مجھے قالی قریطہ کے بعد سب سے زیادہ عزیز رہا ہے! ہو سکتا ہے کہ تمہیں وہ روشنی دی گئی ہو جو ہمیں نہیں دی گئی، ہو سکتا ہے کہ تمہارا ضمیر آئینہ ہو جس سے ہم تیرے بچے جن کی حفاظت تمہارے بازوؤں نے کی ہے، محروم رہے ہوں۔ چنانچہ اے ہالی تم اپنے ساتھی کو مناسب مشورہ دو، وہ مشورہ جو تمہاری دانائی پر مبنی ہو۔ ہاں اپنے ساتھی سے مشورہ کر لو اور پھر میں تمہارے حکم کی اور ان کے حکم کی تعمیل کردوں گی اور نتیجہ کچھ بھی ہو۔ میں بہرحال تمہارا احسان مانوں گی۔ ہاں۔ اگر اس نے مجھے قبول نہ

کیا اور مجھے ٹھکرا دیا تو دنیاؤں سے پرے والے عالم میں، ستاروں کے اس پار جہاں دنیوی جذبات معدوم ہو جاتے ہیں، ہاں وہاں ہم دونوں، میں اور تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساتھ رہیں گے۔ ہاں ہالی! تنہا تم اور میں۔

"کیونکہ ہالی! تم مجھے نہیں ٹھکراؤ گے کیونکہ تمہارا ضمیر سچائی کی بھٹی میں پک کر کندن بن چکا ہے۔ چنانچہ وہ دنیوی جذبات کی آگ میں نہ پگھلے گا اور نہ ہی تم کسی دوسری عورت کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے آپ کو زنگ آلود زنجیر سے باندھ دو گے کہ زنجیر دونوں کے دلوں میں ناسور ڈال دے۔"

"عائشہ! میں تمہارے ان الفاظ اور اس اعتماد کا شکریہ ادا کرتا ہوں" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہارا ایک معمولی سا دوست ہوں اور یقین کرو میں نے اپنے آپ کو اس سے زیادہ کچھ سمجھا ہی نہیں۔ چنانچہ میں نے جو مصائب برداشت کیے ہیں ان کا بدلہ تمہارے ان الفاظ اور اس اعتماد کی وجہ سے مجھے دگنا اور چوگنا مل گیا۔ البتہ اتنا میں ضرور کہوں گا جہاں تک میرا تعلق ہے تم وہی عائشہ ہو جسے ہم گنوا بیٹھے تھے۔ کیونکہ یہ خیالات اور یہ الفاظ، جو تمہاری زبان نے ادا کیے ہیں، عائشہ کے، اور صرف عائشہ کے ہی ہو سکتے ہیں خواہ وہ کسی دوسری زبان سے ہی کیوں نہ ادا ہوئے ہوں۔"

تو یوں کہا میں نے کیونکہ اور کوئی بات میری سمجھ میں نہ آئی تھی کیونکہ اس وقت میرا دل بے پناہ محبت، ناقابل بیان اطمینان اور سکون سے بھر گیا تھا اور سبب اس کا یہ تھا کہ اب مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ میں عائشہ کو بھی اتنا ہی عزیز تھا جتنا کہ شروع سے ہی لیو کو عزیز تھا۔ یعنی اس کا قریب ترین اور عزیز ترین دوست ہوں سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیے؟

میں اور لیو چند قدم پیچھے ہٹ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے اور وہ سب خاموش ہماری طرف دیکھتے رہے۔ ہم نے کیا کہا اور کیا نہیں یہ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں لیکن آخر میں یہ ہوا کہ لیو نے بھی ہوزیہ کی طرح فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا۔ میں الجھن میں تھا کہ یکایک کسی غیبی قوت نے یا خدا جانے میرے ضمیر نے یا پتہ نہیں کس اور طاقت نے میرے لیے ایک فیصلہ کر دیا۔ اور یہ تھا اس قوت یا میرے ضمیر کا حکم کہ میں ہوزیہ سے بے نقاب ہونے کو کہہ دوں اور پھر سب کچھ قسمت پر چھوڑ دوں۔

"فیصلہ کر لو!" لیو نے کہا۔ "کیونکہ اب میں زیادہ برداشت نہیں کر سکتا نتیجہ کچھ بھی ہو اس عورت کی طرح خواہ وہ کوئی بھی ہو، میں تمہیں الزام نہ دوں گا!"

"ٹھیک ہے میں نے فیصلہ کر لیا" میں نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر بولا۔ "ہم نے مشورہ کر لیا ہوزیہ! اور یہ ہے ہماری آرزو کہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ تم یہاں اور اسی وقت بے نقاب ہو جاؤ۔"

"میں نے سُنا اور میں اسی حکم کی تعمیل کرتی ہوں۔" کاہنہ ہوزیہ نے اس عورت کی سی آواز میں کہا جو مر رہی ہو۔ "البتہ تم دونوں سے میری یہ التجا ہے کہ مجھ پر رحم کرنا اور میرا مضحکہ نہ اڑانا اور میری دوزخ میں جلتی ہوئی روح پر اپنی نفرت اور حقارت کے انگارے نہ برسانا کیونکہ میں جو بھی جیسی بھی بنی ہوئی تھی ذریعہ! تیری خاطر بنی ہوں۔ تاہم ـــ تاہم میں خود بھی عالم کی پیاسی ہوں حالانکہ مجھے ساری دانائی حاصل ہے، مجھے فوق الفطرت قوتیں حاصل ہیں۔ تاہم ایک چیز باقی ہے جو میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا چیز ہے وہ؟"

"یہ کہ مرد کی محبت کی قیمت کیا ہے؟ اور یہ کہ کیا وہ مرنے کے بعد، قبر کی خوفناکی کے بعد بھی زندہ رہتی ہے؟"

اب ہوزیہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ لڑکھڑاتی ہوئی اس جگہ پہونچی جو حجرے کے سامنے تھا اور جس پر چھت نہ تھی اور وہاں وہ آتشی کھڈ کے عین کنارے پر یا اس کے بہت قریب کھڑی ہو گئی۔

"پاپادے! یہاں آؤ اور یہ نقابیں کھول دو۔" اس نے بلند اور تیکھی آواز میں کہا۔

"پاپادے آگے بڑھی اور اپنے بشرے پر خوف و ہراس کے آثار لیے اس حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گئی۔ وہ بلند قامت نہ تھی۔ تاہم جب وہ نقاب کے تسمے کھولنے کے لیے اس پر جھکی تو میں نے دیکھا کہ اس کا قد ہوزیہ سے بہر حال بلند تھا۔

اوپری نقاب گر گئی اس کے نیچے دوسری نقاب تھی۔ یہ نقاب بھی گر گئی اور اب ہمارے سامنے ممی جیسی ہستی کھڑی تھی جو ہمیں ہڈیوں کی وادی میں ملی تھی اور جس نے ہماری راہبری کی تھی۔ حالانکہ اس کا قد اس سے نسبتاً کم تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہمارا وہ پراسرار راہبر اور یہ ہوزیہ درحقیقت ایک ہی ہیں۔

ایک کے بعد ایک پٹیاں اس کے جسم پر سے اترنے لگیں اور اترتی چلی گئیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سلسلہ کبھی نہ ختم ہو گا اور ان میں لپٹا ہوا جسم لمحہ بہ لمحہ دبلا پتلا بنتا جا رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ کتنی دبلی ہو گی یہ؟ اب وہ غیر معمولی طور پر چھوٹی نظر آنے لگی، پوری عمر کی عورت کا جسم تو ایسا نہیں ہوتا؟ میرے خدا! کوئی عورت اتنی چھوٹی نہ ہو گی! میرے دل کو ایک دھکا سا لگا۔

ٹہنی پر کی چھال کی طرح آخری پٹی بھی اتر گئی اور وہ جھریوں پڑے ہاتھ بشرطیکہ ہم انھیں ہاتھ کہہ سکیں، نمایاں ہو گئے، اور پھر پیر— میں نے مصر کی ایک شہزادی کی ممی دیکھی تھی اس کے پیر ایسے ہی تھے اور مجھے یاد ہے کہ اس شہزادی کے تابوت پر جو تختی جڑی ہوئی تھی اس پر لکھا ہوا تھا "حسینہ"۔

اب اس کے جسم پر سے سب کپڑے اتر چکے تھے۔ البتہ زیر جامہ اور آخری اندرونی

نقاب باقی رہ گئی تھی جو اس کے سر سے بندھی ہوئی تھی۔ ہوزیہ نے ہاتھ ہلا کر کاھنہ پاپا دے کو ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ پاپا چند قدم پیچھے ہٹ کر نیم بیہوشی کے عالم میں فرش پر ڈھے گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھک کر وہیں پڑی رہی اب ہوزیہ نے ایک عجیب آواز نکال کر، جو کچھ چیخ تھی اور کچھ نعرہ، یہ نقاب اپنے پنجے جیسے ہاتھ سے پکڑ لی۔ اسے نوچ کر پھینک دیا اور پھر وہ ہماری طرف گھوم گئی۔

ہائے! وہ ـــ نہیں میں اس کا حلیہ بیان نہ کروں گا۔ البتہ اسے میں نے فوراً پہچان لیا۔ کیونکہ میں نے اسے اسی طرح کور کے غار میں اور ستون حیات کے سامنے دیکھا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس ناقابل بیان ضعیف العمری کی گھناؤنی نقاب کے اندر، انسانیت کے اس آخری نمائندے کے چہرے میں اسی عظیم اور فوق الانسان عائشہ کے آثار موجود تھے۔ چہرے کے نقوش، تمکنت اور وہ تکبر جس نے اسے گھڑی بھر کیلئے تن کر کھڑے ہونے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کون سی چیز ایسی تھی جو اسے عائشہ ثابت کر رہی تھی۔ لیکن بہر حال وہ عائشہ تھی۔

چند لمحوں تک خاموشی کا وقفہ رہا۔ میں نے دیکھا کہ لیو کے ہونٹ ایک دم سے سفید ہو گئے اور اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ لیکن خدا جانے کس طرح وہ سنبھلا اور گرنے کے بجائے یوں سیدھا کھڑا رہا۔ جیسے کسی لاش کو تار سے باندھ کر کھڑا کیا گیا ہو۔ میں نے اطینہ کو بھی دیکھا اور میں اس کی حرکت کی تعریف کروں گا۔ کہ اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس کا خیال یہ تھا اور یہ خواہش بھی تھی کہ وہ اپنے رقیب کا مضحکہ اڑائے گی۔ لیکن اب ہوزیہ کو دیکھ کر اس کے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ کسی قسم کی نسائی حس کی وجہ سے اسے ہوزیہ کی حالت دیکھ کر

اس پر رحم آگیا۔ صرف بجری جو میرے خیال میں ایسے ہی منظر کا متوقع تھا۔ اور اوروکس بے حس سے کھڑے رہے ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اوروس نے اسی بھیانک خاموشی میں اپنی زبان کھولی اور اس نے جو کچھ کہا اس کی وجہ سے اس بوڑھے کاہن کا احترام اور محبت میرے دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاگزیں ہوگئی۔

"لوگو! اس برتن کو نہ دیکھو جس پر وقت کی قبر میں پڑے پڑے زنگ چڑھ گیا ہو" اس نے کہا "اس گوشت پوست کا خیال نہ کرو جو فنا ہو جاتا ہے۔ البتہ ٹوٹے پھوٹے چراغ میں جو ابدی روشنی ہے اسے دیکھو اور اس مرجھائے ہوئے خول میں جو تابناکی اور لافانی روح ہے اسے دیکھو!"

اوروکس کے ان الفاظ پر میرا دل جھوم جھوم اٹھا اور میں نے اس سے اتفاق کیا لیکن خدایا! میں یوں محسوس کر رہا تھا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت میں چاہتا بھی یہی تھا کہ میرے حواس گم ہو جائیں تاکہ میں نہ کچھ دیکھ سکوں اور نہ ہی سن سکوں۔

یکایک الیشہ کے ممی جیسے چہرے میں کچھ تغیر ہوا۔ پہلے وہاں امید تھی بے کسی اب اس کی جگہ کرب، کرب، کرب تھا۔

کچھ کرنا چاہیے یہ ناقابل برداشت تھا۔ لیکن میں کرتا تو کیا کرتا؟ میرے ہونٹ چپک گئے تھے، ان سے کوئی لفظ، کوئی آواز نہ نکل سکتی تھی اور میرے پیر زمین میں گڑ گئے تھے کہ میں ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔

میں اردگرد کے مناظر دیکھنے لگا۔ کس قدر خوبصورت اور مرعوب کن تھی۔ آگ کی وہ چادر اور اس میں اٹھتی ہوئی آتشی لہریں کتنی عجیب معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کی ہلکورے لیتی ہوئی چوٹی کس قدر مہیب تھی۔ راسین کے ساتھ اگر اس آتشی بستر پر جا کر لیٹ جاؤں تو کیا رہے؟ خاصی گرمی ہو گی وہاں ــــ سچ

کہوں۔ اس وقت میرا جی یہی چاہتا تھا کہ کاش میں بھی راسیلن کی طرح اس آتشی کھڈ میں جا سوئوں اور اس روحانی کرب سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔

شکر ہے کہ اب اطیبنہ نے لب کشائی کی تھی۔ وہ بول رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اس ننگے سر والی گھناؤنی "مخلوق" کے قریب جا کھڑی ہوئی تھی اور اب وہ اپنی کل شان، سارے حسن، بھرپور جوانی اور تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ بے حد بوڑھی اور گھناؤنی ایشہ کے پہلو میں کھڑی تھی۔

"لیوونس یا قالی قریط! جو نام بھی تم پسند کرو" اطیبنہ نے کہا "غالباً میرے متعلق تمہارا خیال اچھا نہیں ہے۔ لیکن یہ جان لو کہ میں اتنی گری ہوئی اور بیدرد نہیں ہوں کہ اپنی رقیب کو اس شرمناک حالت میں دیکھ کر اس کا مذاق اڑاؤں اور اسے ذلیل کروں۔ اس نے تمہیں ایک کہانی سنائی ہے جو پتہ نہیں جھوٹی ہے یا سچ لیکن میرے خیال میں اس میں سچ سے زیادہ جھوٹ کا عنصر ہے بہرحال اس کہانی میں کہا گیا ہے کہ میں نے کس طرح ایک زبردست دیوی کے پجاری کو اس دیوی سے چھین لیا اور کس طرح اس دیوی نے جو شاید ایشہ ہی تھی مجھ سے انتقام لیا اور مجھے اپنے اس جرم کی سزا دی کہ میں نے اس مرد کو اپنا کر لیا تھا جس سے میں پیار کرتی تھی۔ خیر اب اگر دیوی ایشہ بلکہ ایسی کوئی چیز ہو تو وہ بے بس و مجبور انسانوں پر اپنا غضب نازل کر سکتی ہے اور اپنی مرضی پوری کر سکتی ہے۔ لیکن میں ایک فانی انسان ہوں اپنی مرضی پوری کروں گی یہاں تک کہ موت کا مہرو پنجہ حلق دبا کر حیات دیاد کو میرے وجود سے نچوڑ لے اور میں بھی یا تو پھر دیوی بن جاؤں یا ایک مشت خاک۔

"چنانچہ لیوونس! میں یہاں موجود ہر شخص کے سامنے بے جھجک کہہ رہی ہوں کہ میں تمہیں چاہتی ہوں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ ـــــ یہ ـــــ عورت یا دیوی

جو بھی یہ ہے ــــ سو یہ بھی تمہیں چاہتی ہے اور یہی اس نے ابھی ابھی ہم سے کہا تھا اب تم دونوں میں سے کسی کا اسی وقت اور ہمیشہ کے لیے انتخاب کر لو۔ اس نے ہم سے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے دیوی ایزیس کا گناہ کیا ہے ــــ اور یہ بھی نہ بھولو کہ اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ خود اسی دیوی کی فرستادہ ہے ــــ تو خود اس نے بھی اسی دیوی کا گناہ کیا ہے اور اس کا گناہ میرے گناہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس نے تمہیں دیوی سے اور تمہاری بیوی کا سے بھی چھین لیا، یہ دہرا گناہ ہوا، اور اس پر ظلم یہ کیا کہ خود لافانی بن کر بیٹھ گئی۔ چنانچہ اگر میں بری ہوں تو یہ خود مجھ سے بھی زیادہ بری ہے۔ اس کے علاوہ اس نے جس روشنی اور تابناکی کا ذکر کیا ہے وہ بھی مجھے اس گھناؤنے ڈھانچے میں کہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔

"چنانچہ لیو ونسی! اب آخری فیصلہ کر کے انتخاب کر لو کہ یہ قصہ ختم ہو۔ میں اپنے متعلق کچھ نہ کہوں گی۔ تم جانتے ہو اور دیکھ رہے ہو کہ میں کیا ہوں اور کیسی ہوں؟ تاہم اتنا ضرور کہوں گی کہ میں تمہیں پیار و محبت، خوشیاں اور اولاد دے سکتی ہوں کہ تمہاری نسل قائم رہے اور ساتھ ہی ساتھ تمہیں ایک بلند مقام اور حکومت بھی دے سکتی ہوں۔ یہ چڑیل تمہیں کیا دے گی۔ یہ تم خود دیکھ اور سمجھ سکتے ہو۔ ماضی کی داستانیں، شعلوں کے پردوں پر نظر آتی ہوئی تصویریں، مقولے اور شیریں الفاظ اور جب تم مر جاؤ تو یہ وعدہ کہ وہ دیوی، جس کی یہ فرستادہ ہے تمہیں معاف کر کے شاید تمہیں کسی جسم میں یا کسی اور دنیا میں مسرتیں بخش دے۔ یہ ہے اس کی کل کائنات اور یہی یہ بڑھیا تمہیں دے گی۔ بس میں کہہ چکی لیکن ٹھہرو! آخر میں ایک بات اور کہہ دوں۔

"اگر ہوزیہ کی داستان سچی ہے تو ایک دفعہ میں نے تمہاری خاطر محلوں کا سکھ اور عیش و آرام ٹھکرا کر طوفانی سمندروں میں سفر کرنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ اے وہ جسے یہ

چڑیل کے سحر سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی جان تک کی پروانہ کی تھی، اسے وہ جیسے ابھی کچھ ہی عرصے پہلے اپنی جان پر کھیل کر اس طوفانی دریا میں سے کھینچ لیا تھا۔ ہاں۔ اب وقت ہے انتخاب کا۔ انتخاب کر لو۔ انتخاب کر لو۔"

اطینہ کی یہ طویل تقریر جو نرم ہونے کے باوجود ظالمانہ تھی، جو مدلل ہونے کے باوجود اس قدر جھوٹی تھی کیونکہ اس میں بے حیا تاویلیں اور نکتہ چینیاں تھیں۔ تو اس تقریر کو سکڑی اور سمٹی ہوئی عائشہ غضبناک خاموشی سے سنتی رہی۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک لفظ تک نہ کہا اور نہ ہی اس نے ایسی کوئی حرکت کی جس سے پتہ چلتا کہ وہ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتی ہے۔

میں نے لیو کے فق چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اطینہ کی طرف جھکا ہوا تھا غالباً اطینہ کے دمکتے ہوئے حسن اور اس کی آنکھوں کی چمک کی یہ کشش تھی۔ لیکن فوراً ہی لیو جیسے سنبھلا، سیدھا کھڑا ہوا اور اپنے سر کو ایک جھٹکا دے کر ایک لمبا سانس لیا۔ اس کے سفید چہرے پر رنگ دوڑ گیا اور اس کی آنکھوں میں دفعتہً خوشی کی چمک آ گئی۔

"بہرحال" اس نے گویا بلند آواز میں سوچتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے ماضی اور پراسرار مستقبل سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے اپنی موجودہ زندگی سے ہی اپنا واسطہ ہے اور اسی سے دلچسپی ہے۔ عائشہ دو ہزار سال تک میرا انتظار کرتی رہی۔ اطینہ نے دولت اور قوت حاصل کرنے کی غرض سے اس شخص سے شادی کر لی جس سے وہ نفرت کرتی تھی اور اسے زہر دیکر پاگل کر دیا اور یہی وہ میرے ساتھ بھی کر سکتی ہے۔ ہاں جب وہ مجھ سے تھک جائے گی تو مجھے زہر دے دے گی میں نہیں جانتا کہ میں نے آمن ارتاس سے کیا وعدے کیے تھے اور کون سی قسمیں کھائی تھیں۔ بشرطیکہ آمن ارتاس کا وجود رہا ہو۔ البتہ میں نے عائشہ سے جو وعدہ کیا تھا اور اس کے سامنے جو قسم کھائی تھی وہ مجھے یاد ہے۔ اگر اب میں عائشہ سے نفرت کروں یا اسے

چھوڑ دوں تو لعنت ہو مجھ پر اور میری اس زندگی پر۔ اس طرح میرے سارے وعدے ساری قسمیں اور میرا الیقین جھوٹا ثابت ہوگا۔ بلکہ خود میری زندگی ایک بہت بڑا جھوٹ ہوگی۔ اس صورت میں محبّت ایک فانی شے بن جائے گی جو مرنے کے بعد قائم نہ رہے گا۔

"نہیں۔ یہ یاد ہے مجھے کہ ایشہ کیا تھی چنانچہ اسی خوشگوار اور حسین یاد کو بنیاد بنا کر میں موجودہ ایشہ کو ___ وہ جیسی بھی ہے ___ قبول کرتا ہوں اور اسی یقین اور امید کے ساتھ قبول کرتا ہوں کہ آئندہ وہ کیا ہو جائے گی۔ بہرحال محبت لافانی ہے۔ حسن فنا ہو سکتا ہے محبت نہیں اور حسین یادیں محبت کو جلا بخشتی ہیں۔ اگر کچھ نہ بھی ہوا، اگر ایشہ ایسی ہی رہی جیسی اب ہے تب بھی میں اس کے پہلے والے حسن کی یادوں کے سہارے زندگی کے بقیہ دن گزار دوں گا۔ یہاں تک کہ موت آکر میری روح کو اس قفسِ عنصری سے آزاد کر دے گی۔"

اب لیو آگے بڑھ کر اس جگہ پہونچا جہاں وہ خوفناک اور سوکھی ہماری چیز کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے لیو گھٹنوں پر گرا اور پھر اس کا ماتھا چوم لیا۔

جلال۔ اس نے اس رعشہ دار اور جھریوں سے بھرے ہوئے ماتھے کو بوسہ دیا اور میرے خیال میں یہ اس کی ایسی عظیم اور دلیرانہ حرکت تھی کہ کبھی کوئی انسان نہیں کر سکتا اور نہ کر سکے گا۔

"تم نے انتخاب کر لیا!" اطینہ نے کپکپا دینے والے لہجے میں کہا "اور یہ سن لو لیو ونسی کہ تمہارے اس انتخاب نے مجھے جو نقصان پہونچایا ہے اس کا مجھے اب پہلے سے بھی زیادہ افسوس ہے۔ سنبھالو اپنی ___ اپنی ___ دلہن کو اور مجھے یہاں سے جانے دو۔"

لیکن ایشہ نے اب بھی کچھ نہ کہا۔ وہ اب بھی بے حرکت کھڑی رہی۔ یہاں تک

کر وہ اپنے استخوانی گھٹنوں پر گری اور اونچی آواز میں دعا مانگنے لگی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس کی پرستار تھی؟ کس کے سامنے جھکی تھی اور کون سے خدا سے دعا مانگ رہی تھی؟ تاہم اس کی دعا کے الفاظ، جہاں تک مجھے یاد ہیں، یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔

"اے وہ جو بڑی قوتوں والا ہے! اے وہ کہ جس کے ہاتھ میں موت کی تلوار ہے! اے وہ جو قانون بناتا ہے! اے وہ جس کا نام فطرت اور قوت ہے! اے وہ جس کے سر پر مصر میں ایزیس کا تاج رکھا گیا! اے وہ جو کہ بچے کو مردہ بناتا ہے! اے وہ جس کی حکمرانی سارے عالموں پر ہے! اے وہ جو جہنم دیتا اور ماں کی چھاتیوں میں دودھ بھرتا ہے! اے وہ جو پیکرِ خاکی کو آخر کار خاک بناتا ہے اور اے وہ جو موت کے اندھیرے میں ایک بار پھر حیات کی روشنی بخشتا ہے! اے وہ جو بنجر زمین کو زرخیز بناتا اور ویرانے کو آباد کرتا ہے! اے وہ جس کی مسکراہٹ بہار اور جس کا قہقہہ سمندروں کی آواز ہے! اے وہ جس کا قیلولہ موسم گرما ہے اور جس کی نیند موسم سرما کی رات ہے! سُن۔ ہاں سُن۔ اپنی خادمہ اور کاہنہ کی فریاد سن!

"قدیم زمانے میں تو نے اپنی قوتوں کا کچھ حصہ مجھے بخشا تھا، ایسی حیات بخشی تھی جس کے لیے موت نہیں۔ اور ایسا حسن عطا کیا جو دنیا کی تمام عورتوں سے بڑھ کر تھا۔ لیکن میں نے تیرا گناہ کیا اور اپنے اس گناہ کی سزا میں صدیوں تک تنہائی کی زندگی بسر کی اور کفارہ یہ ادا کیا کہ میں خود اپنے محبوب کی نظروں میں گھناؤنی بن گئی اور اس حسن اور قوت کی جگہ مجھے یہ مکروہ صورت اور یہ کانپتا ہوا خشک جسم عطا ہوا لیکن تو نے قسم کھائی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ میں، جو مر نہیں سکتی، بیں اپنی اس مکروہ صورت اور گھناؤنے جسم کو تج کر ایک بار پھر حسین اور جوان بن جاؤں گی اور تیرے تنفس میں یہ قدرت ہے۔

"چنانچہ اے راحم مادر جس نے مجھے پیدا کیا! میں تیرے سامنے سر بسجدہ ہوں اور تجھ سے مانگتی ہوں۔ مادرِ مقدس! لیو کی سچی محبت کو میرے گناہوں کا کفارہ بنا دے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر مجھے موت دے دے جو تیرا آخری اور مبارک ترین عطیہ ہے۔"

سولھواں باب

کایا کلپ

عائشہ خاموش ہو گئی اور وہاں خاموشی موت کی سی خاموشی مسلط ہو گئی۔ میں نے اور لیو نے مایوسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہم نے تنکے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ آس لگائی تھی کہ یہ پراثر دعا، جو فطرت کی دیوی کو مخاطب کر کے مانگی گئی تھی، ضرور قبول کی جائے گی جس کا مطلب تھا کوئی معجزہ۔ لیکن معجزے کا کیا؟ عائشہ کی یہ طویل، بے حد طویل عمر بذاتِ خود ایک معجزہ تھی۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ چند بے حقیقت اور ذلیل رینگنے والے جانور اس سے بھی زیادہ لمبی عمر پاتے ہیں۔

کور کے غاروں میں سے اس کی یعنی عائشہ کی روح کا اس پہاڑ پر انتقال بھی ایک معجزہ ہے۔ میرا مطلب ہے ہم لوگوں کے لیے۔ ورنہ یہاں کے یعنی وسط ایشیا کے باشندوں کے لیے یہ کوئی معجزہ نہیں ہے اور عائشہ کا اس مکروہ حالت میں اور ایسے ہی جسم کے ساتھ یہاں موجود ہونا بھی تو ایک معجزہ ہی تھا۔ لیکن کیا یہ وہی جسم تھا؟ کیا یہ اس کی پیشرو ہوزیہ کا جسم نہ تھا؟ ایک بوڑھی عورت عموماً دوسری بوڑھی عورت سے زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح کی باطنی اور اٹھارہ سال کی مسلسل کوششیں مستعار لیے ہوئے جسم میں تبدیلیاں

پیدا کر دیتی ہوں۔

اور ہاں شعلوں کی چادر پر جو تصویریں ہم نے دیکھی تھیں وہ کم سے کم معجزہ ہی تھا۔

نہیں وہ بھی معجزہ نہیں ہو سکتا۔ ہزاروں شہروں میں سیکڑوں شعبدہ باز پانی یا کانچ کے گولے میں تصویریں دکھا سکتے ہیں اور دکھاتے ہیں۔ فرق صرف حجم کا یا چھوٹے بڑے کا ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ شاید ایشہ کے خیالات کا یا اس کے تصور کا عکس تھا یا شاید یہ بھی نہ ہو بلکہ وہ شاید وہ ہیولے تھے جو ایشہ نے مسمریزم کے ذریعے ہمارے دماغوں پر اثر ڈال کر پیدا کر دیے تھے۔

جی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی معجزہ نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ کسی نہ کسی طرح خواہ یہ باتیں کتنی ہی عجیب کیوں نہ ہوں، ان کی تشریح کی جا سکتی تھی چنانچہ اب ہم کسی معجزے کے منتظر تھے۔

تو یہ خیالات تھے جو ہمارے دماغوں میں پیدا ہو رہے تھے، سکنڈ منٹوں میں تبدیل ہو رہے تھے اور منٹ طویل منٹ گزرتے جا رہے تھے۔ ہم منتظر تھے۔

لیکن ـــــ کچھ نہ ہوا۔

اور پھر ایک بات ہوئی۔

شعلوں کی روشنی رفتہ رفتہ مدھم ہونے لگی یہاں تک کہ یکسر غائب ہو گئی اور خود شعلے بھی آتش فشاں کے بے تھاہ دہانے میں بیٹھ گئے۔ لیکن یہ بھی کوئی عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ، جیسا کہ ہم کافی دور سے دیکھ چکے تھے، یہاں کی روشنی میں کمی بیشی ہوتی ہی رہتی ہے اور یہ تو حقیقت تھی کہ صبح صادق کے وقت شعلے تقریباً بجھ جاتے تھے اور اس وقت صبح صادق قریب تھی۔

تاہم اس بڑھتی ہوئی تاریکی نے ماحول کی دہشت ناکی میں اضافہ کر دیا۔ بجھتے

ہوئے شعلوں کی آخری شعاعوں میں ہم نے دیکھا کہ ایشہ اٹھی، آگے بڑھی اور کھڈ کے کنارے پر جا کھڑی ہوئی جہاں سے راسین کی لاش کو شعلوں میں پھینکا گیا تھا۔ دہانے کی گہرائیوں میں سے اٹھتی ہوئی دھندلی اور نارنجی روشنی میں ایشہ کسی بھتنی کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔

میری طرح لیو بھی یہی سمجھا کہ ایشہ آتش فشاں کے دہانے پر کود پڑنے والی ہے چنانچہ وہ اسے روکنے کے لیے جھپٹنے ہی والا تھا کہ اوروس اور پاپادے نے لپک کر اسے روک لیا صاف ظاہر تھا کہ ایسا کرنے کا انھیں حکم ملا تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ یہ خفیہ حکم ان تک کس طرح پہونچا تھا۔

اور پھر اندھیرا چھا گیا اور اس اندھیرے میں ایشہ کی آواز سنائی دی جو کسی سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں کوئی گیت گا رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ کوئی قدیم اور مقدس زبان تھی۔

دفعتہً شعلے کا ایک بڑا سا ٹکڑا جیسے جلتی ہوئی برف کا گالا ہو، اندھیرے میں تیرتا نظر آیا جیسے کوئی بہت بڑا پرندہ اپنے بازو پھیلائے پرواز کر رہا ہو۔ ایسے آتشی گالے اس رات ہم نے بہت سے دیکھے تھے جنہیں ہوا کے جھونکے آتشی چادر سے توڑ کر ادھر ادھر اڑاتے پھرتے تھے۔ لیکن ـــ لیکن۔

"ہولیس!" لیو نے کہا اس کے دانت بج رہے تھے۔ "یہ شعلہ ہوا کے رُخ کے خلاف آرہا ہے۔"

"شاید ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔" میں نے جواب دیا حالانکہ میں جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہوا تھا اس کے برخلاف ہوا اُسی شدت سے اور جنوب کی طرف سے ہی بہہ رہی تھی۔

وہ پرواز کرتا ہوا شعلہ قریب سے قریب تر آتا چلا گیا اور یہ اس کی شکل پرندے کے دو زبردست بازوؤں کی سی تھی۔ اور ان کے بیچ میں کوئی کالی کالی چیز تھی آخر کار وہ آتشی کھڈ کے کنارے تک پہونچ گیا اور ان آتشیں بازوؤں نے وہاں کھڑی ہوئی ایشہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ گھڑی بھر کے لیے اس نے ایشہ اور ارد گرد کے منظر کو روشن کر دیا۔

پھر وہ شعلہ ایکدم سے بجھ گیا اور چاروں طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔

تھوڑا سا وقت گزر گیا، میں نہیں جانتا کتنا، ایک منٹ یا دس منٹ۔ یکایک کسی خفیہ حکم کی تعمیل میں کاہنہ پاپادے میرے قریب سے نکل چلی گئی۔ یہ وہی تھی۔ کیونکہ جب وہ میرے قریب سے گزری ہے تو اس کا لباس مجھ سے چھو گیا تھا گھپ اندھیرے اور گہری خاموشی کا ایک اور وقفہ۔ میں نے پاپادے کو واپس آتے دیکھا۔ وہ لمبے لمبے اور سسکیوں جیسے سانس لے رہی تھی جیسے کہ کوئی دہشت کے عالم میں لیتا ہے۔

میں نے سوچا کہ عائشہ آتشی کھڈ میں پھاند پڑی اور یہ المیہ اب ختم ہوا۔ عین اس وقت ایک مسحور کن نغمہ سنائی دیا۔ ممکن ہے کہ ان کاہنوں کی آواز ہو جو اس وقت کوئی گیت گا رہے تھے اور جو ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ لیکن میرے خیال میں ایسا نہ تھا۔ کیونکہ اس نغمے کی خاصیت بالکل ہی مختلف تھی یہ ایک انوکھا اور ملکوتی نغمہ تھا جو میں نے نہ تو پہلے کسی مندر و معبد میں سنا اور نہ بعد میں بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسا نغمہ میں نے تو کیا کسی نے کبھی نہ سنا ہوگا۔

میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ نغمہ بیک وقت دہشتناک اور وجد آفریں تھا۔ اس دھواں آلود کھڈ میں سے، جہاں شعلے بجھ گئے تھے، یہ نغمہ نکل رہا اور چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ کبھی صرف ایک سریلی آواز سنائی دیتی اور کبھی کورس اور کبھی گرجتی ہوئی آوازیں جیسے مختلف قسم کے بہت سے ساز ایک ساتھ بج رہے ہوں۔

یہ عجیب موسیقی تھی جو سارے انسانی جذبات کی عکاسی کر رہی تھی۔ اب میں سوچتا ہوں کہ وہ موسیقی خود عائشہ کی رنگارنگ زندگی کی عکاسی تھی۔ اس میں وہ سارے اُتار چڑھاؤ تھے جو خود عائشہ کی زندگی میں تھے۔ وہ ان مختلف مزاجوں کی حامل جو خود عائشہ کے

مراج رہے تھے۔ وہ ایک عظیم روح کی عظیم تبدیلی کی کہانی تھی اور ایک مقدس ملکہ کی ایک ربانی ملکہ کی عبادت کا نغمہ تھا۔ پھر یہ نغمہ کوئی بھی گا رہا ہے۔

عود دان میں سے اٹھتا ہوا خوشبودار دھواں جس طرح گرجا کی چھت تک پہنچتے پہنچتے غائب ہو جاتا ہے اور یوں اس غیر ارضی نغمے کی شدّت میں کمی واقع ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ یہ موسیقی اور یہ نغمہ اس آتشی کھڈ کے بطن میں، جہاں سے وہ ابھرا تھا جا سویا۔

مشرقی افق روشن ہو گیا۔

"دیکھو صبح صادق" اوروس نے اپنی پرسکون آواز میں کہا۔

روشنی کی یہ لکیر بڑھی اور نصف اندھیرے آسمان کو چیرتی ہوئی عین ہمارے سروں پر پہونچ گئی۔ اور پھر تیزی سے نیچے کی طرف اُتری اور دفعتہ گری لیکن ہم پر نہیں کیونکہ ہم حجرے کی چٹانی چھت کے نیچے تھے۔ بلکہ اس گھونگھٹ نما چٹان پر جو آتشی کھڈ کے کنارے پر تھی۔

اور ــ اور ــ اس نور میں ہمارے سامنے ایک ملکوتی پیکر صرف ایک باریک کپڑے میں ملبوس کھڑا تھا۔ وہ پیکر معلوم ہو رہا تھا کہ سو رہا ہے کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ یا خدا جانے وہ مردہ تھا کیونکہ اس کا چہرہ بالکل سفید تھا۔ روشنی کی نقاب میں ہوتی ہوئی اس کے چہرے پر کھیلنے لگی اور پھر اس نقاب کے نیچے کالی خوبصورت آنکھیں حیرت زدہ بچے کی آنکھوں کی طرح آہستہ آہستہ کھلیں اور ساتھ ہی اس کے سینے پر اور رخساروں پر سُرخی دوڑ گئی۔ علامت حیات۔ کالی گھٹاؤں جیسے ریشمی بال ہوا میں لہرائے اور سانپ کا جڑاؤ فیتہ، جو بالوں پر بندھا ہوا تھا، چمک گیا۔

یہ نظر کا دھوکا ہے یا یہ وہی عائشہ ہے جو بالکل ایسی تھی، ہاں اس وقت جب وہ کور کے غار میں اور آتش حیات میں داخل ہوئی تھی؟ ہمارے گھٹنے جواب دے گئے اور میں

اور لیو ایک دوسرے کی گردن میں ڈال کر فرش پر ڈھے گئے اور وہیں پڑے رہے یہاں تک کہ ایک آواز نے جو شہد سے زیادہ شیریں اور نرسلوں میں سرسراتی ہوئی نسیم سحری سے زیادہ ملائم تھی ہمارے بہت قریب سے سنائی دی اور یہ الفاظ تھے جو اس آواز نے کہے۔

" قالی قریط! آؤ ــــ میرے پاس آؤ کہ میں تمہارے ایک بوسے کا جو تمہاری لافانی محبت اور تمہاری وفا کا ثبوت تھا، عوض تمہیں دیدوں۔"

لیو بڑی کوششوں کے بعد اُٹھ کر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو سکا اور پھر شرابی کی طرح لڑکھڑاتے قدموں سے چل کر وہاں پہونچا جہاں عائشہ کھڑی تھی اور وہاں پہونچ کر وہ ایک بار پھر اور بے اختیار ہو کر اپنے گھٹنوں پر گر گیا۔

" اُٹھو"! عائشہ نے کہا۔" میرے سامنے تمہیں نہیں بلکہ تمہارے سامنے مجھے جھکنا چاہیے۔"

اور اس نے لیو کو اٹھانے کے لیے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور اسکے کان میں کچھ کہا۔

لیکن اب بھی لیو نہ اٹھایا اٹھ نہ سکا چنانچہ عائشہ نے جھک کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اب اس نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا۔ میں اس کے سامنے پہونچا اور میں بھی اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا ہوتا۔ لیکن عائشہ نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔

"نہیں" اس نے اپنی شیریں اور میرے لیے جانی پہچانی آواز میں کہا۔" تم میرے محبوب نہیں۔ میں اگر چاہوں تو اپنے ہزاروں عاشق بنا سکتی ہوں اور ہزاروں میرے لیے جان دینے کو تیار ہو سکتے ہیں اور ہیں اور میرے پرستاروں کی تعداد بھی کم نہیں ہے لیکن تمہارے جیسا دوست مجھے کہاں ملے گا؟ اے ہالی! میں تمہیں اپنے

ایک بہترین اور جاں نثار دوست کی طرح دیکھو یوں چاہتی ہوں ۔"

اور جھک کر اس نے میرا ماتھا بھی اپنے ہونٹوں سے چھولیا۔ صرف چھولیا اور الیشہ کے تنفس میں اور اس کے بالوں میں گلاب کی مست کن خوشبو تھی، اس کا خوبصورت جسم موتی کی طرح چمک رہا تھا، سر کے گرد نور کا ہلکا سا ہالہ تھا، کسی بت تراش نے بھی ایسا سڈول اور خوبصورت ہاتھ نہ بنایا ہوگا جیسا کہ وہ ہاتھ تھا جس سے الیشہ نے اپنے چہرے پر نقاب سنبھال رکھی تھی اور آسمان پر بھی کوئی ستارے ایسے نہ چمکے ہوں گے جیسی کہ اس کی کالی اور پرسکون آنکھیں چمک رہی تھیں۔

تاہم یہ سچ ہے کہ جب اس کے ہونٹ میری پیشانی سے چھوئے تھے تو میں نے کوئی جنسی کشش یا کوئی دنیوی جذبہ محسوس نہ کیا تھا بلکہ ایک عجیب طرح کی روحانی اور مقدس عقیدت محسوس کی تھی۔ ایک ایسی محبت جس میں دنیوی جذبے کا شائبہ تک نہ تھا۔ بھی وہ زمانہ تھا کہ میں نے الیشہ سے اور ہی قسم کی محبت کی تھی ویسی ہی جیسی کہ ایک مرد جنس مخالف سے کرتا ہے لیکن اب میں بوڑھا تھا اور اس قسم کے دنیوی جذبات مدت ہوئی مردہ ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ کیا الیشہ نے مجھے محافظ، مربی اور دوست کے قابل فخر خطابات سے نہیں نوازا تھا؟ اور کیا یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ اس دنیا میں، جہاں دنیوی جذبات کو دخل نہیں، میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟ کہ میں بھی اس کے اور الیشہ کے ساتھ رہوں گا؟

الیشہ لیو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چٹانی حجرے میں واپس آ گئی اور جب وہ اندر آئی تو ذرا سی کانپ گئی جیسے سردی محسوس کر رہی ہو۔ اسے یوں کانپتے دیکھ کر میں نے یک گونہ مسرت حاصل کی کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ وہ کتنی مقدس کیوں نہ ہو بہر حال انسان تھی۔ یہاں اس کا کاہن اور کاہنہ اس کے سامنے، یکسر بدلی ہوئی ہوزیہ کے سامنے جھک رہے۔ لیکن اس نے ان دونوں کو اٹھ کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور اپنا

ایک ہاتھ اوروس اور دوسرا بابا دے کے سر پر رکھ کر انھیں خیر و برکت کی دعائیں دیں۔

"میں سردی محسوس کر رہی ہوں۔" وہ بولی "مجھے میرا چغہ دو۔"

بابا دے نے آگے بڑھ کر سرخ زردوزی چغہ اس کے شانوں پر ڈال دیا جو اب اس کے شانوں سے لٹکتا ہوا شاہانہ چغہ معلوم ہوتا تھا۔

"نہیں۔" ایشہ نے کہا "یہ میرا گمشدہ جسم نہیں ہے جو میرے محبوب نے اپنے بوسے سے مجھے بخشا ہے، جو سردی سے کانپ رہا ہے۔ بلکہ یہ میری روح ہے جو مقدر کے سرد ہاتھوں کے سامنے برہنہ ہو گئی ہے۔ اے میرے محبوب! روٹھی ہوئی قوتوں کو منانا آسان نہیں ہے ہاں اس وقت بھی نہیں جب ایسا معلوم ہو کہ انھوں نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔ میرے سرتاج! ہر چند کہ اب میری صورت شکل تمہارے سامنے گھناؤنی اور مضحکہ خیز نہ ہو گی۔ لیکن یہ میں نہیں جانتی کہ اس دنیا میں اب ہمیں، مجھے اور تمہیں کتنی زندگی عطا کی گئی ہے۔ اور ہم دونوں کو ایک ساتھ کب تک اس دنیا میں رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ شاید ایک گھنٹہ کا ہی وقت دیا گیا ہو۔ بہر حال اس سے پہلے کہ ہم دوسری دنیا میں پہونچ جائیں ہم یہاں کی زندگی کو درخشاں بنائیں گے اور غم و الم کی تلخ شراب جتنی پی چکے ہیں اس سے زیادہ مسرتوں اور شادکامیوں کے جام پئیں گے اس جگہ سے مجھے سخت نفرت ہے کیونکہ میں نے یہاں اتنی تکالیف برداشت کی ہیں کہ دنیا کی کسی عورت نے برداشت نہ کی ہوں گی بلکہ دوزخ کے کسی عفریت نے بھی اتنے عذاب نہ سہے ہوں گے۔ یہ جگہ نفرت انگیز ہے، منحوس ہے اور میں دعا کرتی ہوں کہ پھر کبھی میں اسے نہ دیکھوں۔"

اور پھر یکایک جیسے غصے سے پھنکار کر وہ شامن ججری کی طرف گھوم گئی جو قریب ہی سینے پر ہاتھ باندھے مودب کھڑا تھا۔

"اے ساحر! اب کہو کیا کہتے ہو؟ کیا سوچ رہے ہو تم؟"

"میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اے حسین ترین مخلوق!" شامن بجری نے کہا کہ ہونے والے واقعات کو میں دیکھ سکتا ہوں۔ دھندلے ہی سہی لیکن مستقبل میں میں جھانک لیتا ہوں اور یہ وہ علم ہے جو تمہیں اپنی تمام تر قوتوں کے باوجود عطا نہیں کیا گیا۔ یہ صرف میرا حصہ ہے۔ چنانچہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں لاش پڑی ہوئی ہے ..."

"بجری"! عائشہ نے کسی انجانے خوف سے لرز کر اور چیخ کر کہا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی تیرے زبان سے نکلا تو یہاں جو لاش پڑی نظر آئے گی وہ کسی اور کی نہیں بلکہ تیری ہی ہو گی۔ بیوقوف! مجھے غصہ نہ دلا اور یہ یاد رکھ کہ اب مجھ میں وہ قوت آ گئی ہے کہ میں اپنے قدیم دشمنوں کا صفایا کر دوں۔ ہاں یہ مجھے یاد نہ دلا۔ یہ تلوار جو تو میرے ہاتھ میں دے رہا ہے۔ سنبھل جا! کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری ہی مخالفت میں استعمال کی جائے۔"

اور اس کی آنکھوں سے، جو اب تک مسرت اور اطمینان سے چمک رہی تھی، شعلے سے نکلنے لگے۔ بوڑھے ساحر نے اس شعلہ باری کو محسوس کیا اور اسے برداشت نہ کر کے وہ پیچھے ہٹتا چلا گیا یہاں تک کہ دیوار سے ٹکرا گیا۔

"اے عظیم قوتوں والی!" اس نے کہا۔ "میں پہلے ہی کی طرح تیرے سامنے جھکتا ہوں ہاں اسی قدیم طریقے سے جس سے سوائے تیرے اور میرے کوئی واقف نہیں مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ جس لاش کا ذکر میں نے کیا ہے اس کی صورت مجھے نہیں دکھائی گئی۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ کلون کا کوئی آئندہ خان یہاں مردہ پڑا ہوا ہو گا کیونکہ جس کی لاش میں نے دیکھی ہے اس کے سر پر کلون کا تاج تھا۔ بالکل ایسا ہی جیسا کہ وہ تھا جسے گھنٹہ بھر پہلے شعلوں میں دفن کیا گیا تھا۔"

"بے شک کلون کے بہت سے خانوں کی لاشیں یہاں لٹائی جائیں گی۔" عائشہ نے کہا۔ "ڈرو نہیں شامن! کیونکہ میرا غصہ فرد ہو چکا ہے۔ لیکن اے میرے دشمن!

مناسب ہوگا کہ آئندہ تم احتیاط سے کام لو اور ایسی منحوس پیشین گوئیاں نہ کرو۔ آؤ یہاں سے چلا جائے۔"

چنانچہ وہ لیو کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے حجرے سے باہر آئی اور اس چٹانی مینار کی چوٹی پر جا کھڑی ہوئی۔ اب سورج طلوع ہو چکا تھا اور یہ پہاڑی میدانوں، کلوں کے میدانوں اور دور کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سونا بکھر گیا تھا۔ ایشہ خاموش کھڑی اس منظر کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اس نے لیو سے کہا۔

"میرے محبوب! دنیا بہت ہی حسین ہے اور میں یہ سب کچھ تجھے دیتی ہوں۔"

اور اب خانیہ اطینہ نے پہلی دفعہ زبان کھولی۔

"اے ہوزیہ۔ بشرطیکہ تو وہی ہوزیہ ہے اور آتش فشاں کے دہانے میں سے نکلی ہوئی کوئی بد روح نہیں ہے۔ کیا تیرا مطلب یہ ہے کہ تو میرا ملک اس شخص کو محبت کے تحفے کے طور پر دے رہی ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو یہ سن لے پہلے تجھے اس ملک کو فتح کرنا ہوگا۔"

"تیرے الفاظ سخت اور لہجہ گستاخانہ ہے۔" ایشہ نے جواب دیا۔ "تاہم میں تجھے معاف کرتی ہوں کیونکہ اپنی فتح میں، میں بھی اپنی رقیب کا مضحکہ اڑا سکتی ہوں۔ جب تو زیادہ حسین تھی تو اسی مرد کی خدمت میں یہی ملک تو نے پیش کیا تھا لیکن اب سچ کہنا کہ کون زیادہ حسین ہے؟ تم سب ہم دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کرو۔"

اور وہ اطینہ کے قریب جا کھڑی ہوئی اور مسکرانے لگی۔

خانیہ حسین عورت تھی۔ اس سے زیادہ حسین کم سے کم میں نے تو نہیں دیکھی تھی۔ لیکن نئی ایشہ کے وحشت ناک اور دیوانہ کر دینے والے حسن کے سامنے وہ بجھ سی گئی کیونکہ ایشہ کا حسن سراسر انسانی نہیں تھا بلکہ اس کا جمال اس سے بھی بڑھ کر تھا جو ہم نے کور کے غاروں میں دیکھا تھا۔ اب یہ ایشہ کا حسن تھا جس نے دوبارہ

جنم لیا تھا۔ ہاں اب یہ حسن روحانی تھا۔

وہ ہلکی سی دمک جو اس کے ماتھے پر تھی، بڑی بڑی کالی آنکھیں جن میں کبھی تو ستاروں کی چمک آجاتی تھی اور جو کبھی اندھیرے آسمان کی طرح بن جاتی تھیں۔ محرابی ہونٹ جن میں بہاروں کا رس تھا، کالے ریشمی بال، شان اور تمکنت اور پراسرار قوت جو ہر بن مو سے پھوٹی پڑ رہی تھی، وہ جو الاروح جس کا ذکر اوروس نے کیا تھا اور جو اب مرجھائے ہوئے پرانے خول میں سے نہیں بلکہ خوبصورت مرمریں خول میں سے جھانک رہی تھیں ــــ یہ ساری باتیں اور ساری خصوصیات قطعی انسانی نہ تھیں۔ میں ان سب باتوں کو محسوس کر کے خوفزدہ تھا اور انھیں یقیناً اطینہ نے بھی محسوس کر لیا تھا کیونکہ اس نے کہا۔

"میں تو صرف ایک عورت ہوں اور تم کیا ہو یہ خود تم بہتر طور پر جانتی ہو۔ تاہم اس پہاڑ کی آگ کے مقابلے میں موم بتی کی روشنی اور ٹوٹے ہوئے تارے کے سامنے جگنو کی چمک حقیر ہوتی ہے۔ اسی طرح میرا حسن تمہارے اس حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو تم نے کسی دوزخی عفریت کی عبادت کر کے حاصل کیا ہے۔ اس کے باوجود میں بطور ایک عورت تمہارے برابر ہوں اور جب تم اپنے اس مستعار لیے ہوئے حسن سے محروم ہو کر اپنی تمام تر شرمناکی کے ساتھ سب سے بڑے انصاف کرنے والے کے سامنے برہنہ کھڑی ہوگی تو اس وقت میری روح کو تم پر فوقیت حاصل ہو گی ہاں ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس آتشی کھڈ کے کنارے پر ظفر مند کھڑی تھی اسی طرح ایک دن تو وہیں کھڑی اپنی کھوئی ہوئی محبت کا ماتم کرے گی۔ کیونکہ یہ تو میں بھی جانتی ہوں اے میری رقیب اور دشمن کہ انسان اور روح کا میل نہیں ہو سکتا۔"

اور یہاں پہونچ کر اطینہ کی آواز حسد اور غصے کی شدت سے تھرا گئی چنانچہ وہ خاموش ہو گئی۔

اب جو میں نے الیشہ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ خانیہ کے ان الفاظ نے اسے لرزا دیا تھا، اس کے ہونٹوں کی سفیدی پر سفیدی غالب آگئی اور اس کی کالی آنکھوں سے پریشانی اور کرب جھلکنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا یہ خوف زائل ہو چکا تھا اور وہ بجتی ہوئی صاف آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"اطینہ بلند اور نہ ٹوٹنے والی چٹان سے ٹکراتے ہوئے برساتی نالے کے پانی کی طرح تو یوں بکواس کیوں کر رہی ہے؟ اے چند گھنٹوں کی مہمان مخلوق! تو سمجھتی ہے کہ تو اپنے حسد کے بلبلوں سے اور غصے کی جھاگ سے میری ابدی قوتوں کی چٹان کو توڑ دے گی؟ اب تو اپنی زبان بند کر اور میری سن! میں تیری حقیر حکمرانی اور تیرا ذرا سا ملک نہیں چاہتی، اگر میں چاہوں تو پوری دنیا پر حکمرانی کر سکتی ہوں۔ لیکن اتنا جان لے کہ تو نے اپنا ملک مجھ سے چھینا ہے اور یہ بھی سن لے کہ بہت جلد میں تیرے شہر میں آؤں گی۔ اب یہ فیصلہ تجھے کرنا ہے کہ میں کس طرح تیرے شہر میں داخل ہوں۔ بہ زور بازو یا بہ صلح و آشتی!"

"چنانچہ اے خانیہ! بہتر ہوگا کہ تو اپنے یہاں کے قوانین اور رسومات کی تصحیح کر لے تاکہ جب میں آؤں تو وہاں اطمینان اور سکون دیکھوں جو فی الحال عنقا ہے اور پھر میں وہاں تیری حکومت کو مستحکم کر دوں۔ تجھے میرا مشورہ یہ بھی ہے کہ کسی قابل شخص کو اپنا شوہر بنا لے جسے تو پسند کرے اسے اپنا بنا لے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ وہ زیرک صاف گو اور انصاف پسند ہو تاکہ تجھے صحیح مشورہ دے سکے۔ کیونکہ تجھے مخلصانہ مشورں کی سخت ضرورت ہے اطینہ!"

"آؤ میرے مہمانو! اب چلا جائے!"

اور وہ آگے بڑھی، خانیہ کے قریب سے نکل چلی گئی اور مینار کی گول چوٹی پر جہاں ہوا چنگھاڑ رہی تھی، بے خوفی سے جا کھڑی ہوئی۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس قدر سرعت سے ہوا کہ ہماری کچھ سمجھ میں نہ آیا اور بعد میں جب میں نے اور لیو نے اپنے احساسات کا موازنہ کیا تو پتہ چلا کہ کیا ہو گیا تھا دوسرے ہی سکنڈ ایک خطرناک کوشش کی گئی، ایک حملہ ہوا لیکن ناکام۔

ہوا یوں کہ جب عائشہ خانیہ کے قریب سے گزر رہی تھی تو رشک و حسد سے دیوانی بنی ہوئی خانیہ نے اپنے لباس میں چھپا ہوا خنجر گھسیٹ کر اپنی رقیب کی پشت پر وار کر دیا۔ میں نے خنجر کو عائشہ کی پیٹھ میں دستے تک اترتے دیکھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوا یہ شاید میری نظر کا دھوکا تھا۔ کیونکہ خنجر تو فرش پر گرا اور وہ جسے ڈھیر ہو جانا چاہیئے تھا بدستور کھڑی تھی اور اسے کوئی زخم نہ آیا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ اس کا وار خالی گیا ہے۔ اطینہ ایک دم سے عائشہ کی طرف جھپٹ پڑی کہ اسے آتشی کھڈ میں گرا دے۔ لیکن ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ اس کے آگے بڑھے ہوئے بازو عائشہ کے آر پار نکل گئے اور عائشہ خود جہاں تھی وہیں رہی۔ اس کے برخلاف یہ اطینہ تھی جو آگے کی طرف جھک کر گری اور اگر عائشہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی نہ پکڑ لی ہوتی اور اسے آسانی سے، جیسے کسی بچے کو کھینچ رہی ہو، اوپر نہ کھینچ لیا ہوتا تو خانیہ اطینہ آتش فشاں کے دہانے میں جا پڑتی۔

"بیوقوف عورت!" عائشہ نے کہا لہجہ ہمدردانہ تھا۔ "کیا تو غصے میں ایسی دیوانی ہو رہی ہے کہ قدرت کے عطا کردہ اس حسن کو مٹا دینا چاہتی ہے؟ اطینہ! یہ سراسر پاگل پن ہے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ تجھے دوبارہ اس دنیا میں کس شکل و صورت میں بھیجا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تو پھر ملکہ بن کر نہ آئے بلکہ کسی دہقان کی بدصورت اور بدہیئت لڑکی بن کر پیدا ہو۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کو یہی سزا دی جاتی ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے، کہ تو کسی جانور

کے روپ میں جنم لے مثلاً سانپ، بلّی یا شیرنی کے روپ میں۔ اور یہ دیکھو" اور اس نے زمین سے خنجر اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا۔" یہ زہر میں بجھا ہوا ہے اگر اس کی نوک تیرے نازک جسم میں ذرا سی بھی چبھ جاتی تو؟"

اور اس نے مسکرا کر خانیہ کی طرف دیکھا اور اپنا سر ہلایا۔

لیکن اطینہ اس طنز کو، جو اس کے زہریلے خنجر سے زیادہ زہریلا تھا برداشت نہ کر سکی۔

"تم فانی نہیں ہو" اس نے روتی آواز میں کہا۔ "چنانچہ میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی اور تمہاری سزا قدرت کے سپرد کرتی ہوں۔"

اور اطینہ وہیں بیٹھ گئی اور رونے لگی۔

لیو اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ کلون کی ملکہ کی یہ حالت اس سے دیکھی نہ گئی۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا، جھکا اور سہارا دے کر اسے اٹھایا اور چند ہمدردانہ الفاظ بھی کہے۔ ایک لمحے تک وہ لیو کا سہارا لیے کھڑی رہی۔ لیکن پھر اس سے الگ ہو گئی اور اپنے ماموں شامن سمبری کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

"میرے آقا لیو!" عائشہ نے کہا۔ "میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری فطرت نہیں بدلی ہے اور تم پہلے کی ہی طرح رحمدل ہو۔ لیکن بہتر ہو گا کہ وہ اپنے خادم اور ماموں کے پاس ٹھہرا رہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے اپنے لباس میں اور بھی خنجر چھپا رکھے ہوں۔ آؤ اب چلیں۔ دن کافی چڑھ گیا ہے اور ہمیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

سترہواں باب

ہنگنی

ہم سب ان بے شمار سیڑھیوں پر سے نیچے اترے اور طویل سرنگوں میں سے گزرتے ہوئے آخر کاہنۂ اعظم کی قیام گاہ کے دروازے پر پہونچ گئے۔ وہ ہمیں بڑے کمرے میں لے آئی اور یہاں عائشہ ہم سے رخصت ہوئی۔ اس نے کہا کہ وہ بہت زیادہ تھک گئی ہے اور یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ بے حد مضمحل معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ تھکن جسمانی نہیں بلکہ روحانی تھی۔ اس کا نازک بدن تھکان سے گرا جا رہا تھا جس طرح برستی بارش میں کنول جھک جاتا ہے، اس کی آنکھیں اس شخص کی طرح ماند پڑ گئی تھیں جس پر عدم توجہ کی حالت طاری ہو اور اس کی آواز میں ایسی ملائمت اور سرگوشی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جیسے وہ نیند میں بول رہی ہو۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں"۔ اس نے کہا۔ "اوروس تمہاری خبر گیری کرے گا اور مقررہ وقت پر میرے پاس لے آئے گا تب تک تم آرام کرو"۔

چنانچہ وہ چلی گئی اور اوروس ہمیں ایک آرام دہ اور سجے ہوئے کمرے میں لے آیا، جس کا دروازہ ایک خوبصورت باغ میں کھلتا تھا۔ جو واقعات ہوئے تھے اور جو کچھ ہم نے دیکھا تھا اس کی وجہ سے ہم خود ایسی تھکن محسوس کر رہے تھے کہ بولنے تک کی سکت نہ تھی۔ جو کچھ ہوا اس پر بحث کرنا تو خیر دور کی بات ہے۔

"میرا سر چکرا رہا ہے"۔ لیو نے اوروس سے کہا۔ "چنانچہ میں سونا چاہتا ہوں"۔

اوروس نے رضامندی کے طور پر اپنے آپ کو کمر سے ذرا سا جھکایا اور پھر ہمیں اس کمرے میں لے آیا جس میں بستر لگے ہوئے تھے۔ ہم ان پر لیٹ گئے اور فوراً ہی

بچوں کی سی گہری نیند نے ہمیں اپنی آغوش میں لے لیا۔
جب ہم بیدار ہوئے تو سہ پہر ہو چکی تھی۔ ہم اُٹھے، غسل کیا اور پھر یہ کہہ کر کہ ہم تنہائی چاہتے ہیں، باغ میں نکل آئے۔ حالانکہ اگست کا مہینہ ختم ہو رہا تھا لیکن ہوا خنک اور فرحت بخش تھی۔ ایک چٹان کے پیچھے اور پہاڑی پھولوں کے تختوں کے درمیان ایک نرمل چشمے کے کنارے ایک بنچ رکھی ہوئی تھی ہم اس بنچ پر بیٹھ گئے۔

"ہورلیس!" لیو نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"خیال؟" میں نے جواب دیا۔ "خیال کیسا؟ سیدھی سی بات ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کسی معجزے سے کم نہیں۔ ہمارا خواب سچا تھا اور یہ کہ ہماری جستجو بیکار نہیں گئی اور سب کے آخر میں یہ کہ تم دنیا کے سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہو اور یہ کہ اب دنیا کی ساری خوشیاں تمہارے لیے ہیں۔"

لیو نے عجیب نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور کہا۔

"بے شک وہ حسین ہے، بے حد حسین۔ لیکن ــــ" اور اس کی آواز ایک دم سے ڈوب کر سرگوشی میں تبدیل ہو گئی۔ "میں ــ میں چاہتا ہوں کہ ایشہ کچھ اور زیادہ انسان ہوتی، زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنی تو انسان ہوتی جتنی کور کے غاروں میں تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ مکمل طور پر گوشت پوست کی نہیں ہے، یہ میں نے اس وقت محسوس کیا تھا جب اس نے مجھے چوما تھا ــــ بشرطیکہ ہم اسے چومنا کہہ سکیں ــــ کیونکہ اس نے میرے بالوں کو صرف چھوا تھا، ہم اسے چھونا بھی نہیں کہہ سکتے ہوائی لمس تھا وہ۔ ـــ جس کا کایا کلپ یوں دیکھتے دیکھتے ہو جائے وہ انسان ہو ہی نہیں سکتا۔ گوشت پوست آگ سے نہیں بنتا ہورلیس!"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ آگ سے بنی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ کی چادر پر ہمیں جو تصویریں نظر آئی تھیں۔ ان کی طرح اس کا وہ بوڑھا اور لبادہ

گھناؤنا جسم بھی ہماری نظر کا دھوکا نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ وہی عائشہ ہو جسے ہم نے کور کے غاروں میں دیکھا تھا جواب دوبارہ پیدا نہ ہوئی ہو بلکہ کسی پراسرار طریقے سے وہاں سے یہاں پہونچ گئی ہو؟"

"شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن ہورلیس! ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے اور کبھی نہ کہہ سکیں گے۔ بہرحال مجھے اعتراف ہے کہ اس پورے واقعے نے مجھ پر ایک خوف طاری کر دیا ہے ایک لامحدود اور بے اختیاری کشش ہے جس کی وجہ سے میں اس کی طرف کھنچ رہا ہوں، اس کی نظر میرے خون میں ایک آگ سی لگا دیتی ہے اور اس کے ہاتھ کا لمس ایسا ہوتا ہے جیسے اس جادو کی چھڑی کا جو انسان پر دیوانگی طاری کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود ہم دونوں کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل محسوس ہوتی ہے جسے آنکھ دیکھ نہیں سکتی یا ہو سکتا ہے کہ میرا وہم ہو لیکن ہورلیس! میرا خیال ہے کہ وہ اطلینہ سے خوفزدہ ہے۔ زمانہ وہی پرانا ہوتا تو خانیہ نہ صرف مر چکی ہوتی بلکہ اسے سب بھول گئے ہوتے۔ اس رات کا واقعہ یاد ہے نا تمہیں؟"

"ہو سکتا ہے لیو کہ ہماری طرح ٹھوکریں کھانے کے بعد عائشہ بھی رحمدل بن گئی ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔" لیو نے کہا۔ "بلکہ خدا کرے ایسا ہی ہوا ہو۔ بہرحال وہ کچھ زیادہ ہی مقدس بن گئی ہے۔ لیکن ہورلیس! اگر بات شادی تک پہونچ گئی تو حیران ہوں کہ میں پیکر نورانی کا کیسا شوہر ثابت ہوں گا؟"

"اور کیا وجہ ہے کہ بات شادی تک نہ پہونچے؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ کیونکہ اس کے ان الفاظ نے میرے تنے ہوئے اعصاب کو جھنجھنا دیا تھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا لیکن اصول کے رد سے کیا ایسی خوش قسمتی ایک عام انسان کو عطا ہو سکتی ہے؟ اس کے علاوہ جب اطلینہ نے یہ کہا تھا کہ انسان اور روح کا ملاپ ممکن نہیں اور ایسی ہی دوسری باتیں کہی تھیں تو اس کا کیا مطلب تھا؟"

"میرے خیال میں اس کا مطلب یہ تھا صرف کہ وہ چاہتی تھی کہ کاش ایسا ہی ہو۔ لیو تم ابھی جوان ہو۔ چنانچہ اس قسم کی منحوس باتیں تمہیں نہیں بلکہ مجھے سوچنا چاہئیں۔ کیونکہ یہ سراسر بے بنیاد ہیں اور ایسی باتیں سوچنا سراسر حماقت ہے۔ فلسفی بنو لیو! فلسفی۔ تم نے ایسی عجیب و غریب کوششیں کیں کہ دنیا کی تاریخ میں انکی مثال نہیں مل سکتی اور پھر بڑی بات یہ کہ تم نے منزل مقصود کو پا لیا ہے۔ ان کوششوں کو جو شمر خدا نے تمہیں بخشے ہیں اب انھیں قبول کرو، یعنی کامیابی، محبت اور قوت اور دوسری باتیں مستقبل پر چھوڑ دو۔"

اس سے پہلے کہ لیو کوئی جواب دیتا اُوروس چٹان کے پیچھے نمودار ہوا اور اتنا پہلے سے زیادہ جھک کر کہا کہ ہوزیہ نے ہمیں معبد میں پہلے اور عبادت میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے۔ لیو کو غالباً یہ توقع نہ تھی کہ وہ اپنے محبوب کے دیدار دوبارہ اس قدر جلد کر سکے گا۔ چنانچہ وہ خوشی سے اچھل پڑا اور فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور ہم اُوروس کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس آئے۔

یہاں چند کاہن منتظر کھڑے تھے یہ لوگ لیو کو گھیر کر بیٹھ گئے اور اس نے یعنی لیو نے یا دل نخواستہ ان سے اپنے بال اور داڑھی ترشوائی اور اگر میں نے سختی سے انکار نہ کر دیا ہوتا تو ان کاہنوں نے میرا بھی خط بنا دیا ہوتا اور داڑھی تراش دی ہوتی۔ اس طرف سے فرصت پا کر انھوں نے ہمیں زردوزی سینڈل پہنائے لیو کو شاہانہ ٹھاٹھ کا سفید چغہ پہنایا جس میں سونے کے تاروں کا عمدہ کام تھا ایسا ہی مگر ہلکا چغہ مجھے دیا گیا۔ اسکے ہاتھ میں شاہی عصا اور مجھے معمولی عصا دیا گیا۔ لیو کا عصا آنکڑے کی شکل کا تھا جسے دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ ہمیں کسی کی عبادت میں شریک ہونا ہے۔

"دیوتا اور زیرمی کا آنکس" میں نے لیو کے کان میں کہا۔

"ہو رلیں!" لیو نے جواب دیا "میں نہ تو کسی (عہ حاشیہ صفحہ ۲۵۶)

مصری دیوتا کا بہروپ بھرنا چاہتا ہو اور نہ ہی اس کی سراہنا کرنا اور میں ایسا کروں گا بھی نہیں۔"

"بہتر ہو گا کہ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو۔" ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی علامت ہو۔"

لیکن لیو کے دل میں میں نے جو مذہبی عقیدہ اپنی تعلیم سے پیدا کر دیا تھا اس پر وہ جما ہوا تھا۔ حالانکہ اس کی زندگی سے عجیب و غریب واقعات وابستہ تھے۔ چنانچہ اس وقت چلنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اسے یہ نہیں بتا دیا گیا یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ اوروس پر پیچ و تاب پڑا اور سوالات کر کے اسے گڑبڑا دیا۔ ابتدا میں تو بڑے میاں پریشان ہو گئے اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا جواب دے لیکن پھر اس نے بتایا کہ منگنی کی رسم ادا کی جانے والی ہے

اوروس کے اس جواب سے لیو مطمئن ہو گیا اور اس نے اپنے بہروپ کے متعلق مزید کچھ نہ پوچھا۔ البتہ قدرے پریشانی کا اظہار کر کے یہ پوچھا کہ خاتون بھی اس رسم میں شریک ہو گی؟"

"نہیں" اوروس نے مختصر سا جواب دیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ وہ کلون کی طرف نہ صرف روانہ ہو چکی تھی بلکہ جنگ اور انتقام کی قسم کھا کر گئی تھی۔

اس کے بعد ہم طول طویل گزرگاہوں سے گزرتے ہوئے اس گیلری میں پہونچ گئے جو قربان گاہ کے زبردست چوبی دروازے کے عین سامنے تھی ہمارے پہونچتے ہی دروازہ کھول دیا گیا اور ہم اندر داخل ہوئے سب کے آگے اوروس تھا۔ اس کے پیچھے لیو، اس کے بعد

عہ:۔ مصر قدیم کا زبردست دیوتا جو دیوی ایزیس کا بھائی اور شوہر تھا یہ مُردوں اور آخرت کا دیوتا تھا مصریوں کے اعتقاد کے مطابق آخرت میں مُردوں کا حساب کتاب کرنا اس کا کام تھا اور اسی کی خوشنودی حاصل کر کے آدمی نجات پا سکتا تھا۔ مترجم۔

یس اور میرے بعد ہمارے خدمتگار کاہن تھے۔

کچھ دیر تک تو ہمیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ لیکن جب ہماری نظر آتشی ستونوں کی خیرہ کن روشنی کی عادی ہوگئی تو ہم نے دیکھا کہ معبد میں کوئی اہم اور زبردست رسم ادا کی جارہی تھی۔ کیونکہ مادرِ مقدس کے سامنے کوئی دوسو کاہن قطار اندر قطار کھڑے ہوئے تھے اور ان سب نے سفید چغے پہن رکھے تھے۔ ان کے عقب میں کاہنوں کی قطاریں تھیں۔ ان کا مناؤں اور کاہن کے سامنے، ان کی طرف رُخ کیے اور دو آتشی ستونوں کے درمیان ایشہ ایک اونچی کرسی میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ سب کو نظر آتی تھی۔ اس کے دائیں طرف ایسی ہی دوسری کرسی رکھی ہوئی تھی جو خالی تھی۔ چنانچہ میں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ دوسری کرسی کسی کے لیے ہے۔

ایشہ بے نقاب اور خوش الجھرک لباس میں ملبوس تھی۔ سفید زیر جامے کے علاوہ اس کا کوئی کپڑا ایسا نہ تھا جسے کاہنہ کا لباس کہہ سکیں۔ وہ شاہانہ لباس زیب تن کیے ہوئے تھی۔ اس کے روشن ماتھے پر ایک سنہرا فیتہ بندھا ہوا تھا جس کے بیچ میں اور ایشہ کے عین ماتھے پر ایک سانپ اپنا پھن اٹھائے تھا۔ سانپ کا سر ایک بہت غیر معمولی طور پر بڑے لعل سے تراشا گیا تھا۔ اس فیتے نے اس کے گھور کالے اور ریشمی بال اس کے شانوں اور پیٹھ پر ایک ریشمی ڈھیر کی طرح پڑے ہوئے تھے جو اتنے گھنے تھے کہ انھوں نے اس کے سُرخ لبادے کو بھی چھپا دیا تھا۔

یہ سُرخ لبادہ سینے پر سے کھلا تھا چنانچہ اس کا سفید ریشمی زیر جامہ نظر آرہا تھا جس کا گریبان بہت نیچے تک، چھاتیوں کی گولائیوں تک، کٹا ہوا تھا جس پر دومنہ والے سانپ کا بٹکا بندھا ہوا تھا۔ یہ بٹکا اس پٹکے سے جو اس نے کور میں باندھا تھا اتنا بیش قیمت جگمگاتا تھا کہ شک ہوتا تھا کہ شاید یہ وہی ہے۔ اس کے بازو برہنہ تھے اور کسی بھی زیور سے بے نیاز۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ میں وہ ساز لیے ہوئے تھی جو دیوی ایزیس کی علامت سمجھا

جا سکتا تھا۔ یعنی سسترم اس میں جڑے ہوئے جواہرات اور اس میں لگی ہوئی چاندی کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں آتشی ستونوں کی بے پناہ روشنی میں چمک رہی تھیں۔

دنیا کی کوئی ملکہ شان و تمکنت میں اور دنیا کی کوئی عورت حسن و جمال میں اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ الیشہ کے انسانی حسن میں روحانی جمال اور تقدس کی آمیزش تھی اور یہ تنہا اسی کا حصّہ تھا۔ اس پر نظر جم جانے کے بعد کسی اور کو کسی اور طرف دیکھنا ممکن ہی نہ تھا۔ ہماری نگاہیں الیشہ کے ملکوتی حسن پر جم کر رہ گئی تھیں۔ عبادت کرنے والے کاہنوں کی احترامی حرکات اور سجدے، ان کی مدح سرائیاں، آتشی ستونوں کی خوفناک شکلیں یہ سب کچھ ہماری نظروں سے گم ہو گیا تھا کیونکہ ہمارے سامنے، اپنے دونوں ہاتھ خیر مقدم کے لیے، آگے بڑھائے وہ عورت بیٹھی تھی جس نے دوسرا جنم لیا تھا، جو خوبصورتی میں آپ اپنی مثال تھی، جو مکمل ترین اور لافانی عورت تھی اور جو ہم میں سے ایک کی دلہن تھی اور دوسرے کی بہترین دوست اور مالکن۔ اسکے مقدس وجود نے فضا کو پراسرار قوت اور محبت سے پُر کر دیا تھا۔

کاہنوں کی قطاروں کے درمیان سے گزرتے ہم آگے بڑھے یہاں تک کہ اوروس اور ہمارے ساتھی کاہن بھی ایک جگہ پہونچ کر ٹھہر گئے اور اب ہم تنہا الیشہ کے روبرو کھڑے تھے۔ اب الیشہ نے اپنا عصا بلند کیا اور مدح سرائی کرتے ہوئے کاہن خاموش ہو گئے۔ وہاں مکمل ترین خاموشی طاری ہو گئی۔ الیشہ اٹھی اور چبوترے کی سیڑھیاں اتر کر وہاں پہونچی جہاں لیو کھڑا تھا۔ اس کے لیو کے ماتھے کو سسترم سے چھوا کر اونچی اور شیریں آواز میں کہا۔

"دیکھو یہ ہے وہ جسے ہوزیہ نے اپنے لیے منتخب کیا ہے!"

اس پر کاہنوں اور کاہناؤں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"اے وہ جسے ہوزیہ نے انتخاب کیا ہے ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

ابھی اس نعرے کی آواز گونج ہی رہی تھی کہ الیشہ نے مجھے اپنے پہلو میں کھڑا ہو جانے کا

اشارہ کیا اور پھر لیو کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کھینچ لیا۔ چنانچہ اب وہ بھی کاہنوں اور کاہناؤں کی قطاروں کی طرف رُخ کیے کھڑا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ایشہ نے کاہنوں اور کاہناؤں کو مخاطب کر کے اس طرح کہنا شروع کیا۔

"اے ہوزیہ کے کاہنوں اور کاہناؤ! اے مادرِ مقدس کے پجاریو! سنو آج پہلی دفعہ میں اپنی اصلی حالت میں تمہارے سامنے آئی ہوں۔ آج تک تم مجھے نقاب میں دیکھتے رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس نقاب میں کون سی اور کیسی صورت ہے۔ اب یہ بھی سن لو کہ میں نے اپنا چہرہ اور اپنا جسم اب تک کیوں چھپا رکھا تھا۔ تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو جو تمہارے خیال میں ایک اجنبی ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ بھٹکتا ہوا یہاں آ گیا ہے لیکن میں تمہیں بتاتی ہوں کہ یہ کوئی اجنبی نہیں ہے اور نہ ہی آوارہ گرد ہے اور نہ ہی اتفاقاً یہاں آ گیا ہے ایک گزرے ہوئے اور بھولے بسرے زمانے میں یہ میرا محبوب اور آقا تھا اور اپنی گم شدہ محبت کو تلاش کرتا ہوا آخر کار یہاں پہنچا ہے کہو قالی قریط! یہ سچ ہے یا نہیں؟"

"سچ ہے"۔ لیو نے جواب دیا۔

"اے ہوزیہ کے کاہنو! اور کاہناؤ! جیسا کہ تم جانتے ہو کہ شروع سے ہی یہ دستور رہا ہے کہ ہر وہ کاہنہ، جس کی جگہ پر اس وقت میں ہوں، اپنے لیے ایک شوہر کا انتخاب کر لیتی ہے۔ اس کا اسے حق حاصل ہے۔ کہو! ہے کہ نہیں؟"

"ہاں اے ہوزیہ!" ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

ایشہ چند لمحوں تک خاموش رہی اور پھر بڑے ہی دل آویز انداز میں لیو کی طرف گھوم گئی، بڑے ہی دلربا انداز سے تین دفعہ اس کے سامنے جھکی اور پھر آہستہ سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"اے قالی قریط!" ایشہ نے اپنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں سے لیو کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں موجود لوگوں کے سامنے اور ان گنتا ہوں کے سامنے جسے تم دیکھ نہیں سکتے کہو کہ ایک بار پھر تم مجھے اپنی منگیتر اور دلہن کے طور پر مجھے قبول کرتے ہو۔"

"ہاں!" لیو نے گمبھیر مگر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ قبول کرتا ہوں اور صرف آج کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے قبول کرتا ہوں۔"

اس کے بعد خاموشی کے وقفے میں الیشہ اٹھی۔ اپنا سسترم فرش پر پھینک دیا جس کی گھنٹیاں بج کر خاموش ہوگئیں اور الیشہ نے اپنے بازو لیو کی طرف بڑھائے۔

لیو اس کی طرف جھک گیا اور اس نے الیشہ کے ہونٹ چوم لیے ہوتے لیکن میں نے دیکھا کہ جب اس کے ہونٹ الیشہ کے ہونٹوں کے قریب پہونچے تو اس کا، لیو کا چہرہ ایک دم سے سفید ہوگیا اور جب الیشہ کے چہرے کی چھوٹ لیو کے چہرے پر پڑی اور اس کے بال سنہرے نظر آنے لگے تو میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ قد آور اور مضبوط آدمی برگ کی طرح کانپ گیا اور لگا کہ وہ گر پڑے گا۔

میرا خیال ہے کہ الیشہ نے بھی اس کی یہ حالت دیکھ لی۔ کیونکہ اس سے پہلے کہ دونوں کے ہونٹ مل جاتے الیشہ نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اور اب ایک بار پھر الیشہ کے چہرے پر خوف کا غبار چھا سا گیا۔

دوسرے ہی لمحے خوف کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ الیشہ لیو کی آغوش سے نکل کر الگ کھڑی ہوگئی۔ البتہ اس کا ہاتھ بدستور یوں پکڑے رہی جیسے اسے سہارا دیئے ہوئے ہو۔ وہ دونوں اسی طرح کھڑے رہے یہاں تک کہ لیو کی ٹانگیں اس کے قابو میں آگئیں اور اس کی قوت عود کر آئی۔

اوروس نے سسترم اٹھا کر الیشہ کے ہاتھ میں دیدیا اور اس نے اسے بلند کر کے کہا۔

"اے میرے محبوب۔ اے میرے آقا! اس جگہ بیٹھ جاؤ جو خاص تمہارے لئے تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد تم ہمیشہ میرے پہلو ہی میں بیٹھو گے۔ کیونکہ اپنے علاوہ میں

تمہیں کچھ اور بھی دوں گی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اور فی الحال میں تمہیں بتانا بھی نہیں چاہتی۔ اے ہوزیہ کے منگیتر! اپنے تخت پر رونق افروز ہو جاؤ اور اپنے کاہنوں اور پجاریوں کی عبادت قبول کرو۔"

ایک دم سے لیو چونکا اور اس نے کہا۔

"نہیں ــــ یہاں اور اسی وقت میں ایک آخری بات کہدینا چاہتا ہوں۔ میں ایک انسان ہوں اور اجنبی دیوتاؤں کے متعلق کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی میں ان کی صفتوں سے واقف ہوں، نہ خصوصیات سے اور نہ طریق عبادت سے۔ نہیں۔ نہیں۔ کوئی میرے سامنے نہ جھکے گا، کوئی مجھے سجدہ نہ کرے گا اور نہ ہی میں کسی کے سامنے جھکوں گا۔ سوائے تمہارے اے ایشہ!"

لیو کی اس دلیرانہ تقریر پر موجود کاہنوں اور کاہناؤں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، آپس میں کانا پھوسیاں کیں اور ایک آواز نے کہا۔

"اے منتخب شدہ! مادر مقدس کے غضب سے ڈر۔"

ایک بار پھر ایشہ کے بشرے سے خوف کا اظہار ہوا لیکن پھر فوراً ہی اس نے ہنس کر کہا۔

"میرے محبوب! میرے لیے یہ کافی ہے۔ میرے لیے تمہاری محبت اور تمہارے لیے کامیابی اور شادکامی!"

اب لیو مجبور تھا۔ چنانچہ وہ سیڑھیاں چڑھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ اپنی اس شان اور بلند مرتبے اور شاہانہ لباس کے باوجود وہ بے چین اور گھبرایا ہوا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی سچے مذہب کے پیرو کی حالت اس صورت حال میں یہی ہو سکتی تھی۔ اب یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت کاہنوں اور کاہناؤں نے جب بھی پوجا کی کوئی رسم ادا کرنی چاہی تو ایشہ نے کسی نہ کسی بہانے سے اسے ٹال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی

الیسی اسمعات وہ لوگ بھی بھول گئے جو بھجن گا رہے تھے اور ہم بھی مطمئن ہو گئے جو ان بھجنوں کو سن رہے تھے۔

بدقسمتی سے جو بھی بھجن گائے جا رہے تھے ان کے الفاظ ہمارے پلّے نہ پڑ رہے تھے اوّل تو اس لیے کہ وہاں آواز کچھ زیادہ ہی گونج رہی تھی اور دوم اس لیے کہ یہ بھجن کسی قدیم اور مقدس زبان میں گائے جا رہے تھے البتہ ان کا مطلب ہم نے بہت حد تک سمجھ لیا۔

یہ گیت عورتوں کی آوازیں اٹھاتیں جو ابتدا میں مدھم ہوتیں اور راگ وجد آفریں ہوتا پھر ان میں مردوں کی آوازیں شامل ہو گئیں اور یہ ملی جلی آوازیں رفتہ رفتہ بلند ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ عبادت گاہ کی فضا ان سے پُر ہو گئی اور آوازیں معبد کی چٹانی دیواروں اور چھت سے ٹکرا کر گونجنے لگیں اور معبد لرزتا محسوس ہوا اور یکایک یہ آوازیں خاموش ہو گئیں۔

اب الیشہ اٹھی اور اپنا عصا ہلایا اس پر سارے کاہن اور کاہنائیں تین دفعہ اسکے سامنے جھکے پلٹے اور ہوا کا جیسا کوئی بے حد شیریں گیت گاتے صف در صف معبد کے باہر نکل گئے۔ جب آخری پجاری بھی باہر چلا گیا تو دروازہ بند ہو گیا۔

جب وہ سب چلے گئے اور معبد میں ہمارے کاہن اوروس اور کاہنہ پاپا دے کے علاوہ کوئی نہ رہ گیا تو الیشہ، جو اب تک خاموش اور کھوئی کھوئی سی بیٹھی تھی، ایک دم سے جیسے چونکی، اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"بے حد شاندار اور قدیم نغمہ تھا۔ ہے نا؟ یہ دیوتا اوزیرس اور دیوی ایزیس کی شادی کا نغمہ تھا اور ان کی شادی کے دن مصر کے شہر باہت میں گایا گیا تھا۔ ہاں اسوقت جب میں نے کوار کے غاروں کو دیکھا تک نہ تھا۔ ہاں! میں نے دیکھا کہ اس دنیا میں کسی دوسری چیز کو اتنی پائیداری حاصل نہیں جتنی کہ گیت کو، کسی بھی گیت کو حاصل

ہے۔ یہ اور بات ہے کہ گیت کے اکثر الفاظ اس تاپائیدار اور بدلتی ہوئی دنیا میں بدل جاتے ہیں۔ ہاں یہ تو بتاؤ میرے محبوب! کہ میں تمہیں کس نام سے پکاروں تم بے شک قالی قریط ہو تاہم ......"

"ایشہ مجھے لیو کہا کرو" لیو نے جواب دیا۔ "کیونکہ اس زندگی میں جس سے میں واقف ہوں اور جس کے واقعات مجھے یاد ہیں۔ میرا یہی نام رکھا گیا ہے۔ یہ قالی قریط تو بڑا ہی بدنصیب شخص معلوم ہوتا ہے اور جو کام اس نے کیے ہیں بشرطیکہ وہ مقدمہ کا آلۂ کار نہ ہو، اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہونچا، نہ جسمانی فائدہ اور نہ روحانی اور نہ ہی ان عورتوں کا بھلا ہوا جو اس سے وابستہ تھیں۔ چنانچہ مجھے لیو کہا کرو۔ قالی قریط سے تو میں اس وقت سے عاجز آچکا ہوں جب میں نے اس کی لاش کور کے غار میں دیکھی تھی۔"

"ہاں۔ یاد ہے" ایشہ نے جواب دیا۔ "وہاں تم نے اس تنگ بستر پر خود اپنی ہی لاش پڑی دیکھی تھی اور میں نے تمہیں ماضی اور مستقبل کا ایک گیت سنایا تھا۔ ہے نا؟ مجھے اس کی صرف دو سطریں یاد ہیں دوسری میں بھول چکی ہوں۔ وہ سطور یوں تھیں۔"

عظمت کا چغہ پہنے۔ بڑھے چلو بغیر تھکے بڑھے چلو
یہاں تک کہ تقدیر کا لکھا پورا ہو
اور رات ہے کہ بڑھی چلی آرہی ہے

"ہاں میرے لیو! اب ہم نے عظمت کا چغہ پہن لیا ہے اور اب ہماری تقدیر کا لکھا پورا ہو رہا ہے اور اس کے شاید اس کے بعد رات آجائے۔" اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا، لیو کی طرف دیکھا اور ملائمت سے کہا: "دیکھو میں عربی میں تم سے گفتگو کر رہی ہوں تم بھول گئے یہ زبان؟"

"نہیں۔"

"تو پھر اسے ہی ہم اپنی زبان بنا لیتے ہیں کیونکہ مجھے اس زبان سے پیار ہے کیونکہ یہ زبان میں نے آغوشِ مادر میں سیکھی تھی۔ اچھا اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔ کیونکہ میں کچھ سوچنا چاہتی ہوں۔ اس کے علاوہ۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے اضافہ کیا اور عجیب کی آواز میں بولی "کچھ اور ہستیاں بھی ہیں جنہیں میں اذن باریابی دینا چاہتی ہوں۔"

چنانچہ ہم سب وہاں سے چلے آئے اور ہمارا خیال تھا کہ عائشہ پہاڑی قوم کے سرداروں سے ملنا چاہتی ہے جو اسے منگنی کی مبارکباد دینے آئے ہوں گے۔

اٹھارہواں باب

تیسری آزمائش

ایک گھنٹہ گزر گیا، دو گھنٹے گزر گئے اور ہم نے اپنی خوابگاہ میں بستروں میں پڑے ہونے کی کوشش کرتے رہے لیکن نیند کو نہ آنا تھا سو نہ آئی۔ کیونکہ کوئی خاص بات تھی جو ہمیں پریشان کیے ہوئے تھی۔

"عائشہ کیوں نہیں آئی؟" لیو نے جو کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا ایکدم سے رک کر پوچھا "میں پھر ایکبار۔۔۔۔ اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا حال یہ ہے کہ میں اس سے ایک لمحے کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے وہ مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔"

"اب یہ میں کیا جانوں کہ وہ کیوں نہیں آئی؟ اُوروس دروازے کے باہر موجود ہے اس سے پوچھو جا کر۔"

چنانچہ اس نے جا کر اُوروس سے پوچھا لیکن وہ مسکرا دیا اور جواب یہ دیا کہ ہوز یہ

اپنے کمرے میں نہیں گئی وہ یقیناً معبد ہی میں ہو گی۔"

"تو پھر میں اس کے پاس جا رہا ہوں چلو اوروس! چلو میرے ساتھ اور لیو تم بھی آؤ۔"

اوروس احتراماً جھک گیا اور ساتھ چلنے سے انکار کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اسے ہمارے لئے دروازے پر ہی کھڑے رہنے کا حکم ہے۔ البتہ اگر ہم مناسب سمجھیں تو معبد میں جا سکتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جن کے لیے سارے راستے کھلے ہوئے ہیں۔"

"میں مناسب ہی سمجھتا ہوں؟" لیو نے تلخی سے جواب دیا۔ "تم چل رہے ہو یا میں اکیلا ہی جاؤں؟"

میں شش و پنج میں پڑ گیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ معبد کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے تھے۔ لیکن ایشہ نے کہا تھا کہ وہ تنہائی چاہتی ہے بہرحال لیو نے اپنے شانے اچکائے اور چل دیا۔

"تم راستہ بھول جاؤ گے۔" میں نے کہا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔

ہم پر پیچ اور طویل گزرگاہوں سے، جن میں چراغ جل رہے تھے، گزرتے ہوئے گیلری میں پہونچ گئے۔ جہاں چراغ نہ تھے۔ چنانچہ ہم اندھیرے میں ٹٹولتے آگے بڑھے اور زبردست چوبی دروازے تک پہونچ گئے۔ کواڑ بند تھے لیکن لیو نے انھیں دیوانہ وار دھکیلا تو ایک کواڑ ذرا سا کھل گیا چنانچہ ہم دب دبا کر اس میں سے نکل گئے۔ دوسری طرف پہونچے تو دروازہ بند ہو گیا۔

اب ظاہر ہے کہ ہمیں معبد میں اور آتشی ستون کی خیرہ کن روشنی میں ہونا چاہیے لیکن یہ آتشی ستون بجھ گئے تھے یا پھر ہم بھٹک کر کسی اور جگہ پہونچ گئے تھے۔ وجہ کچھ بھی ہو بہرحال ہم گھپ اندھیرے میں تھے۔ ہم پلٹے اور دروازہ تلاش کرنے لگے کہ باہر نکل جائیں لیکن دروازہ نہ ملا ہم پوری طرح سے بھٹک گئے تھے۔

بات یہیں ختم نہیں ہو گئی بلکہ اس پر ستم یہ ہوا کہ ہم کسی غیبی اور پراسرار چیز کا دباؤ محسوس کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہم بولنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔ چند قدم آگے بڑھ کر ہم ٹھہر گئے کیونکہ دفعتہً ہمیں احساس ہوا کہ ہم اکیلے نہ تھے۔ مجھے تو سچ مچ یوں محسوس ہوا کہ ہم بھیڑ کے درمیان کھڑے تھے لیکن یہ بھیڑ مردوں اور عورتوں کی نہ تھی۔ کچھ وجود تھے جو ہمیں چاروں طرف سے دبا رہے تھے، ہم ان کے جسموں کا لمس محسوس کر رہے تھے۔ لیکن انھیں چھو نہ سکتے تھے۔ ان کا تنفس ہم محسوس کر رہے تھے لیکن یہ ٹھنڈا تھا۔ یہ وجود ادھر ادھر آجا رہے تھے اور ان کی اس چلت پھرت کو ہم محسوس کر رہے تھے کیونکہ ہمارے قریب سے گزرتے وقت متحرک ہو کر ہمارے جسموں سے ٹکرا جاتی تھی۔ مجھے تو یوں محسوس ہوا جیسے ہم ایسے گرجا میں کھڑے تھے جہاں ان لوگوں کی روحیں ہجوم کر آئی تھیں جنہوں نے گرجا میں عبادت کی تھی۔ ہم پر خوف طاری ہو گیا۔ مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے اور سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ہم روحوں کے کمرے میں پہونچ گئے تھے۔

آخر کار دور پر روشنی نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ یہ روشنی ان دو آتشی ستونوں کی تھی جو قربان گاہ کے دونوں طرف تھے اور جو یکایک روشن ہو گئے تھے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ہم معبد ہی میں تھے اور دروازے کے قریب ہی تھے وہ آتشی ستون پوری طرح روشن نہ تھے بلکہ مدھم مدھم سلگ رہے تھے اور ان کی روشنی بمشکل ہم تک پہونچ رہی تھی۔

ہم اب بھی اندھیرے میں تھے۔ ہمیں تو کوئی دیکھ نہ سکتا تھا لیکن اب ہم دیکھ سکتے تھے۔ سامنے ایشہ تخت پر بیٹھی ہوئی تھی اور میرے خدا! وہ مردے کی طرح خوفناک نظر آرہی تھی۔ مدھم سلگتے ہوئے سبز روشنی ستونوں کی اس پر پڑ رہی تھی اور ویسی شان، تمکنت اور تکبر سے کہ ایسا انداز کبھی کسی انسان میں تو نہیں دیکھا جا سکتا۔

قوت تھی کہ اس کے جسم سے پھوٹتی معلوم ہو رہی تھی۔ جس طرح جواہرات سے روشنی پھوٹتی ہے۔

وہ موت کی ملکہ معلوم ہوتی تھی جو مُردوں سے خراجِ عقیدت وصول کر رہی تھی یا خدا جانے زندوں سے وصول کر رہی تھی۔ بہرحال مجھے تو کچھ یوں نظر آیا کہ ایک سایہ سا اس کے تخت کے سامنے سے اٹھا اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر جھک گیا۔ پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا......

جب بھی کوئی سایہ اس کے سامنے جھکتا وہ اس کے جواب میں اپنا عصا بلند کر دیتی ہم سسترم میں لگی ہوئی گھنٹیوں کی ٹنٹناہٹ سن سکتے تھے۔ اس پورے کمرے میں یہی ایک آواز تھی جو سنائی دے رہی تھی اور ہاں ہم عائشہ کے ہونٹ ہلتے دیکھ سکتے تھے حالانکہ کوئی آواز ہم سُن نہ رہے تھے۔ یقیناً یہ روحیں تھیں جو اس کی پوجا کر رہی تھیں۔

میں نے اور لیو نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور خوف سے پیچھے ہٹے یہاں تک کہ دروازے تک پہونچ گئے ذرا سا ڈھکیلنے پر کواڑ کھل گئے اور اب ہم گزرگاہوں میں سے گزر رہے تھے۔ اور اب ہم اپنے کمرے تک پہونچ چکے تھے۔

یہاں اُوروس اس طرح کھڑا تھا جس طرح ہم اسے چھوڑ گئے تھے اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور ہمارے بستروں سے عیاں انتہائی خوف کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ ہم اس کے قریب سے نکلے چلے گئے اور کمرے میں داخل ہو کر ایک دوسرے کی طرف پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔

"وہ عائشہ کون ہے ہوریس؟" لیو نے تیز تیز سانسوں کے درمیان کہا۔ "فرشتہ۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "ایسا ہی کوئی ہستی ہے۔"

لیکن دل میں سوچا کہ فرشتے ایک نہیں بلکہ بہت سی قسموں کے ہیں۔

"اور وہ۔ وہ۔ سائے۔ وہ کیا کر رہے تھے؟" لیو نے پھر پوچھا۔

"میں سمجھتا ہوں الیشہ کی جو کایا کلپ ہوئی ہے اس پر اسے مبارکباد دے رہے تھے لیکن وہ شاید سائے نہ تھے بلکہ کاہن تھے جو بھیس بدل کر کوئی رسم ادا کر رہے تھے۔"

لیو نے شانے اچکائے اور کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا اور اوروس کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ ہوزیہ نے ہمیں اپنے کمرے میں طلب کیا ہے۔

ہم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اب تک کے تمام واقعات اور مناظر سے خوفناک تھا چنانچہ جب ہم ہوزیہ کے کمرے کی طرف چلے ہیں تو مجھے اعتراف ہے ہم سہمے ہوئے اور خوفزدہ تھے۔ وہاں پہونچے تو الیشہ کو بیٹھے ہوئے اور عدد سے تھکی ہوئی پایا۔ اس کے علاوہ اس میں اور کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ کاہنہ پاپادے بھی موجود تھی۔ جس نے ابھی ابھی الیشہ کا وہ سرخ چغہ اتار کر الگ رکھا تھا جو وہ معبد میں پہنے ہوئے تھی۔

الیشہ نے لیو کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ اس کے قریب پہونچا تو الیشہ نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مضطرب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت ان دونوں کو تنہا چھوڑ دینا مناسب ہوگا۔ چنانچہ میں جانے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ الیشہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں ہالی! ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ کیا ایکبار پھر معبد میں جانے کا ارادہ ہے؟" اور وہ بڑی معنی خیزی سے مسکرائی "کیا مادرِ مقدس سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں؟ کہتے ہیں وہ بولتی بھی ہے۔ لیکن صرف ان لوگوں سے جو اسکے سامنے

تن تنہا شام سے صبح تک دو زانو بیٹھنے کی جرأت کریں میں نے بارہا ایسا کیا ہے لیکن وہ مجھ سے کبھی نہیں بولی۔ حالانکہ میں مستقبل معلوم کرنے کے لیے سب سے زیادہ بے قرار ہوں۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مجھ سے کسی قسم کا جواب چاہتی بھی نہ تھی کیونکہ اس نے فوراً کہا۔

"نہیں ہالی! یہیں ٹھہرو اور الٹے سیدھے خیالات کو جھٹک دو۔ پہلے کی طرح آج ہم تینوں کھانا کھائیں گے اور گھڑی بھر کے لیے اپنے تفکرات اور خوف بھول جائیں گے اور ان بچوں کی طرح ہو جائیں گے جو نہیں جانتے کہ گناہ کیا ہے اور ثواب کیا ہے اور اس تبدیلی کو بھی بھول جائیں گے جسے موت کہتے ہیں اور سنو! تم باہر ٹھہرو جب تک کہ میرا آقا واپس نہیں آتا۔ پاپادے! میں اپنا لباس اتروانے کے لیے بعد میں بلوالوں گی۔ تب تک تم ہمیں تنہا چھوڑ دو اور خبردار جب تک میں نہ بلاؤں کوئی نہ آئے۔"

یہ کمرہ جس میں ایشہ رہتی تھی، بہت بڑا نہ تھا چھت سے چراغ لٹک رہے تھے جنھوں نے اسے روشن کر رکھا تھا۔ یہ سادہ لیکن قیمتی سامان سے سجا ہوا تھا۔ چٹانی دیواروں پر پردے لٹک رہے تھے اور میزوں اور کرسیوں میں چاندی کا کام تھا۔ جو چیز اس کمرے کو عورت کی قیام گاہ ثابت کر رہی تھی۔ وہ گلدستے تھے۔ ایک گملے میں سیوتی کے پودے تھے جن کے پھول مجھے بے حد پسند ہیں۔

"یہ قیام گاہ کچھ اچھی تو نہیں"، ایشہ نے کہا۔ "لیکن اس سے بہتر ہے جہاں میں دو ہزار سال تک رہی اور لیو! تمہاری واپسی کا انتظار کرتی رہی یہاں کم سے کم باغ تو ہے جہاں جا کر میں بیٹھا کرتی ہوں۔"

اور وہ میز کے سامنے ایک کاؤچ پر بیٹھ گئی اور ہمیں اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔

کھانا پر تکلف نہ تھا ہمارے لیے اُبلے ہوئے انڈے اور ہرن کا گوشت اور اس کے لیے اور کسی قسم کے آٹے کے پھلکے اور پھل۔

چند ثانیوں بعد ہی لیو اٹھا اور اپنا شاہانہ لبادہ جو اس نے پہن رکھا تھا، اتار کر ایک کرسی پر پھینک دیا اور ساتھ ہی دیوی ایزلیس کا وہ آنکس بھی جو اوروس نے اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ عائشہ نے مسکرا کر لیو کی طرف دیکھا اور کہا۔

"معلوم ہوتا ہے ان مقدس علامتوں کا تمہارے دل میں کوئی احترام نہیں ہے۔"

"اگر ہے تو نہ ہونے کے برابر" وہ بولا۔ "وہاں معبد میں میں نے جو کہا وہ تم سن ہی چکی ہو عائشہ! چنانچہ مناسب ہوگا کہ ہم آپس میں ایک سمجھوتہ کر لیں تمہارا مذہب تو میں سمجھ نہیں سکتا لیکن اپنا مذہب سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں کسی کی خاطر، حتیٰ کہ تمہاری خاطر بھی کفر کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔"

اب میں اس خیال سے لرز گیا کہ لیو کی اس صاف گوئی پر عائشہ غضبناک ہو جائے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ اس نے صرف سر جھکا لیا اور دبی زبان سے کہا۔

"تمہاری مرضی میری مرضی اور تمہاری خوشی میری خوشی ہے لیو! حالانکہ ہر مذہبی رسم میں تمہاری غیر موجودگی کا جواز لوگوں کو سمجھانا میرے لیے بہت مشکل ہوگا۔ بہر حال اپنے مذہب پر قائم رہنے کا تمہیں پورا پورا حق حاصل ہے جو یقیناً میرا مذہب بھی ہے۔"

"وہ کیسے؟" لیو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ اس طرح کہ تمام بڑے مذاہب ایک ہی ہیں۔ البتہ زمانے اور لوگوں کے

پیش نظر ان میں وقتاً فوقتاً سطحی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مصر قدیم کا مذہب جس کی جڑیں یہاں تک پہونچی ہیں جس پر ہم ایک حد تک قائم ہیں۔ کیا سکھاتا ہے کہ لاکھوں صورتوں میں آشکارا اور ان سب سے بالا ایک ابدی اور عظیم قوت ہے جو کل کائنات کی حکمراں ہے اور یہ کہ نیک لوگ ابدی اور خوشگوار زندگی حاصل کریں گے اور گنہگار ابدی اور بری موت اور یہ کہ انسانوں کے بھلے برے کا انصاف کیا جائے گا اور اس کا پھل انھیں ملے گا اور یہ کہ ان کا اصلی گھر یہ دنیا نہیں ہے بلکہ دوسری دنیا ہے جہاں تمام معموں کے حل مل جائیں گے اور جہاں غم اور دکھ نہ ہوں گے۔ کہو لیو! تمہارا بھی یہی عقیدہ ہے نا؟"

"ہاں الیشہ! لیکن ہوز یہ یا ایزیس تمہاری دیوی ہے کیونکہ خود تم نے ماضی بعید میں اس دیوی سے اپنے تعلقات کی داستان ہمیں سنائی ہے۔ اس کے علاوہ ہم تمہیں اس سے دعا مانگتے سن چکے ہیں تو پھر یہ دیوی ہوز یہ کیا ہے۔"

"یہ دیوی وہی ہے جو میں نے کہا تھا، یعنی قدرت، دنیا کی خفیہ روح، وہی عالمی مادر جس کا بت تم معبد میں دیکھ چکے ہو اور جس کے اسرار میں دنیا کی تمام زندگیاں اور سارے علم پنہاں ہیں۔"

"تو پھر کیا یہ مادر مقدس اپنے پرستاروں سے انتقام لیتی اور ان پر مصائب اور موت نازل کرتی ہے۔ جیسا کہ خود تمہارے کہنے کے مطابق اس نے حکم عدولی کا انتقام تم سے مجھ سے اور ایک شہری ہستی سے لیا تھا کیونکہ ہم نے ایک عہد کسی گذرے ہوئے دور میں توڑ دیا تھا۔"

عیشہ پھر ہنسی ٹکا کر ائشہ نے اداس نظروں سے لیو کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تمہارے مذہب میں جس کا ذکر تم نے کیا ہے، کیا دو خدا ہیں۔ جن میں سے ہر دیک کے بہت سے کارندے ہیں اور ان میں سے ایک بھلائی کا خدا ہے

اور دوسرا برائی کا جیسے کہ اوینیرس اور سیب ہیں؟"

لیو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرا خیال غلط نہ تھا، اب برائی کا بدی کا دیوتا زیادہ طاقتور ہے اور چاہے صورت اختیار کر سکتا ہے حتیٰ کہ نیکی کے دیوتا کی بھی۔ ہے نا؟ اب یہ بتاؤ لیو کہ آج کے زمانے میں، جس کا علم مجھے کچھ زیادہ نہیں ہے، ایسے بد عقیدہ لوگ بھی ہیں، جو دنیوی دولت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنی روح کو بدی کے اس دیوتا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور اس کے عوض عبرتناک عذاب پاتے ہیں۔"

"سارے ہی بڑے اور شیطان لوگ ایک یا دوسری طرح سے ایسا ہی کرتے ہیں۔"

"اب اگر کوئی عورت ایسی ہو جسے بے پناہ حسن کی طلب ہو، جو حیات دوام اور زبردست قوتیں حاصل کرنے کی آرزومند ہو اور جو محبت کرنا چاہتی ہو تو کیا وہ..."

"اپنے آپ کو ست یا کسی کارندے کے ہاتھ نہ بیچ دے گی؟ میرے خدایا! ایشہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ....." لیو ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی آواز خوف سے بھری ہوئی تھی۔ "تم ــــ تم ــــ ایسی ہی عورت ہو؟"

"اور اگر میں ہی ہوں تو؟" ایشہ اٹھ کر لیو کے قریب جا کھڑی ہوئی "تو پھر مناسب ہوگا کہ ہم الگ ہو جائیں اور جو کچھ قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔"

"آہ!" ایشہ نے تکلیف کی ایک چیخ کے ساتھ کہا: "تو کیا تم اطیمنہ کے پاس چلے جاؤ گے؟ یہ سن لو لیو کہ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں زبردست قوتوں کی مالک ہوں اور میری قوتوں سے سب سے زیادہ تم واقف ہو۔ کیونکہ ایک دفعہ میں تمہیں قتل کر چکی ہوں۔ لیکن یہ باتیں تمہیں یاد نہیں ہوں گی۔ کیونکہ تم ایک حقیر انسان ہو۔ لیکن مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ نہیں۔ میں دوبارہ تمہیں مار کر اپنے پاس نہ

رکھوں گی۔ بلکہ تمہیں زندہ اپنے پاس رکھوں گی۔ دیکھو لیو! میرا حسن دیکھو" اور وہ لیو کی طرف جھک گئی اور اسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر "اب اگر تم مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہو تو جاؤ، لیکن تم میرے قریب آ رہے ہو۔ یہ طریقہ تو بھاگنے کا نہیں"۔

"نہیں! میں ان معمول اور ہیچ طریقوں سے تمہیں نہ روکوں گی۔ جاؤ لیو اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو جاؤ۔ جاؤ میرے محبوب اور مجھے میری تنہائی اور گناہ کے سپرد کر جاؤ۔ جاؤ۔ اسی وقت جاؤ۔ اطینہ تمہیں موسم بہار تک پناہ دے گی اس کے بعد پہاڑ کا راستہ کھل جاتا ہے اور تم اپنی دنیا میں واپس جا سکو گے جہاں معمولی سی سطحی مسرتیں حاصل کر سکو گے۔ تو میں اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتی ہوں تاکہ میرے حسن کا سحر تم پر نہ چلنے پائے۔"

اور اس نے اپنے چغے کا کونا اپنے منہ پر کھینچ لیا اور یکایک پوچھا۔

"جب میں نے کہا کہ مجھے تنہا چھوڑ دو تو اس کے بعد تم ہالی کے ساتھ معبد میں کیوں آئے تھے۔ میں نے تم دونوں کو دروازے میں کھڑے دیکھا تھا۔"

"ہاں ہم تمہیں تلاش کرتے آئے تھے۔" لیو نے جواب دیا۔

"اور وہ دیکھا جس کی توقع نہ تھی۔ ضرورت سے زیادہ ہمت کرنے والوں کے لیے ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہر حال میں خود چاہتی تھی کہ تم آکر یہ تماشہ دیکھو چنانچہ میں نے ہی تمہیں بلایا اور اس جگہ محفوظ رکھا جہاں کوئی دوسرا ہوتا تو مر جاتا۔"

"تم وہاں تخت پر بیٹھی کیا کر رہی تھیں اور وہ سائے کون تھے، جو ہم نے دیکھا کہ تمہارے سامنے جھک رہے تھے؟" لیو نے سرد آواز میں پوچھا۔

"لیو میں نے بہت سے روپوں میں اور بہت سے خطوں میں حکومت کی ہے شاید وہ میرے قدیم ساتھی اور خدمتگار تھے جو ایک بار پھر مجھ سے ملنے اور میری خبر معلوم کرنے آئے تھے یا شاید وہ ہیولے تھے جنہیں تمہارے تصور نے پیدا کر دیا تھا، ویسے ہی جیسے کہ

تم نے آتشی چادر پر دیکھے تھے، جنہیں میں نے تمہاری بے خوفی اور قوت آزمانے کیلئے طلب کیا ہو۔

"لیو ونسی! اب سُنو کہ حقیقت کیا ہے۔ سُنو سب کچھ خواب و خیال ہے۔ حتیٰ کہ ماضی اور مستقبل کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جان لو کہ میں، الیشہ بھی ایک واہمہ ہوں۔ بدصورت ہوں اگر مجھے بدصورت دیکھتے ہو، خوبصورت ہوں اگر تم مجھے اس طرح دیکھتے ہو، ایک روحانی بلبلہ ہوں جس میں تمہاری روشن مسکراہٹ سے بہت سے رنگ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تم غصّہ ہوتے ہو تو اس کی تند ہوا میں یہی بلبلہ پھوٹ جاتا ہے۔ معدوم ہو جاتا ہے۔ اس تخت نشیں ملکہ کا تصوّر کرو جس کے سامنے پراسرار سائے سجدے کرتے تھے کیونکہ وہ میں ہوں، اس سوکھی ماری، بوڑھی اور گھناؤنی ہستی کا تصوّر کرو جسے تم نے وہاں کوہ کی چٹان پر برہنہ دیکھا تھا اور پیچھے ہٹ گئے تھے، کیونکہ وہ بھی میں ہوں۔ اب دیکھو کہ میں حسین اور جوان ہوں اور یہ جانتے ہوئے بھی مجھ سے پیار کرو کہ ساری برائیاں مجھ میں جمع ہیں کیونکہ یہ میں ہوں لیو میں نے تم پر حقیقت ظاہر کر دی ہے۔ اب تم چاہو تو مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو اور مجھ سے خفا ہو جاؤ یا پھر مجھے اپنے سینے سے لگا لو اور میرے ہونٹوں اور میری محبت کے عوض میرے گناہ اپنے سر لے لو۔ نہیں ہالی! تم خاموش رہو کیونکہ یہ آخری اور قطعی فیصلہ تنہا لیو کو کرنا ہے!!"

لیو پلٹا۔ میرا خیال تھا کہ وہ باہر نکل جائے گا لیکن نہیں وہ کمرے میں ٹہلنے لگا پھر وہ واپس آیا جہاں الیشہ کھڑی تھی اور پھر بے حد پرسکون آواز میں سنجیدگی سے بولنا شروع کیا۔ جیسا کہ ایسے مزاج کے لوگ سخت آزمائش کے وقت بولتے ہیں۔ "الیشہ!" اس نے کہا "تم خود جانتی ہو کہ جب میں نے اس حالت میں دیکھا تھا کہ تم بوڑھی اور گھناؤنی تھیں تو اس وقت میں نے تمہیں قبول کیا تھا۔ اب جبکہ

تم نے شیطان سے یا بدی کے دیوتا سے اپنے ناپاک معاہدے کا حال مجھے بتا دیا ہے اور خود میں نے تمہیں روحوں پر، جو پتہ نہیں اچھی روحیں تھیں یا بُری، حکومت کرتے دیکھا ہے اس کے بعد بھی میں تمہیں قبول کرتا ہوں۔ تمہارا گناہ جو بڑا ہو یا چھوٹا، اب میرا بھی گناہ ہے۔ میں اس میں برابر کا شریک ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس گناہ کا بار اپنی روح پر محسوس کر رہا ہوں جو اسے دبا رہا ہے اور میرے وجود کا ایک ضروری جزو بن رہا ہے۔ میں مستقبل میں جھانک نہیں سکتا، پیشین گوئی نہیں کر سکتا۔ تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس کی سزا سے میں بچ نہ سکوں گا میں بے گناہ اور معصوم نہیں لیکن تمہاری خاطر اس گناہ کے بار کو برداشت کرتا ہوں اور کروں گا۔ یہ ہے میرا آخری اور قطعی فیصلہ اور میں اپنے اس فیصلے سے مطمئن ہوں۔"

ایشہ نے سنا۔ عبا کا کونا اس کے سر پر سے کھسک گیا اور ایک لمحے تک وہ حیرت سے بت بنی کھڑی رہی اور پھر ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ لیو کے سامنے گھٹنوں پر گری اور اس کا دامن پکڑ کر جھکی یہاں تک کہ اس کا ماتھا زمین سے لگ گیا۔ جہاں اس مغرور ہستی جو فانی انسان سے بالاتر تھی اور جس کے سامنے روحوں یا بھوتوں نے سجدے کیے تھے۔ ایک فانی انسان کے سامنے جھک گئی تھی۔ ہاں اسکے قدموں میں پڑی تھی۔

ایشہ کی یہ قابل رحم حالت دیکھ کر لیو خوفزدہ ہو گیا اور نہایت ہی بدحواسی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر جھک کر اسے اُٹھایا اور روتی ہوئی ایشہ کو لے جا کر کاؤچ پر بٹھا دیا "تم نہیں جانتے یہ تم نے کیا کر دیا ہے"، آخر کار ایشہ نے کہا۔ "لیو جو کچھ تم نے پہاڑ کی چوٹی پر اور معبد میں دیکھا تھا اسے ایک خواب پریشاں سمجھو، ایک غضبناک دیوی کا افسانہ۔ البتہ یہ سچ ہے کہ صدیوں پہلے میں نے تمہاری خاطر گناہ کیا تھا، تمہارے خلاف اور ایک دوسری ہستی کے خلاف جرم کیا تھا۔ صدیوں پہلے میں نے غیر محدود حسن اور تصور میں نہ آنے والی طویل زندگی طلب کی تھی اور حاصل کی تھی تاکہ میں تمہیں اس قیمت پر۔

حاصل کر سکوں جسے ادا کرنے کی شاید ہی کوئی جرأت کر سکے۔ یہ ایک قرض تھا جو میں نے لیا تھا اور تنہائی تضحیک اور انتہائی کرب کی، جسے کوئی برداشت نہیں کر سکتا، اس صورت میں اس کا سودا کیا۔ یہاں تک کہ قرض سے سبکدوش ہونے اور مطمئن ہونے کا وقت آ پہونچا۔

"ہاں لیکن کس طرح۔ یہ میں نہ بتاؤں گی۔ تم تنہا تم میرے اور اس اکتاد دینے والے قرض کے درمیان حائل تھے۔ یہ جان لو لیو کہ دیوی نے ہم پر انتہا رحم کیا ہے کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی نجات کا ذریعہ بنا لیا ہے۔"

یہاں لیو کچھ کہنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اس کے ہونٹ کھلے ہی تھے کہ ایشہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

"سنو! میرے پاس آتے وقت تمہیں تین زبردست خطرات سے گزرنا پڑا جو تم کو کٹے، پہاڑ اور بلند چوٹی۔ جان لو کہ یہ تین مخطرات دراصل تین آزمائشیں تھیں اور ان آخری تین آزمائشوں کی علامتیں یا پیش خیمہ تھیں جن سے تمہاری روح کو سابقہ پڑا۔ اطینہ کے تیز و تند جذبات حسن کا نتیجہ ہم دونوں کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا لیکن تم نے اس پر فتح پائی۔ تم نے صحرا کی تنہائی اور برفانی چوٹیوں پر کے فاقے برداشت کیے اور اس راحت کی آرزو میں جو تمہیں کبھی نہ ملی اور جب تمہارے چاروں طرف ایولانس گر رہا تھا تو اس وقت بھی تم اپنی دعا اور ہمت میں ثابت قدم رہے بالکل اسی طرح جبکہ تم آتشی کھڈ کے کنارے پہ ثابت قدم رہے۔ جب برسوں کی ناامیدی اور تلخیاں تمہاری امیدوں پر پانی پھیر چکی تھیں۔ جب تم برفانی ڈھلانوں پر سے نیچے اترے ہو تو نہ جانتے تھے کہ نیچے تمہیں کیا ملے گا۔ اسی طرح اب تم یہ جانے بغیر کہ نیچے کیا ہے تم میری محبت کے خاطر مر کے بل ایک کھڈ میں کود پڑے ہو جو ہزار گنا زیادہ گہرا اور خوفناک ہے تا کہ اس کے مصائب کو میرے ساتھ برداشت کرو۔ اب کچھ سمجھے لیو!"

"پوری طرح سے تو نہیں۔ البتہ کچھ کچھ سمجھا ہوں۔" لیو نے آہستہ سے جواب دیا۔

"لیو تمہاری آنکھوں پر دوہری نقاب پڑی ہوئی ہے کہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔"

ایشہ نے بے قراری سے کہا۔ "اچھا پھر سنو۔"

"کل تم نے مجھے گھناؤنے روپ میں دیکھا تھا اور اگر اس وقت تم فطری تقاضے سے مجبور ہو کر مجھے قبول نہ کرتے تو شاید مجھے اسی بھولے ہوئے مذہب کی کاہنہ بن کر اور اسی گھناؤنے روپ میں مدت مدید تک یہیں رہنا پڑتا۔ یہ پہلا لالچ تھا اور آزمائش تھی۔ کیونکہ پہلی آزمائش تو خود اطینہ اور اس کی خوبصورتی تھی لیکن تم وفادار ثابت ہوئے اور تمہاری اس وفاداری اور لافانی محبت نے میرا حسن اور میری جوانی لوٹا دی۔

"اب اگر آج رات تم مجھے قبول نہ کرتے جبکہ میں نے ایک غیبی حکم پر عمل کرتے ہوئے تمہیں معبد میں وہ منظر دکھایا اور اپنے گناہ کا صاف لفظوں میں اقرار کیا تو میں بے سہارا اور تنہا مایوس اور دیوی قوتوں کے بغیر تنہائی کے اندھیرے اور اداسی کے غار میں زندگی گزارتی یہ تیسری مقررشدہ آزمائش تھی۔ تمہاری روح کی آزمائش لیو! اور تم اس میں ثابت قدم رہے اور قسمت کے شکنجے میں سے مجھے چھڑا لیا۔ اب تمہاری وجہ سے مجھے نیا جسم ملا ہے اور میں بخشی گئی ہوں اور تمہاری وجہ سے یہ امید بندھی ہے کہ کسی دوسری زندگی میں مجھے راحت اور سکون میسر آئے گا جس میں تم بھی برابر کے شریک ہو گے اس کے باوجود اگر ـــــ تمہیں عذاب برداشت کرنا پڑے، جیسا کہ ممکن ہے، تو؟ ...."

"تو میں برداشت کر لوں گا۔ چنانچہ یہ تمہ ہے اور بس۔" لیو نے جلدی سے اور فیصلہ کن آواز میں کہا۔ "چند باتوں کے علاوہ میرا ذہن صاف ہے اور میں مطمئن ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ہم سب کے لیے آخر کار انصاف ہے اور میں مطمئن ہوں۔

اگر میں نے کوئی خطرہ مول لے کر اپنے سر پر کسی گناہ کا بوجھ لے کر تمہیں اس بندھن سے چھڑا دیا ہے جس میں تم بندھی ہوئی تھیں تو پھر میری زندگی کا مقصد پورا ہوا اور اگر میں مر گیا تو میری موت بھی بے مقصد نہ ہو گی چنانچہ مناسب ہو گا کہ ہم اس بحث کو یہیں ختم کر دیں۔ لیکن ٹھہرو ایشہ پہلے ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھو۔"

"وہاں چوٹی پر تمہاری کایا کلپ کیسے ہو گئی؟"

"لیو میں آگ میں ہی تم سے رخصت ہوئی تھی اور آگ میں سے ہی تمہارے پاس واپس آ گئی یا شاید کایا کلپ تم سب کی نظروں میں ہوئی جو دیکھ رہے تھے اور مجھ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میں جواب دے چکی اس سے زیادہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"لیکن ایک بات ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"کون سی؟"

"آج رات ہماری منگنی ہو گئی ہے۔ چنانچہ اب شادی کب ہو گی؟"

"ابھی نہیں، ابھی نہیں۔" ایشہ نے جلدی سے جواب دیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "لیو اس خیال کو فی الحال اپنے دل سے نکال دو اور چند مہینوں تک بلکہ شاید ایک سال تک میرے دوست اور عاشق کا کردار ادا کرتے رہو۔"

"ایسا کیوں؟" لیو نے ناامیدی سے کہا۔ "ایشہ! یہ کردار تو میں برسوں سے ادا کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے میں تمہاری طرح جوان نہیں بلکہ بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں اور زندگی گزرتی جاتی ہے اور کبھی اس کا خاتمہ مجھے قریب نظر آتا ہے۔"

"بدشگونی کی بات منہ سے نہ نکالو۔" ایشہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور خوف

سے پیدا شدہ غصے کے عالم میں زمین پر پاؤں مار کر کہا۔ "اس کے باوجود تم سچ کہتے ہو تم وقت کی زیادتیوں اور گردشوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔ ہائے یہ خیال کس قدر لرزہ خیز ہے کہ تم مر جاؤ گے اور پھر مجھے تنہا چھوڑ جاؤ گے۔"

"اگر ایسا ہی ہے ایشہ تو تم اپنی زندگی کا کچھ حصہ مجھے دیدو۔"

"تم حصے کو کہتے ہو لیکن میں اپنی ساری زندگی تمہیں دیدوں بشرطیکہ تم مجھے اس کے عوض اپنی موت دے سکو۔" ایشہ نے بے تابی سے کہا۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولی۔

"اے فانی انسان! تم اپنی دیوتاؤں سے درازئ عمر کی دعائیں مانگا کرتے ہو ان کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہو، حالانکہ نہیں جانتے کہ اس طرح تم وہ بیج بوتے ہو جس سے مصائب کے ہزاروں پودے پھوٹتے ہیں اور پھر تناور درخت بنتے ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ یہ دنیا ایک وسیع و عریض زندان ہے۔ جس کی کوٹھریوں میں روح عارضی طور پر قیام کرتی ہے اور پھر تھک کر اکتا کر اور گھبرا کر روتی ہوئی اس راہ کی طرف بھاگ جاتی ہے جو اس زندان کی صعوبتوں کے عوض اس نے حاصل کی ہے۔

"اب ذرا سوچو کہ اس زندان میں غیر محدود زمانے تک رہنا، اور وہ بھی انسان بن کر رہنا کس قدر اذیت ناک ہو سکتا ہے۔ روح بوڑھی ہوتی جاتی ہے ہمارے پیارے اور چاہنے والے ہماری آنکھوں کے سامنے رخصت ہو کر اس دنیا میں پہونچ جاتے ہیں جہاں ہم نہیں جا سکتے۔ ہم انتظار کرتے ہیں اور صدیوں کی لعنت، صدیوں کا زہر قطرہ قطرہ ہمارے فنا نہ ہونے والے وجود پر ٹپکتا ہے۔ اس پانی کی طرح جو قطرہ قطرہ اس ہیرے پر ٹپکتا ہے جسے وہ گھس نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ ہمارے پیارے پھر جنم لیتے ہیں اور پھر ہماری نظروں کے سامنے

رخصت ہو جاتے ہیں۔"

"ذرا خیال کرو کہ جب ہمارے تمام گناہ، ہماری للچائی ہوئی نظریں، ہمارے تلخ الفاظ جنہوں نے کسی کا دل دکھایا ہے اور ایسے بیجا دوسری گناہ اور دوسری لغزشیں ہزار گنا بڑھ چڑھ کر ہمارے سامنے مسلسل آتی رہیں تو پھر کیا حال ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے قدرت کا قلم اپنا نہ ختم ہونے والا حساب لکھتا رہتا ہے اور انصاف کی آواز ہمارے ضمیر کے آسیب زدہ ویرانے میں چیخ چیخ کر کہتی ہے کہ ــــ "دیکھ اے نہ مرنے والی گنہگار روح! دیکھ یہ ہے وہ فصل جس کے بیج تو نے اپنے ناپاک ہاتھ سے بوئے تھے۔ کاٹ یہ فصل کہ نجات کا دروازہ تیرے لیے بند ہو چکا۔"

"غور کرو کہ دنیوی قوتوں اور علم کا حاصل کرنا کیا معنی رکھتا ہے جبکہ روح اس سے زیادہ بڑی آرزو کو پورا کرنے کی طلب میں بے قرار رہتی ہے، تڑپتی ہے لیکن اسے حاصل نہیں کر سکتی۔ سوچو کہ دنیا کی ساری دولت اور فوق الفطرت قوتیں ہمیں مل جاتی ہیں لیکن پھر ان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ بے پناہ شہرت ہمیں ملتی ہے لیکن پھر ہم اس سے اکتا جاتے ہیں اور جھنجلا کر اسے پیروں تلے روند دیتے ہیں۔ ہمیں ایسا کرنا پڑتا ہے۔ عشرت کا پیالہ تو مل جاتا ہے لیکن آگے چل کر یہی زہر بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے جس طویل زندگی کی آرزو کی تھی، جو ہم نے گڑگڑا کر حاصل کی تھی، ہم اس سے بھی اکتا جاتے ہیں اور ایکبار پھر گڑگڑاتے ہیں کہ اب یہ زندگی واپس لے لی جائے کہ ہم اپنی قبر میں سکون کی نیند سو سکیں۔

"یہ ہے وہ زندگی جس کی تم آرزو کر رہے ہو لیو بتاؤ اب بھی تم یہ زندگی چاہتے ہو؟"

"ہاں بشرطیکہ وہ تمہارے ساتھ گزرے۔" لیو نے جواب دیا۔ "یہ عذاب تنہائی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم دونوں کا ساتھ ہو تو ہم اسے مسرتوں میں بدل سکتے ہیں۔"

"ہاں بشرطیکہ ہمیں اس کی اجازت ہو۔ بہت اچھا لیو! ایسا ہی ہو گا موسم بہار میں

جب برف پگھل جائے گی تو ہم دونوں لیبیا جائیں گے اور وہاں تم اس آتش حیات میں غسل کرو گے۔ وہی آتشی حیات جس میں غسل کرنے سے ایک دفعہ تم جھجکے تھے اس کے بعد میں تم سے شادی کروں گی۔"

"عائشہ! وہ جگہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔"

"میرے اور تمہارے لیے نہیں۔" عائشہ نے جواب دیا۔ "فکر نہ کرو میرے محبوب! اس کی راہ میں اگر یہ پہاڑ بھی حائل ہو جائے تو میں اپنی نظروں سے اس میں راہ بنا لوں گی اور اس کے اسرار کھول دوں گی۔ کاش تم بھی میری طرح ہوتے تو پھر میں کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے، لڑھکتے ہوئے، آتشی ستون کو تمہارے قریب سے گزار دیتی اور تم اس کی تاثیر سے واقف ہو کر اس سے فائدہ اٹھا لیتے۔

"لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ بھوک اور سردی کی تکلیف تم محسوس کر سکتے ہو۔ پانی تمہیں غرق کر سکتا ہے، تلوار تمہیں قتل کر سکتی ہے یا بیماری تمہاری قوت چوس سکتی ہے۔ اگر اطینہ میری حکم عدولی نہ کرتی ــــــ لیکن ایسا مقدر ہو چکا تھا۔ تو آج ہم پہاڑوں کے اس پار ہوتے یا شمالی صحراؤں اور دریاؤں کو عبور کر چکے ہوتے یا کر رہے ہوتے لیکن اب ہمیں برف پگھلنے کا انتظار کرنا ہے۔ کیونکہ موسم سرما قریب ہے! اور جیسا کہ تم جانتے ہی ہو کہ اس موسم میں کوئی بھی ان پہاڑوں پر زندہ نہیں رہ سکتا۔

"میرے خدا! اپریل کو ابھی آٹھ مہینے باقی ہیں۔ یہی عرصہ بذاتِ خود کافی طویل ہے اور پھر پہاڑوں، اس کے بعد کے طویل فاصلوں اور کوہ کی دلدلوں کو عبور کرنے میں کتنا عرصہ لگ جائے گا؟ عائشہ! کم سے کم دو برس میں ہم وہاں پہونچ پائیں گے۔"

لیکن عائشہ نے انکار کر دیا اور صاف صاف کہدیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا لیکن لیو برابر ضد کرتا رہا۔ چنانچہ وہ اس کی ضد سے عاجز آ کر یا شاید اس خوف سے کہ

کہیں خود اس کا دل پگھل نہ جائے وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ہمیں رخصت کر دیا۔

"میرے ہالی!" جب ہم جانے لگے تو عائشہ نے کہا۔ "میں نے تم سے اور اپنے آپ سے بھی وعدہ کیا تھا کہ ہم چند گھنٹے ایک ساتھ آرام کریں گے۔ دیکھو میرا یہ وعدہ کس طرح پورا کیا ہے۔ مصر قدیم کے لوگ جب کھانے بیٹھتے تھے تو انکے ساتھ ایک بالوں والا پنجرہ بھی میٹھا نظر آتا تھا۔ لیکن آج رات میرے ساتھ چار پنجر تھے جنہیں تم بھی دیکھ سکتے تھے۔ یہ چار پنجر ہیں۔ خوف، امید و بیم، ناامیدی اور ناکامئ عشق۔ یہ چار مردے اگر دفن ہو چکے تو اب ان کی جگہ دوسرے ہمیں پریشان کرنے آجائیں گے اور ہمارے منہ کے لقمے جھپٹ لیں گے۔"

"میرے ساتھ شروع سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ بدقسمتی میرے جلو میں چلتی ہے۔ تاہم میں ناامید نہیں ہوں۔ بہت سی رکاوٹیں پیچھے چھوٹ گئی ہیں اور لیو تم ان تین آزمائشوں میں، جو مقدر ہو چکی تھیں، کامیاب رہے ہو۔ میرے محبوب! جاؤ تم سکون کی نیند سوؤ اور تمہیں خوشگوار خواب نظر آئیں۔ کیونکہ میرے پیارے، میری روح ان خوابوں میں ہو گی۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ کل ہمارے غم ختم ہو جائیں گے اور ہم خوش ہوں گے۔"

"وہ مجھ سے فوراً شادی کیوں نہیں کر لیتی۔" جب ہم اپنے کمرے میں اکیلے تھے تو لیو نے پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ خائف ہے۔" میں نے جواب دیا۔

انیسواں باب

لیو اور چیتا

اس یادگار دن کے بعد ہفتوں میں بار بار سوچتا رہا کہ دنیا میں اس عورت سے زیادہ بدنصیب کوئی دوسری عورت بھی ہو سکتی ہے جس کا نام ہو زیبا یا ایشہ تھا۔ کیا واقعی یہ حقیقت تھی کہ ایک دم سے اس کی کایا کلپ ہو گئی اور وہ بوڑھی اور گھناؤنی عورت سے دیکھتے ہی دیکھتے جوان اور حسین ترین عورت بن گئی تھی کیا واقعی حقیقت میں ایسا ہوا تھا؟

بہر حال چند باتیں تو یقینی تھیں۔

ایشہ نے بقا کا کوئی ایسا راز حاصل کر لیا کسی بھی انسان کے نزدیک وہ لافانی تھی اور قطع نظر چند مجبوریوں کے ـــ مثلاً وہ مستقبل کے حالات قطعی طور پر نہ معلوم کر سکتی تھی ـــ اسے وہ قوتیں حاصل تھیں جنہیں ایک ہی نام دیا جا سکتا ہے یعنی مافوق الفطرت۔

جن عجیب لوگوں کے درمیان وہ رہتی تھی ان پر اس کی حکمرانی مسلم اور مکمل تھی اور یہ لوگ اسے ایک دیوی سمجھتے اور اسی کی پوجا کرتے تھے اور اس شخص نے، جو ایشہ کی زندگی بلکہ اس کی روح تھا اور جس کا وجود ایک پر اسرار طریقے سے ایشہ کے وجود سے منسوب تھا اور جس سے ایشہ ایسی محبت کرتی تھی کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے ـــ ہاں تو اس شخص نے ہزاروں خطرات سے گزرنے اور ہزاروں صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آخر کار اسے، ایشہ کو دنیا کے ایک دور افتادہ خطے میں پا لیا۔

یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا۔ لیکن بڑا کمال یہ ہوا کہ اس کا محبوب تیرہ آزمائشوں

میں پورا اترا اور تین دفعہ اس نے اپنی وفاداری کا ثبوت دے دیا پہلے حسین و جمیل اور جوان اطینہ کی محبت کو ٹھکرا کر۔ دوسری دفعہ ایشہ کو اس وقت قبول کر کے جب وہ بظاہر بوڑھی، نفرت انگیز اور گھناؤنی تھی اور تیسری دفعہ معبد میں ارواحوں کی پرستش کا منظر دیکھنے، حالانکہ ایشہ کی فوق الفطرت قوتوں کے پیش نظر یہ کوئی حیرت انگیز بات نہ تھی اور پھر اس انکشاف کے بعد کہ اس نے کسی شیطانی قوت سے کوئی ناپاک معاہدہ کر کے اپنا حسن، اپنی جوانی اور خود لیو کو حاصل کیا ہے۔ ثابت قدم رہ کر حالانکہ ایشہ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ معاہدے کے نتیجے یا برے انجام یا سزا میں خود لیو کو بھی برابر کا شریک ہونا پڑے گا۔

یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ایشہ دکھی تھی حتیٰ کہ اس وقت بھی جب وہ بہت خوش نظر آتی تو اس وقت بھی وہ پنجر جن کا ذکر اس نے کھانے کے بعد کیا تھا اس کے ساتھ ہوتے، یعنی خوف، امید و بیم، ناامیدی اور ناکامی عشق، اور جب ہم اکیلے ہوتے تو وہ اس طرف باتوں میں اشارے کر دیا کرتی تھی ہر چند کہ اس کی رقیب خافیہ اطینہ اس سے شکست کھا کر رخصت ہوئی تھی تاہم اس کے دل میں بھڑکتی ہوئی رشک و رقابت کی آگ بجھی نہ تھی۔

ایشہ خائف تھی، کوئی غیبی قوت کوئی حس اسے بار بار آگاہ کر رہی تھی کہ جلد یا بدیر اس کا اور اطینہ کا مقابلہ ہوگا اور تب شکست کھانے کی باری ایشہ کی ہوگی اور یہ کہ پھر ناکامی اور مایوسی اس کے حصے میں آئے گی۔

ان سب باتوں سے بالاتر لیو کی فکر اسے کھائے جا رہی تھی۔ لیو جوان تھا اور مرد تھا وہ اس پراسرار اور نیم مقدس ہستی کے عشق میں دیوانہ ہو رہا تھا لیکن وہ اس کے ہونٹ تک چوم نہ سکتا تھا۔ اس قرب کے باوجود اتنی دوری اسکے اعصاب اور دماغ پر اثرانداز ہو رہی تھی خصوصاً اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ جدائی کی اس

خلیج کو وہ دو سال سے پہلے عبور نہ کر سکے گا۔ چنانچہ اب اگر لیو کی بھوک مر گئی تھی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی وہ دبلا ہو گیا تھا، زرد پڑ گیا تھا اور راتوں کو سو نہ سکتا تھا۔ وہ بار بار الیشہ کے سامنے گڑگڑاتا تھا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل کر اس سے شادی کر لے۔

لیکن الیشہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ لیو کے مجبور کرنے اور خود اپنے تجسس کی تسکین کی خاطر میں نے ایک دن تنہائی میں الیشہ سے پوچھا کہ اس نے یہ خود اختیاری جدائی کیوں قائم کر رکھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کے اور لیو کے درمیان ایک رکاوٹ ہے اور وہ یہ کہ لیو فانی ہے چنانچہ جب تک لیو بھی آتش حیات میں غسل کر کے اس کی طرح لافانی نہیں بن جاتا وہ اسے اپنا شوہر نہیں بنا سکتی۔

اس پر میں نے پوچھا کہ یہ قید کیوں؟ اس نے کہا کہ ہر چند کہ آتش حیات میں غسل کر چکی ہے، ہر چند کہ وہ دیوی اور لافانی ہے تاہم ہے تو عورت ہی۔

اس پر وہ مسکرائی اور کہا۔

"ہالی! یہ تم نے ایسے یقین سے کیسے کہہ دیا؟ سچ کہنا تمہارے یہاں کی عورتیں ایسے ہی کانہ زیورات پہنتی ہیں؟"

اور اس نے اپنے ماتھے کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ دھندلا روشن ہالہ تھا۔ اس کے بعد وہ بالوں، گردن اور سینے پر ہاتھ پھیرنے لگی اور اس کے جس حصہ جسم سے اس کی انگلیاں مس ہو تیں وہیں یہ دھندلی پراسرار روشنی پیدا ہو جاتی۔ یہاں تک کہ اس اندھیرے ہوتے ہوئے کمرے میں، کیونکہ شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا ـــ وہ سرتاپا ایک نورانی مورت بن کر چمکنے لگی۔ ایک ایسی ہستی جو مجسم نور کے باوجود ڈراؤنی تھی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ ہلایا اور یہ روشنی غائب ہو گئی صرف اس کے سر پر وہ حلقۂ نور باقی رہ گیا۔

"کیا اب بھی تمہیں یقین ہے ہالی کہ میں عورت ہوں؟" الشہ نے کہا "نہیں، ڈرو نہیں یہ آگ تمہیں جلائے گی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری نظر کا دھوکا ہو یا تم نے ایسا سوچا ہو کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ تم بہت زیادہ سوچتے ہو کیونکہ تم جانو کوئی بھی عورت آگ کا لباس پہن کر زندہ نہیں رہ سکتی اور یہ دیکھو میرے لباس تک سے آگ کی بو نہیں آ رہی ہے۔"

آخر کار میرے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور میں نے غصہ ہو کر کہا۔

"مجھے کسی بات کا یقین نہیں ہے سوائے اس کے تم اپنے سحر یا شعبدہ بازیوں سے ہمیں دیوانہ بنا دو گی۔ کیا ہو تم؟ روح؟"

"ہم سب روحیں ہی تو ہیں۔" وہ بولی "اور شاید میں بسر اپا روح ہوں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ کیا ہے؟"

"کم سے کم میں تو نہیں کہہ سکتا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم عورت ہو یا روح یا کچھ اور بہر حال میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ایک سوال کا جواب دو۔ سچ سچ کہنا کیونکہ اب میں جھوٹ برداشت نہ کر سکوں گا۔ بتاؤ ابتدا میں تم لیو کی کیا تھیں؟ اور وہ تمہارا کیا تھا؟"

اس نے بڑی سنجیدگی سے میری طرف دیکھا اور کہا۔

"ہالی! اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو میں نے عبرانیوں کی کتاب قوانین میں کے پہلے باب میں پڑھا ہے کہ آسمانوں کے بیٹے زمین پر اور انسانوں کی بیٹیوں کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ حسین ہیں!"

"ہاں یہ لکھا ہوا ہے!" میں نے جواب دیا۔

"تو میرے ہالی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کبھی آسمانوں کی ایک بیٹی بھی زمین پر آئی ہو اور ایک مرد پر فریفتہ ہو گئی ہو؟ اور پھر اس عورت کو تم آسمانوں سے

ٹوٹ کر گرے ہوئے اس تارے کو، جس نے ایک انسان کی خاطر اپنے تقدس کو برباد کر دیا، اس کے گناہ کی یہ سزا دی گئی ہو کہ وہ تنہائی اور جدائی برداشت کرے یہاں تک کہ اس کا نجات دہندہ آ جائے اور اسے تنہائی اور جدائی سے نجات دلا دے۔"

میرے دماغ میں ایک بجلی سی کوندگئی اور میں ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا لیکن الیشہ نے کہا "نہیں ہالی! اور کچھ نہ پوچھو۔ کیونکہ چند باتیں ایسی ہیں جن کا جواب میں اشاروں کنایوں میں ہی دے سکتی ہوں، اس لیے نہیں کہ تمہارا مذاق اڑاؤں یا تمہیں پریشان کروں بلکہ اس لیے کہ میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ تاہم اطلینہ مجھے خالی نہیں سمجھتی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ انسان اور روح کا ملاپ ممکن نہیں اور بعض معاملات ایسے ہیں جن میں مجھے اطلینہ سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ پچھلی زندگیوں کی طرح حالیہ زندگی میں بھی اسے اور اس کے ماموں شاہ سنجری کو مستقبل میں دیکھنے کی قوتیں حاصل ہیں۔ چنانچہ میرے آقا سے کہو کہ وہ شادی کرنے کے لیے میرے سامنے نہ گڑگڑائے اور مجھ پر دباؤ نہ ڈالے کیونکہ انکار کرتے ہوئے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ تم نہیں جانتے ہالی کہ کتنا دکھ ہوتا ہے۔"

"اس کے علاوہ اے میرے قدیم دوست! میں تمہارے سامنے ایک اعتراف کر رہی ہوں۔ میں کچھ بھی ہوں پھر بھی ایک عورت ہوں۔ چنانچہ اپنے محبوب کی التجاؤں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میرے دوست! میں نے اپنی خواہشات کو اسی طرح شکنجے پر کھینچ رکھا ہے کہ میرا اندر خون ہو رہا ہے لیکن اگر وہ میرے سامنے اسی طرح گڑگڑاتا رہا، اسی طرح التجائیں کرتا رہا، اور میرے سامنے اپنے بے قرار محبت کا اظہار اسی طرح متواتر کرتا رہا تو ہو سکتا ہے کہ میری دبائی ہوئی خواہشات ایک دم سے بھڑک اٹھیں اور پھر میں ساری احتیاطیں بھول جاؤں۔"

"اور اگر ایسا ہوا تو پھر ہم اپنے جذبات کی بلندیوں پر سے لڑھکتے ہوئے تباہی کے

گڑھے میں جا پڑیں گے۔ نہیں نہیں۔ ابھی ایک اور سفر باقی ہے اور مختصر سا سفر ہے یہ۔ تاہم اس پل کو عبور کر کے جسے میری ذہانت نے تلاش کر لیا ہے، اپنی محبت کے شاداب سبزہ زاروں میں پہونچ جائیں گے۔"

اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی اور پھر اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کی یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن بری بات یہ ہوئی کہ مجھے اب بھی یقین نہ آیا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے یا کم سے کم یہ کہ اس نے ساری باتیں سچ کہی ہیں۔ کیونکہ الیشہ کے نزدیک سچائی کے کئی رنگ ہیں جس طرح کہ تراشیدہ ہیرے کے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ چنانچہ ہمیں کبھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کب اس کا کون سا رخ پیش کر رہی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ خود اس نے کہا تھا وہ قصداً یا مصلحتاً حقیقت کو اشاروں کنایوں ہی میں پیش کرتی تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ میں آج تک یہی نہ سمجھ سکا کہ الیشہ کیا تھی؟ عورت یا روح یا جیسا کہ مجھے شک تھا دونوں کا مجموعہ؟ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی فوق الفطرت قوتیں کس حد تک بڑھی ہوئی تھیں۔ یا یہ کہ اس کی محبت کی ابتدائی کہانی میں، جس پر ذاتی طور پر مجھے شک ہے، کہاں تک درست ہے اور یہ کہ یہ محض ایک افسانہ ہے اور اس کے دماغ کی اختراع ہے اور اسی کے ذریعے، جیسا کہ خود اس نے اشارتاً کہا تھا، اس نے شعلوں کی چادر پر وہ تصویریں پیدا کر دی تھیں۔

میں نہیں جانتا جب میں نے پہلی دفعہ اسے اس پہاڑ پر دیکھا تھا تو اس وقت وہ حقیقت میں ایسی ہی بوڑھی اور گھناؤنی تھی یا اپنے محبوب کا عشق آزمانے کے لیے اس نے ایسا سوانگ بھرا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اوروس نے جو کچھ کہا تھا سچ تھا یا اسے پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا اسے ہمارے سامنے یہ کہانی بیان کرنی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی روح مردہ ہوزیہ کے جسم میں آ گئی تھی یا یہ کہ جب وہ وہاں کوہ میں

اس بُری طرح سے مرتی ہوئی ہمیں نظر آئی تھی تو کسی انجانی قوت نے اس کے جسم اور روح کو وہاں سے اٹھا کر سیدھا اس پہاڑ پر پہونچا دیا تھا جو وسط ایشیا میں ہے۔

میں نہیں جانتا کہ ایسی زبردست قوتوں کی مالک ہونے کے باوجود اس نے مجھے کیوں نہ تلاش کیا اور اس کے برعکس ہمیں اس کی تلاش میں سرگرداں رہنا پڑا۔ حالانکہ یہ میرا خیال اس معاملے میں یہ بھی ہے کہ کسی انجانی قوت نے اسے ایسا کرنے یعنی ہمیں تلاش کرنے سے باز رکھا ہوگا۔ تاہم اسے ہماری ہر حرکت کی خبر ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ ہمارے خیالات سے بھی وہ واقف ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ہم مقررہ وقت مقررہ مقام تک پہونچ گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں، جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔ جنہوں نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال رکھا ہے۔

قصّہ مختصر میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ میرا وجود دنیا کے ایک زبردست اسرار سے وابستہ ہوگیا ہے، یعنی یہ کہ ایک عجیب و غریب ہستی نے، جو عائشہ کہلاتی ہے، اسرارِ حیات معلوم کر لیے ہیں اور یہ کہ اس کا دعویٰ ہے ـــ اور اس کا کوئی ٹھوس ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے ـــ کہ ایسی بے کراں زندگی آتشِ حیات میں غسل کر کے حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ کہ اس پر ایک عجیب جذبہ، جسے آسان سمجھنا نہیں، اس پر حاوی تھا جو شدت میں بے پناہ اور غیر فانی تھا اور جذبہ صرف ایک ہستی پر مرکوز تھا یعنی لیو پر۔ اسی جذبے کو آلہ بنا کر بھپری ہوئی تقدیر عائشہ پر بار بار وار کرتی اور اس کی زندگی کے بے شمار دنوں کو اس کے وجود پر ایک بوجھ بناتی رہی اور اس ہستی کو، جسے مستقبل کے علاوہ ہر بات کا علم تھا، کرب، امید و بیم اور ناامیدی کے ایسے جہنم میں ڈھکیلتی رہی جس سے شکر ہے کہ خدا نے ہم تمام انسانوں کو محفوظ رکھا ہے۔

رہیں دوسری باتیں تو ان کے متعلق میں صرف یہ کہوں گا کہ قاری خود ہی ان کے متعلق فیصلہ کر لیں۔ جی چاہے تو وہ اس پوری دوستی کو محض افسانہ سمجھیں اور جی چاہے تو ایک سچی اور لافانی محبت کی عجیب و غریب کہانی۔ اس ناٹک میں مجھے اور اطلینہ کو کیا کردار ادا کرنا ہے۔ یا کئے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے امید ہے کہ جلد ہی مجھ پر ظاہر ہو جائے گی۔ لیکن اس دنیا میں نہیں۔

خیر تو اس طول طویل قصّے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایشہ لیو کی طرف سے متفکر تھی سوائے شادی کی خواہش کے لیو کی ہر آرزو پوری کر دی جاتی تھی بلکہ پہلے سے ہی اس کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ پھر کبھی اسے کسی مذہبی رسم میں شریک ہونے کی دعوت نہ دی گئی۔ حالانکہ روحانی علامات اور مذہبی رسومات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہوزیہ کے پرستاروں کا مذہب بے ضرر تھا۔ یہ در اصل مصر قدیم کے دیوتا اوزیرس اور دیوی ایزیس کے مذہب کا عکس تھا اور وہیں سے یہ مذہب آیا تھا اور وسط ایشیا کے مذاہب کے چند عقائد اس میں سمو دیئے گئے تھے مثلاً مسئلہ تناسخ اور روحانی و جسمانی پاکیزگی سے خدا کا قرب حاصل کرنے کا عقیدہ۔

حقیقت یہ ہے کہ کاہنہ اعظم اور ندائے روح کی پرستش بڑی قوت یا خدا کے نمائندے کے طور پر کی جاتی تھی اور دیر یا معبد والوں کے سارے کام "نیکیوں" یا اچھائیوں تک ہی محدود تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کلوفن کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اور اس پر سے ان کی حکومت ختم ہو جانے کا افسوس انھیں اب بھی تھا۔ ان لوگوں کے غریب خانے اب بھی جاری تھے اور جب موسم سرما میں پہاڑی قبائل میں قحط پڑتا تھا تو ان غریب خانوں سے انھیں غلّہ تقسیم کیا جاتا تھا۔

لیو کو ہر دم ایشہ کے قریب رہنے کا جنون تھا۔ چنانچہ ہماری شام ایشہ کی

محبت میں بسر ہوتی تھی اور دن کا زیادہ تر حصہ بھی اس کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے محسوس کیا کہ یہ بیکاری لیو کی صحت پر اثر انداز ہو رہی ہے جیسے برسوں سے موسم کے شدائد برداشت کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ جب اسے یہ محسوس ہوا تو اس نے یعنی ایشہ نے لیو کو مجبور کیا کہ وہ پہاڑی بکروں اور اینٹلوپ کے شکار کو جائے جن کی پہاڑ پر افراط تھی۔ حالانکہ ایشہ اس خیال سے خائف رہا کرتی تھی کہ لیو کو کوئی حادثہ پیش نہ آجائے۔ چنانچہ اس کے لیے اس نے لیو کو پہاڑی لوگوں اور کاہنوں کے سپرد کر دیا جن سے اب وہ مانوس ہو چکا تھا ان شکاروں میں لیو کے ساتھ میں بہت کم جاتا تھا۔ کیونکہ زیادہ استعمال سے میرا بازو اب بھی درد کرنے لگتا تھا۔

اور ایک دن سچ مچ ایک حادثہ پیش آگیا۔

میں باغ میں ایشہ کے ساتھ بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایشہ اپنی ہتھیلی پر ٹھوڑی لگائے کہیں خلا میں دیکھ رہی تھی اور اس کی خوبصورت آنکھوں میں خیالات کے بادل سے منڈلا رہے تھے۔ اس کی نگاہیں پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس عالم میں وہ کئی گنا زیادہ حسین، تصور سے بھی زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بے پناہ حسن کی طرف دیکھ دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس کے جلوے ہماری دنیا میں ہوتے تو یہ عورت ہنس کی طرح پوری دنیا میں طوفان اٹھا دیتی۔ اسے دیکھنے والے پاگل ہو جاتے۔ مرد اس کی آرزو میں تڑپنے لگتے۔ عورتیں رشک و حسد کی آگ میں ہر دم جلا کرتیں۔

اس کا یہ بے پناہ، یہ ہوش و خرد سے بیگانہ کر دینے والا حسن اس کی کس بات میں مضمر تھا؟ اس کا چہرہ اور اس کا جسم مکمل ترین تھا، بے عیب تھا۔ لیکن یہ بات تو اور بھی بہت سی عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان دو چیزوں میں اس کا حسن

پنہاں نہ تھا بلکہ میرے خیال میں اس کا حسن اس حالت کا محتاج تھا جسے میرے خیال میں "انسانی کیفیت" کہنا مناسب ہوگا۔ ہاں یہی کیفیت جب اس کے خدوخال پر اور اس کی آنکھوں پر طاری ہو جاتی تھی تو وہ مجسم حسن بن جاتی تھی۔ یہ کیفیت یونان قدیم کے اکثر بتوں کے چہروں پر دیکھی جا سکتی تھی لیکن عائشہ کے معاملے میں یہ کیفیت اس کے وجود کا ایک جزو بن گئی تھی جس نے اسے ایک غیر ارضی اور مقدس مخلوق بنا دیا۔

میں جب اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا اور یوں سوچ رہا تھا کہ یکایک وہ ایک دم سے مضطرب ہو گئی اور میلوں دور پہاڑوں کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ دیکھو!"

میں نے اس کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا وہاں مجھے سوائے سفید برف کے اور کچھ نظر نہ آیا۔

"افوہ بیوقوف تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ میرے آقا کی جان خطرے میں ہے۔" اس نے چیخ کر کہا "ارے میں بھولی۔ تو اس عطیے سے محروم ہے۔ خیر مجھ سے لو یہ عطیہ اور پھر دیکھو!"

اور اس نے اپنا ہاتھ میرے ماتھے پر رکھ دیا۔ فوراً ہی کچھ ہوا ایک عجیب طرح کی تیز اور روشن کر دینے والی رو میری کھوپڑی میں داخل ہوتی محسوس ہوئی۔

دفعتہً میری آنکھیں کھل گئیں۔

اور میں نے پہاڑوں پر نہیں بلکہ میں اپنے سامنے اور فضا میں لیو کو دیکھا۔ وہ ایک برفستانی چیتے سے گتھم گتھا ہو کر قلابازیاں کھا رہا تھا اور پہاڑی لوگوں کا سردار اور اس کے ساتھ دوسرے شکاری اپنے ہاتھوں میں بھالے لیے لیو اور چیتے کے چاروں طرف دوڑ رہے تھے کہ موقع ملے تو چیتے کو اس طرح چھید کر رکھ دیں کہ

لیو کو ایک خراش تک نہ آئے۔

میرے قریب بیٹھی ہوئی عائشہ مارے خوف کے کانپ رہی اور ساتھ ہی بے چینی سے آگے پیچھے ڈول رہی تھی۔ لیکن عین اس وقت اس جدوجہد کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ میں نے دیکھا کہ لیو نے اپنا بڑا سا شکاری چاقو چیتے کے پیٹ میں دستے تک اتار دیا۔ چیتا ایک دم سے نڈھال ہو گیا تڑپ کر دور گرا اور پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔

اب لیو اٹھا، وہ ہنس رہا تھا اور اپنے جھیر جھیر لباس کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ایک شکاری آگے بڑھا اور لیو کے زخموں پر پٹی باندھنے لگا۔ یہ زخم لیو کے بازو اور رانوں پر آئے تھے۔ رہیں یہ پٹیاں تو وہ شکاری نے اپنا لبادہ پھاڑ کر بنائی تھیں۔

یہ تصویر جس سرعت سے پیدا ہوئی تھی اسی سرعت سے غائب ہو گئی اور تب میں نے دیکھا کہ عائشہ نے ایک عام عورت کی طرح، خوف سے اپنا ماتھا میرے شانے پر ٹکا دیا تھا۔

اور پھر میں نے اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان کہتے سنا۔

"شکر ہے۔ یہ خطرہ بھی ٹل گیا لیکن ابھی اور کتنے خطرات باقی ہیں؟ میرا دل اب اور کس قدر برداشت کر سکے گا۔"

یکایک سردار اور اس کے شکاریوں پر اسے غصہ آ گیا۔ اب وہ غضب کی دیوی تھی اس نے فوراً پیغامبروں کو طلب کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ فوراً مرہم پٹی کا سامان اور ڈولی لے کر جائیں بھاگتے ہوئے جائیں اور آقا لیو کو بحفاظت لے آئیں اور ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئیں جو شکار میں لیو کے ساتھ تھے۔

"دیکھا ہالی! کہ میرے دن کس طرح گزرتے ہیں اور وہ سارے سال کس طرح

گزرے ہوں گے؟" وہ بولی "لیکن ان کتّوں کو اس کی میرے اس کرب اور خوف کی سزا بھگتنی پڑے گی!"

میں نے اس کو سمجھانے اور اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

چار گھنٹے بعد لیو واپس آیا۔ وہ ڈولی کے پیچھے پیدل چل رہا تھا اور لنگڑا رہا تھا، اور ڈولی میں جو اس کے لیے بھیجی گئی تھی، ایک پہاڑی بکرا اور چیتے کی کھال پڑی ہوئی تھی۔ یہ کھال اس نے ڈولی میں اس لیے رکھدی تھی کہ اس کے ساتھی شکاری اسے اٹھانے کی زحمت سے بچ جائیں۔ الیشہ اپنی قیام گاہ کے بڑے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیو کو دیکھتے ہی وہ اٹھی، اس کے قریب پہنچی اور اسے سرزنش کرنے لگی لیو چند ثانیوں تک تو خاموشی سے سنتا رہا اور پھر پوچھا۔

"لیکن تمہیں یہ سب باتیں کہاں معلوم ہوئیں؟ چیتے کی کھال تو اب تک تمہارے سامنے نہیں لائی گئی۔"

"یہ سب باتیں مجھے اس طرح معلوم ہوئیں کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بڑا زخم تمہارے گھٹنے کے اوپر آیا ہے اس پر تم نے وہ مرہم لگایا کہ نہیں جو میں نے بھجوایا تھا۔"

"نہیں"۔ لیو نے جواب دیا "لیکن تم نے یہاں سے باہر قدم نہیں رکھا پھر یہ سب کچھ تم نے کس طرح دیکھا؟ کیا جادو سے؟"

"تم جو بھی چاہو سمجھ لو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے دیکھا اور صرف میں نے ہی نہیں بلکہ ہالی نے بھی تمہیں چیتے سے گتھم گتھا اور برف میں لڑھکنیاں کھاتے

دیکھا اور وہ بزدل ڈرپوک بلیوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور تمہاری کوئی مدد نہ کر رہے تھے۔"

"میں تمہارے اس جادو سے اکتا گیا ہوں جو مجھے ذرا دیر کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ لیو نے تلخی سے کہا۔" رہے یہ بہادر لوگ۔۔۔۔"

عین اسی وقت اوروس کمرے میں آیا اور اس نے جھک کر ایلیشہ کے کان میں کچھ کہا۔

"رہے وہ بہادر لوگ تو ان سے میں سمجھ لوں گی۔" ایلیشہ نے دانت کٹکٹا کر کہا۔

پھر اس نے چہرے پر نقاب ڈال لی، کیونکہ وہ پہاڑی لوگوں کے سامنے بے نقاب نہ جاتی تھی اور وہ باہر چلی گئی۔

"کہاں گئی وہ ہولیس؟" لیو نے پوچھا۔"معبد میں عبادت کرنے گئی ہے یا کوئی رسم ادا کرنے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔" لیکن اگر وہ کوئی رسم ادا کرنے گئی ہے تو یہ اس پہاڑی سردار کی تکفین کی رسم ہو گی۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" لیو نے کہا اور لنگڑاتا ہوا ایلیشہ کے پیچھے بھاگا۔

ایک دو منٹ بعد میں بھی اس کے پیچھے چل دیا کیونکہ یہی مجھے مناسب معلوم ہوا معبد میں پہونچا تو ایک عجیب منظر دیکھا۔

ایلیشہ بت کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے سرخ بالوں والا قبیلے کا سردار اور اس کے پانچ ساتھی گھٹنوں پر جھکے ہوئے تھے وہ سب کے سب خوف سے کانپ رہے تھے۔ اب بھی ان کے ہاتھوں میں بھالے تھے۔ ایک طرف لیو ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اسکے بشرے سے غم و غصہ ٹپک رہا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہاں آتے ہی اس نے اس معاملے میں دخل دینے کی کوشش کی تھی لیکن اسے ایسا کرنے سے روک دیا گیا چنانچہ اب وہ جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھ اور جو کچھ کہا جا رہا تھا اسے سن رہا تھا۔ پیچھے اور چند قدم

دور معبد کے بارہ پندرہ محافظ تلواروں سے لیس کھڑے تھے۔ یہ لوگ اپنے قدوقامت اور جسمانی قوت میں منتخب تھے۔

ایشہ اپنی شیریں آواز میں ان سے سوالات پوچھ رہی تھی کہ اس چیتے نے، جس کی کھال اس وقت سامنے پڑی تھی لیو پر کس طرح حملہ کیا۔ سردار قبیلہ نے جواب دیا کہ وہ لوگ چیتے کو تلاش کرتے ہوئے اس کے بھٹ تک پہونچ گئے، جو دو چٹانوں کے درمیان تھا، ان میں سے ایک نے اندر گھس کر چیتے کو زخمی کر دیا اس پر چیتے نے بھر کر اس شخص پر حملہ کر دیا اور اسے رگیدنے لگا، یہ دیکھ کر آقا لیو اس پر ٹوٹ پڑا اور چیتے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ شخص چیتے سے بچ گیا۔ لیکن چیتا آقا لیو پر حملہ آور ہوا اور آقا کو گرا دیا۔ اس کے بعد آقا اور چیتا برف پر لڑھکنے لگے اور تب آقا نے چاقو نکال کر چیتے کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہے سارا قصہ۔"

"نہیں۔ یہ سارا قصہ نہیں ہے۔" ایشہ نے کہا۔ "کیونکہ بزدلو! یہ تم بھول رہے ہو کہ تم تو خود محفوظ جگہ رہے اور میرے آقا کو اس درندے کے غصے کے سپرد کر دیا۔ ٹھیک ہے ان لوگوں کو پہاڑ پر ہانک دو تا کہ درندے انھیں پھاڑ کھائیں اور یہ اعلان کر دو کہ جو بھی انھیں کھانا اور پینا دے گا وہ مارا جائے گا۔"

سردار قبیلہ اور اس کے ساتھی رحم کی درخواست کئے بغیر اُٹھے، ایشہ کے سامنے جھکے اور جانے کے لئے پلٹے۔

"ساتھیو! ٹھہرو۔" لیو نے کہا۔ "سردار! مجھے سہارا دو۔ کیونکہ میرا زخم خشک ہو کر اکھڑ گیا ہے اور میں آسانی سے چل نہیں سکتا۔ ہم ساتھ مل کر یہ شکار کریں گے۔"

"کیا کہہ رہے ہو یہ! پاگل تو نہیں ہو گئے؟" ایشہ بولی۔

"میں نہیں جانتا کہ میں پاگل ہوں یا نہیں۔" لیو نے جواب دیا۔ "لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم ظالم بھی ہو اور بے انصاف بھی۔ ان شکاریوں سے زیادہ بہادر آدمی

میری نظر سے تو آج تک نہیں گزرے۔ اس شخص نے" اور اس شخص کی طرف اشارہ کیا جس پر چیتے نے سب سے پہلے نہ صرف حملہ کیا بلکہ اسے پچھاڑ بھی دیا تھا" اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر مجھ سے پہلے بھٹ میں گھس پڑا کیونکہ میں نے کہا تھا کہ میں بھٹ میں جاؤں گا۔ بہرحال میری جان بچانے کے لیے اس نے چیتے سے ٹکر لی اور مرتے مرتے بچا۔ چونکہ تمھیں سب نظر آتا ہے اس لیے یہ بھی نظر آگیا ہو گا۔ اس کے بعد چیتے نے مجھ پر حملہ کیا اور میرے یہ تمام دوست بے چینی سے ادھر ادھر دوڑتے رہے کہ موقع ملے تو درندے کو چھید کر رکھ دیں لیکن ابتدا میں انھیں اس کا موقع نہ ملا کیونکہ میں اور چیتا لڑھکنیاں کھا رہے تھے اور خوف تھا کہ بھالے چیتے کے بجائے مجھے نہ لگ جائیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے بڑی بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے درندے کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا ثبوت کے طور پر تم اس کے بازو پر چیتے کے دانتوں کے نشان دیکھ سکتی ہو۔ چنانچہ اگر انھیں پہاڑ پر بھوکا پیاسا مرنا ہے تو میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور جو ان کا حشر ہو گا میرا بھی ہو گا۔ کیونکہ یہ لوگ بے قصور ہیں اور اگر کوئی قصور وار ہے تو وہ میں ہوں۔"

شکاریوں نے تشکر اور حیرت سے لیو کی طرف دیکھا اور الیثہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی اور پھر اس نے بڑی دانائی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

"میرے آقا لیو! اگر میں پورے واقعے سے واقف ہوتی تو تمہارا مجھے ظالم اور ناانصاف کہنا بجا ہوتا لیکن میں صرف وہی جانتی ہوں جو میں نے دیکھا اور پھر میں نے انھیں کا بیان سن کر یہ سزا سنائی۔ میرے خادمو! اس آقا نے تمہاری پرزور سفارش اور وکالت کی ہے چنانچہ میں تمھیں معاف کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ جو بھٹ میں میرے آقا سے پہلے گھسا تھا اور جس نے چیتے کو اپنے ہاتھ سے پکڑا تھا، انعام دیا جائے گا اور ان کی ترقی کر دی جائے گی۔ اب تم جا سکتے ہو۔ لیکن یہ سن لو اور یاد بھی رکھو کہ اگر آقا

لیو..... پھر کبھی اور کسی خطرے میں پھنس گیا تو تم لوگ آسانی سے زیچ نہ سکو گے۔"

وہ لوگ ایک بار پھر الیشہ کے سامنے جھک گئے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں لیو کا شکریہ ادا کرتے چلے گئے۔ کیونکہ پہاڑ پر ہانک دیئے جانے اور برف اور کھلی ہوا میں بھٹکتا چھوڑ دیئے جانے کی سزا ان کے یہاں سب سے سخت اور بد ترین سزا تھی۔ اور یہ سزا کوئی اور نہیں بلکہ ہوزیہ براہ راست سُنا سکتی تھی اور یہ انھیں لوگوں کو دی جاتی تھی جو خونی اور بڑے مجرم ہوتے تھے۔

جب معبد سے نکل کر ہم بڑے کمرے میں آئے ـــ اور اس وقت ہم اکیلے تھے۔ تو لیو کا غصہ جسے میں بہت دیر سے اس کے بشرے پر دیکھ رہا تھا۔ ایک دم سے پھوٹ پڑا۔ الیشہ نے اس کے زخموں کے متعلق پوچھا اور کہا کہ اور وس کو جو طبیب بھی تھا مرہم پٹی کرنے کے لیے بلا لے یا خود ہی ان کی مرہم پٹی کر دے لیکن لیو نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کڑک کر کہا کہ کسی کو بھی ان زخموں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اور پھر غصّے کی شدّت سے اس کی گھنی داڑھی کے بال کھڑے ہو گئے اور پھنکار کر الیشہ سے پوچھا۔

"کیا میں دودھ پیتا بچہ ہوں؟"

یہ سوال اس نے کچھ اس طرح کیا تھا کہ مجھے ہنسی آگئی۔

اب لیو الیشہ کو جھڑک رہا اور ڈانٹ رہا تھا، جی ہاں سچ مچ ڈانٹ رہا تھا اس کو، الیشہ کو اور پوچھ رہا تھا کہ (۱) اپنے جادو کے زور سے اس نے جاسوسی کیوں کی حالانکہ اسے شروع سے ہی اسے الیشہ کا یہ جادو سخت ناپسند ہے (۲) اس نے محض اپنے جادو کی شہادت پر، جو کسی طرح کی شہادت نہیں کہی جا سکتی، ان بہادر سپاہیوں کو جو اسکے دوست ہیں ایسی ظالمانہ سزا کیوں سُنائی اور (۳) اس نے لیو کو ان لوگوں کی حفاظت میں دیا گویا وہ کوئی بچہ ہے۔ اس پر بس نہ کرتے ہوئے اس نے ان لوگوں کو

یہ بھی حکم دیدیا کہ اگر اسے، یعنی لیو کو ذرا سا بھی نقصان پہونچا تو ان سب کو اس کے لیے جواب دِہ ہونا پڑے گا۔ حالانکہ لیو نے بڑے بڑے شکار کیے ہیں اور زبردست خطرات سے گزرا ہے۔

یوں اس نے الفاظ کے کوڑے برسائے اور حیرت ہے کہ ایشہ، جو کسی بھی انسان سے بڑھ کر اور زبردست قوتوں کی مالک تھی، بھیگی بلی بنی سنتی رہی، اگر لیو کی جگہ کوئی دوسرا اس کے سامنے ذرا سی بھی سخت کلامی کرتا تو مجھے یقین ہے کہ نہ صرف اس کی زبان فوراً کھینچ لی جاتی بلکہ اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا جاتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ پہلے کی طرح وہ اب بھی محض اپنی قوت ارادی سے کسی کی بھی جان لے سکتی تھی لیکن اس نے نہ لیو کی جان لی، نہ غصہ کیا اور نہ ہی کچھ کہا بلکہ وہ ایک محبت کرنے والی عام عورت کی طرح رونے لگی۔ اس کی ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر آئے ایک کے بعد دیگرے اسکے رخساروں پر لڑھکنے لگے اور چونکہ اس کا سر جھکا ہوا تھا، فرش پر بارش کے موٹے موٹے قطروں کی طرح گرنے لگے۔

اس کے دل کی یہ محبت بھری کیفیت اور اس کے انسان ہونے کا یہ موثّر ثبوت دیکھ کر لیو کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اور اب یہ لیو تھا جو خجالت سے معافی مانگ رہا تھا یہ ظاہر کرنے کے لیے اس نے اپنے محبوب کو معاف کر دیا ہے ایشہ نے اپنا ہاتھ لیو کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور کہا۔

”دوسرے جس طرح چاہیں مخاطب کریں“ (کاش کہ میں ہورلیس ہالی آزما سکتا) ”لیکن تمہارے سخت الفاظ میں برداشت نہیں کر سکتی۔ لیو ہائے کس قدر ظالم اور بے رحم ہو تم! کیا قصور تھا میرا کہ تمہیں مجھ پر غصہ آ گیا۔ اگر میری روح تمہاری نگرانی کرتی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ غالباً تم نہیں جانتے کہ جب سے ہم کور کے غار میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہیں۔ اسی وقت سے میری روح تمہاری نگرانی کر رہی ہے۔

اگر کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو کسی خطرے میں پھنسا دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ کیا تم اس ماں کو الزام دو گے؟ اس پر غصہ کرو گے؟ اسی طرح تمہیں خطرے میں دیکھ کر میں تڑپ اٹھی تو میرے محبوب یہ میرے بس کی بات نہ تھی۔ تمہاری جان پر سے اگر چند وحشیوں کی جانیں قربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ اس لیے تھا کہ تمہاری جان مجھے سب کی جانوں سے زیادہ عزیز ہے اور پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر اس سردار اور اس کے ساتھیوں کو سزا دی گئی ہوتی تو دوسرے اس سے عبرت پکڑتے اور تمہاری حفاظت میں چوک نہ کرتے۔ اگر میں انھیں ایسی سزا نہ دوں تو وہ لوگ اور دوسرے تمہیں ایسی ہی مصیبت میں پھنسا دیں جس کی وجہ سے تم پر موت نازل ہو جائے۔"

"موت" کا لفظ کہتے ہوئے الیشہ کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"سنو جانِ من!" لیو نے کہا۔ "ان میں سے ذلیل سے ذلیل آدمی کو بھی اپنی جان اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ شاید خود مجھے اپنی جان ہے اور تمہیں ان کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے جس طرح کہ میری جان لینے کا نہیں ہے۔ یہ تو بڑی واہیات بات ہے کہ تم میری اور میری محبت کی وجہ سے ایسی بے رحم اور بے درد بن جاؤ کہ بڑے سے بڑا جرم بے دریغ کر گزرو۔ اگر تمہیں میری جان کی ایسی ہی فکر ہے تو پھر مجھے بھی لافانیت کا وہ جامہ پہنا دو جو تم نے پہن رکھا ہے۔ حالانکہ میں اس سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ یہ میرے خیال میں ایک ناپاک پیمان ہے اور میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم تمہاری محبت کی خاطر مجھے یہ بھی منظور ہے کیونکہ اس کے بعد ہم دونوں پھر کبھی جدا نہ ہوں گے یا پھر اگر فی الحال تم ایسا نہیں کر سکتیں، جیسا کہ خود تم نے کہا ہے تو آؤ ہم شادی کر لیں اور پھر جو کچھ تقدیر میں ہو گا وہ ہو کر رہے گا۔ مرنا بھی کو ہے لیکن مرنے سے پہلے مجھے کم از کم یہ تو اطمینان ہو گا کہ میں تمہارے ساتھ خوش رہا چاہے

چند لمحوں کے لیے ہی۔"

"ہائے۔۔۔! کاش کہ میں اس کی ہمت کر سکتی۔" الیشہ نے بے کسی سے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "لیو! مجھے مجبور نہ کرو۔ مبادا میں تمہیں تباہی کے راستے پر لے جاؤں۔ لیو کیا تم نے نہیں سُنا کہ بعض عشق ایسے ہوتے ہیں جو جان لے لیتے ہیں۔ یا کبھی کوئی ایسا پیالہ نہیں دیکھا جس میں بظاہر مسرت بخش شراب بھری ہوئی ہو لیکن دراصل وہ زہر قاتل ہو؟"

اور پھر جیسے خود ہی اپنی کمزوری سے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئی۔

چنانچہ یہ معاملہ ختم ہوا۔

اپنے طور پر یہ معاملہ کچھ اہم نہ تھا کیونکہ لیو کے زخم خطرناک نہ تھے بلکہ محض خراشیں تھیں اور شکاریوں کو بجائے اس کے کہ سزائے موت دی جاتی ترقی دے کر لیو کا محافظ یا باڈی گارڈ بنا دیا گیا۔ اس کے باوجود اس سے ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں مثلاً یہ کہ الیشہ جب چاہے دور بیٹھی لیو کی حرکات پر نظر رکھ سکتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ اپنی قوتوں سے دوسروں کو بھی مناظر دکھا سکتی ہے۔ البتہ کسی بھی خطرے میں وہ لیو کی اور کسی کی بھی مدد نہ کر سکتی تھی اور شاید بلکہ یقیناً۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے محبوب کی طرف سے متفکر رہتی تھی۔

اب آپ خود ہی سوچیے کہ اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ ہمارا کوئی عزیز فلاں فلاں خطرے سے دوچار ہے اور یا ہوگا تو آپ کی حالت کیا ہو جائے گی؟ اگر ہم دیکھ رہے ہوں کہ چٹان کوئی دم میں گرا چاہتی ہے اور وہ جو ہمیں عزیز ہیں عین اس کے نیچے بے خبری اور بے فکری سے گھوم پھر رہے ہیں، ہمیں یہ نظر آ رہا ہو کہ وہ جو پانی پی رہے ہیں اس میں زہر ملا ہوا ہے، ہمیں پتہ ہو کہ وہ جس جہاز میں سوار ہیں وہ غرق

ہونے والا ہے اور یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہم ان کی مدد کرنے سے معذور ہوں۔ یقیناً کسی بھی انسان کا دماغ اس خوفناکی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نئے نئے خطرات کے تیر ہمارے قریب سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک تیر نشانے پہ بیٹھ جاتا ہے۔

تو پھر جب ایشہ نے ہمیں اپنے سفر میں موت کے منھ میں جاتے اور مرنے سے بال بال بچتے دیکھا ہوگا تو اس پر کیا گزری ہوگی۔ مثلاً جب اس نے لیو کو میرے گھر میں پھانسی لگاکر خودکشی کرتے دیکھا تو وہ تڑپ اٹھی اور پتہ نہیں کون سی قوتیں آزما کر ایشہ نے اپنی روح کو وسط ایشیا کے کمبرلینڈ میں پہونچایا اور لیو کو خواب میں اپنے مسکن کا پتہ بتا دیا۔

بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال اور لیجئے جب اس نے یاک کی کھال کی پتلی اور کمزور رسی سے اس کھڈ میں لٹکتے دیکھا لیکن وہ خود اس کی مدد نہ کر سکتی تھی اور چونکہ اسے غیب کا علم نہ تھا اس لیے وہ یہ بھی نہ جانتی تھی کہ لیو بچ جائے گا یا مر جائے گا اگر مر گیا تو پھر اسے یعنی ایشہ کو پھر تنہا اور منتظر رہنا پڑے گا۔ یہاں تک کہ کسی آئندہ دور میں پھر جنم لے کر اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس وقت ایشہ کی جو حالت ہوئی ہوگی اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

اس کے تفکرات کا خاتمہ ان مادی خطرات پہ ہی نہیں ہو جاتا بلکہ دوسرے تفکرات بھی اسے آسیب بن کر پریشان کرتے ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ وہ جانتی تھی کہ اس کا محبوب جس دنیا میں ہے وہاں کشش کے بہت سے سامان موجود ہیں، حسین لڑکیاں ہیں جو اس کے جذبات کو بھڑکا سکتی ہیں خصوصاً اس کی قدیم رقیب اطینہ جو خود ایشہ کے بیان کے مطابق دور قدیم میں اس کی بیوی تھی۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمانے کی گرد میں لیو کا دل اسکی طرف سے پھیر دیں

وہ کسی اور کی طرف مائل ہو کر عائشہ کے بے پناہ حسن اور اس کے وعدے کو یکسر فراموش کر دے چنانچہ یوں وہ، جس نے اتنے عرصے تک انتظار کا عذاب برداشت کیا، آخر کار ایک گمنام اور تنہا ہستی بن کر رہ جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ خدا نے انسان کو غیب کا علم نہ دے کر ہم پر بڑا کرم کیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم مستقبل میں جھانک جھانک کر مارے خوف کے پاگل ہو جاتے اور پھر ہمارا خاتمہ ہو جاتا۔

اب اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عائشہ نے غیر فانی زندگی، لافانی محبت اور غیر محدود قوتیں حاصل کر کے خود اپنے پیر پر کلہاڑی ماری تھی اور اپنی روح کو ایک مسلسل عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے بے پناہ حسن اور فوق الفطرت قوتوں کا جو خزانہ حاصل کیا تھا اس میں سے ہزاروں سانپ نکل نکل کر اسے ڈس رہے تھے اور ہزاروں عفریت اسے بہکاتے رہتے تھے۔

لیکن اس عذاب اور راحت کا پلڑا برابر رہے۔ اس لیے اس کے دل میں خدا نے امید کی جوت جلا دی تھی۔

بیسواں باب

عائشہ کی کیمیا گری

اس چیتے والے واقعے کے کچھ ہی دنوں بعد عائشہ کے جاہ طلب اور شیطانی جذبات میں سے ایک جذبہ کھل کر ہمارے سامنے آ گیا۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر جب ہم ساتھ بیٹھے تو وہ ہمارے اس عظیم اور لامتناہی مستقبل کے متعلق باتیں کیا کرتی اور تجویزیں سوچا کرتی تھی جس کا وعدہ اس نے ہم سے کیا تھا۔

اگر میں نے پہلے کسی جگہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو یہاں میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس نے مجھے بہ کمال مہربانی مطلع کر دیا تھا کہ ہر چند کہ میں ماضی کے کسی دور میں اس بے بہا موقع کو قصداً ٹھکرا چکا ہوں۔ اس کے باوجود میں اب اس حیات بخش آگ میں نہا سکوں گا۔ البتہ یہ اس نے نہ بتایا کہ اس غسل کے بعد میری کیا صورت ہو گی۔ شاید یہ وہ نہ جانتی تھی اور اگر جانتی تھی تو یہ اس نے بتانا مناسب نہ سمجھا۔

البتہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں دل ہی دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ غسل کے بعد اگر واقعی میری صورت کو بدلنا ہے تو خدا کرے کہ وہ میری موجودہ شکل و صورت سے بہتر ہو جائے اور میں خوبصورت نہیں تو قبول صورت تو ضرور بن جاؤں۔ سچ تو یہ ہے کہ سارا معاملہ ہی مجھے حقیقت سے زیادہ ایک مہانا خواب معلوم ہوتا تھا۔ مجھے تو اس قسم کی لافانیت میں یقین کامل نہ تھا اور نہ ہی میں اس قسم کی طویل زندگی حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

خیر تو الیشہ کی یہ تجاویز بڑی دور رس اور ہمہ گیر تھیں۔ موجودہ زمانے کی تہذیبی ترقیوں اور سیاست کے متعلق اس کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اگر اسے موجودہ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کی توقیں حاصل تھیں تو وہ شاید اس طرف توجہ نہ کرتی تھی چنانچہ اس کی معلومات کا دائرہ بس انہیں باتوں تک محدود تھا جو کول کے غاروں میں ہم نے وقتاً فوقتاً اسے بتائی تھیں لیکن اب اس کی علم کی پیاس ایک دم سے بجھ کی آگ جیسے بجھانا ہمیں مشکل نظر آیا خصوصاً اس لئے کہ خود ہماری معلومات تازہ نہ تھیں کیونکہ پندرہ برس یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ ہم بیرونی اور مہذب دنیا سے کٹ گئے تھے اور خود الیشہ کی ہی طرح ہمارے تعلقات یکسر بیرونی دنیا سے منقطع تھے۔

اس کے باوجود ہم دنیا اور قوموں کی اس وقت کی حالت کے متعلق اسے بہت سی

باتیں بتا سکتے جب ہم نے متمدن دنیا کو پندرہ سال پہلے خدا حافظ کہا تھا اور ہم نے ملکوں اور ان کی حدود کے کچھ صحیح اور کچھ غلط نقشے بھی اس کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے بنا دیئے۔ ان نقشوں پر وہ بہت دیر تک غور کرتی رہی۔

معلوم ہوا کہ چینیوں سے اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی غالباً اس لیے کہ وہ قوم منگول سے واقف تھی۔ اور ہماری طرح ان کی بہت سی بولیوں کو سمجھ سکتی تھی۔ اس کی اس دلچسپی کی تہ میں اس کا ایک مقصد بھی تھا جو اس نے ایک رات ہمارے سامنے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے ظاہر کر دیا۔

جن قارئین نے اس کتاب کا دوسرا حصہ پڑھا ہے جس کا مسودہ میں نے اشاعت کے لیے اپنے ایک دوست کو انگلستان بھجوا دیا تھا، وہ بھولے نہ ہوں گے کہ جب ہم کور میں الیشہ کے پاس تھے تو اس وقت اس نے انگلستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے ہمیں دہشت زدہ کر دیا تھا اور اس کا یہ ارادہ محض اس لیے تھا کہ ہم انگلستان کے تھے اب اس کی قوتوں کی طرح اس کے خیالات میں بھی وسعت پیدا ہو گئی تھی چنانچہ اب اس نے لیو کو پوری دنیا کا حکمراں بنا دینے کی تجویز پیش کی۔ لیو نے اسے لاکھ سمجھایا کہ اسے حکمرانی کی طلب نہیں ہے اور نہ ہی وہ بادشاہ بننا چاہتا ہے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی بلکہ لیو کی ان باتوں پر ہنس کر بولی۔

"میں انسانوں میں پیدا ہوئی ہوں اس کے باوجود فوق البشر ہوں، چنانچہ ان پر فوقیت جتائے بغیر میں کیسے رہ سکتی ہوں؟ یہ بے حد ضروری ہے کہ دنیا کے سارے انسان میری فوقیت تسلیم کریں اور میرے سامنے جھک جائیں اور تم لیو مجھ پر حکمراں ہو چنانچہ کتنی بڑی بات ہے کہ میں تمہیں اپنا آقا تسلیم کرتی ہوں چنانچہ صاف بات یہ ہے کہ تم اس دنیا کے، کل دنیا کے آقا ہو گے اور شاید ان دنیاؤں کے بھی جو اب تک ظاہر نہیں ہوئی ہیں۔ کیونکہ ان دنیاؤں کے متعلق بھی مجھے تھوڑی

بہت معلومات حاصل ہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان دنیاؤں تک پہونچ سکتی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ اب تک میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میری اصل زندگی اب تک شروع نہیں ہوئی ہے۔ اس ایک دنیا میں میری جو تھوڑی سی زندگی گزری ہے وہ صرف تمہارے خیال اور تمہارے انتظار میں گزری ہے۔ یہاں تک کہ تم دوبارہ جنم لے کر میرے پاس آ گئے۔

"لیکن اب چند مہینے اور انتظار کا دَور کم ہو جائے گا۔ پھر ہمیں غیر فانی قوتیں حاصل ہوں گی، صدیوں کا علم حاصل ہوگا اور ہمیں وہ طاقت حاصل ہوگی کہ ہم پہاڑوں کو اپنے سامنے جھکا سکیں، صحراؤں کو سمندر اور سمندروں کو صحرا بنا سکیں گے اور تب ہمارا دور ہوگا، ہمارا زمانہ ہوگا۔ ہائے میں کس بے قراری سے اس گھڑی کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب ہم دونوں جڑواں ستاروں کی طرح آسمان عالم پر طلوع ہو کر پوری آب و تاب سے روشن ہوں گے اور لوگوں کی نظریں ہماری روشنی سے خیرہ اور حواس گم ہو جائیں گے۔ سچ کہتی ہوں لیو کہ مجھے اس سے بے حد خوشی حاصل ہوگی جب دنیا کی کل طاقتیں، سارے حکمراں، سارے شہنشاہ ہمارے سامنے جھک جائیں گے اور ہماری اطاعت کا حلف اٹھائیں گے، ہمارے نام سے لرزاں و ترساں ہوں گے اور ہماری مہربانی کے خواہاں ہوں گے۔ کم سے کم" اس نے اضافہ کیا۔ "کچھ عرصے کے لیے مجھے ایسی خوشی حاصل ہوگی یہاں تک کہ ہم اپنے لیے دوسری اور عظیم تر بلندیاں تلاش کر لیں گے۔"

چنانچہ یوں اس نے کہا اور اس کے ماتھے پر کا نورانی ہالہ زیادہ سے زیادہ روشن ہوتا اور پھیلتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کے سر پر ایک سنہری جھکے کی طرح معلوم ہوا اور اس کی خود خوبصورت اور سنجیدہ آنکھوں میں الاؤ سے بھڑکنے لگے اور اس میں میں نے شاہوں کی سطوت کو خاک میں ملتے اور دنیا بھر کے لوگوں کو گھٹنے ٹیکتے دیکھا۔

"لیکن ایشہ" لیو نے کہا جو ایشہ کی باتوں سے وحشت زدہ ہو گیا تھا اور جسے دنیا کا حکمران بننے سے کوئی دلچسپی نہ تھی "یہ سب تم کس طرح کروگی؟"

"کس طرح میرے لیو؟ بہت آسان ہے یہ تو۔ کئی راتوں تک میں اپنے زیرک دوست ہالی کی باتیں سنتی رہی ہوں۔ کم سے کم خود ہالی اپنی باتوں کو بڑی عقلمندانہ سمجھتا ہے حالانکہ اس کا علم ابھی مکمل نہیں ہے۔ خیر تو میں نے اس کی باتیں غور سے سُنی ہیں، اس کے بنائے ہوئے نقشوں کو بڑی توجہ سے مطالعہ کیا ہے اور اس کا موازنہ ان نقشوں سے کیا ہے جو میرے ذہن میں محفوظ ہیں کیونکہ ایسی معمولی معمولی باتوں پر غور کرنے کا مجھے اب تک وقت نہ ملا تھا۔ اس کے علاوہ تم نے دنیا کی قوموں کے متعلق جو کچھ بتایا ہے اس پر بھی میں نے خاصا سوچ بچار کیا ہے، ان کی عظمتوں کے متعلق سوچا ہے، دولت وقوت کے متعلق ان قوموں کی جدوجہد اور جھگڑوں اور خون خرابوں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں اور یہی فیصلہ بھی کر لیا ہے کہ ان سب کو ایک کڑی میں پرو کر متحد کر دینا ہی مناسب ہوگا پھر ہم دونوں ان کے حکمران اور مختارِ کل ہوں گے اور ان کی تقدیروں کے فیصلے ہوں گے۔ ان کی جنگوں، بیماریوں، غربت، بھوک وغیرہ کا خاتمہ کر دیں گے تاکہ چند دنوں تک زندہ رہنے والی یہ مخلوق بھگوڑے سے قبر تک خوش اور بے فکر رہ سکے۔

"اب اگر میرے لیو! تمہیں کشت و خون سے ایسی نفرت ہوتی ہے۔ چاہے یہ کسی سیاست یا مصلحت کی وجہ سے ضروری ہی کیوں نہ ہو، تو یہ کام بھی کا انجام پا گیا ہوتا کیونکہ میں وہ ہتھیار استعمال کرنا جانتی ہوں جو ان کی افواج کو خاک و خون میں ملا دیگا۔ اور ان کے بحری بیڑے کو غرق کر دے۔ ہاں کیونکہ بجلی اور عناصرِ قدرت تک میرے تابع فرمان ہیں لیکن تم موت کا منظر دیکھ کر گھبرا جاتے ہو اور کہتے ہو کہ آسمانوں حالانا خوش ہوگا کیونکہ میں نے ایسی قوتوں کو بقول تمہارے خدائی قوتوں کا

دعویٰ کیا ہے یا کر رہی ہو لہٰذا خیر۔ جیسا تم کہتے ہو ایسا ہی ہو گا کہ تمہاری مرضی میری مرضی ہے۔ چنانچہ ہم وہ ترکیب آزمائیں گے جو تم نے کہا ہو۔"

"اور وہ کون سی ترکیب ہے جس کی وجہ سے شاہانِ عالم اپنے تاج، تمہارے سر پر رکھ دیں گے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "سیدھی سی بات ہے۔ ان کی رعایا کو ہم مجبور کر دیں گے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور ان کی حکومت کو ہمارے حوالے کر دیں۔" عائشہ نے بڑے یقین سے جواب دیا "ہالی! ہالی! تمہارے خیالات کتنے ناپختہ ہیں اور تمہارا تصور کس قدر محدود ہے۔ اپنے دماغ کے تمام دریچے کھول دو اور پھر غور کرو جب ہم لوگوں میں اجنبی الطمینان دلانے کے لیے، سوتا لشاتے ظاہر ہوں گے۔ جب خوفناک اور لرزہ خیز قوتیں ہمارے جلو میں ہوں گی جب ہمارا حسن خیرہ کن ہو گا اور ہمیں لافانی حیات حاصل ہو گی تو پھر لوگ چیخ نہیں اٹھیں گے کہ "تم ہمارے بادشاہ بن جاؤ اور ہم پر حکمرانی کرو۔"

"شاید" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "لیکن تمہارا ظہور کہاں ہو گا؟"

اس نے مشرقی کرۂ ارض کا وہ نقشہ اٹھایا جو میں نے بنایا تھا اور پیکن میں انگلی رکھ کر بولی۔

"یہ ہے وہ مقام جو چند صدیوں تک ہماری قیام گاہ رہے گا۔ شاید تین یا پانچ یا سات صدیوں تک۔ اگر ان لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق اور ہمارے ذہنی سانچے میں ڈھالنے کے لیے اتنا طویل عرصہ درکار ہوا۔ میں نے ان چینیوں کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ ان لوگوں کی آبادی بہت زیادہ ہے اور یہ کہ یہ لوگ بہادر، نکتہ رس اور صابر ہیں اور حالانکہ کمزور حکومت کی وجہ سے پچھڑے ہوئے ہیں اور جاہل ہیں۔ تاہم اپنی بے پناہ تعداد کی وجہ سے مغربی قوموں پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں میں ہم اپنی حکومت کا آغاز کریں گے اور چند صدیوں

تک سکون سے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ یہ لوگ ہمارا علم سیکھ لیں گے اور تم میرے ہاتھ ان کی فوج کو ایسی تربیت دو گے کہ وہ ناقابل شکست بن جائیں گے۔ ان کی سرزمین کا عمدہ انتظام کرو گے، انھیں دولت اور امن دو گے اور ساتھ ہی ساتھ نیا مذہب بھی۔"

یہ نیا مذہب کیا ہو گا یہ میں نے نہ پوچھا اور یہ پوچھنا بھی غیر ضروری تھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس نئے مذہب میں خود الیشہ کی ہی پوجا ہو گی۔ اس کے علاوہ الیشہ کی باتوں نے اور اس کے خیال نے کہ جب وہ چینیوں میں ظاہر ہو گی تو کیا ہو گا میرے دماغ کو کچھ ایسا جکڑ لیا تھا کہ میں ان بظاہر معمولی باتوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہ سکا۔

لیکن اگر ایسا ہوا کہ مغربی قوتوں نے متحد ہو کر پہلے خود تم پر حملہ کر دیا؟" لیو نے بے چینی سے پوچھا کیونکہ الیشہ کے ہتک آمیز لہجے نے اسے غصہ دلا دیا تھا۔

"ہم۔م۔م۔" الیشہ نے کہا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں "یہ میں نے پہلے ہی سوچ لیا ہے اور کاش کہ ایسا ہی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد اگر میں نے اپنی قوتوں کا استعمال کیا تو پھر تم مجھے الزام نہ دو گے۔ اس کے بعد مشرق جو اتنی مدت سے خوابیدہ ہے بیدار ہو گا اور پھر جنگیں کے یکے بعد دیگرے میدانوں اور ایسے ایسے معرکوں کے بعد، جس کی نظیر تاریخ عالم پیدا کرنے سے قاصر ہے، میرا فتح کا جھنڈا اس سرے سے اس سرے تک لہراتا چلا جائے گا۔ تم قوموں کو یکے بعد دیگرے شکست کھاتے اور مٹتے دیکھو گے۔ یہاں تک کہ میں بے شمار قوموں کی لاشوں پر تمہارا تخت قائم کر دوں گی اور تمہیں دنیا کا حکمران، بلا شرکت غیرے بنا دوں گی۔ ہاں۔ تم آگ اور خون میں سے شاہ عالم بن کر اٹھو گے۔"

لیو کو یہ خیال قطعی پسند نہ آیا کیونکہ اس کے خیالات بہت حد تک جمہوری تھے اور اسے خود مختارانہ حکومت سے نفرت تھی چنانچہ وہ اس معاملے میں الیشہ سے بحث کرنے

لگا لیکن میں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ میرے نزدیک یہ ساری تجویزیں محض ہوائی قلعہ تھیں اور اس کی جاہ طلبی ایسی تھی کہ کوئی پاگل بادشاہ بھی اس کا خیال نہ کر سکتا تھا۔

لیکن ــــ اور یہ بڑی گڑبڑ تھی ــــ مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہ تھا کہ ایشہ جو کہہ رہی ہے وہ کر بھی سکتی ہے اور اپنے ارادے کو جامۂ عمل پہنا کر دنیا کو دم بخود کر سکتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ موت اسے چھو نہ سکتی تھی۔ اس نے موت پر فتح حاصل کر لی تھی اس کا بے پناہ حسن، اس کی آنکھیں، جو لوگوں کو پاگل کر سکتی تھیں اور اس کی بے پناہ قوت ارادی بے شمار لوگوں کو اس کا مطیع بنا سکتی تھی اور وہ اس کے ادنیٰ اشارے پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہو سکتے تھے۔ اس کی بے مثال ذہانت ایسے ایسے ہتھیار ایجاد کر سکتی تھی کہ دنیا کی کوئی فوج اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ بے شک وہ جو کچھ کہتی تھی کر سکتی تھی اور جیسا کہ مجھے یقین تھا اور اس کا ثبوت بھی مل چکا تھا کہ فطرت کی قوتیں اس کے اختیار میں تھیں مثلاً وہ قوتیں جو بجلی میں ہوتی ہیں جو کل بنی نوع انسان کو اس کا شکار بنا سکتی تھیں۔

اس کے باوجود ایشہ عورت تھی۔ بہت حد تک عورت تھی۔ چنانچہ ان دونوں سے اسے بھی نجات حاصل نہ تھی اور سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ کسی بھی انسان یا خدا کا خیال یا خوف اس کے لیے روک نہ تھا۔ جیسا کہ خود اس نے کہا تھا اور وہی خیال اطلینہ اور شامن ہیجری نے بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ دراصل ایک راندۂ درگاہ فرشتہ تھی۔ اور اگر یہ سچ تھا تو پھر اس کا اصلی مقام یہ نہ تھا۔ جہاں تک میری تحقیقات کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ صرف دو چیزیں اسے متاثر کر سکتی تھیں ایک تو لیو سے اس کی محبت اور دوسرے مجھ سے اس کی دوستی۔

تاہم لیو سے اس کی بے پناہ محبت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ جب ایشہ پر غیر فانی اور خود مختار حکمران ہونے کا خیال بلکہ یوں کہیے کہ بھوت سوار ہوتا تھا

تب بھی یہ انسانی محبت اس کو فانی بنا دیتی تھی۔ اسی محبت کا واسطہ دے کر اسے بے حس اور بے ضرر بنایا جا سکتا تھا ورنہ وہ ایک عالم کو تہ و بالا کر دیتی۔

میرا یہ خیال غلط نہ تھا۔

میں انھیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا اور ساتھ ہی ساتھ دعا مانگ رہا تھا کہ الیشہ میرے خیالات پڑھ نہ لے کہ دفعتہً مجھے احساس ہوا کہ اوروس آکر الیشہ کے سامنے سجدہ کر رہا ہے۔

"کیوں آئے کاہن؟" الیشہ نے سختی سے پوچھا کیونکہ اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ جب وہ نیو کے ساتھ ہو تو کوئی اس کی باتوں اور تنہائی میں مخل ہو۔

"اے ہوزیہ! جاسوس واپس آ گئے ہیں۔" اوروس نے جواب دیا۔

"جاسوس!" اس نے بے تعلقی سے جواب دیا۔ "جاسوس کیوں بھیجے تھے تم نے؟ مجھے تمہارے جاسوسوں کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اے ہوزیہ! تم نے ہی اس کا حکم دیا تھا۔"

"اچھا تو کیا خبر لائے ہیں وہ؟"

"بری خبر ہے۔"

"کوئی پرواہ نہیں۔ کہو۔"

"کلون کے باشندے خشک سالی کی وجہ سے پریشان ہیں جس کی وجہ سے انکی فصل تباہ ہو چکی ہے اور قحط انھیں ڈس رہا ہے اور اس کا الزام وہ ان اجنبیوں کو دیتے ہیں جو ان کی سرزمین میں آئے اور پھر بھاگ کر تمہارے پاس چلے آئے۔ خانیہ اطینہ بھی تمہارے اور ہمارے معبد کے خلاف غصے میں بھری ہوئی ہے۔ ملات دن بھاگ دوڑ کر کے اس نے دو زبردست لشکر تیار کر لیے ہیں۔ ایک چالیس اور

دوسرا پچیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ اس دوسرے لشکر کو اس نے اپنے ماموں شامس سیجر کی کے زیر کمان بہار ٹ کی طرف روانہ کر دیا ہے دوسرا لشکر اس نے اپنے پاس تیار رکھا ہے کہ اگر اس پہلے لشکر کو شکست ہو جائے وہ آگے کارروائی کرے۔ یہ دوسرا لشکر ایسا زبردست ہے کہ کلوس کی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔"

"واقعی بڑی اہم خبر ہے" ایشہ نے حقارت سے ہنس کر کہا "رشک و رقابت اور نفرت نے اس عورت کو ایسا پاگل بنا دیا ہے کہ وہ مجھ سے ٹکر لینے کی جرأت کر رہی ہے میرے دوست! ہاں۔ ابھی ابھی تم نے سوچا تھا کہ میں پاگل ہوں کہ ایسے منصوبے گڑھ رہی ہوں جنہیں پورا کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ خیر، کچھ دن کے اندر ہی اندر تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ یقیناً معلوم ہو جائے گا اور نتیجہ خواہ کتنا ہی منحوس کیوں نہ ہو آئندہ سے تم کبھی شک نہ کرو گے۔ ٹھہرو میں ذرا دیکھ لوں۔ حالانکہ یہ کوشش مجھے مضمحل کر دیتی ہے لیکن کیا پتہ یہ جاسوس خود اپنے خوف کا یا اطیفہ کے جھوٹ کا شکار بن کر دھوکا کھا گئے ہوں۔"

اور پھر دفعتہً جیسا کہ ایسے موقع پر اس کی عادت تھی، وہ خلا میں دیکھنے لگی اور ایسا وہ کبھی کبھی کیا کرتی تھی یا تو اس لیے کہ اس سے اسے کسی قسم کی تکلیف ہوتی تھی یا پھر جیسا کہ اس نے خود کہا تھا، وہ تھک جاتی تھی۔ اس کا چہرہ پتھر کا سا ہو گیا جیسا کہ عدم توجہ کی حالت میں ہو جاتا ہے۔ اس کے ماتھے پر کا طلقہ غائب ہو گیا اور اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔

کچھ ہی دیر بعد غالباً پانچ منٹ بعد اس نے ایک لمبا سا سانس لیا اس شخص کی طرح جو گہری نیند سے بیدار ہوا ہو، اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور پھر ویسی ہی ہو گئی جیسے پہلے تھی۔ حالانکہ وہ کچھ مضمحل معلوم ہوتی تھی جیسے اس کے جسم میں طاقت نہ رہ گئی ہو۔

"خیر یا لکل صحیح ہے۔" وہ بولی۔ "اور جلد ہی مجھے بھی کوئی قدم اٹھانا پڑے گا ورنہ بہت سی جانیں جائیں گی۔ میرے آقا! تم جنگ دیکھنا پسند کرو گے؟ نہیں تم یہیں محفوظ رہو گے اور میں اطینہ سے ملاقات کرنے جاؤں گی۔ جیسا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔"

"جہاں تم جاؤ گی میں بھی جاؤں گا۔" لیو نے غصے سے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"نہیں نہیں۔ تم نہیں جاؤ گے۔" ایشہ نے کہا لیکن زور دیئے بغیر گویا اور پھر وہ لی سے "خیر اس کے متعلق ہم پھر گفتگو کریں گے۔ اور وس! تم اسی وقت جاؤ اور آتش ہوز یہ ہر قبیلے کے پاس بھیج دو۔ آج سے تیسری رات کو قبائل کو یہاں جمع ہو جانے کا حکم دے دو۔ نہیں سب کے سب نہیں۔ ان کے بہترین بیس ہزار سپاہی کافی ہوں گے۔ بقیہ یہاں رہ کر پہاڑ اور معبد کی حفاظت کریں گے۔ انھیں ہدایت کر دو کہ وہ پندرہ دن کی خوراک اپنے ساتھ لائیں۔ وہ تیسری رات کی اگلی صبح کو اسکے پاس پہونچ جاؤں گی۔ بس! اب تم جاؤ۔"

اوروس نے جھک کر سلام کیا اور رخصت ہوا۔ فوراً ہی ایشہ اس معاملے کو بھول کر میری طرف گھوم گئی اور چینیوں کے متعلق اور ان کی رسومات کے متعلق سوالات پوچھنے لگی۔

دوسری رات اسی قسم کی گفتگو کے درمیان، جو مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ وہ گفتگو کیسے چل پڑی تھی اور اس کی تفصیل بھی مجھے یاد نہیں، لیو کے کسی سوال یا کوئی خاص بات نے ایک بات پھر ایشہ کو کھل کر سامنے آنے اور اپنی حیرت انگیز قوتوں کی نمائش پر مجبور کر دیا۔

لیو اس کے بعض ایشہ کے اس دعوے پر غور کر رہا تھا جو اس نے دنیا کو فتح کرنے کے متعلق کیا تھا اور یہ بات اس کے جی کو لگتی نہ تھی۔ کیونکہ اس قسم کا چنگیزی فتح کا خیال بھی اس کے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی نظریات کے خلاف تھا۔ چنانچہ اس نے دفعتہً کہا کہ ایشہ کو اپنے ان ارادوں کے لیے ایک نہ ایک دن باز رہنا پڑے گا کیونکہ اس قسم کی فتوحات پر ایسا زبردست خرچ آئے گا اور اتنے بہت سے روپوں کی ضرورت پڑے گی کہ خود ایشہ بھی اپنی تمام تر قوتوں کے باوجود اور لوگوں پر بڑے بڑے ٹیکس ڈالنے کے بعد بھی اتنی بڑی رقم کا انتظام نہ کر سکے گی۔ اس پر اس نے لیو کی طرف دیکھا اور ہنسی۔

"لیو!" اس نے کہا۔ "تمہارے خیال میں اور ہالی! تمہارے نزدیک بھی میں اس خبطی لڑکی کی طرح ہوں شاید جیسا کہتے ہیں ناقابلِ عمل خواب دیکھا کرتی ہے اور بڑے بڑے منصوبے بناتی ہے۔ تو تم سمجھتے ہو کہ میں ایک اکیلی عورت ساری دنیا سے جنگ کر لوں گی؟" اور یہ کہتے ہی وہ وقار سے تن کر بیٹھ گئی اور اس کی آنکھوں میں وہ چمک آ گئی جسے دیکھ کر میرا خون سرد ہو جاتا تھا۔ "اور وہ بھی کسی تیاری کے بغیر! جب سے ہم نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اسی وقت سے میں نے ہر پہلو پر غور کر کے پورا نقشہ مرتب کر لیا ہے اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں کس طرح لوگوں پر ٹیکس لگائے بغیر ــــ اور چونکہ ہم ٹیکس نہ لگائیں گے اس لیے لوگ اس ملکہ عالم سے اور بھی زیادہ پیار کریں گے ــــ اپنا خزانہ لبالب بھر لوں گی۔"

"لیو! تمہیں یاد ہے کہ جب میں کوور کے غاروں میں مقیم تھی تو کس طرح اپنی طویل اور بے کیف زندگی کو مصروف اور خوشگوار بنایا کرتی تھی؟ اسی طرح کہ میں فطرت کو مجبور کرتی تھی کہ وہ ایک ایک کر کے اپنے اہم اور بہترین اسرار مجھ پر ظاہر کر دے۔ میں وہ ہوں، عالم موجودات کی ساری باتوں کا علم رکھتی ہوں اور ان قوتوں سے متعارف ہوں

جوان کو مہیا کرتی ہیں۔ اچھا اب تم دونوں میرے ساتھ آؤ اور میں تمہیں وہ چیز دکھاؤں گی جو آج تک کسی انسان نے نہیں دیکھی۔"

"کیا دیکھنے والے ہیں ہم؟" میں نے الیشہ کی کیمیا گری کی قوتوں کو یاد کر کے پوچھا

"یہ تمہیں معلوم ہو جائے گا اور اگر تم ہمارے ساتھ چلنا نہیں چاہتے تو پھر معلوم نہ ہو گا۔ چلو لیو میرے محبوب! چلو اور اس فلسفی کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ پہلے یہ معمے بنائے اور پھر خود ہی انہیں اپنے طور پر حل کرے۔"

اور پھر میری طرف پشت کر کے وہ لیو کی طرف یوں دل لبھا لینے والے انداز سے مسکرائی کہ وہ مجھ سے زیادہ اس کے ساتھ جانے کو بے قرار ہو گیا۔ اگر لیو سے کہا جاتا کہ اس وقت الیشہ اسے دہکتی ہوئی بھٹی میں جھونکنے جا رہی ہے تب بھی وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو جاتا۔ بلا کا اثر تھا اس کی مسکراہٹ میں۔

چنانچہ وہ چل پڑے اور میں ان کے ساتھ چلا۔ کیونکہ الیشہ کے سامنے جھوٹا تکبر اور خودداری ظاہر کرنا اور پھر اسے نبھانا محض بیکار تھا۔ اس کے علاوہ میں الیشہ کا یہ تجربہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ بے شک لیو جو کچھ دیکھتا ہمارے سامنے بیان کر دیتا۔ تاہم آپ جانئے اس سے وہ بات پیدا نہ ہوتی۔

وہ ہمیں اس گزرگاہ سے لے گئی جو ہمارے لئے نئی تھی۔ ایک بند دروازے کے سامنے پہونچ کر وہ ٹھہر گئی اور لیو کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ لیو نے دروازہ کھولا تو اس کے پیچھے والے غار میں سے روشنی کا ایک سیلاب سا بہہ آیا۔ ہم نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ الیشہ کی تجربہ گاہ تھی۔ کیونکہ اس میں دھات کی بوتلیں اور مختلف قسم کے اوزار ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بھٹی بھی تھی جو اعلیٰ درجے کی تھی۔ کیونکہ اسے جلانے کے لیے نہ تو ایندھن کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس میں سے دھواں اٹھتا تھا اس کی آگ معبد کے ستونوں کی طرح، بطنِ زمین سے

آتی تھیں۔

جب ہم وہاں پہونچے ہیں تو اس تجربہ گاہ میں دو کاہن کام کر رہے تھے۔ ایک کاہن ایک دیگ میں کوئی چیز پکا رہا تھا جسے وہ آہنی سلاخ سے برابر چلا رہا تھا اور دوسرا کاہن اس دیگ میں سے دہکتا ہوا اسیال نکال کر مٹی کے سانچے میں ڈال رہا تھا بلکہ یوں کہیے کہ ڈھال رہا تھا۔ ایشہ کو سلام کرنے کے لیے ان دونوں نے اپنا کام چھوڑ دیا لیکن ایشہ نے انھیں اشارے سے اپنا کام جاری رکھنے کو کہا اور پھر پوچھا کہ سب ٹھیک ٹھاک تو ہے؟"

"ہاں۔ اے ہواِیہ! سب ٹھیک ہے"۔ انھوں نے جواب دیا۔

اور ہم آگے بڑھ کر اس غار سے نکل گئے اور بہت سے راستوں اور دالانوں سے گزرتے ہوئے ایک چھوٹے سے حجرے میں پہونچے جو چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا اس حجرے میں نہ تو چراغ تھے اور نہ ہی بطنِ زمین کی آگ۔ اس کے باوجود یہاں ہلکی ہلکی روشنی تھی جو سامنے کی دیوار سے پھوٹتی معلوم ہوتی تھی۔

"وہ کاہن کیا کر رہے تھے؟" میں نے محض اس اکتا دینے والی خاموشی کو ختم کرنے کی غرض سے پوچھا۔

"ہالی! فضول سوالات سے وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟" ایشہ نے جواب دیا۔ "کیا تمہارے ملک میں دھاتیں پگھلائی نہیں جاتیں؟ اب تم یہ معلوم کرنا چاہو گے کہ میں کیا کر رہی ہوں اور اگر میں نے بتایا تو تم یقین نہ کرو گے۔ چنانچہ اے بے یقین انسان تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے"۔

پھر اس نے دیوار پر لٹکتی ہوئی دو پوشاکوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ہم انھیں پہن لیں۔ یہ عجیب پوشاکیں تھیں جن کے بنانے میں کچھ کپڑا اور کچھ لکڑی استعمال کی گئی تھی اور ان سے جو ٹوپیاں لگی ہوئی تھیں وہ مخروطی ٹوپیوں کی طرح تھیں۔

عائشہ کی زیرِ نگرانی اور زیرِ ہدایت لیو نے مجھے یہ پوشاک پہنا دی اور پیچھے سے تسمہ باندھ دیا۔ اس کے بعد میرے خیال میں ۔۔ خیال میں اس لیے کہ جو ٹوپی میرے چہرے پر چڑھائی گئی تھی، اس میں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ البتہ میں آوازیں سن سکتا تھا ۔ خود عائشہ نے دوسری پوشاک لیو کو پہنا دی تھا۔

"میں تو بھئی بالکل اندھیرے میں ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "کیونکہ اب خاموشی طاری ہو گئی تھی اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چل نہ دیں۔

"ہاں ہالی!" عائشہ نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: "بے شک تم اندھیرے میں ہو جس طرح کہ شروع سے جہالت اور بے یقینی کا اندھیرے میں رہتے آئے ہو لیکن ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی میں تمہیں روشنی دوں گی۔"

فوراً ہی میں نے کسی چیز کے لڑھکنے کی آواز سنی غالباً یہ پتھر کا کوئی دروازہ تھا۔ جو کھل رہا تھا۔

اور پھر دفعتہ روشنی ہو گئی جیسا کہ عائشہ نے کہا تھا اور یہ ایسی تیز روشنی تھی کہ اس خصوصی لباس میں بھی میری نظر کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا کہ ہمارے عین سامنے کی دیوار کھل گئی تھی اور یہ کہ ہم تینوں ایک دوسرے حجرے کی دہلیز پر کھڑے تھے۔ اس کمرے کے انتہائی سرے پر ایک ٹھوس اور کالے پتھر کی قربان گاہ سی تھی اور اس قربان گاہ پر ایک بچے کے سر جتنی کوئی چیز پڑی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی شکل انسانی آنکھ کی سی تھی یا شاید مجھے ایسی معلوم ہوئی۔

اور اس آنکھ میں سے یہ تیز اور ناقابلِ برداشت روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس چیز پر چیتی کی شکل کا موٹا غلاف تھا اور یہ غلاف پکی ہوئی اینٹ کا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے باوجود اس کے آر پار روشنی یوں نکل رہی تھی جیسے وہ باریک کپڑے کا ہو۔ اس کے علاوہ جہاں شعاعیں چیتی میں سے ہو کر اوپر جا رہی تھیں وہ دھات کے ایک ڈبے پر پڑ رہی تھیں

جو چھت سے ایک چھینکے کے ذریعے لٹک رہا تھا۔

میرے خدا! کیا شعاعیں تھیں وہ اگر ساری دنیا کے تراشے ہوئے ہیرے تیز روشنی کے سامنے ڈھیر کر دیئے جاتے تب بھی ان میں جو روشنی پھوٹے گی وہ اس روشنی کے ہزارویں حصے کے برابر نہ ہوگی۔ یہ روشنی میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی اور میرے چہرے اور اعضا کی کھال کو جھلسا رہی تھی۔ اس کے باوجود عائشہ ان شعاعوں کے سامنے بغیر کسی احتیاط کے کھڑی تھی۔ یہی نہیں بلکہ وہ آگے بڑھی، پورا کمرہ عبور کر گئی اور اپنا نقاب الٹ کر ان شعاعوں پر جھک گئی شعاعیں اس کے جسم کے آر پار ہو گئیں اب وہ جیسے پگھلی ہوئی دھات کی عورت تھی۔ اس کے جسم کی ساری ہڈیاں یوں صاف نظر آ رہی تھیں کہ انھیں الگ الگ شمار کیا جا سکتا تھا اس نے چھینکے سے لٹکے ہوئے دھات کے ڈلے کا معائنہ کیا۔

"واہ یہ تو بالکل تیار ہے اور خلاف توقع سب سے پہلے تیار ہو گیا ہے۔" اس نے کہا۔

اور اس آسانی سے جیسے وہ ہلکا سا پَر ہو عائشہ نے وہ ڈلا اپنے ننگے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور اسے لے کر اس جگہ آئی جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ہنس کر بولی۔

"کہو عالم خاص ہالی! مجھ سے بہتر کیمیا گر کے متعلق تم نے کسی کتاب میں پڑھا ہے؟"

اور اس نے وہ تقریباً دہکتا ہوا ڈلا اس نقاب تک اٹھا دیا جو میرے چہرے کو چھپائے ہوئے تھی۔

اور تب میں پلٹ کر بھاگا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ لشتم پشتم چلا۔ کیونکہ اس عجیب لباس میں بھاگنا تو مشکل تھا۔ میں کمرے سے باہر نکل کر بھاگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چٹانی دیوار نے میرا راستہ روک لیا اور میں عائشہ کی طرف پشت کیے اور دیوار سے سر

ٹکا کر کھڑا ہو گیا کیونکہ میں تو محسوس کر رہا تھا جیسے دہکتی ہوئی سلاخیں میری آنکھوں میں گھونپ دی گئی ہوں۔ میں یوں کھڑا ہوا تھا اور عقب سے الیشہ کی آواز سنائی دے رہی تھی جو ہنس رہی تھی اور میرا مذاق اڑا رہی تھی یہاں تک کہ میں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اندھیرا چھا گیا اور سچ کہتا ہوں اس وقت مجھے یہ اندھیرا خدا کی ایک بڑی نعمت معلوم ہوئی۔

پھر الیشہ لیو کے جسم پر سے وہ خاص لباس اتار نے لگی اور لیو نے میرا لباس اتار دیا۔ اور اب ہم وہاں مدھم روشنی میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے اُلوؤں کی طرح آنکھیں ٹپٹپا ٹپٹپا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور ہماری آنکھوں سے بے تحاشہ پانی بہہ رہا تھا۔

"کیوں ہالی! اب اطمینان ہوا؟ اب آیا یقین؟" الیشہ نے پوچھا۔

"کاہے سے؟" میں نے غصہ ہو کر جواب دیا۔ کیونکہ میری آنکھوں میں ناقابل برداشت جلن ہو رہی تھی۔ "ٹھیک ہے۔ اس شیطانی چرخے اور آنکھوں کی سوزش سے بے شک مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔"

"اور مجھے بھی" لیو نے کہا جو ایک طرف کھڑا زیر لب گالیاں بک رہا تھا۔

لیکن الیشہ ہنسی اور ہنستی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔

"واہ یہ کیا احسان فراموشی ہے" وہ بولی "میرے لیو! تم وہ عجائبات دیکھنا چاہتے تھے جن پر میں کام کر رہی ہوں اور ہالی! میں نے تم سے وہیں ٹھہرے رہنے کو کہا تھا۔ اس کے باوجود تم ہمارے ساتھ چلے آئے اور اب تم دونوں خفا ہو اور اس بچے کی طرح رو رہے ہو جس کی انگلی میں یہ چوٹ آ گئی ہو۔ لو یہ لو" اور اس نے کوئی عرق ہمیں دیا جو قریب ہی رکھا ہوا تھا۔ "یہ اپنی آنکھوں میں لگا لو اس سے جلن

جاتی رہے گی۔"

چنانچہ ہم نے وہ عرق لگایا اور جلن غائب ہو گئی۔ حالانکہ میری آنکھیں اسکے بعد بھی کئی گھنٹوں تک لال بوٹی بنی رہیں۔

"اور وہ عجائبات کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "اگر تمہاری مراد اس ناقابلِ برداشت شعلے سے ہے تو......"

"نہیں بلکہ میری اس چیز سے ہے جو اس چیز سے پیدا ہوتی جسے تم نے اپنی جہالت کی وجہ سے شعلہ کہا ہے۔ اب دیکھو۔" عائشہ نے دھات کی اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا جسے وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی اور جو اب ہمارے سامنے فرش پر رکھا ہوا تھا۔ "گھبراؤ نہیں۔ یہ گرم نہیں ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ میں ایسی بیوقوف ہوں کہ اپنے ہاتھ جلا کر کالے کر لوں گی؟ اسے چھوؤ ہالی!"

لیکن میں نے اسے چھوا نہیں۔ کیونکہ میں نے سوچا کہ آگ عائشہ کو جلا نہ سکتی تھی اور اس پر اثر نہ کرتی تھی اور پھر مجھے خوف تھا کہ وہ اس وقت مجھ سے شرارت کر رہی تھی۔ چنانچہ میں دھات کے اس ٹکڑے کو چھوئے بغیر اس کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔

"اب بتاؤ ہالی یہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا

"سونا،" میں نے جواب دیا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر اضافہ کیا۔ "تانبا۔" کیونکہ اس میں جو چمک اور سرخی مائل زردی تھی وہ دونوں دھاتوں میں پائی جاتی ہے۔

"نہیں۔" عائشہ نے کہا۔ "یہ سونا ہے۔ خالص سونا!"

"معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچی دھاتیں کثرت سے مل جاتی ہیں۔" لیو نے کہا۔ "کیونکہ میری زبان تو گنگ تھی۔

"ایک کچی دھات کی کثرت ہے یہاں اور وہ ہے لوہا۔"

"لوہا!" اور لیو نے حیرت سے ایشہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں" ایشہ نے جواب دیا۔ "کیونکہ دنیا میں ایسی کوئی کان نہیں ہے جس میں سے اتنا بہت سا سونا اور اس کے اتنے بڑے ٹکڑے نکلتے ہوں۔ میرے پیارے لیو! یہ کچا لوہا ہے جسے میری کیمیا گری نے سونا بنادیا ہے اور یہی وہ سونا ہوگا جو ہماری ضروریات پوری کرے گا۔ میرا مطلب وقت آنے پر۔"

اور لیو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے اور میں کراہنے لگا۔ کیونکہ مجھے یقین نہ آتا تھا کہ یہ سونا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میں یہ تو کسی طور پر تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھا کہ ایشہ یہ قیمتی دھات بنا سکتی ہے۔ میری دلی کیفیت معلوم کر کے ایشہ ایک دم سے غصے ہو گئی جیسی کہ اس کی عادت تھی۔

"مادر فطرت کی قسم ہالی!" وہ چیخ کر بولی۔ "اگر تو میرا دوست نہ ہوتا اور تیری حماقت اور بے یقینی کے باوجود میں خود تیری دوستی کا دم نہ بھرتی تو میں تیرا دایاں ہاتھ ان پراسرار شعاعوں میں باندھ دیتی۔ یہاں تک کہ تیرے اس ہاتھ کی ہڈیاں تک سونے میں تبدیل ہو جاتیں لیکن نہیں تم پر غصہ کرنا فضول ہے کیوں کہ تم اندھے بھی ہو اور بہرے بھی۔ اس کے باوجود میں تمہیں یقین دلاؤں گی۔"

اور ہمیں وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ گزرگاہ میں گئی اور کارخانے میں کام کرتے ہوئے کاہنوں سے کچھ کہا اور واپس آ گئی۔

چند ثانیوں بعد ہی دو کاہن ایک اسٹریچر سا اٹھا لائے۔ اس اسٹریچر پر کچے لوہے کا ایک بڑا ڈلا رکھا ہوا تھا۔ یہ ڈلا یا ٹکڑا اتنا بڑا تھا کہ دونوں کاہن اس سے زیادہ وزنی ٹکڑا اٹھا نہ سکتے تھے۔

"ہالی! غور سے دیکھو۔ یہ تو لوہا ہی ہے نا؟" ایشہ نے پوچھا۔ "تمہاری

شناخت کے لیے میں اس پر کون سا نشان بناؤں ؟ ٹھیک ہے۔ علامتِ حیات بنائے دیتی ہوں۔"

اور اس کے حکم سے کاہنوں نے چھینی سے ہتھوڑا اُٹھایا اور لوہے پر گہری علامتِ حیات یعنی صلیب جس کے اوپری سرے پر آنکڑا بنا ہوا تھا بنا دی۔

"یہ کافی نہیں ہے۔" جب کاہن اس کام سے فارغ ہوئے تو الیشہ نے کہا۔ "ہالی! اپنا چاقو مجھے دو۔ کل میں تمہیں یہ چاقو واپس دوں گی اور اس وقت یہ بہت زیادہ قیمتی بن چکا ہو گا۔"

چنانچہ میں نے اپنا شکاری چاقو، جو ہندوستان کا بنا ہوا تھا اور جس کے دستے پر لوہے کا پتر چڑھا ہوا تھا، نکال کر الیشہ کو دے دیا۔

"ہالی! یہ نشانات ذہن نشین کر لو۔" الیشہ نے کہا اور چاقو پر کے چند نشانات اور اس پر کے کندہ اس کے بنانے والے کا نام کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا۔" میں نے سر ہلا دیا۔

اب الیشہ نے کاہنوں سے وہ لباس، جسے شعاع پروف کہنا مناسب ہو گا، ہمیں لینے کو کہا اور ہم سے کہا کہ ہم کمرے سے نکل کر گذرگاہ میں اوندھے منہ لیٹ جائیں۔

چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور اس وقت تک یونہی اوندھے لیٹے رہے جب تک کہ چند منٹوں بعد، الیشہ نے ہمیں آواز نہ دی۔

ہم اُٹھ کر واپس کمرے میں پہنچے۔ کاہن شعاع پروف لباس اُتار چکے تھے اور اپنی آنکھوں میں روغن لگا رہے تھے۔ میرا چاقو اور لوہے کا وہ ٹکڑا ان کے پاس نہ تھا اب الیشہ نے کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ سونے کے رنگ کی دھات کے اس ٹکڑے کو اسٹریچر پر رکھ لیں اور ساتھ چلیں۔ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور ہم نے دیکھا کہ ہرچند کہ دونوں کاہن مضبوط جسم کے اور تگڑے تھے لیکن اس ٹکڑے کے بوجھ

سے جھکے جا رہے تھے۔

"یہ کیا بات ہے عائشہ کہ تم عورت ہو کر دھات کے ٹکڑے کو آسانی سے اٹھا لیتی ہو جس کے بوجھ سے یہ دونوں لڑکھڑا رہے ہیں؟" لیو نے پوچھا۔

"یہ اس قوت کا غلبہ ہے جسے وہ دونوں آگ کہتے ہیں" عائشہ نے جواب دیا۔ "اس آگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے بوجھل پن کو عارضی طور پر ختم کر دیتی ہے۔ ورنہ تم ہی کہو مجھ جیسی نازک عورت اتنا وزن اٹھا سکتی ہے یا اٹھا سکتی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ اب میں سمجھ گیا" لیو نے سر ہلا کر جواب دیا۔

تو یوں یہ معاملہ ختم ہوا۔ دھات کے اس ٹکڑے کو چٹان میں بنے ہوئے ایک خانے میں رکھ دیا اور اس پر لوہے کا ڈھکن رکھ دیا گیا۔ اسکے بعد ہم عائشہ کے کمرے میں واپس آئے۔

"تو معلوم ہوا کہ زبردست قوتوں کے ساتھ دنیا کی ساری دولت بھی تمہاری ہے"۔ لیو نے کہا کیونکہ میں تو عائشہ کی دھمکی بھولا نہ تھا اس لیے خاموش تھا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے" عائشہ نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "صدیوں پہلے میں نے یہ راز معلوم کر لیا تھا لیکن تمہاری آمد سے پہلے میں نے اسے جامۂ عمل نہ پہنایا تھا۔ یہ ہالی اپنی عام عادت کے متعلق اسے جادو سمجھتا ہے لیکن میں پھر کہتی ہوں کہ یہ کوئی جادو نہیں ہے۔ صرف علم ہے۔ جو اتفاقاً مجھے حاصل ہو گیا ہے۔"

"بے شک" لیو نے کہا "تمہارے نقطۂ نظر سے تو یہ بات بے حد معمولی ہے۔ لیکن عائشہ! تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ تمہاری یہ دریافت ایک عالم کو تہ و بالا کر دے گی!"

"لیو!" عائشہ نے جواب دیا۔ "میرا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو دنیا کو، جس کا تمہیں

اس قدر خیال ہے، تو دبا لنانہ کر دے۔ میری جان! تمہیں دنیا کا نہیں بلکہ میرا خیال کرنا چاہیئے۔"

میں سکرایا لیکن عین وقت پر سنبھل کر میں نے اپنی مسکراہٹ کو خفگی میں تبدیل کر دیا اور لیو کی طرف دیکھا لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں اس پر بھی الیشہ بگڑ نہ جائے۔ میں نے اپنے بشرے پر سے سارے جذبات دور کر دیئے۔

"اگر ایسا ہی ہے۔" الیشہ نے کہا۔ "تو دنیا کو تہ و بالا ہو جانے دو۔ لیکن احمد سے تمہارا مطلب کیا ہے؟ میں معافی چاہتی ہوں کہ اکثر دفعہ میں تمہاری باتیں کچھ نہیں سکتی۔ بات یہ ہے کہ میں اتنے بہت سے برسوں تک تنہا رہی ہوں اور تم جیسے داناؤں سے صدیوں تک گفتگو نہیں کی۔ چنانچہ میرا ذہن قدرے کند ہو گیا ہے۔"

"تو میرا مذاق اڑا کر تمہیں مسرت حاصل ہوتی ہے؟" لیو نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "لیکن یہ بات شرافت کے خلاف ہے۔"

اب الیشہ ناگن کی طرح پھنکار کر اس کی طرف گھوم گئی اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن لیو نہ ڈرا نہ گھبرایا بلکہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا ہاتھ باندھے اور براہ راست الیشہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ دیر تک لیو کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بولی۔

"لیو! اس تقدر شدہ دجہ کے بعد جس سے تم واقف نہیں ہو، میں تم سے دیوانہ وار اس لیے بھی محبت کرتی ہوں کہ تنہا تم ہی وہ شخص ہو جو مجھ سے نہیں ڈرتے۔ اس ہالی کی طرح نہیں کہ جب سے میں نے اس کی ہڈیوں کو سونا بنا دینے کی دھمکی دی ہے، اور یہ میں کر بھی گزرتی،" اور وہ ہنسی "تب سے وہ بھیگی بلی بن گیا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ جب بھی میں اس کی طرف دیکھتی ہوں وہ کانپ کانپ اٹھتا ہے۔"

"میرے پیارے! تم کس قدر مہربان ہو مجھ پر اور کتنا تحمل ہے تم میں کہ میری

نسائی کمزوریوں پر خفا نہیں ہوتے ۔"
اور وہ یوں آگے بڑھی جیسے لیو سے لپٹ جانے والی ہو لیکن فوراً ہی کچھ یاد کرکے ٹھٹک گئی ہسنبھلی اور ایک کاؤچ کی طرف اشارہ کیا کہ لیو اس پر بیٹھ جائے جب لیو کاؤچ پر بیٹھ گیا تو وہ خود ایک تپائی گھسیٹ کر لیو کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اس کے چہرے کی طرف اس بچے کی طرح معصومیت سے دیکھنے لگی جو کہانی سننے کا منتظر ہو۔

"لیو! یہ تم نے کیا کہا کہ دنیا تہ و بالا ہو جائے گی؟ کیا وجہ ہے اس کی؟ بتاؤ میرے پیارے! اور اب میں اس پر ٹھنڈے دل سے غور کروں گی۔"

"بہت اچھا مختصراً بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ دنیا جب سے تم ـــ تم ....."

"اپنی ابتدائی آوارہ گردی کے دور میں واقف تھیں" ایشہ نے لقمہ دیا۔

"ہاں ـ اس دنیا نے دولت کا معیار سونا قرار دیا ہے تمام تہذیبوں کی بنیادیں اسی پر قائم ہیں۔ تمدن کی نیو اسی پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس دھات کو، یعنی سونے کو اس قدر عام کر دیا گیا جیسی کہ تم کر سکتی ہو پھر یہ تہذیب اور یہ تمدن ملیامیٹ ہو جائے گا۔ روپے کی کوئی قیمت نہ ہو گی اور انسان ایک بار پھر اپنے وحشی اجداد کی طرح اپنی ضروریات کی چیزوں کا تبادلہ دوسری چیزوں سے کرے گا یعنی لین دین کا یہی طریقہ ہو گا جو اس وقت جنگلوں میں رائج ہے"

"تو اس میں کیا برائی ہے؟" ایشہ نے کہا "خرید و فروخت کا یہ طریقہ تو بے حد سیدھا اور آسان ہے اور اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ انسان اس دور کے قریب بہت قریب پہونچ جائے گا جب لوگ اچھے تھے اور عیش و آرام اور لالچ سے واقف نہ تھے۔"

"اور پھر بیٹھ کے کلہاڑوں سے ایک دوسرے کے سر پھوڑتے رہیں گے" لیو نے کہا۔

"ہاں جو آج فولاد کے ہتھیاروں سے ایک دوسرے کے سینے کھول دیتے اور سیسے کی ان گولیوں سے، جن کے متعلق تم نے مجھ سے بتایا ہے' ایک دوسرے کو بھون دیتے ہیں۔ لیو جب قومیں کنگال ہو جائیں گی اور ان کے سنہرے دیوتا کو زوال آجائے گا، جب سٹے اور نفع خور تاجر کانپیں گے اور اس خیال سے ان کے چہرے فق ہو جائیں گے کہ ان کی ذخیرہ اندوزی سے اب کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ جب دنیا کے سود خواروں کو نقل محفل بناؤں گی۔ جب میں دولت سمیٹنے والوں کے دیوالے پٹوا دوں گی۔ جب میں سٹے کے بازاروں کی ویران سڑکوں پر قہقہے لگاؤں گی تو تم ہی کہو کیا اس وقت دنیا والوں کے لیے سکھ کے دن شروع نہ ہوں گے؟

"اگر میں ان چند لوگوں کو دکھی کرتی ہوں جو صرف اپنی بھلائی سمجھتے ہیں، غریبوں کا خون چوستے ہیں، روپے کو اپنا خدا سمجھتے ہیں، جو دوسروں کو کانٹوں کے بستر پر سلا کر خود پھولوں کی سیج پر سوتے ہیں، جو دوسروں کے گھر اجاڑ کر اپنے گھر بساتے ہیں، جو غریبوں کی جھونپڑیاں گرا کر اپنے محل تعمیر کرتے ہیں، جو دوسروں کے منہ سے لقمہ چھین کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں ___ ہاں اگر ایسے لوگوں کو میں نے دکھی کیا تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اگر میں ان زر پرستوں کے گھر سونے سے بھر دوں یہاں تک کہ انکی طبیعت اس سے اوب جائے گی اگر میں مفلسی کو تونگر کر دوں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اب تم ہی کہو کہ وہ دنیا اچھی اور دنیا والے سکھی ہوں گے کہ نہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا" لیو نے جواب دیا "میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک عجیب اور مختلف دنیا ہو گی ایک ایسی دنیا جو نئے اور نہ آزمائے ہوئے اصولوں سے چلائی جائے گی اور جس کی منزل قطعی مختلف ہو گی۔ ایسی عجیب دنیا میں کون کہہ سکتا ہے یقین سے کیا ہو گا کیا نہ ہو گا۔"

"خیر اس کا پتہ تو تجربہ کرنے کے بعد ہی چل سکتا ہے لیو! اگر اس کے خلاف

ہو تو ہم سرے سے یہ تجربہ کر دیا گیا ہی نہیں، معلوم ہوتا ہے تم یہی چاہتے ہو کہ دنیا پر بدی کی ہی حکمرانی رہے۔ چنانچہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے اس پر کہ لوگوں پر وہی سنہری دیوتا حکمرانی کرتا ہے اس کی جگہ میں کسی دوسرے دیوتا کو نہ بٹھاؤں گی جیسا کہ میں چاہتی تھی یعنی اس زبردست قوت کو بادشاہ نہ بناؤں گی جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور نہ صرف انسانوں کو صحت بخش سکتی ہے بلکہ دھات کو بھی تبدیل کر دیتی اور میں اس پر قابض ہوں۔ چنانچہ میرے ایک ادنیٰ اشارے پر یہی قوت آبادیوں کو برباد بھی کر سکتی ہے۔

"لیکن یہ دیکھو۔ ہالی غریب سوچتے سوچتے تھک گیا ہے اور اسے آرام کی سخت ضرورت ہے۔ ہاں میرے دوست! تمہیں تو قدرت نے تنقید کرنے کیلئے پیدا کیا ہے تخلیق کے لیے نہیں اور میں ایسے لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں کیونکہ میرے زمانے میں اسکندریہ کے مدرسے ایسے نقادوں کی نکتہ چینیوں سے گونجا کرتے تھے اور یہ انھیں لوگوں کی ہڈیوں کی خاک کا طفیل ہے کہ ہم آج بھی فضا کو تنقید اور تبصروں سے بوجھل پاتے ہیں۔ ہالی میں تمہیں بتاتی ہوں کہ چیزوں کے خالق بعض اوقات نقادوں کے بیکار شور اور شکوک سے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ لیکن میرے دوست! تم ذرا نہیں اور نہ ہی میرے غصے کا برا مانو۔ تمہارا دل خلوص و محبت سے پُر ہے۔ چنانچہ وہ کونسا ہے اس لیے تمہاری ہڈیوں کو سونا بنانے کی ضرورت نہیں۔"

میں نے الیشہ کی اس تعریف کا شکریہ ادا کیا اور یہ سوچتا ہوا اپنے بستر پر لیٹ گیا کہ سچ کیا ہے الیشہ کا غصہ یا عنایت یا خدا ہی جانے یہ دونوں ہی جذبات بھی محض مصنوعی اور دکھاوا ہیں۔ میں یہ بھی سوچتا رہا کہ اسکندریہ کے نقادوں سے اس کا کیا تعلق اور یہ کہ اسے ان داناؤں سے ایسی چڑ کیوں ہے۔ شاید اس نے کسی زمانے میں کوئی نظم لکھی تھی یا اپنا فلسفہ شائع کیا تھا اس پر اسکندریہ کے نقادوں نے

کڑی تنقید کی تھی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے لیکن پھر یہ بات بھی تھی کہ الیشہ نے نظم لکھی ہوتی تو آج بھی وہ دنیا میں صافو کی نظم کی طرح زندہ اور مشہور ہوتی۔

دوسرے دن مجھے اعتراف کرنا پڑا الیشہ کی ہر بات چاہے غلط لیکن وہ حقیقت میں ایک بہت بڑی بلکہ عظیم ترین اور حقیقی کیمیا گر تھی۔

ہوا یوں کہ جب میں کپڑے پہن رہا تھا تو وہ کاہن جنہیں ہم تجربہ گاہ میں کام کرتے دیکھ چکے تھے، ایک اسٹریچر پر زبردست بوجھ رکھے اور اسے اپنے درمیان اٹھائے لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئے اس چیز پر جو اسٹریچر پر تھا، کپڑا ڈھکا ہوا تھا۔ اوروس ان کے ساتھ تھا۔ اس نے اشارہ کیا اور کاہنوں نے وہ چیز فرش پر رکھ دی۔

"کیا ہے یہ؟" میں نے اوروس سے پوچھا۔

"الیشہ نے یہ تحفہ بھیجا ہے۔" اوروس نے جواب دیا۔

"تحفہ!"

"ہاں۔ اس بات کے ثبوت میں کہ وہ تم سے خفا نہیں ہے یعنی یہ صلح کا تحفہ ہے کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر گزشتہ کل تم اس سے جھگڑا کرنے کی حماقت کر بیٹھے تھے!"

اور اوروس نے کپڑا اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ یہ دھات کا وہی ٹکڑا تھا جس پر الیشہ نے میرے اور لیو کے سامنے علامت حیات بنائی تھی (عنہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲)

عنہ:۔ یونان کی مشہور شاعرہ جو تقریباً چھ سو سال قبل مسیح تھی۔ اس کی زندگی کے متعلق بہت سے افسانے مشہور ہیں جن میں حقیقت تلاش کرنا ناممکن ہے۔ اسکی جتنی بھی شاعری ہم تک پہنچی ہے وہ عشقیہ شاعری کا شاہکار تھی۔ مترجم۔

یہ نشان اب بھی اس پر موجود ہے۔ بے شک یہ وہی ٹکڑا تھا البتہ فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ لوہا نہیں بلکہ خالص سونا تھا اور اس قدر عمدہ اور نرم کہ ناخون سے اس پر نام کندہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ میرا چاقو بھی تھا اور اس کا دستہ بھی اصل نہیں سونے کا بن چکا تھا۔

بعد میں ایشہ نے یہ چاقو مجھ سے لے کر دیکھا اور اپنے تجربے سے مطمئن نہ ہوئی

؎ (حاشیہ صفحہ ۴۲۸) بعد میں ثابت ہو گیا کہ ایشہ کی کیمیا گری کس قدر مکمل تھی اور اس کا وہ علم کس قدر صحیح تھا جس کی رو سے اس نے وہ راز معلوم کر لیا تھا جس کو حاصل کرنے کے لیے ہزاروں کیمیا گروں نے اپنا جانیں نذر کی تھیں اور اب بھی لڑ رہے ہیں یعنی معمولی دھات کو خالص سونا بنا دیا۔ جب میں ہندوستان کی سرحد میں پہونچا تو وہاں جو سب سے پہلے قصبہ پڑتا تھا اس کے ایک جوہری کے پاس اپنا چاقو لے گیا۔ یہ شخص اپنے فن میں جتنا ماہر تھا اتنا ہی بے ایمان بھی تھا۔ میں نے اس سے چاقو کے دستے کو پرکھنے کو کہا۔ اس نے کئی قسم کی تیزابوں اور دوسرے طریقوں سے اسے پرکھا ہی نہ کہا کہ خالص سونا ہے اور شاید اس نے کہا تھا، چوبیس قیراط کا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ یہ سونا کسی عجیب طریقے سے چاقو کے پھل میں سرایت کرتے کرتے رہ گیا ہے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے بتادوں کہ ایسا کیوں ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ میں اسے نہ بتا سکا۔ البتہ اس کی درخواست پر چاقو اسکی دوکان پر ہی چھوڑ آیا کہ وہ اسے اور طریقوں سے پرکھنا چاہتا تھا۔ دوسرے دن مجھ پر دل کا دورہ پڑ گیا۔ یہ دورے پچھلے ایک عرصے سے پڑنے لگے تھے۔ چنانچہ میں چند دنوں تک صاحب فراش رہا۔ جب میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا اور دکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ جوہری اپنی دکان اور قصبہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا کسی کو پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں گیا تھا غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کمبخت میرا چاقو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ ہوریس ہالی۔

اس نے مجھے بھی دکھایا کہ پھل پر بھی ایک انچ کی لمبائی تک سنہری دھاریاں پیدا ہو گئیں تھیں جس کی وجہ سے، اس نے کہا، پھل شاید کمزور ہو گیا ہو گا وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ صرف دستہ سونے کا بن جائے اور بس۔

اس واقعے کے بعد میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ ایشہ نے یہ معجزہ کیسے کیا اور کن چیزوں سے یا کن سے مرکبات سے اس نے وہ بجلی کا سا مادہ بنایا تھا جو اس کا غلام تھا اور جس کے ذریعے وہ چیزوں کی صفات تبدیل کر دیتی تھی اور یہ کہ اس مادے میں آتش حیات کا بھی عنصر موجود تھا جو ہم نے کور کے غار میں دیکھی تھی۔ علے میں نے لاکھ دماغ لڑایا لیکن آج تک اس معمے کو حل نہ کر سکا کیونکہ یہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ ایشہ دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ کر چکی تھی اس لیے اس کی تجربہ گاہ میں ہر وقت سونا بنانے کا کام جاری رہتا ہے۔ حالانکہ دنیا کو فتح کرنے کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

علے:۔ جدید تحقیقات کے مدنظر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ "پراسرار آتش حیات" کچھ ہی کیوں نہ ہو بہر حال وہ آگ نہ تھی۔ کیونکہ نہ تو وہ خود جلتی تھی اور نہ جلاتی تھی۔ چنانچہ وہ کوئی قوت تھی جس کا منبع یا تو ریڈیم کا کوئی ذخیرہ تھا یا ایسی ہی کوئی چیز تھی جس میں سے شعاعیں پھوٹتی تھیں جب ۱۸۸۶ء میں مسٹر ہالی کو اس قسم کی حیرت انگیز شعاعوں کا علم ظاہر ہے کہ نہ تھا۔ لیکن ایشہ نہ صرف ان شعاعوں بلکہ ان کی حیرت انگیز تاثیر سے واقف تھی جس سے ہمارے زمانے کے سائنس داں اور کیمیاگر تک پوری طرح واقف نہیں ہو سکے۔ حالیہ سائنسداں اور کیمیاگر ان شعاعوں کی محض معمولی تاثیر ہی معلوم کر سکے ہیں۔

۔ مؤلف۔

بہر حال اس کے بعد مختصر عرصے میں، جب ہمارا اور اس کا ساتھ رہا، الیثہ نے پھر کبھی اس کا تذکرہ نہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا یا پھر یہ بات تھی کہ دوسرے اتنے اہم معاملات درپیش تھے کہ فی الحال اس نے اپنے خیال کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ تاہم ہزاروں باتوں میں سے، جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں، میں نے اس ایک واقعے کا ذکر اتنی تفصیل سے اس لیے کیا ہے کہ اس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا تھا اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ الیثہ کو فطرت کی پراسرار قوتوں پر کس قدر اختیار حاصل تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑے اور خوفناک تجربے سے دوچار ہونا ہمارے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

اکیسواں باب

اطیمنہ کی پیشنگوئی

اس عجیب واقعے کے، جب لوہے کو سونا بنایا گیا تھا۔ دوسرے دن معبد میں ایک عظیم رسم ادا کی گئی غالباً جنگ کے دیوتا پر کچھ بھینٹ وغیرہ چڑھائی گئی یا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوئی خاص رسم ادا کی گئی تھی۔ بہر حال ہم اس رسم میں شریک نہ تھے۔ لیکن اس رات جب ہم حسب معمول الیثہ کے ساتھ کھانے بیٹھے اس پر عجیب متضاد کیفیت طاری تھی۔ کبھی تو وہ اداس ہو جاتی تھی اور کبھی قہقہے لگاتی تھی۔

"تم نہیں جانتے"، اس نے کہا، "کہ آج میں نے ندائے روح کی خدمات انجام دیں اور ان پہاڑی بیوقوفوں نے اپنے وچ ڈاکٹر کو ہو نریہ کے پاس یہ پوچھنے بھیجا تھا کہ اس جنگ کا انجام کیا ہوگا اور یہ کہ ان میں سے کون کون مارا جائے گا اور کسے شہرت و عزت حاصل ہوگی۔ ندائے میں ـــ تو میں انھیں کچھ بتا نہ سکتی تھی۔ چنانچہ ذومعنی الفاظ

استعمال کرتی رہی کہ وہ انھیں سمجھ بوجھ کے مطابق معنی پہنادیں۔ رہی یہ بات کہ جنگ کا انجام کیا ہوگا تو اس سے تو میں واقف ہوں کیونکہ فوج کی کمان میرے ہاتھ میں ہوگی۔ اور سپاہی میری ہدایت کے مطابق لڑیں گے لیکن مستقبل۔ اس سے میں اتنی بے خبر ہوں ہانی جتنے کہ تم ہو۔ ماضی اور حال تو مجھ پر روشن ہیں لیکن میرے اور مستقبل کے درمیان کالی اور بلند دیوار کھڑی ہے۔"

پھر وہ خاموش ہو اور سر جھکا کر کسی خیال میں غرق ہو گئی۔ چند ثانیوں بعد اس نے سر اٹھایا اور لیو سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"میرے محبوب! میری ایک درخواست قبول کرو گے؟ تم چند دنوں کے لیے یہیں رہو یا پھر شکار کے لیے چلے جاؤ۔ اگر تم نے یہ میری بات مان لی تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی اور ہالی اور اوروس کو فوجوں کی کمان دے کر میدان جنگ کی طرف بھیج دوں گی۔"

وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ عائشہ نے یہ تجویز پیش کر کے کہ وہ یہیں پہاڑ پر منہ چھپائے بیٹھا رہے اور میں اور اوروس میدان جنگ میں جائیں اس کی مردانگی اور شجاعت کی توہین کی تھی۔ کیونکہ لیو بہادر تھا بلکہ اس کی بہادری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اسے خون خرابے سے نفرت تھی۔ لیکن میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینا اسے پسند تھا۔

"میں کہتا ہوں عائشہ! یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔ "اس کے علاوہ اگر تم مجھے یہاں چھوڑ بھی گئیں تو میں نیچے پہنچنے کا راستہ تلاش کر لوں گا اور بہر حال میدان جنگ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"تو پھر چلو۔" عائشہ نے کہا "لیکن یہ یاد رکھو کہ پھر جو کچھ ہوگا اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔ نہیں۔ تم کیوں؟ میں ہوں گی۔"

اس کے بعد عائشہ کے مزاج میں ایک فوری تغیر ہوا اب وہ ایک نوجوان اور بے فکری

لڑکی کی طرح بار بار ہنس رہی اور ماضی بعید کی کہانیاں سنا رہی تھی اور ان میں سے ایک کہانی بھی ایسی نہ تھی جو المناک ہو۔ میں نے ایشہ کو اس عالم میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا ہم دم بخود بیٹھے بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے وہ ان لوگوں کے قصے سنا رہی تھی جن میں سے ایک دو کے حالات تاریخ نے محفوظ کر رکھے ہیں اور بقیہ ان لوگوں کے قصے تھے جن کا نام تک ہم نے کبھی نہ سنا تھا لیکن جو کبھی اس دنیا میں تھے اور ایشہ دو ہزار سال پہلے ان سے ملی تھی۔ اس نے ان لوگوں کی محبت و نفرت ان کی خوبیوں اور کمزوریوں کی کہانی سنائی جس میں مزاح کا پہلو تھا اور وہ انسانوں کی جاہ طلبی، ان کے مقاصد اور ان کی دکھتوں کا ذکر مزاحیہ انداز میں کرتی رہی۔

آخر کار اس کی گفتگو نے موڑ لیا اور وہ ذاتیات پر اتر آئی۔ اب وہ اپنی اس تلاش کا ذکر کر رہی تھی جو اس نے حقیقت کے لیے کی تھی۔ اس نے بتایا کہ علم حاصل کرنے کی تڑپ نے اسے کس طرح مذاہب عالم کے مطالعے پر مجبور کر دیا کس طرح اس نے اس دور کے مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا اور یکے بعد دیگرے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے بتایا کہ کس طرح اس نے بیت المقدس میں اپنے نظریے کی تبلیغ کی جس کی پاداش میں وہاں کے حکام نے اسے سنگسار کیا۔ کس طرح وہ واپس عربستان پہونچی۔ لیکن خود اس کے ہم وطنوں نے اسے شر پسند اور ہنگامہ پسند کہا اور اسے وہاں سے نکال دیا تو وہ مصر پہونچی اور اس دور کے فرعون کے دربار میں اس کی ملاقات اس وقت کے مشہور ترین ساحر سے ہوئی جو نیم دھوکے باز اور نیم ساحر تھا۔ لیکن ایشہ کی نظر چونکہ "دور بیں" تھی اس لیے اس ساحر نے اسے اپنی شاگردی میں لے کر اسے اپنا علم سکھایا اور وہ اپنی خداداد قابلیت سے اس علم میں ایسی ماہر ہو گئی کہ خود اپنے استاد کی استاد بن گئی۔ یہاں تک کہ وہ ساحر خود اپنی شاگرد کے سامنے سر جھکانے اور اس کے حکم کی تعمیل کرنے پر

مجبور ہو گیا۔

اور دفعتہً ایشہ کی داستان ایک فوری اور خلاف توقع موڑ لے کر مصر سے کور جا پہونچی۔ ایسا ایشہ نے شاید قصداً کیا تھا کیونکہ وہ بہت سی باتیں راز میں ہی رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے لیو کو بتایا کہ وہ کس طرح بھٹکتا ہوا وہاں پہونچا تھا اور اس وقت اس کا نام قالی قریٹ تھا اس وقت وحشی اس کا پیچھا کر رہے تھے اور اس کے ساتھ شہزادی آمن ارتاس تھی جس سے وہ یعنی ایشہ مصر میں نہ صرف واقف تھی بلکہ اس سے نفرت بھی کرتی تھی۔ پھر اس نے بتایا کہ کس طرح اس نے ان دونوں کو پناہ دی اور ان کی خاطر مدارات کی اسنے یہ بھی بتایا کہ جس دن وہ آتش حیات کے غار میں جانے والے تھے اس سے پہلے ان تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا تھا اور تب مصری شہزادی آمن ارتاس نے ان کے اس سفر کے متعلق ایک منحوس پیشنگوئی کی تھی۔

”ہاں وہ ایسی ہی خاموش رات تھی جیسی کہ آج کی رات ہے۔“ ایشہ نے کہا۔ ”اور کھانا بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ اس وقت ہم کھا رہے ہیں اور لیو بھی ایسا ہی تھا جیسا اب ہے سوائے اس کے کہ اس وقت اس کی داڑھی نہ تھی۔ میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اور جہاں تم بیٹھے ہو ہالی! وہاں شہزادی آمن ارتاس بیٹھی ہوئی تھی وہ حسین تھی، میرے اس وقت کے حسن سے بڑھ کر اس کا حسن تھا جب میں نے آتش حیات میں غسل کیا تھا اور وہ پیشتر میں بھی تھی لیکن میری طرح دانا نہ تھی۔ شروع سے ہی ہم ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے اور اب تو ہماری نفرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ شہزادی نے معلوم کر لیا تھا کہ میں تمہیں کس نظر سے دیکھتی ہوں کیونکہ تم اس کے محبوب تھے۔ اس کے شوہر تو تم کبھی رہے ہی نہیں کیونکہ تم یوں افراتفری میں بھاگے تھے کہ شادی کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ

ہمارے درمیان جو جدوجہد اور کشیدگی صدیوں پہلے شروع ہوئی تھی وہ اب مزید صدیوں تک جاری رہنے والی تھی اور یہ کہ جہاں تک یہ جدوجہد انجام تک نہ پہونچ جائے تب تک ہم ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ کیونکہ ہم دونوں نے ہی تمہیں حاصل کرنے کے لیے گناہ کیا تھا اور قدرت نے تمہیں ہماری روحوں کا بوجھ بنا دیا تھا۔ اور تب آمن ارتاس نے کہا۔

"دیکھو قالی قریط! تمہارے جام میں جو شراب ہے وہ مجھے خون معلوم ہو رہی ہے اور اے بنت لعب۔۔۔ کیونکہ آمن ارتماس نے مجھے یہی نام دیا تھا۔۔۔ تمہارے ہاتھ میں جو چاقو ہے اس سے خون ٹپک رہا ہے۔ اور ہاں۔ یہ جگہ مقبرہ ہے اور تمہاری لاش یہاں دھری ہوئی ہے اور تمہاری یہ قاتلہ بھی تمہارے جسم میں اپنے بوسوں سے جان نہیں ڈال سکتی۔"

"چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ مقدر ہو چکا تھا۔" الیشہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "کیونکہ میں نے تمہیں آتش حیات کے مقام میں قتل کر دیا کیونکہ تم اس تبدیلی کو سمجھ نہ سکے جو مجھ میں ہوئی تھی اور مجھ سے یوں گھبرا رہے تھے جس طرح چمگادڑ روشنی سے۔ چنانچہ تم نے اپنا چہرہ آمن ارتماس کے سنہرے بالوں میں چھپا لیا۔۔۔ کیوں اوروس کیا بات ہے؟ کبھی ایک گھنٹے کے لیے بھی مجھے تنہا چھوڑو گے کہ نہیں۔؟"

"اے ہوزیہ! خانیہ اطیفہ نے ایک مراسلہ بھیجا ہے۔" اوروس نے جو ابھی ابھی کمرے میں آیا تھا، جھک کر کہا۔

"پھر توڑو اور سناؤ۔ کیا لکھا ہے اس نے۔" الیشہ نے لاپروائی سے کہا۔

"شاید خانیہ کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور اس نے معافی طلب کی ہے۔"

چنانچہ اوروس نے خانیہ اطیفہ کا مراسلہ بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

پہاڑ پر کے معبد کی ہوزیہ کے نام جو دنیا میں الیشہ کے نام سے مشہور ہے اور آسمانوں پر جہاں سے اسے پھینکا گیا ہے ٹوٹے ہوئے تارے کے نام سے پکاری جاتی ہے۔"

"واہ کیا لقب دیا ہے۔" الیشہ نے کہا۔ "لیکن اطینہ! ٹوٹے ہوئے تارے بھی کبھی ابھر آتے ہیں حتیٰ کہ تحت الثریٰ میں سے بھی۔ آگے پڑھو اوردس!"

"سلام اے الیشہ! تم مدت سے زندہ ہو چنانچہ تم نے صدیوں میں بہت سا علم اکٹھا کر لیا ہے اور وہ قوتیں حاصل کر لی ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں اور تم اپنے اسی علم سے مردوں کو اندھا کر کے انکی نظروں میں اپنے آپ کو حسین بنا لیتی ہو۔ تاہم ایک عطیئے سے، جو مجھے ملا ہے تم محروم ہو یعنی تمہیں آنے والے واقعات کا علم نہیں ہے۔ جان لو اے الیشہ! کہ میں نے اور میرے غیب داں ماموں شامن سجری نے ستاروں کی چال کا مطالعہ یہ معلوم کرنے کے لیے کیا کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہو گا۔ اور یہ بتاتی ہے ستاروں کی چال۔

میرے لیے موت جو میرے لیے ایک نعمت ہے تمہارے لیے وہ بھالا جو تم نے خود پھینکا ہے اور کلون کے لیے خونریزی اور تباہی جو تمہاری وجہ سے ہو گی۔

اطینہ

کلون کی خانیہ"

الیشہ نے سنا لیکن نہ تو اس کے ہونٹ کانپے اور نہ ہی اس کا رنگ فق ہوا اس نے اوردس سے کہا۔

"اطینہ کے پیغامبر سے کہہ دو کہ اس کا پیغام ہم تک پہونچ گیا اور اس کا

جواب میں اسے کلون کے محل میں ڈھونڈ دوں گی۔ جاؤ کاہنو! اور اب ہمیں تنہا چھوڑ دو۔"

جب اوروس چلا گیا تو الیشہ نے ہماری طرف گھوم کر کہا۔

"دیکھو تو صدیوں پہلے کی میری داستان میں اور حال کے واقعات میں کس قدر یکسانیت ہے۔ جس طرح آمن ارتاس نے اس وقت ایک منحوس پیشن گوئی کی تھی اسی طرح اطلینہ نے اس وقت منحوس پیشین گوئی کی ہے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ آمن ارتاس اور اطلینہ ایک ہی تھا ہیں۔ خیر۔ اگر بھالے کو گرنا ہے تو گرنے دو، میں اس سے ڈروں گی نہیں کیونکہ جانتی ہوں کہ آخر میں فتح میری ہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اطلینہ نے ایسی پیشین گوئی کر کے مجھے خوفزدہ کرنا چاہا ہو۔ لیکن اگر ستاروں کی چال کا مطالعہ صحیح ہے تو پھر میرے لیو یقین کرو کہ جو بھی ہوگا ہمارے لیے اچھا ہی ہوگا۔ کیونکہ تقدیر کے لکھے کو مٹانا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ ہم جس بندھن میں شروع سے بندھ چکے ہیں وہ اب کبھی نہ ٹوٹے گا۔"

چند ثانیوں تک وہ خاموش رہی اور پھر یکایک شاعرانہ باتیں کرنے لگی۔ اس نے کہا۔

"سن لو لیو کہ ہماری حیات و موت کی گرد بریں سے ایک نیا نظام جنم لے گا۔ ظلم کی نقاب کے پیچھے رحم کی آنکھیں چمکتی ہیں۔ اس ناہموار ٹیڑھی ترچھی دنیا کے مصائب اور دکھوں کے بد حواس کر دینے والے شراروں کے عقب میں پاک اور ابدی سکھ کی تلوار ہوتی ہے۔ یہ مصائب اور یہ دکھ دراصل اسی تلوار کے شرارے ہیں۔ کراہتی ہوئی اور کربناک زندگیاں جن سے ہمیں قدم قدم پر سابقہ پڑتا ہے اسی سنہری زنجیر کے حلقے ہیں جو ہمیں سکون اور چین کی فردوس میں لے جائے گی بہبودی اور تکلیف وہ سیڑھیاں اسی زینے کی ہیں جو ہمیں ابدی مسرتوں

تک پہونچا دے گی۔ آج سے میں نہ تو کبھی ڈروں گا اور نہ ہی اس سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ جو ہونے والا ہے۔ کیونکہ ہم ان بیجوں کی طرح ہیں جنہیں ہوا اڑائے اڑائے پھرتی ہے اور آخر سر توں، امن و سکون کے ان سبزہ زاروں میں پہونچا دیتی ہے جو ہمارے لیے مقدر کیے جا چکے ہیں اور وہاں ہم پھلتے پھولتے ہیں اور پودے سبزہ زار کو مہکا دیتے ہیں۔

"اچھا لیو! اب جاؤ اور آرام کرو کیونکہ علی الصباح ہمیں کوچ کرنا ہے"!

دوسرے دن دوپہر کے وقت ہم پہاڑ پر سے اتر رہے تھے ہمارے ساتھ قبائلیوں کی فوج تھی۔ ہر شخص وحشی اور خونخوار تھا۔ یہ تھے ہمارے بہادر سپاہی جاسوس اور مخبر ہم سے آگے روانہ ہوئے ان کے بعد عظیم الشان گھوڑے سوار تھے جو اعلیٰ قسم کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ دائیں بائیں اور پیچھے پیدل فوج کے دستے تھے جن میں کے ہر دستے پر ایک سردار تھا۔

نقاب پوش ایشہ ـــ کیونکہ وہ ان وحشی قبائل سے اپنا بے پناہ حسن چھپاتی تھی۔ فوج کے قلب میں تھی اور سفید براق گھوڑوں پر سوار تھی جنکی قوت اور تیز رفتاری آپ اپنی مثال تھی، ایشہ کے ساتھ ہم تھے یعنی میں اور لیو۔ لیو خان کے کالے گھوڑے پر سوار تھا۔ میں ایک دوسرے گھوڑے پر سوار تھا جو لیو کے گھوڑے سے مختلف نہ تھا البتہ اس سے زیادہ تگڑا تھا ہمارے چاروں طرف مسلح کاہنوں اور منتخب سپاہیوں کا دستہ تھا۔ یہ گویا ہمارے باڈی گارڈ تھے انھیں میں وہ شکاری بھی شامل تھے جنہیں لیو نے ایشہ کے قہر سے بچایا تھا اور جو اب لیو سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

اس وقت ہم سب خوش تھے، کیونکہ یہ موسم بہار کے آخری دن تھے دھوپ

چکیلی تھی جو راحت بخش تھی اور ہمارے دلوں پر سے وہ خوف اور بے چینی دور ہو چکی تھی جو پہاڑ پر کے اور آگ سے روشن غاروں میں ہمارے دلوں پر ہر دم طاری رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ہزاروں سپاہیوں کے پیروں کی دھمک اور آنے والی جنگ کے خیال نے ہمارے دلوں میں ایک جوش پیدا کر دیا تھا۔

ایک عرصے کے بعد آج پہلی دفعہ میں لیو کو بشاش اور چاق و چوبند دیکھ رہا تھا۔ کچھ عرصے سے وہ دبلا ہو گیا اور اس کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی جس کی وجہ شاید وہ تھی جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ لیکن اب اس کے رخساروں پر رنگ دوڑ گیا تھا۔ اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

ایشہ بھی مسرور معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اس پراسرار عورت کا مزاج قدرت کی طرح ہی تغیر پذیر تھا اور قدم قدم پر بدلتے ہوئے قدرتی مناظر کی طرح بدلتا رہتا تھا۔ کبھی تو دوپہر کی طرح اس کی طبیعت روشن ہوتی تھی، کبھی اندھیرے کی طرح اداس اور کبھی صبح کی طرح خنک اور خوبصورت۔ اس وقت خیالات کے بادل اس کی آنکھوں میں منڈلا رہے تھے اور ان بادلوں کے سائے اس کے حسین چہرے پر بھاگ رہے تھے۔ کم سے کم مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا۔

"اُوہ!" آخر کار اس نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں کافی لمبے عرصے تک پہاڑ کے اندھیرے بطن میں رہی ہوں اور اس طویل عرصے میں میرے ساتھی یا تو گونگے اور بہرے خدمتگار تھے یا وحشی یا پھر کم گو اور اداس طبیعتوں والے اور خشک مزاج کاہن لیکن اب ایک بار پھر میں، شکر ہے کہ روشن دنیا دیکھ رہی ہوں۔ ہائے کس قدر حسین ہے یہ دنیا۔ کس قدر دل لبھانے والی ہے یہ دنیا۔ یہ برف پوش چوٹیاں کتنی بھلی معلوم ہوتی ہیں، یہ بھوری ڈھلانیں کتنی خوبصورت ہیں، وہ سامنے کے وسیع و عریض میدان اور ان سے پرے وہ پہاڑیاں کتنی پرکشش

ہیں، اور یہ سورج کس قدر شاندار ہے یہ اور میری ہی طرح غیر فانی بھی ہے اور کتنی فرحت بخش ہے یہ تازہ ہوا اور یہ کھلی فضا۔

"غالباً تم یقین نہ کرو گے لیو! لیکن یہ حقیقت ہے کہ بیس صدیوں بعد آج پہلی دفعہ میں گھوڑے پر بیٹھی ہوں۔ اس کے باوجود میں گھڑسواری بھول نہیں ہوں اور یہ خود تم بھی دیکھ رہے ہو حالانکہ یہ گھوڑا ان عربی گھوڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا جن پر میں صدیوں پہلے عرب کے صحراؤں میں سواری کیا کرتی تھی۔ ہاں۔ مجھے یاد ہے کہ میں کس طرح ایک گھوڑے پر سوار ہو کر بدوؤں سے جو تاخت و تاراج کیا کرتے تھے جنگ کرنے اپنے والد کے ساتھ گئی تھی اور کس طرح میں نے خود اپنے ہاتھوں سے ان کے سردار کو بھالا مارا تھا اور میرے قدموں پر گر کر رحم، رحم" چلایا تھا۔ ایک دن میں تمہیں اپنے والد کے متعلق بتاؤں گی۔ میں ان کی پیاری بیٹی تھی، اور حالانکہ ہمیں جدا ہوئے صدیاں گزر گئیں لیکن میں انھیں بھولی نہیں ہوں اور اس وقت کی منتظر ہوں جب میری ان سے پھر ملاقات ہو گی۔

"دیکھو، سامنے اس غار کا دہانہ ہے جہاں بلّی کی پرستش کرنے والا وہ ساحر رہتا ہے جس نے تم دونوں کو قتل کر دیا ہوتا اور وہ بھی اس لیے کہ لیو تم نے اس کی بلّی کو آگ میں پھینک دیا تھا۔ یہ عجیب بات ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہاڑوں میں رہنے والے اور میدان میں رہنے والے چند قبائل نے بلّی کو اپنا دیوی بنا لیا ہے یا وہ اسے دیوتا یا دیوی کا اوتار اور مقدس سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ راسین اوّل، جو سکندرِ مقدونی کا سپہ سالار تھا، بلّی کی پرستش اپنے ساتھ مصر سے لایا تھا۔ اس سکندرِ مقدونی کے متعلق میں تمہیں بہت سی باتیں بتا سکتی ہوں کیونکہ وہ قریب قریب میرا ہم عمر تھا۔ اور جب میں نے آخری جنم لیا ہے تو اسکے

کارناموں کی گونج دنیا میں موجود ہے۔

"یہ راسیئن اول ہی تھا جس نے یہاں کی قدیم آتش پرستی کے ساتھ ہونیہ یا ایزلیس کی پرستش ملا دی یا یوں کہو کہ دونوں کو ایک کر دیا۔ آتش پرستی یہاں کے لوگوں میں مدت سے چلی آ رہی تھی اور غالباً ان آتشی ستونوں کی وجہ سے رائج ہوئی تھی جنہیں تم دیکھ چکے ہو۔ راسیئن ایزلیس کی پرستش بھی اپنے ساتھ لایا اور دونوں کو ملا دیا کہ پہاڑ والے بھی خوش اور خود راسیئن کے سپاہی بھی خوش۔

اور میں سمجھتی ہوں بلکہ یقیناً یہی بات ہے کہ راسیئن کی فوج میں چند کاہن دیوی مسیخ مت[عہ] کے پجاری تھے اسکے مذہب اور پرستش کو اپنے ساتھ لائے۔ یہ مذہب

عہ: یہ مسیخ مت (جنگ کے سروالی دیوی) مصر قدیم کی زبردست دیوی تھی۔ یہ جنگ، قتل اور تباہی و بربادی کی دیوی تھی اور جلانے والے سورج کی گرمی کا مظہر یقین کی جاتی تھی۔ جدید تحقیقات سے ایک کتبہ ملا ہے جس میں اس دیوی کے متعلق ایک عجیب و غریب قصہ درج ہے جو اس وقت مصر میں مشہور تھا۔ قارئین کی دلچسپی کی خاطر میں اسے یہاں تحریر کر رہا ہوں۔

"را" ایک زبردست دیوتا تھا۔ جو عرصے تک مصر پر حکومت کرتا رہا جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کی کمر جھک گئی اور طاقت گھٹ گئی۔ اس کے منھ سے رال بھی بہنے لگی۔ لوگوں نے یہ دیکھا تو اس کا مذاق اڑانے اور کہنے لگے کہ ہمارے دیوتا کا گوشت سونا، ہڈیاں چاندی اور بال لاجورد کے تار بن گئے ہیں۔ دیوتا کو اس سے بڑا دکھ ہوا کہ آج اس کے غلام اور اس کے پوجنے والے اس کی شان میں ایسی گستاخی کر رہے تھے۔ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تو اس نے مصر کے سارے دیوتاؤں کو بلایا اور کل ماجرا ان کے سامنے بیان کر کے کہا کہ (حاشیہ صفحہ ۴۴۲ پر)

(حاشیہ صفحہ ۴۴۲ پر)

اب بگڑ کر بس یہ رہ گیا ہے کہ اس کے ذریعے ناپاک ساحروں کا کھوج لگایا جاتا ہے اور سخ مت کے پجاری اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں مجھے کچھ دھندلا سا یاد ہے کہ بات یہی تھی کیونکہ اس مندر کی پہلی ہوتریہ میں ہی تھی اور انکار اسیین آول کے ساتھ، جو کسی طرح سے میرا رشتہ دار تھا، یہاں آئی تھی۔"

(صفحہ ۴۳۴ کا بقیہ) ان ناشکروں کو ان کی گستاخیوں کی سزا دینا ضروری ہے۔ ایک دیوتا نے کہا مجرموں کو پکڑ کر دیوتاؤں کی عدالت میں پیش کیا جائے اور ان پر مقدمہ چلا کر انھیں سخت سزا دی جائے کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ لیکن را نے کہا کہ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ گرفتاریاں شروع ہوتے ہی لوگ صحرا میں بھاگ جائیں گے اور مصر خالی ہو جائے گا۔ آخر کافی بحث مباحثے کے بعد طے پایا کہ را اپنی ایک آنکھ کو اجازت دیدے کہ وہ گستاخوں سے بدلہ لے۔ را نے یہ مشورہ مان کر اپنی ایک آنکھ کو حکم دیا۔ چنانچہ وہ فوراً ایک عورت بن گئی۔ جس کا سر شیرنی کا تھا۔ را کی یہی آنکھ دیوی سخ مت ہے۔ خیر تو سخ مت خون کی پیاسی ہو کر آبادیوں اور پہاڑوں اور میدانوں میں دوڑنے لگی اور ہر طرف خون کی ندیاں بہا دیں۔ را رحمدل دیوتا تھا۔ اس خون خرابے سے اسے بڑا دکھ ہوا۔ لیکن اب دیوی سخ مت کو خون کا چسکہ لگ چکا تھا اس لیے دیوتا کے روکے نہ رکی اور قتل و غارت جاری رکھا۔ ایک رات دیوی سو گئی تو را نے اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بیر شراب زمین پر بہا دی جس کا رنگ خون جیسا تھا۔ دیوی جب بیدار ہوئی تو وہ اسی شراب کو خون سمجھ کر پیتی رہی یہاں تک کہ مدہوش ہو کر سو گئی جب بیدار ہوئی تو وہ یہ بھول چکی تھی کہ قتل و خونریزی اس کا کام تھا۔ اب سخ مت نیک بن کر را کے پاس آ گئی۔ مصر میں ہر سال دیوی سخ مت پر شراب لنڈھائی جاتی تھی اور لوگ بھی جشن سخ مت پر بے تحاشہ شراب پی کر شرمناک حرکتیں کرتے تھے۔

—مترجم—

میں نے اور لیو نے حیرت سے الیشہ کی طرف دیکھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ نقاب کے پیچھے سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی میں ہی اس کے غصے کا ہدف بنا کیونکہ لیو تو اس کا محبوب تھا۔

"ہاں!" وہ بولی۔ "تم شروع سے ہی شکی مزاج اور بے اعتبار ہو چنانچہ اسوقت بھی تم یہی سوچ رہے ہو کہ میں نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے۔ گویا میں جھوٹی ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ البتہ میں تمہارے دو متضاد بیانات پر غور کر رہا ہوں" میں نے احتجاج کیا۔

"الفاظ کو ڈھال کر نہ بناؤ ہالی!" اس نے جواب دیا۔ "تم نے یقین کر لیا ہے کہ میں جھوٹی ہوں اور یہ بات مجھے بہت بری معلوم ہوتی ہے۔ بیوقوف میں نے جو یہ کہا ہے کہ سکندر مقدونی میرا ہم عصر تھا تو اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ وہ میرے موجودہ جنم سے پہلے والے جنم میں میرا ہمعصر تھا اور اس جنم میں میں اس کے مرنے کے بعد پچیس سال تک زندہ رہی تھی۔ حالانکہ ہم دونوں کی پیدائش ایک ہی سال میں ہوئی تھی اور میں اسے یعنی سکندر مقدونی کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ کیونکہ میں ندائے روح تھی جو مجھ سے وہ جنگ کے متعلق مشورہ کرنے آیا تھا اور اس کی اکثر فتوحات میرے مشورے کی ہی مرہون منت تھیں۔ بعد میں میرا سکندر سے جھگڑا ہو گیا اور میں اسے چھوڑ کر رامیسس کے ساتھ اس طرف چلی آئی۔ اس کے بعد سے ہی سکندر کا ستارہ عروج غروب ہونے لگا۔"

یہ سن کر لیو نے اپنے منھ سے ایسی آواز نکالی جو سیٹی سے ملتی جلتی تھی۔ اسوقت مٹھ کے بوڑھے بھکشو کورین کی داستان کی چند باتیں اور اس کی نکتہ چینی مجھے یاد آ گئی۔ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ کس قدر عجیب و غریب داستان تھی اس کی۔ خیر تو میں نے اس یاد کو جھٹک کر پوچھا۔

"الیشہ! اس جنم میں تمہارے ساتھ جو واقعات ہوئے تھے کیا وہ تمہیں یاد ہیں؟"

"نہیں۔ اچھی طرح سے یاد نہیں ہیں" الیشہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"البتہ اہم واقعات یاد ہیں اور وہ بھی میں نے زیادہ تر اپنے علم سے معلوم کیے ہیں جیسے تم میرا سحر کہتے ہو۔ مثلاً میرے ہالی! مجھے یہ یاد ہے کہ تم اس دور میں زندہ تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ اس زمانے میں ایک بدصورت فلسفی تھا جو گندہ لباس پہنے رہتا تھا اور جو شراب کے نشے میں رہتے تھا اور جس میں دانائی بھری ہوئی تھی ایک دفعہ اس کے اور سکندر کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اس جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ سکندر نے آخر کار اسے جلا وطن کر دینے یا شاید دریا میں غرق کر دینے کا، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں حکم دیا۔"

میں نے سوچا کہ شاید الیشہ مجھے بنا رہی ہے چنانچہ میں نے ہنس کر پوچھا۔

"اس وقت میرا نام دیو جانس کلبی تو نہیں تھا؟"

"نہیں" الیشہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرے خیال میں تمہارا یہ نام نہ تھا۔ دیو جانس، جس کا تم نے نام لیا ہے، بہت زیادہ مشہور فلسفی تھا اور وہ حقیقت میں فلسفی تھا اور شراب نہ پیتا تھا۔ بہرحال مجھے اس زندگی کے زیادہ واقعات یاد نہیں۔ کم سے کم بدھ مت کے پیروؤں کے مقابلے میں، جن کے مذہب کا مطالعہ میں نے کیا ہے، مجھے گویا بالکل بھی یاد نہیں۔ اس مذہب کے پیروؤں کا تو یہ دعویٰ ہے کہ انھیں پچھلے جنم کے سارے ہی واقعات یاد رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس زندگی میں ہماری ملاقات نہ ہوئی ہو۔ تاہم مجھے یاد ہے کہ ہڈیوں کی اس وادی میں، جہاں لیو میں نے تمہیں پایا تھا ایک زبردست جنگ ہوئی تھی یعنی راسین اور آتش پرست کاہنوں اور پہاڑی قبائل کے درمیان جس میں راسین کو کلوون کے سپاہیوں کی مدد حاصل تھی کیونکہ آج کی طرح اس دور میں بھی وحشی قبائل، آتش پرستوں اور کلوون والوں کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ چنانچہ ہماری اس موجودہ جنگ کے ذریعے تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔"

"تو ہماری وہ کفن پوش لاانہا تم خود تھیں۔" لیو نے الیشہ کی طرف گھور کر دیکھا۔

"ہاں لیو اور کون ہو سکتا ہے؟ البتہ تم نے مجھے اس واہیات کفن میں نہ پہچانا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ میں معبد میں ہی تمہارا انتظار کروں گی اور وہیں تمہارا استقبال کروں گی لیکن مجھے معلوم ہوا کہ تم دونوں الطینہ سے بچ کر قریب آگئے ہو تو پھر میں اپنے آپ کو روک نہ سکی اور الیا واہیات لباس پہن کر آ گئی۔ ہاں لیو! دریا کے کنارے پر بھی میں تمہارے ساتھ تھی اور حالانکہ تم مجھے دیکھ نہ سکتے تھے لیکن وہ میں ہی تھی جس نے تمہیں خطرات سے محفوظ رکھا تھا اور تمہاری جان بچائی تھی۔

"لیو! میں تمہیں دیکھنے کے لیے اور معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھی کہ تمہارا دل نہیں بدلا ہے حالانکہ مقررہ وقت سے پہلے نہ تو تم میری صورت دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی میری آواز سن سکتے تھے اس کی ممانعت تھی۔ ہالی کے متعلق بھی میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کی دانائی کیا میرے اس بہروپ میں بھی مجھے پہچان سکتی ہے اور یہ کہ وہ حقیقت کے کس قدر قریب آسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری ہالی کے سامنے وہاں مہمان خانے میں تمہارے تعویز میں سے بالوں کی وہ لٹ نکالی تھی اور اسے دیکھ کر رو دی تھی بہر حال ہالی نے جو اندازہ لگایا تھا وہ بہت حد تک صحیح تھا۔ لیکن تم نے مجھے خواب میں دیکھا اور اسی صورت میں دیکھ کر مجھے پہچانا جس صورت میں میں اب ہوں اور تب تمہاری زبان نے وہ پیارے الفاظ ادا کیے جو مجھے اب تک یاد ہیں۔"

"تو پھر اس کفن میں تم ہی تھیں؟" لیو نے پھر پوچھا کیونکہ اسے اس واقعے سے خاصی دلچسپی تھی۔ "اور تم اتنی ہی حسین تھیں جیسی کہ اب ہو؟"

"شاید" الیشہ نے جواب دیا۔ "لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ شکل و صورت تو اہم چیز نہیں۔ اہم اور اصل چیز روح ہے۔ حالانکہ مرد اپنے اندھے پن میں صرف ظاہر

ہی دیکھتے ہیں۔ غالباً میری صورت ایسی ہی ہے جیسی کہ تم تصور کر رہے ہو یا جیسی تمہارے دل نے بنائی ہے یا جیسی کہ میں نے اپنی قوت ارادی سے بنائی ہے کہ تم ایسی ہی صورت پسند کرو گے۔ لیکن سنو! ہمارے جاسوس واپس آرہے ہیں۔"

یہ الفاظ الیشہ کے منھ میں ہی تھے کہ دور سے کچھ شور سنائی دیا اور پھر فوراً ہی ہم نے دیکھا کہ ہمارے ہراول گھڑسوار دائیں بائیں ناد رہے ہیں۔ پھر چند گھڑسوار آئے یہ ہمارے جاسوس تھے۔ انھوں نے اطلاع دی کہ اطینہ کا ہراول پسپا ہو رہا ہے۔ وہ ایک قیدی بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ کاہنوں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ خاتیہ مقدس پہاڑ پر ہم سے جنگ کرنا نہیں چاہتی۔ بلکہ وہ دریا کے دوسرے کنارے پر ہم سے جنگ کرنا چاہتی ہے کہ اس کے اور ہمارے درمیان دریا حائل ہو جسے ہمیں عبور کرنا پڑے۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ اطینہ بڑی ہی عمدہ اور سوجھ بوجھ کی سپہ سالار ہے اور جنگی قابلیت سے بے بہرہ نہیں ہے۔"

چنانچہ یوں ہوا کہ اس دن کوئی جنگ نہ ہوئی۔

اس دن ہم پوری سہ پہر تک پہاڑ کی ڈھلانیں اترتے رہے اور بڑی تیزی سے یعنی کلوں سے بھاگنے کے بعد جس تیزی سے ہم یہ ڈھلانیں چڑھے تھے اس سے دگنی تیزی سے سورج کے غروب ہونے سے پہلے ہم اس میدان میں پہونچے جہاں ہمارا پڑاؤ پہلے ہی سے تیار تھا۔ یہ میدان ہڈیوں کی وادی تک پھیلتا چلا گیا تھا جہاں یہاں آتے وقت ہمیں لیونا وہ پر اسرار راہبر ملی تھی۔ بہر حال اس دفعہ ہم سرنگ میں سے گزر کر اس طرف نہ آئے تھے حالانکہ وہ قریب کا راستہ تھا۔ لیکن الیشہ نے بتایا کہ لشکر کے لیے ناقابل گزر تھا چنانچہ ہم لمبے اور کھلے راستے سے آئے تھے۔

بائیں طرف مڑ کر ہم نے ان ناقابل عبور چوٹیوں کا چکر کاٹا جن کے نیچے سے سرنگ گزرتی تھی اور یوں اس تاریک وادی کے کنارے پہونچ گئے جہاں ہم رات

کو محفوظ سو سکتے تھے۔

یہاں الیشہ کے لیے ایک خیمہ لگا دیا گیا تھا۔ ہمارے ساتھ بس ایک ہی خیمہ تھا۔ چنانچہ میں اور لیو اس خیمے سے کوئی ایک سو گز دور چٹانوں میں قیام کرنے چلے گئے۔

جب الیشہ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ بہت خفا ہوئی اور افسر رسد وسامان کو خوب ڈانٹا ڈپٹا حالانکہ وہ غریب خیموں وغیرہ کے متعلق کچھ نہ جانتا تھا۔

اس پر بس نہ کرتے ہوئے الیشہ نے سارا الزام اوروس کے سر تھوپ دیا اس نے دست بستہ عرض کیا کہ وہ ہمیں جنگجو سپاہی سمجھتا تھا جو اس قسم کی دقتوں کے عادی ہوتے ہیں لیکن الیشہ کو سب سے زیادہ اپنے آپ پر غصہ تھا کہ خود اس نے خیموں کی ضرورت پر کیوں دھیان نہیں دیا وہ اصرار کرنے لگی کہ ہم اس کے خیمے میں سو جائیں وہ خود باہر سوئے گی کیونکہ یہاں کی آب و ہوا اسے کوئی نقصان نہ پہونچائے گی۔ لیکن لیو نے ہنس کر اسے خاموش کر دیا۔

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ہم تینوں نے ساتھ بیٹھ کر دور باہر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بلکہ یوں کہیے کہ کھانا صرف میں نے اور لیو نے کھایا۔ چونکہ محافظ موجود تھے اس لیے الیشہ نے اپنی نقاب نہ اٹھائی۔ چنانچہ اس نے نہ کھایا۔

اس شام الیشہ بے چین و بے قرار تھی جیسے کوئی نئے خطرات اور نیا خوف جس پر وہ قابو حاصل نہ کر سکتی تھی اسے پریشان کیے ہوئے تھا۔ آخر کار بڑی کوششوں کے بعد وہ اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی اور کہا کہ اب وہ سونا چاہتی ہے اور اس طرح اپنی روح کو تقویت پہونچانا چاہتی ہے۔ میرے خیال میں جسمانی طور پر وہ کبھی تھکی نہ تھی البتہ صرف اس کی روح تھی جسے آرام کی ضرورت ہوا کرتی تھی سونے سے پہلے سے اس نے ہم سے آخری بات کہی وہ یہ تھی۔

"جاؤ تم دونوں بھی جا کر سو رہو اور بے فکر ہو کر سو رہو۔ لیکن لیو! اگر رات میں

کسی وقت میں تمہیں طلب کروں تو حیران نہ ہونا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مجھے نیند میں کوئی نئی تجویز مجھے سوجھ جائے یا مجھے نیا مشورہ مل جائے اور اس پر تم سے تبادلۂ خیال کرنے کی مجھے ضرورت ہو، میرا مطلب آگے روانہ ہونے سے پہلے۔ اچھا اب جاؤ۔"

لیکن ہم کیا جانتے تھے کہ اب ہم تینوں کی ملاقات کب اور کن حالات میں ہوگی۔

ہم بے حد تھکے ہوئے تھے۔ چنانچہ الاؤ کے قریب لیٹتے ہی سو گئے۔ ہم جانتے تھے کہ پوری فوج ہماری حفاظت کر رہی ہے چنانچہ ہم مطمئن تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں آسمان پر تاروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ طلوع ہوتے ہوئے چاند کی روشنی میں وہ ماند پڑ گئے۔ پورے چاند کی رات تو ختم ہو چکی تھی چنانچہ یہ پورا چاند نہ تھا۔ اس وقت میں نے لیو کو نیند میں بڑبڑاتے سنا کہ عائشہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ کھلی فضا اور تازہ ہوا بہت ہی عمدہ چیزیں ہیں اور یہ کہ وہ غاروں اور ان کے اندھیروں سے اکتا چکا ہے۔

اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا کیونکہ میں سو گیا تھا۔ دور سے ایک پہریدار نے کسی کو للکارا۔ پھر خاموشی کا وقفہ رہا اور پھر ایک کاہن ہمارے سامنے تھا جو جھک کر ہمیں سلام کر رہا تھا۔ الاؤ کے شعلوں کے سائے اس کے منڈے ہوئے سر اور چہرے پر ناچ رہے تھے مجھے کچھ شک سا ہوا کہ میں اس کاہن کو جانتا ہوں۔

"مجھے ..." اس نے اپنا نام بتایا جو میں جانتا تھا، "میرے آقا! کاہن اعظم اوروس نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ ہر زیہ آپ دونوں سے گفتگو کرنا چاہتی ہے اور اسی وقت اس نے آپ کو طلب کیا ہے۔"

عین اس وقت لیو جماہیاں لیتا اٹھ بیٹھا اور پوچھنے لگا کیا بات ہے۔ میں نے کہا تو وہ بڑبڑایا کہ بہتر ہوتا کہ وہ اس وقت اس طلبی کو اٹھا رکھتی پھر کہا۔

"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ہوریس! آؤ چلیں۔"

اور وہ پیغامبر کے ساتھ جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

کاہن ایک بار پھر جھک گیا اور بولا۔

"ہوزیہ کا حکم ہے میرے آقا کہ آپ اپنے ہتھیار اور محافظوں کو بھی ساتھ لے لیں۔"

"محافظوں کی کیا ضرورت ہے؟" لیو نے کہا۔ "ہمیں صرف سو قدم تو جانا ہی ہے اور پھر خود ہمارے لشکر میں سے گزرنا ہے۔ دشمنوں میں سے نہیں۔"

"ہوزیہ اپنے خیمے میں نہیں ہے بلکہ وادی میں چلی گئی ہے۔" پیغامبر کاہن نے جواب دیا۔ "اور دستوں کی روانگی کا راستہ دیکھ رہی ہے۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اُورَوس نے بتایا ہے۔" کاہن نے جواب دیا۔ "چنانچہ ہوزیہ نے کہا ہے کہ میرے آقا اپنا محافظ دستہ لے کر آئیں کیونکہ وہ اکیلی ہے۔"

"ایشہ پاگل ہو گئی ہے کیا وہ ایسے مقام میں اور وہ بھی آدھی رات کے وقت تن تنہا چلی جاتی ہے؟" لیو نے چڑھ کر کہا۔ لیکن پھر اضافہ کیا۔ "خیر۔ یہ اُس کی فطرت ہے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہ ایشہ کی فطرت ہے کہ دنیا کے اور لوگوں سے جو نہیں ہوتا وہ ایشہ کر گزرتی ہے۔ میں ذرا ہچکچا رہا تھا کہ مجھے ایشہ کا یہ کہنا کہ وہ رات کو کسی بھی وقت ہمیں طلب کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اگر کوئی چال ہوتی تو ہمیں اپنا محافظ دستہ ساتھ لانے کے لیے نہ کہا گیا ہوتا۔ چنانچہ ہم نے اپنے محافظ سپاہیوں کو بلایا جن کی تعداد بارہ تھی۔ انھوں نے اپنے بھالے اور تلواریں اٹھائیں اور چل پڑے۔

پہریداروں کی پہلی اور دوسری قطاروں نے ہمیں ٹوکا لیکن جب ہم نے لفظ شناخت کہا تو ہمیں گزر جانے دیا۔ البتہ آخری پہرے داروں نے حیرت سے ہمیں دیکھا کیونکہ وہ ہمیں پہچان گئے تھے اگر ان کے دل میں شکوک تھے تو وہ ان کے

اظہار کی جرأت نہ کر سکے چنانچہ ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔

اور اب ہم وادی کی ڈھلان ایک عمودی سیڑھی یا راستے سے اتر رہے تھے ہمارا راہنما کا ہن اس حیرت انگیز حد تک واقف معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ یوں آسانی سے اتر رہا تھا جیسے اس کے گھر کا زینہ ہو۔

"یہ عجیب جگہ ہے جہاں ہمیں آدھی رات کے وقت بلایا گیا ہے۔" جب ہم ڈھلان اتر کر وادی میں پہونچے تو لیو نے مشکوک نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

ساتھ ہی شکاریوں کا وہ دیو قامت اور سرخ داڑھی والا سردار بھی بڑبڑانے لگا۔ جو چیتے کے معاملے میں ماخوذ ہوا تھا اور جس کی جان لیو نے بچائی تھی میں اس کے الفاظ سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وادی میں اس جگہ جہاں چاندنی تھی، کہیں سے کوئی سفید چیز نکل کر آ گئی اور ہم نے دیکھا کہ یہ کوئی اور نہیں ہے بلکہ نقاب پوش ایشہ تھی سردار نے اسے دیکھا اور مطمئن ہو کر چیخ اٹھا۔

"ہوزیہ! ہوزیہ!"

"اسے دیکھو تو سہی ہالی!" لیو بڑبڑایا۔ "وہ اس خوفناک اور آسیب زدہ مقام میں یوں گھوم رہی ہے جیسے باغ کی سیر کر رہی ہو۔"

اور وہ ایشہ کی طرف بھاگ پڑا۔

ایشہ نے گھوم کر ہماری طرف دیکھا، ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ وادی میں پڑے ہوئے انسانی پنجروں میں سے راستہ تلاش کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ سامنے کی چوٹی کے سایے میں پہونچ گئی چاندنی یہاں تک پہونچ نہ سکتی تھی چنانچہ یہاں گھپ اندھیرا تھا۔ یہاں موسم باراں میں ایک چشمہ اوپر سے بہہ کر آتا تھا چنانچہ اس نے چٹان کاٹ کر ایک راستہ بنا لیا تھا اس کے علاوہ یہ چشمہ صدیوں سے اپنے ساتھ ریت اور سنگریزے بہاتا لایا تھا

چنانچہ یہاں ریت اور سنگریزوں کا فرش سا بچھا ہوا تھا اور بہت سے پنجر پوری طرح سے اس ریت میں دفن ہو چکے تھے۔

جب ہم اس چٹان کے سائے میں پہونچے تو میں نے دیکھا کہ یہاں انسانی پنجروں کی تعداد پوری وادی سے زیادہ تھی کیونکہ ہر طرف مجھے کھوپڑیوں اور پسلیوں کی اور رانوں کی ہڈیاں نظر آرہی تھیں میں نے سوچا کہ چشمے نے جو راستہ بنایا ہے وہ کہیں اوپر کسی میدان کی طرف جاتا ہوگا اور یہ کہ دنیا کے کسی دور میں اس کے آس پاس بڑی خونریز جنگ اور قتل عام ہوا ہوگا۔

یہاں پہونچ کر عائشہ رک گئی تھی اور چشمے کے اس راستے کو، جس میں جا بجا بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے، یوں غور سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ صبح اپنے لشکر کو اسی راستے سے لے جانا چاہتی ہو۔ ہم اس کی طرف بڑھے اور کاہن جو ہمارا راہبر تھا، اور ہمارے محافظ سپاہی پیچھے ہی ٹھہر گئے۔ کیونکہ وہ لوگ بلا اجازت ہوزیہ کے قریب جانے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

چنانچہ اب میں اور لیو اکیلے ہی آگے بڑھ رہے تھے لیو مجھ سے آگے تھا غالباً آٹھ دس گز، اور میں نے اسے کہتے سنا۔

"عائشہ! آدھی رات کے وقت ایسی بھیانک جگہ کیا آنا ضروری تھا؟"

عائشہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ ہماری طرف گھوم کر اپنے ہاتھ یوں پھیلائے جیسے لیو کو آغوش میں لینا چاہتی ہو لیکن پھر فوراً ہی گرا لیے۔ لیکن میں حیرت سے سوچنے لگا کہ اس کے اس اشارے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ ابھی میں کسی نتیجے پر نہ پہونچا تھا کہ ہمارے چاروں طرف کے اندھیرے میں سے عجیب سی سرسراہٹ کی سی آوازیں سنائی دیں۔

میں نے دیکھا اور لرز گیا چاروں طرف کے پنجر ریت کے بستروں پر سے اٹھ رہے

تھے۔ میں ان کی سفید کھوپڑیاں، کھوکھلے سینے، چمکدار بازو اور ٹانگوں کی ہڈیاں دیکھ رہا تھا۔ صدیوں پہلے کے قتل کیے ہوئے سپاہی زندہ ہو رہے تھے۔ پوری فوج زندہ ہو رہی تھی اور کمال تو یہ ہے کہ ہر سپاہی کے ہاتھ میں بھالا تھا۔

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ راستہ الیشہ کی ساحرانہ قوتوں میں سے ایک کا مظاہرہ تھا جسے دیکھنے کے لیے خدا جانے کیوں، اس نے ہمیں گہری نیند سے جگا کر بلایا تھا۔ اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ میں خوف سے کانپ رہا تھا اس پر آپ ہنسئے نہیں۔ اگر میری جگہ رستم بھی ہوتا تو ڈر جاتا۔ آپ ذرا تصور کیجیے کہ آپ آدھی رات کے وقت قبرستان میں جاتے ہیں۔ آپ تنہا ہیں اور یکایک قبروں سے مُردے زندہ ہو کر نکلنے اور چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں ایسے موقع پر کیا آپ کی ساری بہادری کوچ نہ کر جائے گی۔ اس کے علاوہ ہمارا جو ماحول تھا وہ شہر کے کسی بھی قبرستان سے، ویران سے ویران قبرستان سے بھی زیادہ لرزہ خیز تھا۔

"الیشہ! یہ کہاں کی شیطنت ہے؟" لیو نے خوف اور غصے سے کانپتے ہوئے پوچھا۔

لیکن الیشہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے اپنے عقب میں کچھ آوازیں سنیں اور گھوم کر دیکھا تو نظر آیا کہ انسانی پنجر ہمارے محافظ سپاہیوں پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ رہے ہمارے محافظ تو وہ مارے خوف کے مفلوج ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے تھے اور کئی محافظ گھٹنوں کے بل گر پڑے تھے۔ اور اب پنجروں نے اپنے بھوتیا بھالوں سے ان پر وار کرنے شروع کیے اور میں نے دیکھا کہ ان بھالوں کی ضربوں کی تاب نہ لا کر محافظ زمین پر گر رہے تھے۔

اور اب اسی نقاب پوش عورت نے لیو کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"پکڑ لو اسے لیکن خبردار اسے خراش تک نہ آنے پائے۔"

اور میں نے اس آواز کو فوراً ہی پہچان لیا۔ یہ اطینہ کی آواز تھی۔
اور اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ ہمارے لیے جال بچھایا گیا تھا اور ہم اس میں پھنس گئے تھے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

"دھوکا ـــــ" میں چیخا۔
لیکن اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتا یا شور مچاتا کہ ایک تگڑے پنجر نے میرے سر پر کسی چیز سے ضرب لگا کر مجھے خاموش کر دیا۔
اس کے بعد ہر چند کہ میری زبان بند ہو گئی تھی لیکن میرے حواس کچھ دیر تک قائم رہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ لیو دیوانہ وار ان چند آدمیوں سے لڑ رہا تھا جو اسے گرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اس شدت سے اور ایسے غصے سے لڑ رہا تھا کہ اس کے پھیپھڑے کی کوئی رگ شاید شدت جوش سے پھٹ گئی اور لیو کے منہ سے خون ٹپکنے لگا۔

اس کے بعد میری نظر دھندلا گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور یہ سوچ کر کہ یہ یقیناً موت ہی ہے میں بے ہوش ہو کر گرا اور پھر نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔
میں نہیں جانتا کہ فوراً ہی میرا خاتمہ کیوں نہ کر دیا گیا۔ غالباً اس لیے کہ ان سپاہیوں نے جنھوں نے انسانی پنجروں کا بہروپ بھر رکھا تھا مجھے مُردہ سمجھ لیا یا شاید انھیں مجھے بھی زندہ رکھنے کا حکم ملا ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ سر کی چوٹ کے علاوہ مجھے اور کوئی نقصان نہ پہونچایا گیا۔

بائیسواں باب

خفیہ قوتیں

جب مجھے ہوش آیا تو دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی مجھے اوروس کی صورت دکھائی دی۔ وہ مجھ پر جھکا میرے حلق میں کوئی دوا انڈیل رہا تھا عجب اثر انگیز دوائی تھی یہ جو فوراً ہی میرے رگ و پے میں دوڑ گئی اور میرے دماغ پر سے دھند ہٹا دی۔

اس کے قریب ہی ایشہ کھڑی ہوئی تھی۔

"بولو ہالی بولو!" اس نے لرزہ خیز آواز میں پوچھا۔ "کیا واقعہ ہوا ہے یہاں تم زندہ ہو لیکن میرا محبوب کہاں ہے؟ کہاں چھپا دیا ہے تم نے اسے؟ فوراً بتاؤ ورنہ جان سے جاؤ گے۔"

یہ وہی منظر تھا جو میں نے اس وقت دیکھا تھا جب لیو الانس گرا تھا اور میں بے ہوش ہوا تھا۔

"اسے — اسے تو اطینہ لے گئی۔" میں نے جواب دیا۔

"اسے اطینہ لے گئی اور تمہیں زندہ چھوڑ گئی؟"

"مجھ پر غصہ نہ کرو ایشہ!" میں نے کہا "قصور میرا نہیں ہے۔ خود تم نے کہا کہ رات کو کسی بھی وقت تم ہمیں بلاؤ گی۔ چنانچہ اب اگر ہم دھوکا کھا گئے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔"

اس کے بعد میں نے مختصر لفظوں میں اسے پوری کہانی سنا دی۔

وہ غور سے سنتی رہی۔ پھر وہاں پہونچی جہاں ہمارے محافظ سپاہیوں کی لاشیں

پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں اب بھی بھالے تھے۔ لیکن ایک بھی بھالا خون آلود نہ تھا۔ الیشہ نے ان سپاہیوں کی طرف دیکھا۔

"اچھا ہی ہوا کہ یہ لوگ مر گئے۔" الیشہ نے کہا۔ "دیکھ لیا تم نے رحم و کرم کا نتیجہ؟ جن لوگوں کی جاں بخشی میں نے اپنے آقا کے کہنے سے کی تھی وہی عین وقت پر اس کے کام نہ آئے۔"

اب وہ اس جگہ پہونچی جہاں لیو کو گرفتار کیا گیا تھا۔ یہاں ایک ٹوٹی ہوئی تلوار پڑی تھی۔ یہ لیو کی تلوار تھی جو کبھی خان راسین کی رہی تھی۔ قریب ہی دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں نے کسی قسم کے کالے اور تنگ کپڑے پہن رکھے تھے اور ان کے سر اور چہرے کھریا مٹی سے سفید کیے گئے تھے اور کالے لباس پر اسی رنگ سے انسانی پنجر بنایا گیا تھا۔

"بیوقوفوں کو دھوکا دینے کے لیے یہ بہترین چال تھی۔" وہ بولی۔ "لیکن اطینہ کو الیشہ بننے کی جرأت کیونکر ہوئی۔" اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ "ہر چند کہ میرا محبوب سراسیمہ ہو گیا تھا تاہم اس نے خوب مقابلہ کیا۔ ہالی! اسے کوئی زخم تو نہیں آیا؟ میرا خیال ہے کہ وہ — نہیں ہالی! کہو کہ میرا خیال غلط ہے۔"

"میرے خیال میں وہ زیادہ زخمی نہیں ہوا البتہ اس کے منھ میں سے تھوڑا سا خون بہتے دیکھا تھا۔ وہ دیکھو اس چٹان پر اسی کے خون کے داغ ہیں۔"

"میں اپنی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اس کے ایک ایک قطرۂ خون کے عوض سو سو جانیں لوں گی۔" الیشہ نے کراہتے ہوئے کہا۔ اور پھر بیچ کر کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔

"واپس چلو اور گھوڑے لاؤ کہ آج مجھے بہت کام کرنے ہیں نہیں، تم یہیں

ٹھہر جاتی! ہم قریب کے راستے سے جائیں گے جب کہ فوج وادی کا چکر کاٹ کر آئے گی۔ ادروس! اسے کھانا اور پانی دو اور سر کے زخم کی مرہم پٹی کر دو معمولی سی چوٹ ہے کیونکہ اس کی کھوپڑی موٹی اور بال گھنے ہیں۔"

چنانچہ ادروس جب کوئی سوزش پیدا کرنے والا مرہم میری کھوپڑی پر لگا رہا تھا تو میں کھانا کھا رہا تھا۔ یہاں تک میرے دماغ نے گھومنا بند کر دیا۔ ضرب حالانکہ زبردست تھی۔ لیکن شکر ہے کہ میری کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹی نہ تھی۔ جب میں تیار ہو گیا تو وہ ہمارے لیے گھوڑے لے آئے۔ ہم ان پر سوار ہوئے اور حبشیوں کا عمودی راستہ آہستہ آہستہ چڑھنے لگے۔

"یہ دیکھو۔" راستے کے انتہائی سرے پر کے میدان میں بنے ہوئے بھیڑیوں اور گھوڑوں کے قدموں کے نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الیشہ نے کہا: "یہاں ایک رتھ منتظر کھڑا تھا جس میں چار برق رفتار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اطینہ کی چال بڑی گہری اور کامیاب تھی اور میں اپنے علم پر بھروسہ کر کے اطمینان سے سوتی رہی۔"

اس میدان میں حبشیوں کی وہ فوج، جو پو پھٹنے سے پہلے ہی پڑاؤ سے روانہ ہوئی تھی، جمع ہو رہی تھی۔ گھڑ سوار فوج، بشرطیکہ ہم اسے یہ نام دے سکیں کوئی پانچ ہزار سواروں پر مشتمل تھی اور ہر ایک کے ساتھ ایک زائد گھوڑا تھا الیشہ نے سرداروں اور افسروں کو طلب کر کے انھیں مخاطب کیا۔

"اے ہوزیہ کے پرستارو! اور خادمو!" اس نے کہا: "اجنبی آقا ہمارے مہمان اور میرے منگیتر کو ایک بہروپئے کاہن نے دھوکے سے جال میں پھنسا دیا۔ اب وہ بطور یرغمال دشمن کے پاس ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ اسے کوئی نقصان پہونچ جائے میرا اس کے پاس جانا ضروری ہو گیا ہے ہم دریا کے دوسری طرف

خافیہ کی فوج پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہے ہیں۔ جب اس کا راستہ ہم کھول دیں گے تو میں اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ آگے بڑھ جاؤں گی کیونکہ آج رات میں کلون میں بسر کروں گی۔ اور تم کیا کہتے ہو! یہی نا کہ دو سرا زبردست لشکر شہر کی حفاظت کر رہا ہے؟ یہ میں جانتی ہوں اور اگر ضرورت ہوئی تو میں پورے لشکر کو تباہ کردوں گی۔ یوں حیرت سے میری طرف نہ دیکھو گھڑ سواروں میرے ساتھ چلو اور برا ہوگا اس شخص کا جو جنگ میں پیٹھ دکھائے گا کیونکہ موت اور ابدی بدنامی اس کا حصہ ہوگی۔ لیکن عزت و دولت اس کے حصے میں آئے گی جو جانبازی کا ثبوت دے گا۔ ہاں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ بہادروں کو کلون کی زمین ملے گی۔ یہ میرا حکم ہے کہ تم سب اس دریا کو عبور کر جاؤ۔ میں گھڑ سواروں کے ساتھ درمیان میں رہوں گی۔ میمنہ اور میسرہ کو کوچ کا حکم دو۔"

سرداروں نے خوشی کے نعرے لگائے۔ یہ لوگ جنگ و جدل کے رسیا تھے۔ جن کے اجداد نے صدیوں تک جنگ کی تھی اور جنگ ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ اسکے علاوہ انھیں ندائے روح ہوزیہ کی قوتوں پر بھروسہ تھا۔ حالانکہ جنگ کا جو نقشہ اس نے بتایا تھا وہ خطرناک تھا اور پھر قبائیلیوں کی طرح مالِ غنیمت کے خیال اور الیشہ کے وعدے سے ان کے منھ میں پانی بھر آیا تھا۔

ایک گھنٹے کے مسلسل اُتار کے بعد فوج دلدلوں کے کنارے پر پہونچ گئی۔ اب اسے ایک اتفاق کہیے کہ ان دلدلوں نے ہماری پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی کیونکہ خشک سالی کی وجہ سے یہ بھی خشک ہوگئی تھیں اور اس وجہ سے دریا کا پانی بھی کافی حد تک اتر چکا تھا چنانچہ ناقابل عبور نہ تھا جیسا کہ مجھے خوف تھا۔ اس کے باوجود اس کے سنگستانی پیندے اور سامنے کے عمودی کنارے نے اسے دشوار گزار ضرور بنا دیا تھا۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ مقابل کے کنارے پر اطینہ

کے گھڑ سوار اور پیدل فوج صف بنائے کھڑی تھی۔

جب پیدل فوج کا میمنہ اور میسرہ دائیں بائیں صفیں بنا رہا تھا تو گھڑ سوار فوج دلدلوں میں ہر پیچ کر ٹھہر گئی تھی اور گھوڑے وہ لانبی لانبی گھاس چر رہے تھے جو خشک سالی کی وجہ سے زرد پڑ گئی تھی۔ جب گھوڑے گھاس چر چکے تو انھیں پانی پلایا گیا۔

اس عرصے میں الیشہ خاموش کھڑی رہی تھی کیونکہ وہ بھی اپنی گھوڑی سے اتر گئی تھی۔ تاکہ اس کی یہ گھوڑی اور دو زائد گھوڑے بھی دوسروں کے ساتھ چر لیں اس نے صرف ایک دفعہ زبان کھولی اور مجھ سے کہا۔

"ہالی! تمہارے خیال میں یہ مہم احمقانہ ہے؟ خوفزدہ ہو تم؟"

"جب تم سپہ سالار ہو تو پھر خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں تاہم وہ دوسری فوج۔"

"وہ میرے سامنے سے یوں چھٹ جائے گی جس طرح تیز جھکڑ سے دھند چھٹ جاتی ہے۔" الیشہ نے نیچی لیکن لرزہ خیز آواز میں جواب دیا۔ "ہالی! یقین کرو تم وہ واقعات دیکھو گے جو اس دنیا میں کبھی کسی انسان نے نہ دیکھا ہو گا۔ جب میں قوتوں کو آزاد چھوڑ دوں گی تو اس وقت میرے یہ الفاظ یاد کرنا اور اس وقت تم الیشہ کی پھٹی ہوئی نقاب کے ساتھ کلون کی شکست خوردہ فوجوں کے درمیان سے گزرو گے۔ لیکن یہ خیال سوہان روح بنا ہوا ہے کہ اگر اطینہ نے اسے قتل کر دیا تو کیا ہو گا؟"

"اطمینان رکھو۔ ایسی کوئی بات نہ ہو گی۔" میں نے جواب دیا۔ "اطینہ لیو کو بہت زیادہ چاہتی ہے۔"

میں سوچ رہا تھا کہ "قوتوں کو آزاد چھوڑ دینے" سے اس کا کیا مطلب تھا۔

"ہالی! تم نے یہ بڑی ڈھارس بندھانے والی بات کہی ہے جس کے لیے میرے

دل سے تمہارے لیے دعا نکلتی ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں لیو اطینہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دے گا اور تب ہو سکتا ہے اس کی مجھ سے نفرت اور رشک و حسد محبت کے جذبات پر غالب آ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر میرے انتقام کو کوئی نہ روک سکے گا۔ ہاں! کھاؤ اور پیو۔ نہیں میں کھانے کو اسوقت تک نہ چھوڑونگی جب تک کہ کلون کے محل میں جا کر نہیں بیٹھ جاتی اور وہاں گھوڑے کا زین اور لگام وغیرہ دیکھ کر اطمینان کر لینا کیونکہ تمہیں نہ صرف ایک لمبا سفر کرنا ہے بلکہ ایک خطرناک اور وحشت ناک مہم پر جا رہے ہو۔ تم لیو کے گھوڑے پر سوار ہونا کیونکہ وہ مضبوط اور تیز رفتار ہے اور اگر وہ مر گیا تو محافظ دوسرے گھوڑے لے آئیں گے۔"

چنانچہ میں نے حتی الامکان اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک بار پھر چشمے پر اپنا سر دھویا اور اوروس کی مدد سے مرہم لگی پٹی زخم پر باندھ دی۔ اس کے بعد مجھے کافی سکون حاصل ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ انتظار کی پاگل کر دینے والی گھڑیوں کی سنسنی خیزی اور ہونے والے پراسرار واقعات کے خوفناک خیال کی وجہ سے میں اپنا زخم اور اس کی تکلیف بھول ہی گیا تھا۔

اس وقت الیشہ منہ اٹھائے خاموش کھڑی تھی۔ چونکہ اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی اس لیے میں اس کی صورت نہ دیکھ سکتا تھا۔ تاہم میں نے سمجھ لیا کہ وہ آسمان پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اپنی قوت ارادی کا زبردست اور خوفناک اثر کسی نامعلوم چیز پہ ڈال رہی ہے کیونکہ اس کا پورا جسم طوفان میں کھڑے ہوئے بید کی طرح کانپ رہا تھا۔

بڑی عجیب صبح تھی وہ۔ خنک اور شفاف لیکن حیرت انگیز طور پر خاموش اور فضا ایسی بوجھل تھی جیسی کہ برف باری سے پہلے ہوتی ہے حالانکہ شدید برف کا یہ موسم نہ تھا۔ اس شدید خاموشی میں میں نے ایک دو دفعہ کائنات کو لرزتے محسوس کیا۔ یہ کپکپی

معمولی زلزلے کی نہ تھی۔ کیونکہ یہ کپکپی نہ صرف زمین بلکہ فضا میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ساری قدرت ایک جاندار شے ہے خوف سے کانپ رہی ہے۔

الیشہ کی نگاہ کا تعاقب میری نگاہ نے کیا اور پہاڑ کی چوٹی کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ گاڑھے دھوئیں سے بادل چوٹی پر کے شفاف آسمان پر جمع ہو رہے تھے اور یہ کہ ان کے کنارے آتشی تھے۔ میں نے ان خوفناک بادلوں کی طرف دیکھتے ہوئے الیشہ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ میری یہ بات عقلمندانہ نہ تھی لیکن موقع کی مناسبت سے ذہن میں آ گئی۔

"ہاں" الیشہ نے جواب دیا "رات ہونے سے پہلے موسم ایسا خوفناک ہو جائے گا کہ جیرے دل میں بھی اتنا خوف نہیں ہے۔ اب کلون والے پانی کی کمی کی کبھی شکایت نہ کریں گے۔ سوار ہو جاؤ، ہالی! سوار ہو جاؤ۔ ہم یلغار کر رہے ہیں"

اور وہ بغیر کسی کی مدد کے اس گھوڑی پر اچھل کر سوار ہو گئی جو اوروس لے آیا تھا۔

پانچ ہزار سواروں کے درمیان ہم اس طرف بڑھے جہاں دریا پایاب تھا اور جہاں سے ہمیں اسے عبور کرنا تھا۔ جب ہم لب آب پہونچے تو میں نے دیکھا کہ ہمارے دائیں بائیں اور ہم سے کوئی نصف میل دور وحشی قبائل کی دو رجمنٹیں دریا میں اتر چکی تھیں۔ فاصلہ زیادہ تھا اس لیے میں نہ دیکھ سکا کہ ان کا انجام کیا ہوا البتہ بعد میں معلوم ہوا کہ کافی کشت و خون کے بعد وہ دوسرے کنارے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہمارے سامنے خانیہ کے لشکر کا قلب تھا۔ کلون کی فوج صف در صف کھڑی

ہوئی تھی اور سیکڑوں جوشیلے سپاہی کمر کمر تک پانی میں اُتر آئے تھے اور منتظر تھے کہ جیسے ہی ہم قریب پہونچیں وہ ہمارے گھوڑوں پر بھالے برسا دیں۔

اب ہمارا ہراول وحشیانہ نعرے لگاتا پانی میں دھنس پڑا۔ ہم کنارے پر ہی تھے کہ ہمارا ہراول بیچ دریا میں دشمن کے ان سپاہیوں سے نبرد آزما ہو گیا جو اپنے جوشیلے پن میں دریا میں اُتر آئے تھے۔

جب یہ جنگ جاری تھی تو اوروس نے آکر ایشہ کو اطلاع دی کہ ایک جاسوس واپس آیا ہے جس کے کہنے کے مطابق اطینہ اور سمجری لیو کو لیے، جو بندھا ہوا اور قید میں تھا، طوفان کی طرح کلون کی طرف گئے ہیں۔ یہ گزشتہ رات کا واقعہ ہے۔

"تفصیل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ایشہ نے کہا۔ "میں سب جانتی ہوں۔"

چنانچہ اوروس پیچھے ہٹ گیا۔

پانی میں کھڑے ہوئے دشمن کے سپاہیوں کا خاتمہ کر کے ہمارے سپاہی کنارے تک پہونچ گئے۔ لیکن انھوں نے کنارے پر قدم رکھا ہی تھا کہ دشمن کے دستے ان پر ٹوٹ پڑے اور ہمارے سپاہی بہت سی لاشیں کنارے پر چھوڑ کر پسپا ہوئے۔ تین دفعہ انھوں نے حملہ کیا اور تینوں ہی دفعہ وہ اسی طرح پسپا ہوئے۔

آخرکار ایشہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"ان لوگوں کو ایک سردار کی ضرورت ہے اور میں خود ان کی سردار بنوں گی۔"

وہ بولی۔ "ہاں میرے ساتھ آؤ۔"

اور سواروں کا دستہ ساتھ لیکر وہ دریا میں اتر گئی اور کچھ دور آگے بڑھ کر ٹھہر گئی اور اس وقت تک منتظر کھڑی رہی جب تک ہراول کے سپاہی پسپا ہو کر ہم سے نہ آملے۔

"یہ پاگل پن ہے۔ ہوز یہ ماری جائے گی!" اوروس نے میرے کان میں کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو اوروس!" میں نے کہا۔ "اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہماری بھی خیر نہیں!"

اس پر اوروس خلاف معمول کھل کر مسکرایا اور اپنے شانے اچکائے۔ وہ رحمدل ہونے کے باوجود بہادر تھا۔ اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں، یہ بات اس نے مجھے آزمانے کے لیے ہی کہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہوزیہ کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔

عائشہ نے اپنا ہاتھ بلند کیا اس میں وہ کوئی ہتھیار پکڑے ہوئے نہ تھی۔ اس نے یوں اٹھا کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ یہ اشارہ پاتے ہی فوج نے ایک ایسا نعرہ لگایا کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ سفید پوش عائشہ نے جھک کر اپنی گھوڑی کی کان میں کچھ کہا۔ فوراً اس کا گھوڑا آگے بڑھا اور منجدھار کے گہرے پانی میں کود پڑا۔

دو ہی منٹ بعد ہم پر بھالے اور تیر یوں برسے کہ آسمان ان کے پیچھے تقریباً چھپ گیا۔ دائیں بائیں میں نے آدمیوں اور گھوڑوں کو زخمی یا مردہ ہو کر گرتے دیکھا لیکن مجھے اور عائشہ کو، جو مجھ سے ایک دو گز آگے تھی، خراش تک نہ آئی بلکہ کسی تیر اور بھالے کی نوک نے ہمیں چھوا تک نہیں۔

پانچ منٹ اور.....

اور ہم دوسرے کنارے پر پہنچے اور یہاں گھمسان کا رن پڑا۔

حقیقت میں بڑی خوفناک جنگ تھی یہ لیکن عائشہ ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹی اس کی سفید قبا لہرا رہی تھی اور وہ جس طرف کا رخ کرتی تھی لوگ اس طرف چل پڑتے تھے یا مارے جاتے تھے۔

ہم کنارے پر تھے اور دشمن چاروں طرف سے ہجوم کر آیا تھا۔ لیکن ہم لڑتے بھڑتے اور دشمنوں کے درمیان سے راستہ بناتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اس کشتی کی طرح جو طوفانی سمندر میں آگے بڑھ رہی ہو اور سمندر اس میں پانی تو بھر دیتا ہو لیکن اسے روک نہ سکتا ہو۔ ہم آگے ہی بڑھتے رہے یہاں تک کہ دشمن کی صفوں میں رخنے پڑنے لگے کیونکہ سوار ان میں سے راستہ بنا رہے تھے، انھیں دبا رہے تھے اور ڈھکیل رہے تھے۔ یہاں تک کہ صفیں بکھر گئیں اور سپاہی بھاگنے لگے ہم دشمن کی صفوں کو تتر بتر کر کے دوسری طرف پہونچ چکے تھے اور اب ہمارے ساتھ صرف تین ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔

ہم کلون کی طرف بڑھے۔

حدِ نظر تک پھیلے ہوئے کلون کے میدان میں فراٹے بھر رہے تھے۔ اپنے پیچھے ہم پہاڑی قبائل کو چھوڑ آئے تھے کہ وہ کلون کی شکست خوردہ فوج کا تعاقب کر کے اسے ٹھکانے لگا دیں۔ ہمارے بہت سے سپاہی مارے جا چکے تھے اور بہت سے بری طرح سے زخمی ہو گئے تھے۔ ایشہ نے حکم دے دیا تھا کہ زخمی میدان جنگ سے ہٹ جائیں اور اپنے گھوڑے پیادوں کو دے دیں تاکہ مرنے والے گھڑ سواروں کی کمی پوری ہو جائے۔

اور یوں اپنے عقب کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم کلون کی طرف جا رہے تھے۔ یہ راستہ اس راستے جتنا طویل نہ تھا جس راستے سے ہم اس وقت آئے تھے جب خان اور اس کے خونخوار کتوں سے بچ کر ہم بھاگے تھے۔ چنانچہ جب دوپہر ہو رہی تھی یا شاید اس کے کچھ بعد ہمیں پہاڑی پر کلون کا شہر دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔

اور یہاں پہونچ کر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ یہاں ایک تالاب تھا جس میں

اب بھی تھوڑا سا پانی موجود تھا۔ گھوڑوں نے یہ پانی پیا اور سپاہیوں نے وہ کھانا کھایا جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے یعنی سکھایا ہوا گوشت اور جو کی روٹی۔ یہاں ہمارے چند اور جاسوس یہ خبر لے کر آئے کہ اطینہ کی زبردست فوج شہر کے پلوں کی حفاظت کر رہی ہے اور یہ کہ ہم کو اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ اس پر حملہ کرنے کا نتیجہ شکست اور تباہی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ لیکن عائشہ نے ان کی اس بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس نے جاسوسوں کی یہ بات سنی ہی نہیں۔ اس نے اگر کچھ کہا تو صرف یہ کہ سارے تھکے ہوئے گھوڑے چھوڑ دیئے جائیں اور سپاہی تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔

اور ہم پھر آگے روانہ ہوئے۔ ہم خاموش تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور وقت تھا کہ اڑا جا رہا تھا۔ گھنٹوں پر گھنٹے گزرتے جا رہے تھے اور ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

سب خاموش تھے۔ کوئی کچھ نہ کہہ رہا تھا۔ عائشہ بھی خاموش تھی اور اس کے وحشی قبائل کا دستہ بھی خاموش تھا۔ البتہ دستے کے سپاہی وقتاً فوقتاً سر گھما کر پیچھے دیکھ لیتے اور اپنے بھالوں سے سرخ آسمان کی طرف اشارہ کر لیتے تھے۔

میں نے بھی گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے کبھی نہ بھول سکوں گا۔ آتشی کناروں والے خوفناک بادل پھیل گئے اور گاڑھے ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے گھنگھور سایے کی وجہ سے ان کے پیچھے کے میدان میں اندھیرا اتر آیا تھا بلکہ یوں کہئے کہ میدان تقریباً سیاہ ہو گیا تھا۔ یہ بادل ایک مہیب آسمانی فوج کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ کوچ کرتا آگے بڑھ رہا تھا اور اس میں سے وقتاً فوقتاً آتشی بخارات نکل کر بندوق کی گولیوں کی طرح اس سرے سے اس سرے تک دوڑ جاتے تھے۔ کبھی تو یہ تلوار کی طرح پتلے ہوتے تھے اور کبھی حملہ کرتے ہوئے

گھڑسواروں کی طرح آپس میں گھٹے ہوئے۔
ان بادلوں تلے مکمل ترین خاموشی تھی۔ بوجھل اور لرزہ خیز جیسے زمین ان کے بوجھ تلے مُردہ پڑی ہو۔

کلون البتہ اندھیرے میں نہ تھا اور ہم اس سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ دشمن کا طلایہ دستہ ہمارے سامنے سے اپنی برچھیاں ہلاتا، بھاگا اور ان کے تمسخرانہ قہقہوں کی آواز کھوکھلی بازگشت تک ہم تک پہونچ رہی تھی۔
اور اب ہمیں دشمن کی زبردست فوج دکھائی دی جو صف درصف کھڑی تھی۔ بند ہوا میں ان کے ریشمی جھنڈے مُردہ ہو کر لٹک رہے تھے اور اس کے دائیں بائیں اور سامنے گھڑسوار فوج کھڑی تھی جس کے سپاہیوں کی زرہیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ اس وقت دشمن کے سفیر ہماری طرف نظر آئے۔ عائشہ نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور ہم ٹھہر گئے۔

ان سفیروں کا سردار کلون کے دربار کا ایک رئیس تھا جس کو میں پہچانتا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور بے خوفی سے کہا۔
"ہوزیہ! یہ ہیں خاقانیہ اطلینہ کے الفاظ جو میں تم تک پہونچا رہا ہوں۔ وہ اجنبی آقا اور تمہارا پیارا خاقانیہ کے محل میں قید ہے۔ اگر تم آگے بڑھیں تو ہم تمہیں اور تمہاری فوج کو تباہ کر دیں گے۔ لیکن اگر کسی معجزے سے فتح تمہاری ہوئی تو وہ اجنبی زندہ نہ رہے گا۔ ہوزیہ اپنے پہاڑ کے غار و معبد میں واپس چلی جاؤ اور خاقانیہ اطلینہ تمہیں امان دے گی اور تمہارے لوگوں کی جاں بخشی کر دے گی۔ بولو ہوزیہ؟ کیا جواب ہے تمہارا؟"
عائشہ نے سرگوشی میں اوروس سے کچھ کہا اور مؤخر الذکر نے بلند آواز میں یوں کہا۔
"اے منہ پھٹ اور بیوقوف آدمی! تمہاری بات کا ہم کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں

جاؤ واپس جاؤ کہ موت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔"

چنانچہ وہ لوٹے اور اپنے گھوڑوں کو تیز بھگاتے ہوئے لوٹے جیسے واقعی موت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہو۔

عائشہ چند ثانیوں تک کسی خیال میں غرق اپنے گھوڑے پر خاموش اور بے حرکت بیٹھی رہی۔

پھر وہ گھوم گئی اور اس کے باریک نقاب میں سے میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور خوفناک بھی اور آنکھیں رات کے اندھیرے میں چمکتی ہوئی شیرنی کی آنکھوں کی طرح دہک رہی تھیں اب وہ مجھ سے مخاطب ہوئی اور بھینچے ہوئے دانتوں کے درمیان سے اس کی آواز پھنکار کی طرح نکل رہی تھی۔

"ہاں! دوزخ کے دہانے دیکھنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں انہیں بخش دیتی بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہوتا لیکن میرا دل مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں رحم کے سارے جذبات اکھاڑ پھینکوں اور پتھر بن جاؤں اور اگر میں لیو کو زندہ دیکھنا چاہتی ہوں تو اپنی تمام تر خفیہ قوتوں کو بروئے کار لے آؤں گا۔ ہاں! قسم ہے مجھے اپنی قوتوں کی کہ وہ لوگ لیو کی جان لینے کے درپے ہیں۔

اور پھر اس نے بلند آواز میں کہا

"سپہ سالارو! کسی بات کا خوف نہ کرو۔ تم تھوڑے ہو لیکن تمہارے ساتھ دس ہزار کی طاقت ہے۔ آؤ اب ہوزیہ کے پیچھے چلو اور راستے میں کچھ بھی پیش کیوں نہ آئے مایوس نہ ہونا۔ میری یہ بات سپاہیوں تک پہنچا دینا کہ ہوزیہ ان کے ساتھ ہے چنانچہ وہ بے خوف ہو کر سامنے کی فوج کو چیرتے پھاڑتے گزر جائیں، پل عبور کریں اور کلون کے شہر میں داخل ہو جائیں۔ کہو ان سے کہ ہوزیہ ان کے آگے ہے۔"

چنانچہ سپہ سالار ادھر ادھر گھوڑوں کو لے گئے اور عائشہ کا پیغام ایک ایک سپاہی

تک پہونچا دیا۔

اور وحشی قبائلیوں نے جواب دیا۔

"ہاں ہم اس کے پیچھے دریا عبور کر رہے تھے اور اس کے پیچھے میدان بھی عبور کر جائیں گے ہوزیہ آگے بڑھو کہ اندھیرا ہمیں نگلنے کے لیے آرہا ہے۔"

اب چند احکام دیئے گئے اور سپہ سالار نے کل فوج کو ایک گاؤدم مثلث کی شکل میں ترتیب دیا۔ خود ایشہ اس مثلث کے کنارے پر تھی اور گویا اس کی راس بنی ہوئی تھی۔ میں اور اوروس اس کے دائیں بائیں تھے اور ہر چند کہ اپنے گھوڑوں کو اندھادھند بھگا رہے تھے لیکن حیرت ہے کہ ہمارے گھوڑے اس کی رکاب سے ایک انچ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ اس سیاہ فام ہمدم کے سر پر وہ تنہا سفید پوش بھی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سیاہ چوٹی پر سفید کلغی ہو۔

کہیں ایک قرنا چیخا دو جناتی بازوؤں کی طرح جھاڑیوں اور درختوں کے پیچھے سے دشمن کے گھڑسوار دوڑتے ہوئے سینگوں کی شکل میں صفیں بنائے نکل آئے کہ ہمیں نرغے میں لے لیں اور اس زبردست فوج کا قلب اپنے بھالوں کے پھل چمکاتا بصورت موج آگے بڑھا اور اس کے پیچھے کلوں کی فوج تھی جیسے بحر بے کراں ہو۔

انجام قریب تھا شکست اور خاتمہ یقینی تھا کم سے کم معلوم تو ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ایشہ نے ایک دم سے اپنی نقاب گھسیٹ کر اوپر اٹھا دی جو اس کے ہاتھ میں جھنڈے کی طرح لہرانے لگی اور میں نے دیکھا کہ اس کے ماتھے اور سر پر روشنی کا وہ پراسرار تاج چمک رہا تھا جو میں نے پہلے صرف ایک دفعہ دیکھا تھا۔

ہمارے سروں پر کوچ کرتا ہوا بادل زیادہ سے زیادہ گھنیرا ہوتا چلا گیا اور دس ہزار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز زیادہ سے زیادہ شدت اختیار کرتی چلی گئی ہمارے پیچھے پہاڑ کی چوٹی سے ایک نوری چادر آتشی بلند ہوئی اور اس میں سے آگ

کی پھوار پھوٹ پڑی جس طرح کہ سمندر سے بہتی ہوئی تیز ہوا میں سمندر کے کف کی پھوار ہوتی ہے۔

منظر خوفناک تھا۔ سامنے کلون کے برج غروب ہوتے ہوئے سورج کی خوفناک روشنی میں لرزہ خیز معلوم ہوتے تھے۔ اوپر آسمان پر اندھیرا تھا جیسا کہ گہن کے وقت ہوتا ہے۔ چاروں طرف دھوپ میں جھلسا ہوا اور اندھیرے میں غرق ہوتا ہوا میدان تھا اور اس پر دو فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اطینہ کی زبردست فوج اور ہمارا مختصر سا فوج جو بظاہر اپنی تباہی اور موت کی طرف جا رہی تھی۔

عائشہ نے باگیں چھوڑ دیں اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنی نقاب، جو اس کے ہاتھ میں تھی، ہلائی جیسے آسمان کو کوئی خاص اشارہ کر رہی ہو۔

اور فوراً کچھ ہوا۔

اوپر چھائی ہوئی غیر مقدس اور غیر ارضی رات نے ایک شعلہ سا اگل دیا اور یہ شعلہ یوں دکھائی دیا جیسے کالے بادل کے ہاتھ میں آتشی پھریرا ہو جس طرح کہ عائشہ کے ہاتھ میں خود اس کی نقاب کا پھریرا لہرا رہا تھا۔

اور اب عائشہ نے کلون والوں پر اپنی قوتوں کی بجلیاں گرائیں۔ اس نے ایک نعرہ لگایا اور وہ عذاب نازل ہوا جو کبھی کسی انسان نے نہ دیکھا ہوگا اور شاید کبھی کوئی دیکھے گا بھی نہیں۔"

ہوا کے خوفناک جھکڑ ہمارے قریب سے چنگھاڑتے ہوئے گزرے اور آگے بڑھے اور اپنے ساتھ دھواں اور کنکر اور بڑے بڑے پتھر اڑائے لیے چلے گئے اور ان جھکڑوں کے ساتھ موسلادھار بارش اور اولوں کا طوفان بھی آیا۔ پھنکارتی ہوئی بارش تھا یہ۔ اس بارش کی شدت اور خوفناکی ہم ان چمکتی ہوئی بجلیوں کی روشنی میں دیکھ

رہے تھے جو آسمان سے زمین کی طرف آ رہی تھیں اور پھر زمین سے آسمان کی طرف جا رہی تھیں۔

یہ وہی تھا جس کے لیے الیشہ نے مجھے پہلے ہی سے خبردار کر دیا تھا۔ سچ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دوزخ زمین پہ اتر آئی ہو اور پھٹ پڑی ہو اور ہم اس دوزخ میں سے بے ضرر گزر رہے تھے۔ کیونکہ حیرت ہے کہ یہ غیر ارضی طوفان ہمارے آس پاس سے ہی گزر جاتا تھا۔ کوئی تیر نہ چلایا گیا کوئی برچھا خون سے رنگین نہ ہوئی دندانے اور اولے ہماری آمد کے نقیب تھے۔ بجلیاں جو چلا رہی اور مار رہی تھیں ہماری تلواریں تھیں اور ہمارے بھالے تھے۔ ہوا چنگھاڑ رہی تھی۔ طوفان میں بہت سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اولے الگ سے چیخ رہے تھے اور بجلیاں کڑک رہی تھیں اور یہ مختلف آوازیں آپس میں مل کر ایک ایسا شور بپا کر رہی تھیں کہ دل سینوں میں دہلے جاتے تھے۔ یہ ایسی آوازیں تھیں، یہ ایسا شور تھا جس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

رہے ہمارے دشمن تو وہ بکھر کر غائب ہو گئے۔

اندھیرا اس قدر گاڑھا تھا کہ دنیا کی کوئی رات، اندھیری سے اندھیری رات بھی اتنی تاریک نہ رہی ہو گی۔ تاہم بجلی کی چکا چوند کر دینے والی روشنی میں میں دشمن کے سپاہیوں کو بدحواسی سے اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ اور عناصر کے بھیانک اور لرزہ خیز شور سے الگ ان کی خوف اور تکلیف کی چیخیں سن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا گھوڑے اور ان کے سوار زمین پر گٹھڑیوں کی طرح گر رہے تھے۔ طوفان باد و باراں میں ڈھیر ہوتے ہوئے درختوں کے پتوں کی طرح میں نے دشمن کے پیدل سپاہیوں کو ڈھیر ہوتے دیکھا اور آسمان ان پر بجلی کے بھالوں سے مسلسل وار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ انسانی ڈھیر مردہ ہو گئے اور جھلس گئے، میں نے درختوں کو جھکتے، جڑ سے

اُبھرتا اور پھر غائب ہوتے دیکھا اور میں نے کلوں کی بلند فصیل کو ٹوٹتے اور پھر پتھر پتھر ہو کر ماٹتے دیکھا اور شہر پناہ کے دوسری طرف مکانات کو ایک دم سے آگ لگ گئی لیکن موسلا دھار بارش نے اسے بجھا دیا اور اندھیرا اپنے مہیب بازو پھیلا کر ہمارے سروں پر سے گزرا اور جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ شعلوں میں تبدیل ہو چکا تھا یہ یہ آتشی سیلاب تھا جو جھکڑوں کے دوش پر سوار تھا۔

اندھیرا، مکمل ترین اندھیرا، ہنگامہ، شور، نا امیدی اور موت، میری رانوں میں لرزتا اور مشکل سے آگے بڑھتا ہوا گھوڑا، میرے قریب عائشہ اور اس کے سر پر وہ نورانی تاج یا ہالہ اور اس طوفان اور اندھیرے میں سنائی دیتی ہوئی عائشہ کی صاف اور کھنکتی ہوئی آواز جو کہہ رہی تھی۔

"میں نے وحشت ناک موسم کا وعدہ کیا تھا۔ ہاں! اب یقین آیا تمہیں کہ میں دنیا کی مقید قوتوں کو آزاد کر سکتی ہوں۔"

اور پھر یہ سب کچھ غائب ہو گیا۔ اور اب ہمارے سروں پر پرسکون آسمان تھا اور سامنے خالی پل تھا اور اس کے دوسری طرف کلون کا جلتا ہوا شہر۔ لیکن اطینہ کی فوج کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کہاں گئی اس کی فوج؟ اس سوال کا جواب ان پتھروں کے ڈھیروں سے پوچھو جن کے نیچے ان کی ہڈیاں دبی پڑی ہیں یا اس سرزمین سے پوچھو جسے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اسے ایک بیوہ کی طرح بے یار و مددگار چھوڑ گئے۔

لیکن ہمارے گھڑ سواروں میں کا ایک سوار بھی غائب نہ تھا۔ ہمارے پیچھے وہ اپنے گھوڑے بھگاتے چلے آ رہے تھے۔ وہ کانپ رہے تھے اور ان کے رنگ فق تھے جیسے وہ خود موت سے دست بدست جنگ کر کے آئے ہوں۔ لیکن وہ فتحمند تھے۔ ہاں۔ فتح ان کی ہوئی تھی۔

پل کے بلند کنارے پر پہونچ کر ائیشہ نے اپنا رخ اپنی فوج کی طرف موڑ دیا اور ایک لمحہ تک بڑی شان سے اپنے سپاہیوں کے اشتعال کو کھڑی دیکھتی رہی۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ پہاڑ والے اپنی ہوزیہ کو بے نقاب اور اسکے سر پر کے ہالے کو دیکھ رہے تھے۔

اور انھوں نے ایک ایسا فلک شگاف نعرہ لگایا کہ شاید ہی کبھی کسی نے ایسا نعرہ سُنا ہو۔

"دیوی۔ دیوی۔ پوجا کرو دیوی کی"

اور تب ائیشہ نے ایک بار پھر گھوڑے کو کلون کی طرف موڑا اور چل پڑی اور سپاہی اس کے پیچھے چلے اور ہم شہر میں داخل ہوئے۔ چلتے ہوئے شہر کی سڑکوں پر سے گزرنے اور ٹیلے پر قائم محل کے سامنے پہونچ گئے۔

جب ہم وہاں پہونچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ محل کے صحن میں سناٹا تھا ہر طرف سناٹا تھا کوئی آواز نہ سنائی دے رہی تھی سوائے دور سے آتی ہوئی آگ کی سرسراہٹ کی آواز کے اور موت کے ان کتوں کی آواز کے جو اپنے سگ خانے میں بند بھونک رہے تھے۔

ائیشہ اپنے گھوڑے پر سے اُتر آئی۔ اس نے سب کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور مجھے اور اوروس کو ساتھ لے کر کھلے ہوئے دروازے میں سے محل میں داخل ہو گئی۔

محل کا ہر کمرہ خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ ان کمروں میں رہنے والے یا تو بھاگ گئے تھے یا مر چکے تھے لیکن ائیشہ بغیر رکے آگے بڑھتی رہی اور اتنی تیزی سے کہ ہم بمشکل اس کا ساتھ دے سکتے تھے۔ اب وہ اور اس کے پیچھے ہم وہ چوڑا سنگین زینہ چڑھ رہے تھے جو بلند ترین برج تک جاتا تھا۔

ہم چڑھتے رہے اوپر ہی اوپر یہاں تک کہ اس کمرے تک پہونچ گئے جو ساحر مجری کی رہائش گاہ تھا یہ وہی کمرہ تھا۔ جہاں سے شامن مجری ستاروں کی چال کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور یہ وہی کمرہ تھا جہاں اطینہ نے ہمیں موت کی دھمکی دی تھی اس کا دروازہ مضبوطی سے بند تھا لیکن ایشہ کے اس کے سامنے پہونچتے ہی بلکہ یوں کہئے کہ اس کے بدن کی ہوا پاتے ہی زنجیریں اور کھٹکے یوں ٹوٹ گئے جیسے وہ لوہے کی نہ ہوں بلکہ خشک اور پتلی ٹہنیوں کے ہوں کواڑے کھٹا کھٹ کھلے اور کواڑ دھڑاک سے پیچھے کی طرف کھل گئے۔

اب ہم چراغ سے روشن کمرے میں تھے اور جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یوں تھا۔

ایک کرسی میں لیو بیٹھا ہوا تھا وہ بندھا ہوا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ تاہم وہ پر تمکنت معلوم ہو رہا تھا اور بڑی شان سے تن کر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے اپنے خشک ہاتھ میں خنجر لیے شامن مجری کھڑا تھا بلکہ لیو پر وار کرنے کی تیاری میں تھا اور قریب ہی، سنگیں فرش پر، کلوں کی خانیہ کی لاش پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی اور پھٹی ہوئی تھیں اور مرنے کے بعد بھی وہ بڑی پر غرور دکھائی معلوم ہو رہی تھی۔

ایشہ نے اپنا ہاتھ ہلایا اور شامن مجری کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر فرش پر گرا اور دوسرے ہی لمحے خود شامن مجری یوں بے حس و حرکت تھا جیسے وہ پتھر کا بن گیا ہو۔

ایشہ نے جھک کر خنجر اٹھا لیا اور ایک ہی جھٹکے میں لیو کے بندھن کاٹ دیے اور پھر جیسے نڈھال ہو کر قریب کی بنچ پر ڈھے سی گئی۔ لیو اٹھا اس نے وحشت سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اس شخص کی سی آواز میں جو سخت مصائب جھیلنے کے بعد بے حد کمزور ہو گیا ہو، کہا۔

"عین وقت پر آئی ہو الیشہ! اگر ایک سکنڈ دیر سے پہونچتیں تو اس خونی کتے نے اور شامن سنجری کی طرف اس نے اشارہ کیا۔ "بہرحال اچھے وقت پر پہونچیں۔ خیر۔ جنگ کا کیا نتیجہ رہا اور اس خوفناک طوفان میں تم یہاں تک کیسے پہونچیں؟ ارے ہوریس خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے تمھیں قتل نہیں کر دیا؟"

ان کے لیے جنگ کا نتیجہ بُرا رہا" الیشہ نے جواب دیا۔ "اور میں طوفان میں سے نہیں بلکہ اس طوفان پر سوار ہو کر آئی ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ مجھ سے جدا ہونے کے بعد تمہارے ساتھ کیا واقعہ ہوا؟"

"مجھے دھوکے سے بلایا گیا، مجھ پر اچانک حملہ کیا گیا اور پھر مجھے باندھ کر یہاں لایا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں تمھیں ایک رقعہ لکھ کر تمہاری پیش قدمی روک دوں یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں میں نے رقعہ لکھنے سے انکار کر دیا اور پھر..."

اور اس نے اطیفہ کی لاش کی طرف دیکھا۔

"پھر کیا ہوا؟" الیشہ نے پوچھا۔

"پھر وہ خوفناک طوفان پھٹ پڑا جس نے جیسے مجھے پاگل کر دیا۔ کاش کہ تم نے ہوا کو فصیل پر اور برجوں پر چنگھاڑتے سنا ہوتا اور ان کے پتھروں کو یوں آسانی سے اکھاڑتے دیکھا ہوتا جیسے وہ خشک پتے ہوں اور تم نے بجلیوں کو بارش کی طرح گرتے اور برستے دیکھا ہوتا......"

"یہ سب میرے پیغامبر تھے جنھیں میں نے تمھیں بچانے کے لیے بھیجا تھا" الیشہ نے کہا۔

لیو نے آنکھیں پھاڑ کر الیشہ کی طرف دیکھا لیکن منھ سے کچھ نہ کہا چند ثانیوں کے توقف کے بعد، جیسے وہ الیشہ کی اس بات پر غور کر رہا ہو، اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اطینہ نے بھی یہی بات کہی تھی۔ لیکن میں نے اس پر یقین نہیں کیا تھا۔ میرا تو خیال تھا کہ یہ قیامت ہے اور دنیا کا خاتمہ قریب ہے اور بس۔ خیر تو اطینہ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی اور وہ پہلے سے کئی گنا زیادہ غصے میں تھی اور سچ مچ دیوانی ہو رہی تھی۔ اس نے کہا کہ اس کی قوم کا خاتمہ ہو گیا ہے اور یہ کہ وہ دوزخ کی قوتوں سے نہیں لڑ سکتی۔ البتہ وہ مجھے جہنم میں ضرور بھیج دے گی اور یہ کہہ کر اس نے میرے قتل کے لیے خنجر اٹھا لیا۔

"میں نے کہا۔ "خاتمہ کر دو میرا" کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں جہاں بھی جاؤں گا تم آؤ گی۔ اس کے علاوہ میرے چند زخموں سے اتنا بہت سا خون بہہ گیا تھا کہ میں حد درجہ کی نقاہت محسوس کر رہا تھا اور پھر ان سب باتوں سے بھی اکتا گیا تھا۔ چنانچہ میں آنکھیں بند کر کے خنجر کی ضرب کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن خنجر کی نوک کے بجائے میں نے اس کے ہونٹوں کا لمس اپنے ماتھے پر محسوس کیا اور اسے کہتے سنا۔

"نہیں۔ میں یہ نہ کروں گی۔ الوداع میرے پیارے! تم اپنی قسمت کا لکھا پورا کرو اور میں اپنی قسمت کا لکھا پورا کرتی ہوں۔ کیونکہ اس دفعہ پانسہ میرے خلاف پڑا ہے۔ لیکن کسی اور جگہ یہی پانسہ میرے حق میں پڑے گا۔ میں اپنے حق میں پانسے پھینکنے جا رہی ہوں۔ بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہوا۔"

"میں نے آنکھیں کھول دیں اور دیکھا کہ اطینہ اپنے ہاتھ میں ایک جام لیے کھڑی تھی۔ دیکھو یہ ہے وہ جام جو اس کی لاش کے قریب پڑا ہے۔"

"بظاہر شکست ہوئی ہے لیکن یہ میری فتح ہے۔" وہ چیخ کر بولی۔ "کیونکہ میں تم سے پہلے اس لیے جا رہی ہوں کہ وہ راستہ ہموار کر دوں جس پر تمہیں چلنا ہے اور دوسری دنیا میں تمہارے لیے ایک محل سجا بنا کر تیار کر دوں۔ جب تک

ہماری ملاقات پھر نہیں ہوتی تب تک، میں، تمہیں رہن رکھتی ہوں۔ کیونکہ میں برباد ہو چکی۔ الیشہ کے گھڑ سوار میرے شہر کی سڑکوں پر پہونچ چکے ہیں اور ان کے آگے آگے الیشہ انتقام کے فرشتے کی طرح چلی آرہی ہے۔

"اور اس نے وہ جام ہونٹوں سے لگا لیا اور مردہ ہو کر گر گئی۔ یہ واقعہ ابھی چند منٹوں پہلے کا ہے۔ دیکھو اب بھی اس کے سینے میں دم اٹکا ہوا ہے۔ اس کے بعد اس بوڑھے نے میرا خاتمہ کر دیا ہوتا کیونکہ میں بندھا ہوا تھا اور اپنا بچاؤ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن ایک دم سے دروازہ کھلا اور الیشہ تم اندر آ گئیں۔ اس کی جان بخشی کر دو الیشہ۔ سیجری کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ خانیہ اطلینہ کے خاندان سے ہے اور اسے چاہتا تھا۔"

اور پھر لیو اسی کرسی میں گر گیا جس میں ہم نے اسے بندھا ہوا پایا تھا اس پر کسی قسم کی غنودگی طاری ہو گئی اور دفعتہً وہ کسی بوڑھے کی طرح معلوم ہونے لگا

"تم علیل ہو" الیشہ نے گھبرا کر کہا "اوروس دوا ـــ وہ مشروب لاؤ جسے ساتھ لانے کا میں نے حکم دیا تھا۔ فوراً لاؤ"

اوروس کمر سے جھک گیا اور اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اندر کی جیب میں سے ایک چھوٹی سی بوتل برآمد کی۔ اس کا کاگ کھول کر اس نے یہ بوتل لیو کی طرف بڑھا دی اور کہا۔

"پی جاؤ آقا! اس مشروب سے تمہاری طاقت عود کر آئے گی۔ بے حد زود اثر دوا ہے یہ"

"جتنی زیادہ زود اثر ہو اتنا ہی اچھا ہے" لیو نے غنودگی سے بیدار ہو کر اور بشاشت سے ہنس کر جواب دیا "میں پیاسا ہوں کیونکہ گزشتہ رات سے نہ میں نے کچھ کھایا ہے اور نہ کچھ پیا ہے۔ ساتھ ہی سخت جدوجہد کی ہے۔

اور وہ لوگ باندھ کر مجھے بہت دور تک لائے ہیں۔ اور ہاں اس جہنمی طوفان میں بھی زندہ رہا ہوں اور اس کی دہشت ناکی برداشت کی ہے۔"

اور اس نے اوروس کے ہاتھ سے بوتل لی اور وہ مشروب غٹ غٹا گیا۔

اس مشروب میں یقیناً کوئی خاص تاثیر تھی کیونکہ اس کے پیتے ہی لیو میں جو تبدیلی ہوئی وہ حیرت انگیز تھی دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں چمک آچکی تھی اور رخساروں پر سرخی دوڑ گئی تھی۔

"تمہاری دواؤں میں غضب کا اثر ہے جس کا تجربہ میں عرصے سے کرتا آ رہا ہوں۔" اس نے ایشہ سے کہا۔ "لیکن سب سے بڑی اور اثر انگیز بات یہ ہے کہ تم میرے سامنے صحیح سلامت اور کامیاب بیٹھی ہو اور یہ بھی کہ میں حالانکہ میں اپنی موت سامنے دیکھ رہا تھا، تمہیں خوش آمدید کہنے کے لیے زندہ ہوں میری جان یہ کھانا رکھا ہے۔" اور اس نے میری طرف اشارہ کیا جس پر بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا۔ "تم کہو تو میں اسے کھا لوں کیونکہ مارے بھوک کے میری حالت غیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں ہاں شوق سے کھاؤ۔" ایشہ نے جواب دیا۔ "ہالی! تم بھی کھاؤ۔"

چنانچہ ہم کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ ہم نے اطینہ کی لاش کا بھی خیال نہ کیا ہاں اس اطینہ کی لاش کا جو مرنے کے بعد بھی پر وقار معلوم ہوتی تھی، اور نہ ایشہ کا خیال کیا۔ ہاں اس پراسرار عورت کا بھی خیال نہ کیا۔

جو ان خطرناک ہتھیاروں سے زبردست فوجوں کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ جو اس کے تابع فرمان تھے۔

اوروس نے کچھ نہ کھایا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا بندر گاتہ شفقت سے مسکرا مسکرا کر ہماری طرف دیکھتا رہا۔

اور ایشہ نے بھی کھانے کو نہ چھوا۔

تئیسواں باب

شادی اور موت

میں شکم سیر ہو کر کھا چکا۔ لیکن لیو اب بھی کھا رہا تھا یا تو خون کی کمی کی وجہ سے یا پھر اس دوا کی وجہ سے، جو ایشہ کے حکم سے پلائی گئی تھی، اس کی بھوک ناقابلِ یقین حد تک کھل گئی تھی۔

میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور مجھے اس کے چہرے میں ایک تبدیلی کا احساس ہوا۔ بے شک یہ فوری تبدیلی نہ تھی بلکہ وہ تھی جو رفتہ رفتہ ہوئی تھی اور ہماری مختصر سی جدائی کے بعد میں نے اب پہلی دفعہ یہ تبدیلی دیکھی تھی۔ اس کے دبلے پن کے علاوہ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں، اس کے چہرے کے خدو خال میں عجیب لطافت آ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہونے والے واقعات کے سایے سے نظر آ رہے تھے۔

اس کی حالت دیکھ کر میرا دل کڑھنے لگا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟ یہ چہرہ اس لیو کا نہ تھا جس کو میں جانتا تھا۔ نہ ہی یہ وہ چوڑے سینے، مضبوط اعضاء والا، ہنس مکھ، شکاری اور بہادر لیو تھا جو ایک ایسی روحانی قوت پر عاشق تھا جس نے ایک مکمل ترین عورت کے روپ میں یا قالب میں جنم لیا تھا۔ یہ سب باتیں اس میں موجود تھیں۔ لیکن آدمی بدل چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ تبدیلی ایشہ کی وجہ سے یا اس کے قرب کی وجہ سے یا پھر خود ایشہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ کیونکہ اسکے بشرے پر اس وقت وہی کیفیت طاری تھی جو ایشہ کے چہرے پر اس وقت ہوتی تھی جب وہ آرام میں ہوتی تھی۔

ایشہ بھی خوابناک نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یکایک اسے کوئی خیال آیا۔

اس کی آنکھوں میں چمک آگئی اور رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔ جی ہاں وہ عظیم عائشہ، جس نے لیو پر سے ان ہزاروں آدمیوں کو قربان کر دیا تھا جن کی لاشیں ٹکڑوں کے میدان میں پڑی ہوئی تھیں، اس کنواری لڑکی کی طرح شرما اور کانپ رہی تھی جس کا بوسہ پہلی دفعہ اس کے عاشق نے لیا ہو۔

لیو میز پر سے اٹھا۔

"عائشہ! کاش کہ اس جنگ میں میں بھی تمہارے ساتھ ہوتا۔" اس نے کہا۔

"دریا پر معمولی سی جنگ ہوئی تھی۔ اس کے بعد کوئی جنگ نہیں ہوئی اسکے بعد موکلی، یعنی آگ، ہوا اور زمین اپنا کام کرتے رہے اور لیو۔ میں نے انھیں نیند سے جگایا اور میرے حکم سے انھوں نے تمہاری خاطر جنگ کی اور تمہیں بچا لیا۔"

"میرے خدا! ایک جان کی خاطر اتنی بہت سی جانیں لی گئیں!" لیو نے سنجیدگی سے کہا جیسے اس خیال سے ہی اس کے دل کو صدمہ پہونچا تھا۔

"اگر وہ ہزاروں کے بجائے لاکھوں ہوتے تب بھی میں ان کا خاتمہ کر دیتی۔ چنانچہ ان سب کا خون تمہاری نہیں میری گردن پر ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ اسکی گردن پر" اور اس نے اطینہ کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "ہاں اس کی گردن پر جس نے یہ جنگ کرائی۔ اسے تو بہر حال میرا مشکور ہونا چاہیئے کہ میں نے ایسی عظیم فوج اس کی حفاظت کے لیے دوسری دنیا میں بھیجدی ہے!"

"تاہم میری پیاری۔" لیو نے کہا۔ "یہ خیال ہی دہشت انگیز ہے کہ تم نے اتنی خونریزی کی ہے کہ تمہارا ایک ایک بال خون میں رنگ گیا ہے گویا!"

"مجھے اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے لیو!" عائشہ نے تکبر سے کہا۔ "کاش کہ اتنا بہت سا خون میرے بیچارے ہاتھوں سے تمہارے اس خون کے دھبے کو دھو

دے جو خود تمہارے قتل سے آگیا تھا۔"

"تمہیں الزام دینے کا مجھے کیا حق ہے؟" لیو نے یوں کہا جیسے خود اپنے آپ سے کہہ رہا ہو۔ "ہاں مجھے ___ جس نے ابھی گزشتہ کل ہی دو آدمیوں کی جان لی ہے ___ اپنے آپ کو دھوکے سے بچانے کے لیے میں نے انکی جان لی تھی۔"

"اس واقعے کا ذکر نہ کرو۔" ایشہ نے ایک دم سے طیش میں آکر کہا۔ "میں نے وہ مقام دیکھا اور ہاں! تم جانتے ہو کہ میں نے کس طرح قسم کھائی تھی کہ اپنے لیو کے ایک ایک قطرۂ خون کے عوض سو سو زندگیاں لوں گی اور میں نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا کیونکہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ اب اس بوڑھے کی طرف دیکھو جسے میں نے اپنی قوت ارادی سے پتھر بنا دیا ہے۔ یہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہے۔ اب بتاؤ کہ جب میں یہاں آئی ہوں تو یہ کمبخت تیرے ساتھ کیا کرنے والا تھا؟"

"اپنی ملکہ اور اس کی فوج کی موت اور تباہی کا انتقام مجھ سے لینے جا رہا تھا۔" لیو نے جواب دیا۔ "لیکن ایشہ یہ تم نے کیسے یقین کر لیا کہ وہ قوت جو نہ صرف تم سے بلکہ سب سے بالاتر ہے، تم سے اس خونریزی کا جواب طلب نہ کرے گی؟"

اور یہ کہتے وقت لیو کے چہرے پر وہ خاص قسم کی زردی چھا گئی جو مرنے سے کچھ پہلے مرنے والے کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ اور شامن کی پتھرائی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

لمحہ بھر کے لیے ایشہ بھی دہشت زدہ ہو گئی۔ لیکن جس سرعت سے یہ دہشت اس پر طاری ہوئی تھی۔ اتنی ہی سرعت سے غائب بھی ہو گئی۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بولی۔ "اور سوائے ایک قوت کے جو سب

سے بالاتر ہے اس دنیا میں اور کون سی قوت ہے جو میری خواہش کے سامنے روک بنا سکتی ہے۔"

چنانچہ یوں کہا اس نے اور جب اس نے یہ خوفناک مغرورانہ ۔۔۔ کیونکہ یہ خوفناک ہی تھے ۔۔۔ الفاظ کہے تو میں نے یعنی ہالی نے تصوّر کی نظروں سے کچھ دیکھا۔ مجھے ایک خلائے بسیط دکھائی دیا جس میں بہت سے سورج روشن تھے اور ان سے پرے ایک عظیم صورت نظر آئی جس پر ایسا سکون اور اطمینان مسلط تھا کہ میری روح کانپ گئی اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ مقدر تھا۔ جو اجرام فلکی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ مقدر کے ہونٹ ہلے اور کل کائنات اس کے صادر کردہ حکم پر لبیک کہہ کر لپکی۔ وہ ہونٹ پھر ہلے اور سورج گھومنے لگے اور جو گھوم رہے تھے وہ ٹھہر گئے، نمودار ہوئے یا غائب ہو گئے۔ اور تب میں نے محسوس کیا کہ میرے قریب کھڑی ہوئی ہستی نے جو یا تو عورت تھی یا کچھ اور اس نے عظیم قوت کو للکارا تھا اور اس سے ٹکرانے کی تیاری کر رہی تھی۔ میری روح کانپ گئی اور میں سہم گیا۔

خوف کی یہ لہر گزر گئی۔ یہ منظر غائب ہو گیا اور جب میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے سنا کہ عائشہ ایک بدلی ہوئی آواز اور فتحمندانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"نہیں نہیں۔" اس نے کہا۔ "خوف کی رات گزر چکی اور فتح و کامرانی کی صبح طلوع ہو گئی۔ وہ دیکھو۔"

اور اس نے طوفان سے ٹوٹی ہوئی محل کی کھڑکیوں میں سے نیچے جلتے ہوئے شہر کی طرف اشارہ کیا جہاں سے ماتم کی آوازیں بلند تھیں اور آگ تھی کہ دوزخ سے بھاگے ہوئے کسی عفریت کی طرح ان کے گھروں کو جلا رہی تھی اور خوشی سے جیسے ناچ رہی تھی۔

"دیکھو دیکھو! یہ ہے میری پہلی سوختنی قربانی جو میں نے تمہاری شان

وشوکت پر چڑھائی ہے اور سنو! یہ ہے وہ نغمہ جو تمہاری عظمت کا نقیب ہے۔
شاید تم نے یہ قربانی قبول نہیں کی اور اگر ایسا ہی ہے تو میں مزید قربانیاں پیش کروں گی۔ تمہیں جنگ پسند ہے، بہت اچھا ہم جنگ کے لیے روانہ ہوں گے اور باغی شہر، دنیا کے باغی شہر ہمارے اس کوچ میں شعلوں کا کام دیں گے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے خوبصورت اور نازک نتھنے کانپنے لگے اس کا چہرہ آنے والی عظمت کے خیال سے دمک رہا تھا پھر وہ ابابیل کی طرح اس طرف جھپٹی جہاں تاج پڑا ہوا تھا۔ یہ تاج اطینہ کے سر سے اس وقت گرا تھا جب وہ مردہ ہو کر فرش پر ڈھے گئی تھی۔

عائشہ نے جھک کر وہ تاج اٹھا لیا۔ واپس آئی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے یہ تاج اٹھا کر اسے لیو کے سر پر اٹھا رکھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ جھکائے۔ یہاں تک کہ یہ سنہرا تاج لیو کے سر پر لمحہ بھر کے لیے ٹک گیا اور عائشہ نے فاتحانہ لہجے میں اور ایک سرخوشی کے عالم میں چیخ کر کہا۔

"اس حقیر دنیوی علامت کے ذریعے میں تمہیں کل عالم کا بادشاہ نامزد کرتی ہوں۔ ہاں۔ اس ناچیز سنہرے حلقے میں تمہارے لیے ساری دنیا کی حکومت ہے۔ لیو! تم دنیا کے اور میرے بادشاہ بن جاؤ۔"

اس نے پھر تاج اٹھا لیا اور پھر لیو کے سر پر رکھ دیا اور ایکبار پھر مترنم آواز میں کہا۔ "میں ابدیت کی علامت کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمہیں کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی عطا کروں گی۔ سلامت رہو جب تک کہ دنیا قائم رہے اور اس کے اور میرے آقا بنے رہو۔"

اب تیسری دفعہ تاج لیو کے سر پر رکھا گیا۔

"اس سنہرے حلقے کے ذریعے میں تمہیں دنیا کی ساری دانائی بخشتی ہوں وہ دانائی جو قدرت کے خفیہ راستے تمہارے قدموں کے لیے کھول دے گی تم فتحمند و کامران اور شادان و زرخان

میرے ساتھ ان راستوں پر گامزن ہو گے یہاں تک کہ ہم اس انتہائی بلندی پر اور وہاں سے ابدیت کے اس تخت پر پہونچ جائیں گے جو دو ستونوں پر قائم ہے ایک سا موت اور دوسرا زلیست کا ستون"

اور پھر عائشہ نے تاج پھینک دیا ــــ اور وہ تاج اطینہ کی لاش کے سینے پر گرا اور وہیں پڑا رہا۔

"میرے آقا! اب بتاؤ کہ تم میرے عطیوں سے مطمئن ہوئے کہ نہیں؟" عائشہ نے پوچھا۔

لیو نے اداس نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

"تو اور کیا چاہتے ہو؟ مانگو اور میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ وہ تمہیں دے دوں گی۔"

"تم نے تو قسم کھائی ہے عائشہ! لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اسے نبھاؤ گی؟"

"ہاں میں اپنی قسم کھا کر کہتی ہوں اور اس وقت قوت کی قسم کھاتی ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اگر تم نے کوئی ایسی چیز طلب کی جو میرے اختیار میں ہے۔ اور میں نے اسے دینے سے انکار کیا تو پھر میرا وہ انجام ہو کہ اسے دیکھ دیکھ کر اطینہ کی روح کو بھی قرار آجائے۔"

"میں نے سنا اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی اور نے بھی سُنا کیونکہ کم سے کم یہ ضرور ہوا کہ پھر شاہ مصری کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں تم سے کوئی ایسی چیز طلب نہیں کر رہا ہوں جو تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ میں وہ مانگتا ہوں جو تم دے سکتی ہو۔"

"تو پھر مانگو۔ وہ چیز تمہاری ہے"۔

"عائشہ میں تم سے خود تمہیں مانگتا ہوں۔ مستقبل بعید میں نہیں جب میں اسی پر اسرار آگ میں غسل کر لوں گا بلکہ ابھی اور اسی وقت۔"

عائشہ ایک دم سے لڑکھڑائی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ہائے!" اس نے نیچی آواز میں کہا "میری مثال اس احمق فلسفی کی سی ہے جو قوموں کا حال ستاروں سے معلوم کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلا اور بچوں کے کھودے ہوئے کھڈ میں گر کر اپنی ہڈیاں توڑ بیٹھا اور وہیں مر گیا یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جب تمہارے سامنے ترقی کی یہ مثالیں ہوں گی جو تمہیں ہر بشر سے بلند کر کے آسمان تک پہونچا دیں گے تب بھی تم اپنی اس زمین سے چپکے رہو گے اور ایک عام سی چیز کے، یعنی عورت کی محبت کے طلبگار رہو گے۔

"ہائے لیو! میرا تو خیال تھا کہ تمہاری روح اس سے ممکن ترین خواہشات کی حامل ہو گی۔ میں نے سوچا تھا کہ تم مجھ سے اور بھی زیادہ تو تمیں طلب کرو گے۔ میرا گمان تھا کہ تم آسمانوں کی حکومت مانگو گے اور کہو گے کہ میں ارض و سما کی حکمرانی تمہیں بخش دوں، تمہیں ابدی زندگی عطا کر دوں، تمہیں سورج سے بھی پرے تخت پر بٹھا دوں کہ وہاں بیٹھ کر تم دنیا کا تماشہ دیکھتے اور خوش ہوتے رہو۔

"یا پھر میرا خیال تھا، تم مجھ سے اس بات کے اظہار کی فرمائش کرو گے جس کے اظہار کی جرأت آج تک کسی عورت نے نہیں کی ہے، یعنی تلخ اور ننگی حقیقت کا اظہار، تم میرے تمام گناہوں کا، میرے تمام غموں کا، میری ساری کمزوریوں کا اور میرے سارے ارادوں کا اور خیالات کا اعتراف و انکشاف یا یہ کہ تم آج تک نہیں جان سکے اور شاید کبھی معلوم کر بھی نہ کرو گے۔ یعنی یہ کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں اور یہ کہ میں تمہاری نظروں کے سامنے کس طرح ایک بوڑھی اور نفرت انگیز عورت سے ایسی حسین اور پیاری بن گئی یا یہ کہ تم سے میری اس محبت کا مقصد کیا ہے یا یہ اس خضبناک دیوی کے افسانے میں کہاں تک صداقت ہے جو کبھی کسی جگہ نہ تھی سوائے خوابوں کے۔

"میرا خیال تھا کہ۔ لیکن نہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے میرے لیو! تم تو وہ ثابت

ہوئے جس کی مجھے توقع نہ تھی اور وہ بھی اس وقت جب تمہیں ان پراسرار دروازوں سے گزرنا چاہیئے تھا جو میں نے تمہارے لیے کھول دیئے تھے اور پھر تمہیں میرے ساتھ قدرت کے خفیہ راستوں پر گامزن ہونا تھا اور آسمان کی بلندیوں کو چھونا تھا لیکن افسوس! تمہاری درخواست وہی ہے جو پوری دنیا کے لوگ خاموش چاندنی راتوں میں کیا کرتے ہیں محلوں میں اور جھونپڑیوں میں، گلیوں میں اور میدانوں میں، جنگل میں اور شہر کے اندھیرے سنسان گوشوں میں اور تپتے ہوئے صحراؤں اور مواج سمندروں کے سینے پر حقیر انسان بس گڑگڑا گڑگڑا کر یہی طلب کرتا ہے ___ "میری پیاری میری جان! اپنے ہونٹوں کا رس پینے دے۔ اے میری پیاری! تو میری بن جا ___ یہ چاند ہمارا گواہ ہے ___ تو میری بن جا۔"

"لیو مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ میں نے تمہیں ایسا نہ سمجھا تھا۔"

"عائشہ! اگر میں نے سورجوں اور چاند ستاروں اور روحانی عطیوں کو قبول کر لیا ہوتا تو شاید تم مجھے اور بھی برا سمجھتیں حالانکہ نہ تو مجھے ان چیزوں کی خواہش ہے اور نہ ہی ہفت اقلیم کی حکومت کی۔

"اگر میں نے کہا ہوتا کہ تم میری بن جاؤ نہ کہ میری بیوی اور سمندروں کے درمیان راستہ بنا دو کہ میں اس پر چل سکوں، آسمان میں رخنے ڈال دو کہ میں دیکھ سکوں کہ ستارے کس طرح پیدا ہوتے ہیں، مجھے موت و زیست کے ماخذ بتا کر ان کے رازوں سے آگاہ کرو، اقوام انسانی کو میری تلوار تلے لے آؤ اور دنیا کی ساری دولت مجھے دے دو کہ میں اس سے اپنے خزانے بھر دوں مجھے یہ بھی سکھا دو کہ طوفان باد و باراں کس طرح بپا کیے جاتے ہیں جیسا کہ تم کر سکتی ہو اور مجھے سکھا دو کہ قدرتی عناصر کو اپنے اختیار میں لے سکوں اور اپنے سامنے جھکا سکوں۔ مجھے اس دنیا میں دیوتا بنا دو جس طرح کہ تم دیوی ہو۔ اگر میں نے یہ سب کچھ طلب کیا ہوتا تو کوئی بات

بھی تھی۔

"لیکن عائشہ میں دیوتا نہیں ہوں۔ میں ایک انسان ہوں اور انسان کی ہی طرح اس عورت کو چاہتا ہوں جس سے پیار کرتا ہوں۔ عائشہ! اپنی قوتوں کا یہ لباس اتار پھینکو ہاں ان قوتوں کو ترک کر دو جو تمہارے راستے میں لاشیں بچھا دیتی ہیں اور مجھے تم سے یا تم کو مجھ سے دور رکھتی ہیں۔ خواہ ایک رات کے لیے ہی سہی لیکن اپنی ان قوتوں اور عظمتوں کو فراموش کر کے ایک عورت اور میری بیوی بن جاؤ عائشہ!"

عائشہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ لیو کی طرف دیکھتی اور سر ہلاتی رہی جس کی وجہ سے اس کے کالے چمکدار بالوں میں ایسی لہریں پیدا ہو گئیں جیسی کہ ہوا کے جھونکوں سے تالاب کے پانی کی سطح پر پیدا ہو جاتی ہیں۔

"تم تو انکار کر رہی ہو" لیو نے تیزی سے کہا "تم یہ نہیں کر سکتیں اور یہ کبھی کرو گی بھی نہیں۔ لیکن عائشہ یہ نہ بھولو کہ تم نے ابھی ابھی قسم کھائی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی یہ قسم پوری کرو۔"

"سنو عائشہ! میں تمہارے عطیوں کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں، ٹھکراتا ہوں انھیں۔ مجھے تمہاری دی ہوئی حکومت نہیں چاہیے۔ مجھے نہ تو فرعون کے تخت کی خواہش ہے اور نہ قارون کے خزانوں کی۔ میں انسانوں کی بھلائی چاہتا ہوں ان کی موت نہیں تاکہ دنیا کا بھلا ہو اور اس میں امن و سکون ہو۔ میں تمہارے ساتھ نہ تو کور کے کھنڈروں میں جاؤں گا اور نہ ہی آتش حیات میں غسل کروں گا میں تمہیں چھوڑ کر پہاڑوں کے دوسرے طرف چلا جاؤں گا یا اسی کوشش میں اپنی جان دے دوں گا۔ عائشہ! تم اپنی تمام تر ساحرانہ قوتوں کے باوجود مجھے روک نہ سکو گی۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ حقیقت میں تمہیں میری ضرورت ہی نہیں۔"

"اب میں اس اذیت کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہارے قرب کی اذیت، تمہارے

شیریں الفاظ کی اذیت، تمہاری پیار بھری نگاہوں کی اذیت اور تمہارے آئندہ سال، آئندہ سال اور پھر آئندہ سال کے وعدوں کی اذیت، ہاں اب میں یہ برداشت نہیں کر سکتا چنانچہ اب دو ہی راستے ہیں یا تو اپنی قسم پوری کر دیا پھر مجھے جانے دو۔"

اب بھی ایشہ خاموش کھڑی رہی۔ البتہ اب اس کا سر جھکا ہوا تھا اور سینہ اُٹھ اور گر رہا تھا تب لیو آگے بڑھا، ایشہ کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا اور اس کے ہونٹ چوم لیے۔ وہ تڑپ کر لیو کی آغوش سے نکل آئی اور پیچھے ہٹ گئی۔ ہر چند کہ اس نے لیو کے بوسے کا جواب نہ دیا تھا لیکن دینے کے قریب تھی۔

"ہاں!" اس نے تقریباً سرگوشی میں جو آہ سے مشابہ تھی کہا "میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ لیو کو خبردار کر دو کہ مبادا میرے سینے میں انسانی آگ نہ بھڑک اُٹھے؟ میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا۔ ہاں! کر دیا تھا اور اب۔۔۔ میں اس آگ کو اپنے سینے میں سلگتے محسوس کر رہی ہوں اور اگر یہ بھڑک کر شعلہ بن گئی تو۔۔۔۔۔۔"

"تو کیا ہو گا؟" لیو نے ہنس کر کہا "یہی کہ گھڑی بھر کے لیے ہمیں ساری دنیا کی ہر تپیں جل جائیں گی۔"

"ہاں لیو! کتنی دیر تک؟ تم میرے اس حسن کے تنہا مالک بن گئے اور حاسدوں سے بچنے کی قوت تم میں نہ ہوئی تو شب و روز رشک و رقابت کے سیکڑوں خنجر تمہاری طرف اٹھیں گے اور ان میں سے کوئی ایک تمہارے دل تک کا راستہ تلاش کر لے گا۔"

"دیکھو تابہ کے ایشہ! عمر بھر کا ایک سال، ایک مہینہ، ایک منٹ۔۔۔ یہ نہ تو میں جانتا ہوں اور نہ ہی اس کی مجھے پروا ہے اور جب تک تم میری وفادار رہو گی مجھے رشک و رقابت کے خنجروں سے کوئی خدشہ نہیں۔"

"کیا یہ تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا تم یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو؟ تو پھر

خیال رہے میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں میں یا اس صورت میں تم ـــــ تم ـــــ مر جاؤ۔"

"اگر میں مر گیا تو کیا ہوگا؟ ہم جدا ہو جائیں گے؟"

"نہیں نہیں لیو! یہ تو ممکن ہی نہیں۔ ہم کبھی جدا نہ ہوں گے۔ اس کا تو مجھے یقین ہے کیونکہ یہی مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس صورت میں شاید یہ ہوگا کہ ملاپ کے لیے ہمیں نئی نئی تمناؤں اور نئی زندگیوں، شاید بہت سی تمناؤں اور بلند زندگیوں سے گزرنا پڑے گا۔ یہ ہمارا آخری اور ابدی ملاپ ہوگا اور اس کے لیے ہمیں شاید سخت آزمائشوں اور انجان اور دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑے گا۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر میں یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔ عائشہ! اپنی اس زندگی کو، جس کو میں چیتے یا شیر کے شکار کی غرض سے خطرے میں ڈال سکتا ہوں۔ تمہاری خاطر، تمہیں حاصل کرنے کے لیے خطرے میں ڈالنے سے گریز نہ کروں گا؟ اب اپنی قسم پوری کرو عائشہ!"

اور تب عائشہ میں وہ تغیر ہوا جو اس کے تمام تغیرات میں سب سے زیادہ پُراسرار سنسنی خیز تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اسے الفاظ میں کس طرح بیان کروں اِلّا یہ کہ استعارے سے کام لیا جائے۔

ایک دفعہ شدید برف باری کی وجہ سے ہم تبت میں ایک جگہ گویا قید ہو گئے تھے۔ یہ برف پہاڑ کی ڈھلانوں سے لے کر نیچے وادیوں تک بچھ گئی تھی۔ مہینوں کی اس جبری قید کے بعد ہم اس سفید برف سے کس قدر بیزار ہو گئے تھے یہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پھر بارش شروع ہوئی اور اس کے ساتھ ہی گہری دھند اتر آئی جس میں کہیں بھی جانا بے حد خطرناک تھا۔ کیونکہ وہ دن کالی رات سے بھی زیادہ کالے تھے۔

مدّت تک یہی حالات رہے۔ یہاں تک کہ ایک صبح سورج دیوتا کے درشن ہوئے اور ہم نے دروازے سے باہر آکر دیکھا اور ایک معجزہ نظر آیا۔ دم بہ دم برف غائب تھی جس نے وادی کو بھر رکھا تھا اور اس کی جگہ مختلف قسم کی گھاس جم آگ آئی تھی، جگہ جگہ خودرو پھول لہلہا رہے اور چشمے اور جھرنے گنگنا رہے تھے اور پرندے درختوں اور جھاڑیوں میں گھونسلے بنا رہے اور چہچہا رہے تھے۔ آسمان صاف تھا اور کائنات بہار کے لمس سے مسکرا رہی تھی۔ موسم سرما اپنی تیز اور سرد ہوائیں لے کر رخصت ہو چکا تھا اور اس کی جگہ موسم بہار رنگ برنگی پھولوں کا خوشبودار قافلہ لے کر آگیا تھا اور ہوائیں ابد نغمے گا رہی تھیں۔

شہر کلون کے ٹیلے پر واقع اس بلند مکان کے بلند ترین حجرے میں ایک لاش اور دوسری زندہ ہستیوں کے درمیان جب اس ڈرامے کے آخری المیہ پر سے پردہ اُٹھ رہا تھا تو الیشہ کی طرف دیکھ کر مجھے یہی بھولا بسرا منظر جس کا میں نے اوپر بیان کیا ہے، یاد آگیا۔ کیونکہ اس کے بشرے پر بالکل ایسا ہی تغیر نظر آرہا تھا۔ اب تک الیشہ کا دل، اپنی تمام تر خوبصورتی کے باوجود برف میں لپٹا ہوا اور سرد تھا اور اس کے سامنے اور اس کی ٹھنڈک سے اس کے سارے بشری جذبات سرد پڑ جاتے تھے اور خواہشات مُردہ ہو جاتی تھیں۔

اس نے قسم کھائی تھی کہ اسے لیو سے محبت ہے اور یہ کہ اس کی محبت موت اور کئی دوسرے مختلف اور پراسرار طریقوں میں پوری ہوگی۔ تاہم یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ اس کے وعدے اور قسم کی اہمیت زبانی جمع خرچ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ستارے کو پرولنے کی تلاش ہو البتہ پروانے کو ستارے کی تلاش ہو سکتی ہے۔ ہر چند کہ ایک انسان دیوی کی پرستش کر سکتا ہے،

اس کے ہونٹوں پر ناچتے ہوئے مقدس تبسّم کی وجہ سے لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دیوی انسان سے عشق کرے۔

لیکن اب ہر چیز بدل چکی تھی۔ ایشہ دیوی سے انسان بن گئی تھی وہ ایک عورت بن گئی تھی۔ اس کے سینے میں ایک عورت کا دل دھڑکنے لگا تھا اور اس کا تنفس ہلکی ہلکی اور شیریں ہچکیوں کے ساتھ چل رہا تھا جس کی آواز میں صاف طور سے سُن رہا تھا اور اس کے اوپر اُٹھے ہوئے چہرے اور اس کی آنکھوں میں وہ ملائمت اور ایک دمک آگئی تھی جو محبت سے صرف محبت سے پیدا ہوتی ہے اس کا جمال دم بہ دم بڑھتا گیا، اس کی رعنائی میں دم بہ دم اضافہ ہوتا چلا گیا، اس کی دلکشی اور نسائیت بڑھتی گئی۔ اب وہ غاروں میں رہنے والی، نقاب پوش، تارک الدنیا اور کاہنہ نہ تھی، اب وہ معبد کی ندائے روح نہ تھی، اب وہ میدان جنگ کی والکیر [ع] نہ تھی۔۔ بلکہ اب وہ ایک حسین اور دلربا دلہن تھی جسے دیکھ کر شوہر اپنے آپ میں نہ رہے۔

اور اب ایشہ نے اپنی زبان کھولی تو وہ دنیا کی معمولی چیزوں کے متعلق گفتگو کر رہی تھی اور یہ اس کا اعتراف شکست تھا۔

"افسوس!"، اس نے اپنے پھٹے ہوئے اور خون آلود لباس کی طرف دیکھ کر کہا: "شادی کا یہ کیسا جوڑا ہے میرے آقا جس میں میں تمہارے پاس آ رہی ہوں، حالانکہ مجھے تو اس شاندار اور شاہانہ جوڑے میں آنا چاہیئے تھا جو تمہارے شایانِ شان ہوتا۔"

ع: ناروے کے دیوتا اوڈن کی بارہ پیش خدمتیں تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام والکیر تھا یا یہ سب کی سب والکیر کہلاتی تھیں۔ ان کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ یا ان میں سے کوئی ایک فیصلہ کرے کہ جنگ میں کون کون قتل ہوگا۔ — مترجم۔

"مجھے عورت چاہیئے۔ اس کا لباس نہیں۔" لیو نے کہا اور اپنی جلتی ہوئی نظریں ایشہ پر جما دیں۔

"عورت چاہیئے تو یہ پڑی ہے عورت"۔ اور اس نے اطینہ کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "بتاؤ لیو! میں کیا ہوں؟ عورت یا روح؟ کیونکہ اسوقت اطینہ کی وہ پیشین گوئی مجھے پریشان کیے ہوئے ہے، ہاں وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ ایک فانی اور لافانی کا ملاپ نہیں ہو سکتا۔ وہ وصال کی لذتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔"

"ایشہ! بے شک تم عورت ہی ہو۔ اگر عورت نہ ہوتیں تو مجھے اس قدر نہ ستاتیں جتنا کہ پچھلے چند ہفتوں میں ستایا ہے۔"

"اپنے ان الفاظ سے تم نے مجھے جو تسلّی دی ہے اور جیسی ڈھارس بندھائی ہے اس کے لیے میں تمہاری مشکور ہوں۔ لیکن کیا وہ عورت تھی جس نے اپنے ایک ادنیٰ اشارے سے کلون کے میدان میں تباہی نازل کر دی؟ کیا وہ عورت تھی جس کے سامنے برق و باد نے کورنش بجا کر کہا تھا کہ ہم حاضر ہیں، حکم کرو! اور وہ بے جان چیز (یہاں اس نے کمرے کے ٹوٹے ہوئے کواڑوں کی طرف اشارہ کیا) ایک عورت کی پھونک سے ٹوٹ گئی تھی؟ اور کیا کسی عورت کا سحر مرد کو پتھر بنا سکتا ہے؟

اور اس نے شامن سجری کی طرف دیکھا۔

"ہائے لیو! کاش کہ میں عورت ہوتی۔ یقین کرو میرے پیارے! اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ایک سال تک کے لیے حقیقت میں عورت بنا دی جاؤں گی اور تمہاری خوش نصیب بیوی بنوں ــــ ہاں صرف ایک سال کے لیے ــــ تو میں اپنی ساری عظمت اور ساری قوتیں شادی کے تحفے کے طور پر تمہارے قدموں میں ڈال دوں۔

"تم کہتے ہو کہ میں نے تمہیں ستایا ہے۔ لیکن وہ میں ہوں لیو! جو ستائی گئی ہوں۔ ہاں میں لیو کہ میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دینے کے لیے بے قرار ہوں لیکن اس کی جراُت نہ کر سکی۔ سنو لیو! اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تمہارا چشمہ حیات میری زندگی کے بحرِ بیکراں میں گر کر خشک ہو رہا ہے اور اس طرف یوں کھنچ رہا ہے۔ جس طرح سمندر کی طرف دریا یا اس طرح جس طرح سورج دھند کو فنا کر دیتے ہیں ــــ ہاں اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میری روح تمہاری روح کو جذب فنا کر رہی ہے تو میں آج بھی تمہارے سامنے ہتھیار نہ ڈالتی۔ میں آج بھی اس کی جراُت نہ کرتی لیکن میں جانتی ہوں، کیونکہ میرا علم مجھے یہ بتا رہا ہے کہ اس سے پہلے کہ ہم لیبیا کے ساحل تک پہونچیں یہ بُری بات ہو جائے گی اور تم اپنی خواہشات کی شدت سے مر جاؤ گے اور میں تمہاری بیوی بننے سے پہلے ہی بیوہ بن جاؤں گی۔

"چنانچہ دیکھو میں اسی اطینہ کی طرح جو مر چکی ہے، پانسہ اٹھا کر پھینکتی ہوں حالانکہ نہیں جانتی کہ پانسہ کیسا پڑے گا۔ سیدھا یا الٹا۔ جیت ہو یا ہار میں بہرحال پانسہ پھینک رہی ہوں۔"

اور اس نے اپنا ہاتھ یوں ہلایا جیسے کوئی ہارا ہوا جواری آخری بار پانسہ پھینک رہا ہو۔

"لو" وہ بولی: "پانسہ پھینکا جا چکا اور قسمت کا لکھا پورا ہو گا۔ حالانکہ انجام میری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ میں نے سارے شکوک اور خوف کا خاتمہ کر دیا ہے اب جو بھی ہو ــــ موت یا زیست ــــ میں اسے خوشی سے اور بہادری سے قبول کروں گی۔"

"اب یہ بتاؤ ہماری شادی کس طرح ہو؟ ہالی ہمارے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں دیدے گا۔ یہ مبارک کام اس کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے۔ ہالی جو شروع

ہمارا راہبر اور مشیر رہا ہے۔ چنانچہ یہی مجھ کو تمہارے اور تم کو میرے سپرد کردے گا۔ یہ جلتا ہوا شہر ہماری قربان گاہ ہے اور یہ مُردے اور زندے زمین و آسمان سب ہمارے گواہ ہیں۔ شادی کی رسم یوں ادا ہوگی کہ میں پہلی دفعہ اپنے ہونٹ تمہارے ہونٹوں سے چسپاں کردوں گی اور اس کے بعد نغمۂ شادی کے طور پر میں تمہارے سامنے عشق و محبت کا وہ گیت گاؤں گی جیسا کہ فانی شاعروں نے نہ کبھی لکھا اور نہ ہی کبھی کسی دولہا نے سنا۔

"او ہالی! اب تم اپنا فرض ادا کرو اور اس عورت کو اس مرد کے سپرد کر دو!"

چنانچہ میں جیسے ایک خواب کے عالم میں آگے بڑھا اور میں نے اپنے ہاتھ میں ایشہ کا بڑھا ہوا اور دوسرے میں لیو کا بڑھا ہوا ہاتھ لے لیا اور جب میں دونوں کے ہاتھ یوں پکڑے کھڑا تھا تو سچ کہتا ہوں میں نے یہی محسوس کیا جیسے ایک آگ ہے جو ایشہ کے بدن سے نکل کر اور میرے جسم سے گزر کر لیو کے بدن میں سرایت کر رہی ہے۔ یہ ایک ایسی آگ تھی جو میرے رگوں کو جھنجھنا رہی تھی اور میرے وجود پر کپکپی طاری کر رہی تھی۔ اس آگ کے ساتھ ہی مجھے عجیب اور پرسکون مناظر نظر آنے لگے اور مسحور کن نغمہ سنائی دیا اور مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ ایک زبردست قوت حیات مجھ پر حاوی ہو چکی ہے اور یہ کہ میں اس کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکوں گا اور میرا دل اور دماغ پھٹ جائے گا۔

میں نے ان دونوں کے ہاتھ ملا دیئے، نہیں جانتا کہ کس طرح۔ میں نے انھیں خیر و برکت کی دعا دی نہیں جانتا کہ کن الفاظ میں اور پھر میں چکرا کر پیچھے ہٹا یہاں تک کہ دیوار سے جا ٹکرایا اور وہاں کھڑا میں حیرت اور غور سے دیکھنے لگا۔

اور جو کچھ میں نے دیکھا وہ یوں تھا۔

انتہائی بے خودی اور بے پناہ جذباتیت کے عالم میں جس کا تصور بھی ایک عورت میں نہیں کیا جاسکتا، ایشہ لیو کی طرف "میرے سرتاج" کہہ کر بڑھی اور اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں، اس کا سر اپنی طرف جھکا یا۔ یہاں تک کہ اس کے کالے بال لیو کے سنہرے بالوں سے گڈ مڈ ہو گئے اور پھر اس نے اپنے ہونٹ لیو کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

اور یوں وہ دونوں ایک لمحے تک ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے رہے اور تب ایشہ کے سر پر کا نورانی ہالہ لیو کے سر تک پھیل گیا اور ایشہ کے سفید اور پھٹے ہوئے لباس میں سے اس کا بدن جلتا ہوا بلکہ دہکتا ہوا نظر آیا۔

ایک سرخوشانہ قہقہے کے ساتھ وہ لیو سے الگ ہو گئی اور کہا۔

"یوں، لیو ونسی! یوں دوسری دفعہ میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر رہی ہوں، اپنی جسم اور اپنی جان جس طرح صدیوں پہلے کور کے غاروں میں میں نے تمہارے حوالے کی تھی اسی طرح آج بھی یہاں، شہر کلون کے اس محل میں تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔ اب یہ جان لو میرے سرتاج اگر چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اب ہم کبھی جدا نہ ہوں گے کہ یہ مقدر ہو چکا ہے جب تک تم زندہ رہو گے میں بھی تمہارے ساتھ زندہ رہوں گی اور تمہارے پہلو میں رہوں گا اور جب تم مرو گے، بشرطیکہ یہ ضروری ہوا، تو میں بھی تمہارے پیچھے آؤں گی، ہاں آسمانوں میں اور دوسری دنیاؤں میں تمہارے پیچھے آؤں گی اور جنت اور جہنم کے سلاخ دروازے بھی تمہارے پیچھے آنے سے نہ روک سکیں گے۔ ہاں میری محبت کی راہ میں کوئی روک حائل نہ ہو سکے گی۔ جہاں تم جاؤ گے، میں بھی جاؤں گی، جب تم سوؤ گے تو تمہارے ساتھ میں بھی سوؤں گی اور میری آواز ہو گی جو تم موت اور زیست کی گنگناہٹوں میں سنو گے اور وہ میری آواز ہو گی جو دنیا کے خاتمے کے بعد اور آخری بیداری کے وقت ابدی صبح صادق میں

میں تمہیں بیدار کرے گی جب کہ غم والم اپنے بازو ہمیشہ کے لیے سمیٹ لے گا۔

"اب سنو میں تمہارے لیے وہ گیت گاتی ہوں اور ہاں سنو اور غور سے سنو۔ کیونکہ اس نغمے میں آخر کار تم حقیقت سے واقف ہو جاؤ گے جو میں شادی سے پہلے تمہیں نہ بتا سکتی تھی۔ تم جان لو گے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور تم کیا ہو اور کون ہو اور تم ہماری محبت کے اعلیٰ مقصد سے واقف ہو گے اور اس مردہ عورت اطیبنہ کی نفرت سے واقف ہو گے اور تمام چیزوں سے واقف ہو گے جو میں اب تک نقاب میں چھپائے ہوئے تھی ۔۔۔ ہاں تم وحشتناک مناظر دیکھو گے۔

"چنانچہ اے میرے محبوب! اب سنو یہ ہے تقدیر کا نغمہ کسی الہام کی منتظر ہو اور الیشہ بھی ایسی مقدس معلوم نہ ہوئی تھی، گو وہ آتش حیات میں بھی انہیں جیسی کہ اس وقت، اپنی محبت کا پہلا ثمر حاصل کرنے کے بعد معلوم ہو رہی تھی۔

میری نگاہیں اس پر سے لیو پر منتقل ہو گئیں جو اس کے سامنے بے حرکت کھڑا تھا اور جس کا چہرہ زرد تھا ہاں شاہی مجسمے کی طرح بے حرکت اور فرش پر پڑی ہوئی اطیبنہ کی لاش کی طرح ساکت۔ میں حیران تھا کہ اس وقت اس کے دماغ میں کیسے سے خیالات چکر کاٹ رہے تھے کہ وہ یوں بت بنا کھڑا تھا جب کہ یہ دنیا کی حسین ترین، مغرور ترین ہستی اس کی پرستش کر رہی تھی۔

اور اب الیشہ نے گیت اٹھایا اور ایسی شیریں، سریلی، پرسوز اور وجد آفریں آواز میں کہ میرا خون رگوں میں سنسنانے لگا اور میرا سانس رک گیا۔

کائنات نہ تھی، کائنات نہ تھی

اور خاموشی کے بطن میں روحِ انسان

محو خواب تھی

لیکن میں تھی اور تم ۔۔۔

یکایک ایشہ خاموش ہوگئی اور میں نے دیکھنے سے زیادہ محسوس کیا کہ اسکے بشرے پر انتہائی خوف پھیل گیا۔

میں نے دیکھا کہ لیو آگے پیچھے جھوم رہا تھا جیسے وہ جہاں کھڑا ہوا تھا وہ فرش نہ تھا بلکہ سمندر میں ڈولتی ہوئی کشتی ہو۔ وہ آگے پیچھے ڈولنے لگا اور ایشہ کو آغوش میں لینے کے لیے اس نے اپنے بازو پھیلا دیئے اور پھر دفعتہً پیٹھ کے بل گرا اور بے حس و حرکت پڑا رہا۔

میرے خدا! ایشہ کے منھ سے ایک فلک شگاف چیخ نکل گئی۔ ایسی چیخ جس نے میں سمجھتا ہوں، میدان میں پڑی ہوئی لاشوں تک کو چونکا دیا ہوگا۔ یقیناً اس چیخ نے ستاروں میں ارتعاش پیدا کر دیا ہوگا۔

ایک ہی چیخ اور پھر دھڑکتی ہوئی خاموشی۔

میں لیو کی طرف لپکا ـــ اور وہ ایشہ کے بوسے سے جھلس کر اور اس کی محبت کی آگ سے جل کر مردہ پڑا تھا جی ہاں۔ لیو الطینہ کی لاش کے سینے پر پڑا تھا۔

چوبیسواں باب

انجام

چند ثانیوں کے لرزہ خیز سناٹے کے بعد میں نے ایشہ کی آواز سنی۔

"تقدیر کے اس لکھے کو، جسے مٹانے یا بدلنے کی اس میں قوت نہ تھی اس نے

بڑی بے کسی کے عالم میں قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے الفاظ مجھے بے حد خوفناک معلوم ہوئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میرے آقا عارضی طور پر مجھے چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ اب مجھے بھی جلد ہی اس کے پاس پہونچ جانا چاہیئے۔"

اس کے بعد مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ وہ شخص مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا تھا جو میرا سب کچھ تھا۔ میرا دوست اور میرا بیٹا اور میری کائنات اور میرے دل کے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔ ہائے کس قدر المناک واقعہ تھا یہ کہ میں بوڑھا اور بے کار آدمی زندہ اور وہ مر گیا تھا جس کی بھرپور جوانی تھی اور جسے دنیا کی سب سے بڑی مسرت ہونے والی تھی۔ جس کی شادی ابھی ابھی دنیا کی حسین ترین عورت سے ہوئی تھی۔ ہاں۔ وہ جو دنیا کا عظیم ترین شخص بننے والا تھا کبھی نہ ٹوٹنے والی نیند سو گیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایشہ اور اوردس کو کوئی خیال آیا اور ان دونوں نے لیو کو اس نیند سے بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ یہاں ایشہ کی ساری قوتیں اور اس کا تمام سحر دھرا رہ گیا تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں بلکہ اس کا مجھے یقین ہے کہ لیو زندگی کی کسی رمق کی وجہ سے اپنے پیروں پر کھڑا رہا تھا۔ ورنہ وہ حقیقت میں اسی وقت مر گیا تھا جب ایشہ نے اسے اپنی آغوش میں لیکر اس کے ہونٹ چومے تھے۔ کیونکہ اس وقت جب میں نے لیو کی طرف دیکھا تھا تو اس کے چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔

بے شک مجھے یقین ہے، ایشہ نے جو آخری تقریر کی تھی وہ لیو کی روح کو مخاطب کر کے کی تھی۔ کیونکہ اس کے آتشی لوسے نے لیو کی جان کو جلا دیا تھا۔ جب میرے حواس قدرے بجا ہوئے تو میں نے ایشہ کی ٹھہری ہوئی آواز سنی۔

اس کی صورت میں دیکھ سکتا تھا کیونکہ اب اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی تھی۔ اس نے چند کاہنوں کو بلا لیا تھا اور انھیں حکم دے رہی تھی۔

"اس بھٹکنی عورت کی لاش لے جاؤ اور اسے اس کی شایانِ شان آگ کی تکفین کر دو۔"

اب اطینہ کی لاش ایک چارپائی پر رکھی جا رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سکون کی گہری نیند سو رہی تھی اور اگر یہ میرا وہم نہ تھا تو وہ بے حد خوش بھی معلوم ہوتی تھی اور مطمئن بھی۔ دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔

جب کاہن خانیہ اطینہ کی لاش لے کر چلے گئے تو الیشہ جواب تک لیو کی لاش کے قریب سر جھکائے بیٹھی تھی، جیسے بیدار ہو گئی۔ وہ اٹھی اور اس نے کہا۔

"مجھے ایک سفیر کی فوری ضرورت ہے لیکن اس سفیر کو ایک خاص سفر پر روانہ ہونا ہے یعنی روحوں کی دنیا کی طرف۔ تاکہ وہ چند روحوں کو وہاں تلاش کر سکے" اور وہ اوروس کی طرف گھوم گئی اور جیسے اس پہ نظریں جما دیں۔

اور اب پہلی دفعہ میں نے اس بوڑھے کاہن کے چہرے کو متغیر ہوتے دیکھا وہ مسکراہٹ جو شروع سے اس کے ہونٹوں پر تھی اور لیو کے المیہ کے وقت بھی موجود تھی ایک دم سے غائب ہو گئی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کانپنے لگا۔

"تم ڈر رہے ہو اوروس!" الیشہ نے قدرے حقارت سے کہا "گھبراؤ نہیں میں اس سفر پر اس شخص کو بھیجنا نہیں چاہتی جو ڈرتا ہو۔ ہالی! تم جاؤ گے اس سفر پر ۔۔۔ میری خاطر اور لیو کی خاطر؟"

"ہاں جاؤں گا" میں نے جواب دیا "میں خود بھی زندگی سے تھک چکا ہوں اور اس سے بہتر انجام اور کون سا ہو سکتا ہے البتہ یہ درخواست ضرور کروں گا کہ میرا انجام فوری ہو اور مجھے کسی قسم کی تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے"۔

الیشہ چند ثانیوں تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"نہیں ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے اس دنیا میں ابھی تمہیں چند کام انجام دینے ہیں۔ میرے ہالی! کچھ دیر کے لیے زندگی کو اللہ بہ داشت کر لو چند دنوں کے لیے ہی سہی۔ ایک لمحے کے لیے ہی سہی۔"

اور اب اس نے شامن سجری کی طرف دیکھا۔ جی ہاں اس شخص کی طرف جو پتھر بن گیا تھا اور جو اس تمام عرصے میں اپنی جگہ بت کی طرح کھڑا رہا تھا۔

"جاگ جاؤ" عائشہ نے کہا۔

فوراً شامن سجری میں جیسے جان پڑ گئی۔ اس کے اینٹھے ہوئے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔ تنفس کے ساتھ اس کا سینہ اٹھنے اور گرنے لگا اور اب وہ ایسا ہی تھا جیسا کہ پہلے رہا تھا۔ بوڑھا، دانا اور مغرور۔

"مالکن میں نے سنا" اس نے کہا اور عائشہ کے سامنے جھک گیا۔ لیکن اس شخص کی طرح جو اس قوت کے سامنے مجبوراً جھکتا ہے جس سے اسے سخت نفرت ہو۔

"تم دیکھ رہے ہو سجری؟" عائشہ نے ہاتھ ہلا کر پوچھا۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔ ایسا ہوا جیسا کہ میں نے اور اطیعہ نے پیشنگوئی کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ آگ کے کھنڈ کے قریب کلون کے اس خان کی لاش پڑی ہو گی جس کے سر پر حکمرانی کا نیا تاج رکھا گیا ہو گا" اور اس نے سنہرے تاج کی طرف اشارہ کیا جو عائشہ نے لیو کے سر پر رکھدیا تھا اور اسوقت سجری کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اور پھر اس نے کہا۔

"اگر تم نے مجھے پتھر نہ بنا دیا ہوتا تو میں، جو مستقبل میں جھانک سکتا ہوں تمہیں بتا دیتا کہ انجام کیا ہو گا۔ لیکن ہونہ، تم نے میری زبان بند کر دی۔ چنانچہ

ہوا یہ کہ تم اپنی حیثیت سے آگے بڑھ گئیں اور اس بلند ترین چوٹی سے سر کے بل نیچے گریں جس تک تم پورے دو ہزار اکتادینے والے برسوں میں پہنچی تھیں۔ دیکھو ہو زیہ اتنی بہت سی جانیں لے کر، جس کا اب تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا، تم نے کیا حاصل کیا ہے۔ اتنی خونریزی کے بعد کیا ملا ہے تمہیں؟"

اور اس نے لیو کی لاش کی طرف دیکھا۔

"جو کچھ ہوا اس کا مجھے افسوس ہے مہجری! تاہم میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ میں نے اپنی قوتوں کا صحیح اور جائز استعمال کیا ہے۔" ایشہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنی قوتوں کے زور سے تیرے قتل کرنے والے چاقو کو روک دیا اور اس طرح اپنے شوہر کو حاصل کر لیا۔ چنانچہ میں خوش ہوں، بے حد خوش ہوں۔ کیونکہ جان لے کہ اب اس سے میں نے اپنی بھٹکتی ہوئی روح کو دوبارہ وابستہ کر دیا ہے، دوبالہ اپنی روح کی شادی اس سے کر دی ہے، ہاں اس روح کی جو میرے گناہ کی بدولت مجھ سے بچھڑ گئی تھی اور ہماری شادی اس بوسے سے، جس نے لیو کو جلا کر ختم کر دیا، اب جو اولاد پیدا ہوگی وہ ہوگی عفو دائمی سکون، مسرت اور وہ ساری چیزیں جو بے گناہ، پاک اور حسین ہیں۔

"دیکھو مہجری! اب میں تمہیں عزت بخش رہی ہوں۔ تم میرے سفیر ہو گے لیکن خبردار اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرنا اور ایمانداری کا ثبوت دینا کیونکہ تم جو کچھ کہو گے اس کے ایک ایک لفظ کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔

"چنانچہ جاؤ۔ موت کی تاریک راہوں پر گامزن ہو جاؤ اور آج رات میرا سرتاج جہاں سو رہا ہے وہاں تک چونکہ میرے خیال تک کی رسائی ممکن نہیں اس لیے تم جا کر اسے میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اس کی بیوی ایشہ جلد ہی اسکے پاس پہنچ رہی ہے اس سے کہنا کہ اب وہ میری طرف سے بے فکر ہو جائے کیونکہ

اس کے آخری غم نے میرے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور میں اس کی آغوش میں پاک وصاف ہو کر پہونچ رہی ہوں کہ اس کی آغوش سے پاک وصاف ہو کر ہی نکلی تھی۔ اس سے کہنا کہ یہی ہمارے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ اور ایسا ہی ہوا اور جو ہوا بہت اچھا ہوا کیونکہ اب وہ ابدی آتش حیات میں غسل کر چکا۔ اس کے لیے ختم ہونے والی رات ختم ہو گئی اور وہ دن طلوع ہو گیا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ اس تک میرا یہ پیغام پہونچا دینا کہ وہ باب الموت پر میرا انتظار کرے جہاں میں اس کو خوش آمدید کہوں گی یہ بھی مقدر ہو چکا ہے۔ جو کچھ میں نے کہا وہ سُنا تم نے بجری؟"

"ہاں سُنا اے ملکہ، ہاں سنا اے وہ جو شروع سے عظیم ہے۔"

"ایک اور پیغام بھی لیتے جاؤ۔ اطیبہ سے کہنا کہ میں نے اسے معاف کیا۔ وہ بڑے دل والی تھی اور اس نے اپنا حق پورا پورا ادا کیا۔ سُنا تم نے بجری؟"

"ہاں اے وہ ابدی ستارے جس نے رات پر فتح حاصل کر لی ہے میں نے سنا۔"

"بس تو پھر جاؤ۔"

یہ آخری الفاظ عائشہ نے ادا کیے ہی تھے کہ بجری مچھلی کی طرح تڑپ کر اچھلا اور اپنے ہاتھ یوں ہوا میں چلائے جیسے وہ اپنی رخصت ہوتی ہوئی روح کو دبوچ لینا چاہتا ہو۔ پھر وہ لڑکھڑا کر اس میز پر گرا جس پر میں نے اور لیو نے کھانا کھایا تھا۔ پھر لڑھک کر چاندی اور سونے کے برتنوں کے درمیان گرا اور مر گیا۔

عائشہ اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر مجھ سے کہا۔

"دیکھا ہالی! یہ وہ شخص ہے جس نے شروع سے مجھ سے قلبی نفرت کی تھی اور مجھے نقصان پہونچانے کے درپے رہا تھا لیکن آخر کار اس نے بھی میری عظمت کے سامنے سر جھکا دیا۔ اب میں وہ لقب کبھی نہ سُن سکوں گی جو اس کی مرحوم ملکہ نے مجھے دیا تھا یعنی "آسمان سے ٹوٹا ہوا ستارہ" یہ ٹوٹا ہوا ستارہ اب کچھ اور بن گیا ہے

ابدی ستارہ جس نے رات پر فتح حاصل کر لی ہے۔ یہ سجری نے کہا ہے اور بالکل صحیح کہا ہے اور اب یہ ابدی ستارہ دوبارہ طلوع ہو کر روشن ہو گا، اپنے دوسرے ساتھی کے پہلو میں چمکتا رہے گا اور نہ کبھی ڈوبے گا اور نہ کبھی ماند پڑے گا۔ خیر وہ جا چکا اور اس سے پہلے کہ وہ جا چکے جنہیں تم ہالی! معبد میں میرے سامنے جھکتے دیکھ چکے ہو اور اب وہ دوسری دنیا میں میرے لیے حجلۂ عروسی سجا رہے ہیں۔

"لیکن ہائے کیا حماقت کی ہے میں نے۔ جب خود میں نے اپنے غصے کی شدت آزما لی تھی تو پھر یہ بات میری سمجھ میں کیوں نہ آئی کہ میرا پیارا میری آتشی محبت کو برداشت نہ کر کے پروانے کی طرح جل مرے گا؟ لیکن جو ہوا اچھا ہی ہوا کیونکہ اسے نہ تو وہ عظمت چاہیے تھی۔ تاہم اگر وہ زندہ رہ جاتا تو اسے یہ عظمتیں اور بلندیاں قبول کرنی پڑتیں اور وہ راستے جو غاصبوں کے تختوں تک جاتے ہیں خون سے پھسلوان بن جاتے ہیں۔

"ہالی! تم تھک گئے ہو گے۔ جاؤ آرام کرو۔ کل شاید ہم پہاڑ کی طرف روانہ ہوں گے اور وہیں تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کی جائیں گی۔"

چنانچہ میں ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ یہ شامن سجری کا کمرہ تھا۔ میں اسی کے بستر پر لیٹ گیا لیکن نیند کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور جلتے ہوئے شہر کی روشنی میں میں عائشہ کو دیکھ رہا تھا جو لیو کی لاش کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنی ہتھیلی پہ سر ٹکائے اور لیو کے چہرے پر نظریں گاڑے یونہی بیٹھی رہی خاموش اور بے حرکت اور منٹ گھنٹوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ وہ نہ روئی نہ اس کے منہ سے آہ نکلی۔ البتہ لیو کی طرف اس عورت کی طرح دیکھتی رہی جو اپنے سوئے ہوئے بچے کو پیار سے اور اس یقین سے دیکھا کرتی ہے کہ اس کا بچہ بہر حال بیدار

ہو گا۔ صبح ہوتے ہی بیدار ہو گا۔

اس کے چہرے پر نقاب نہ تھی اور میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے میں زبردست تغیر ہوا تھا۔ سارا تکبر اور غصہ غائب ہو چکا تھا۔ اب وہاں ملائمت تھی اور سکون تھا۔ چند ثانیوں تک میں سمجھ نہ سکا کہ اس کے بشرے میں یہ تغیر دیکھ کر مجھے کیا یاد آ رہا تھا اور پھر دفعتہ مجھے یاد آ گیا۔ اس وقت الشہ کا چہرہ بالکل "مادرِ عالم" یا "مادرِ فطرت" کے بت کا چہرہ تھا جسے میں معبد میں دیکھ چکا تھا۔ جی ہاں۔ بالکل وہی نظر اور وہی پیار تھا جس سے مادرِ فطرت اپنے سینے سے لگائے ہوئے بچے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور میں نے دیکھا کہ الشہ کے ہونٹ ہولے ہولے ہل رہے تھے کیا وہ مرے ہوئے کو تسلی دے رہی تھی اور اسے کوئی خوشگوار امید دلا رہی تھی۔ یقیناً یہی بات تھی۔

آخر کار وہ اٹھی اور میرے کمرے میں آ گئی۔

"ہالی! تمہارا خیال ہے کہ میں شکست خوردہ ہوں اور غالباً اسی لیے تم رنجیدہ ہو" اس نے آہستہ سے کہا "خصوصاً اس لیے کہ تم جانتے کہ تم جانتے ہو کہ مجھے شروع سے ہی یہ خدشا تھا کہ ایسا کوئی واقعہ ہو گا!"

"ہاں الشہ! میں بے شک رنجیدہ ہوں۔ تمہارے لیے بھی اور اپنے لیے بھی!"

"تو پھر اپنا یہ غم جھٹک دو ہالی! کیونکہ میرا انسانی عنصر کچھ عرصے کے لیے اب بھی اسے دنیا میں زندہ رکھ سکتا تھا لیکن اب میں خوش ہوں کہ اس نے کچھ وقت کے لیے ناپائیداری کے بندھن توڑ دیے ہیں۔ حالانکہ میں نہیں جانتی تھی لیکن میں صدیوں تک قانونِ قدرت سے ہاتھا پائی کرتی اور اس کی اور خود اپنی فلاح کو روکتی رہی۔ تین دفعہ میں نے فرشتے سے مقابلہ کیا، دست بدست مقابلہ، اور تینوں دفعہ اس نے فتح پائی، لیکن آج رات جب وہ فتح پا کر میرے پیارے محبوب کی روح کو بطور مالِ غنیمت لیے جا رہا تھا تو اس نے میرے کان میں کچھ کہا۔ جانتے ہو کیا کہا؟ اس نے کہا ——

موت عشق کا گھر ہے، موت میں عشق کی قوت مضمر ہے اور یہ کہ زندگی کے لاشن خانے میں یہ عشق پک کر، پاک ہو کر اور عظیم بن کر پھر نکلتا ہے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ قائم اور کامیاب رہتا ہے چنانچہ میں نے آنسو پونچھ لیے اور اپنے سر پر امن و امان کا تاج رکھ لیا۔ اب میں اس سے ملنے جا رہا ہوں جو ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے گا اور وہاں وہ میرا منتظر ہے اور اس کے پاس جانے کی اور اس سے ملنے کی مجھے اجازت مل گئی ہے۔

"لیکن میں بڑی خود غرض ہوں کہ یہ تو بھول ہی گئی کہ تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے سو جاؤ۔ میرے دوست سو جاؤ میری دعا ہے کہ تمہیں سکون کی نیند آئے۔

اور میں سوچتے سوچتے سو گیا کہ عائشہ کو یہ حیرت انگیز اعتماد اور اطمینان کہاں سے حاصل ہو گیا۔ یہ میں نہیں جانتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اسکا یہ اعتماد اور یہ اطمینان جھوٹا نہ تھا بلکہ حقیقی تھا چنانچہ میں سمجھتا ہوں اور اس سے زیادہ میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں کہ اس کی روح پر الہام جیسی کوئی چیز نازل ہوئی تھی اور یہ کہ جیسا کہ خود اس نے کہا تھا، لیو کی موت نے کسی سمجھ میں نہ آنے والے طریقے سے اسکے سارے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔

کم سے کم اس پچھلے گناہوں کا احساس اور موت کا خیال جو اس کی دہلیز پر کھڑا تھا اب اس کے لیے پریشان کن نہ تھا۔ اب وہ ان کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے یہ تو بہر حال ہونا ہی تھا۔ جیسے یہ ان درختوں کے پھل تھے جن کے بیج قسمت نے صدیوں پہلے بوئے تھے اور مقدر کی مالی وہ نہ تھی اور نہ ہی لوحِ تقدیر کی تحریر کی وہ ذمہ دار تھی۔ خوف و دہشت کے وہ احساسات جن سے عام انسان لرز لرز اٹھتے ہیں اس پر نہ تو اثر انداز ہوتے تھے اور نہ ہی اسے پریشان کرتے تھے اس معاملے میں اور دوسرے بہت سے معاملات میں عائشہ خود آپ اپنا قانون تھی۔

جب میں بیدار ہوا تو دن چڑھ چکا تھا اور کھلی ہوئی کھڑکی میں سے میں وہ رحمت خداوندی دیکھ رہا تھا جس کے لیے کلون کے باشندے ترس گئے تھے۔ یعنی بارش۔ جی ہاں۔ چھاجوں پانی برس رہا تھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ لیو کی کفن میں لپٹی ہوئی لاش کے قریب بیٹھی ہوئی الیشہ کاہنوں، افسروں اور رئیسوں کو احکامات دے رہی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو کلون کے قتلِ عام میں بچ گئے تھے۔ وہ انھیں نئی حکومت کے متعلق ہدایتیں دے رہی تھی۔

اس کے بعد میں پھر سو گیا۔

یہ شام کا وقت تھا اور الیشہ میرے بستر کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔

"ہالی! ساری تیاریاں مکمل ہو چکیں" وہ بولی "اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔"

چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور ہزار گھڑ سوار ہمارے جلو میں چلے کیونکہ بقیہ کلون پر قبضہ جمانے یا اسے لوٹنے کے لیے شہر ہی میں رہ گئے تھے۔ سب کے آگے کاہنوں کی ایک جماعت لیو کا جنازہ اٹھائے چل رہی تھی اور اس کے پیچھے الیشہ تھی جس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھی تھی۔

میں الیشہ کے ساتھ تھا۔

ہماری یہاں آمد اور اب واپسی میں حیرت انگیز تضاد تھا۔

جب ہم یہاں آئے تھے تو گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین لرز رہی تھی، نعروں سے فضا تھرا رہی تھی، طوفان ہمارے آگے آگے گرج رہا تھا، بجلی تڑپ تڑپ کر گر رہی تھی، ژالہ باری تباہی مچا رہی تھی، خوف و ہراس اور درد و تکلیف کی چیخیں آسمانوں تک پہونچ رہی تھیں اور کلون کی فوج کے دستے، عناصر

کے لشکر کے رتھوں تلے کچلے جا رہے تھے۔

اور اب......

کفن میں لپٹی ہوئی لاش، سر جھکا کر آہستہ آہستہ اور بے آواز چلتے ہوئے گھوڑے، ان پر سر جھکا کر خاموش بیٹھے ہوئے سپاہی جنہوں نے اپنے بھالے الٹی طرف سے پکڑ کر جھکا رہے تھے۔ اداس اور مُردہ سی چاندنی اور میدان میں پھیلی ہوئی کلون کی غمزدہ عورتیں جو اپنے مردوں کو دفنا رہی تھیں اور بے شمار مردے تھے جو ہر طرف بکھرے پڑے تھے۔

اور پھر خود ایشہ جو کل دا الکیر تھی، موت و تباہی کی دیوی جس کے جلو میں آگ اور تباہی چلتی تھی اور جس کے سر پر آتشی ستارہ روشن تھا۔ لیکن آج ایک اداس اور محروم عورت جو اپنے شوہر کے جنازے کے ساتھ مقبرے کی طرف جا رہی تھی۔

اس کے باوجود اب بھی وہ اس سے احتقدر ڈرتے تھے۔ ایک عورت ایک قبر کے جو اس نے اپنے کسی عزیز یا شوہر یا بیٹے کے لیے کھودی تھی، کنارے کھڑی ہوئی تھی۔ جب ہم اس کے سامنے سے گزرے تو اس عورت نے لیو کے جنازے کی طرف اشارہ کر کے کچھ سخت الفاظ کہے جو میری سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر اس عورت کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے مارے گھونسوں اور پھاوڑے کی ضربوں سے ادھ موئی کر دیا اور پھر ایشہ کے سامنے سجدے میں گر گئے اور موت کی اس دیوی کے سامنے اپنے سروں پر دھول ڈالی، اور یہ علامت تھی اس بات کی کہ وہ اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

ایشہ نے دیکھا اور اپنے قدیم متکبرانہ اور غضبناک لہجے میں کہا۔

"اب میں کبھی کلون میں نہ آؤں گی۔ لیکن اپنے رخصتی تحفے کے طور پر ان بزدلوں لوگوں کو ایسا سبق دیا جس کی موت سے ان کو ضرورت تھی بلکہ جس کے یہ مستحق تھے۔

لے۔ ہاں! اب صدیوں تک کلون والے ہوزیہ اور اس کے معبد والوں کی طرف بھالا اٹھانے کی جرأت نہ کریں گے۔

پھر رات کا وقت تھا۔

لیو کا جنازہ معبد کے اندرونی حصے میں، دو آتشی ستونوں کے درمیان، مادرِ فطرت کے قدموں میں اور ٹھیک اس جگہ رکھا ہوا تھا جہاں خان کا جنازہ رکھا گیا تھا۔ مادرِ فطرت اپنی پرسکون نظروں سے جیسے لیو کی لاش کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اپنے تخت پر نقاب پوش ایشہ بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے کاہنوں اور کاہناؤں کو احکام دے رہی تھی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے کہا۔ "چنانچہ ہو سکتا ہے کہ میں کچھ دیر کے لیے تمہیں چھوڑ کر آرام کرنے چلی جاؤں ــــ پہاڑوں کے اس پار چلی جاؤں۔ شاید ایک سال کے لیے یا ایک ہزار سال کے لیے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگر ایسا ہوا تو پاپادے تمہاری ہوزیہ ہوگی، اور وس اس کا شوہر ہوگا اور ان کے بعد ان کی اولاد ہوزیہ ہوگی اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک کہ میں واپس نہیں آجاتی۔

"اے ہوزیہ کے معبد کے کاہنو اور کاہناؤ! میں نے نئی مملکت پر قبضہ کر لیا ہے اسے میرے ورثے کے طور پر قبول کرو اور دیکھو عمدگی سے اور نرمی سے حکومت کرنا۔ اب سے پہاڑوں کی ہوزیہ ہی کلون کی خانیہ ہوگی۔"

"اے ہمارے قدیم مذہب کے کاہنو اور کاہناؤ! اس مذہب کی رسومات کو

اور علامتوں کو اپنی راہبر بنانا تاکہ تمہاری روح کو بالیدگی میسر آئے اور تمہاری راہیں آسان ہو جائیں۔ اگر ہو نہ یہ تے ساری دنیا پر حکومت نہیں کی۔ تاہم فطرت کل عالم کی حکمراں ہے۔ اگر آسمانوں میں دیوی ایزیس کی صدا نہیں گونجی تاہم انھیں آسمانوں پر مادر فطرت کا مقام ہے جو اپنے ارضی بیٹوں اور بیٹیوں کی پرورش کرتی ہے جس نے ہمیں جنم دیا ہے۔ جو آخر میں ہمیں اپنی آغوش میں سمیٹ لے گی۔

"یہ جان لو کہ رنج و غم اور کلفت و خوف کی روٹی ہمیں ہمیشہ نہ ملتی رہے گی اور آنسوؤں کا پانی ہم ہمیشہ نہ پیتے رہیں گے۔ رات کی اندھیری چادر کے دوسری طرف سورج روشن رہتا ہے اور بارش کے گرد ہمیشہ دھنک کی کمان ہوتی ہے۔ ہر چند کہ زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں، جانیں ہماری مٹھی سے پگھلتی ہوئی برف کی طرح نکلی جاتی ہیں، جو زندگیاں ہم گنوا بیٹھتے ہیں وہ پھر ہمیں ابدی بن کر مل جاتی ہیں اور ہماری انسانی امیدوں کی راکھ میں سے آخر کار ایک فلکی ستارہ طلوع ہوتا ہے جو نہ بجھتا ہے اور نہ ماند پڑتا ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی اور اپنا ہاتھ یوں ہلایا جیسے ان سب کو رخصت ہونے کا حکم دے رہی ہو اور پھر اسے کچھ خیال آیا اور اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا "یہ آدمی میرا پیارا ہے اور میرا مہمان ہے۔ چنانچہ دیکھو یہ تمہارا بھی مہمان ہے اور تم بھی اسے اتنا ہی عزیز رکھو گے جتنا کہ میں نے رکھا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس کی خاطر مدارات میں کوئی فروگذاشت نہ کرو اور دیکھو اس کی حفاظت کرنا اور جب برف پگھل جائے اور موسم بہار آئے تو بڑے کھڈ پر راستہ بنا کر اسے پہاڑوں کے اس پار، جس طرف سے یہ آیا تھا، پہونچا دینا، بہ حفاظت پہونچا دینا۔ سنو — اور دیکھو اس پر عمل کرنا ورنہ یاد رکھو میں تم سے جواب طلب کروں گی۔"

رات صبح صادق کے لیے جگہ بنا رہی تھی اور اس وقت ہم اس زبردست آتشی کھڈ کے کنارے کھڑے تھے جس میں خان کی لاش کو پھینکا گیا تھا۔
اور ہم صرف چار تھے۔

میں، ایشہ، اوروس اور پا پادرے، کیونکہ جنازہ اٹھا کر لانے والے لیو کے جنازے کو کھڈ کے کنارے پر رکھ کر چلے گئے تھے۔ آگ کی چادر ہمارے سامنے تنی ہوئی تھی اور اس کی چوٹی ہوا کے جھکڑوں سے خم تھی اور حسب معمول اس چادر سے آگ کے گالے اڑ اڑ کر مخالف سمت میں جا رہے تھے اور ہوا انھیں دور تک لے جا رہی تھی۔ لیو کی لاش کی طرف ایشہ گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی، اس کی نظریں لیو کے مردہ چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ خاموش تھی۔
آخر کار وہ اٹھی اور اس نے کہا۔

"اندھیرا قریب آ رہا ہے لیو! وہ مکمل ترین اندھیرا جو صبح صادق کا نقیب ہوتا ہے۔ اچھا اب میں تمہیں الوداع کہتی ہوں، جب تمہارا آخری وقت آئے خیال رہے اس سے پہلے نہیں، تو مجھے پکارنا اور میں تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ دیکھو نہ کچھ کرنا اور نہ کچھ کہنا۔ ہاں اس وقت نہیں جب تک کہ سارے معاملات ختم نہ ہو جائیں مبادا کوئی انجانی روح تمہارا خاتمہ کر دے کیونکہ میں تمہاری حفاظت کیلئے نہ ہوں گی۔"

"یہ نہ سوچو کہ میں شکست زدہ ہوں کیونکہ آج سے میرا نام ہی فتح ہے یہ نہ خیال کرو کہ ایشہ کی قوتیں ختم ہو گئیں اور اس کا قصہ بھی ختم ہوا۔ نہیں کیونکہ تم نے اس قصے کا ابھی صرف ایک ہی صفحہ پڑھا ہے اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ میں آج بھی وہی گنہگار اور مغرور ایشہ ہوں جس سے تم پیار کرتے اور ڈرتے بھی تھے۔ نہیں ہاں! اپنے آقا کی قربانی نے مجھے ایک نئی روح بخش دی ہے کیونکہ جان لو کہ ایک بار پھر میری روح اور اس کی روح ایک بن گئی ہے۔ جیسی کہ شروع میں تھی۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہی اور پھر کہا۔

"میرے دوست! میری یادگار کے طور پر یہ عصا قبول کرو لیکن خیال رہے کہ اس کا استعمال نہ کرنا سوائے اس کے کہ جب آخر وقت میں مجھے بلانا چاہو۔"

اور اس نے جڑاؤ سسترم مجھے دے دیا۔

"اچھا ہالی! اب اپنے منہ بولے بیٹے کا ماتھا چوم کر پیچھے ہٹ جاؤ اور خاموش کھڑے رہو۔"

اور اب جیسا کہ پہلے بھی ایک دفعہ ہوا تھا، دہانے پر اندھیرا چھا گیا اور حالانکہ دعاؤں کی آواز نہ سنائی دی اور نہ ہی موسیقی سنائی دی۔ تاہم آتشی کھڈ میں سے دو بازوؤں والا شعلہ ایک دم سے بلند ہوا اور الیشہ پر منڈلانے لگا۔

وہ ظاہر ہوا، وہ غائب ہو گیا اور یکے بعد دیگرے طویل منٹ رینگتے رہے یہاں تک صبح صادق نے اپنا پہلا روشن بھالا پہاڑی کی چوٹی پر پھینکا ——

اور ——

چوٹی خالی تھی اور سنسان تھی، وہاں کچھ نہ تھا، کوئی نہ تھا، لیو کی لاش غائب تھی اور وہ پر اسرار، مغرور، حیرت انگیز قوتوں کی مالک الیشہ بھی وہاں نہ تھی۔

کہاں گئی وہ میں نہیں جانتا، لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ جب اندھیرا چھٹا اور زبردست آتشی چادر بلند ہوئی تو مجھے دور روشن ہیکہ سے نظر آئے جو آتشی چادر کی چوٹی پر تھے اور ان ہیکروں کی صورتیں لیو اور الیشہ کی تھیں۔

اس کے بعد اکتا دینے والے مہینوں میں جب میں پہاڑ پر اور اس کے حجروں میں اور معبد میں آوارہ اور بے سہارا روح کی طرح بھٹکا کرتا تھا تو اس وقت میں نے بار بار سوچا کہ آخر وہ گئی کہاں؟ میں نے یہی اپنے دل سے پوچھا،

میں نے آسمانوں سے پوچھا اور لیو کی روح سے پوچھا جسے میں ہمیشہ اپنے قریب محسوس کرتا تھا۔

لیکن کسی طرف سے کوئی یقینی اور اطمینان بخش جواب نہ ملا اور نہ ہی میں کوئی اندازہ لگا سکا جس طرح الیشہ کا وجود اسرار میں لپٹا ہوا تھا۔ کیونکہ میں اسے کبھی سمجھ نہ سکا۔ اسی طرح اس کی موت یا یوں کہیئے کہ اس کی رخصتی اسرار بن گئی۔ جی ہاں رخصتی کیونکہ میں اسے مردہ خیال کر ہی نہیں سکتا اور یقیناً وہ مری نہیں ہے۔ وہ اب بھی موجود ہے اگر اس دنیا میں نہیں تو کسی اور دنیا میں۔

یہ میرا ایمان ہے اور جب میرا وقت آئے گا، اور وہ بہت قریب ہے، تو یہ ثابت ہو ہی جائے گا کہ میرا اعتقاد غلط تھا یا حقیقت میں الیشہ میری راہبری کرنے آجائے گی جیسا کہ اس نے رخصت ہوتے وقت قسم کھا کر کہا تھا۔ اسوقت مجھے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ لیو کی لاش کے سرہانے اس نے اس سے کیا کہا تھا یا کون سے راز اس پر ظاہر کیے تھے اور اسی وقت مجھے ان کے وجود اور ان کی محبت کا مقصد اور حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔

چنانچہ اب مجھے نہایت صبر و سکون سے انتظار کرنا ہے حالانکہ میرا دل ٹوٹا ہوا ہے اور تنہائی مجھے ڈس رہی ہے لیکن میرا انتظار طویل نہ ہوگا کیونکہ میرا وقت قریب ہے۔

اور دس اور سارے کاہنوں کا سلوک میرے ساتھ بہت اچھا رہا۔ ویسے وہ سب کے سب اچھے اور شریف آدمی تھے۔ تاہم انھیں یقیناً تھا کہ اگر مجھے ذرا بھی تکلیف ہوئی تو پھر اس کا حساب انھیں اپنی مرحوم ملکہ کے سامنے دینا پڑے گا۔ ان کے اس اچھے سلوک کے بدلے میں نے اس طرح دینے کی کوشش کی کہ حکومت کے جدید اصول انھیں

سکھا دئے، نیا آئین بنا دیا، نیا دستور سکھایا اور بہت سے معاملات میں انھیں مناسب و موزوں مشورے دیے کہ وہ کلون پر ایسی ہی حکومت کر سکیں جیسی کہ ایشہ چاہتی تھی۔

چنانچہ یوں اکتا دینے والے طول طویل مہینے ختم ہوئے اور موسم بہار کی آمد آمد ہوئی اور برف پگھل گئی اور تب میں نے کہا کہ مجھے جانا چاہیے۔ کاہنوں نے معبد کے خزانے میں سے مجھے قیمتی جواہرات دیے کہ وقت ضرورت کام آئیں کیونکہ جو سونا میرے پاس تھا وہ اتنا بہت سا تھا ایک آدمی اُٹھا نہ سکتا تھا۔

وہ مجھے بہ حفاظت پہاڑ پر سے نیچے لے آئے۔ کلون کے میدانوں میں وہ کاشتکار جو زندہ بچ گئے تھے ہل چلا رہے تھے اور بیج بو رہے تھے میدان عبور کر کے ہم شہر کے سامنے پہونچے لیکن اس جلے ہوئے اور کالے کھنڈروں والے شہر میں، جس کے ٹیلے پر اطینہ کا محل اب بھی صحیح سلامت کھڑا تھا، میں داخل نہ ہوا کیونکہ میرے نزدیک یہ موت کا شہر تھا اور اب تک میں تصور میں اسے شہر خموشاں کی طرح ہی دیکھتا ہوں۔

چنانچہ میں نے شہر کے باہر دور دریا کے کنارے پر قیام کر دیا۔ ٹھیک اسی جگہ جہاں میں نے اور لیو نے اس وقت قیام کیا تھا جب پاگل خان نے ہمیں آزاد کیا تھا یا یوں کہیے کہ ہمیں اپنے خونخوار کتوں کا شکار بنانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

دوسرے دن ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے اور اس جگہ کے قریب سے گزرے جہاں ہم نے اطینہ کے ایک عزیز کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ خان کے کتے اسے نوچ رہے اور پھاڑ رہے تھے۔

آخر کار ہم اس بلند دروازے پر کے کمرے میں پہونچے جہاں شامن سمبری مجھے اور لیو کو لائے تھے۔ یہاں ایک بار پھر میں نے رات بسر کی لیکن نیند نہ آئی۔

دوسرے دن صبح میں وادی میں اترا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پانی کا بہاؤ ہر چند کہ

کم ہو گیا تھا لیکن اس پر ایک پل بنا دیا گیا تھا اور میری سہولت کی خاطر سامنے والی عمودی چٹان سے ایک اکھڑسی سیڑھی بھی اوپر تک لگا دی گئی تھی۔ اس سیڑھی کے قدموں میں کھڑے ہو کر میں نے اوروس کو خدا حافظ کہا۔ اور اسی وقت اس بوڑھے کے ہونٹوں پر بعینہ وہی مسکراہٹ تھی جو اس وقت تھی جب اس نے اس لرزمین میں ہمارا استقبال کیا تھا۔

"اوروس میرے بزرگ! ہم دونوں نے عجیب و غریب واقعات دیکھے ہیں۔" میں نے کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں بہت عجیب۔" اس نے جواب دیا۔

"میرے دوست اوروس!" میں نے بڑی بے تکی بات کہی۔ "ان واقعات نے تمہاری قسمت تو بہر حال سنوار دی کیونکہ اب تم حکمران ہو۔"

"ہاں لیکن یہ مانگے کا اجالا ہے۔" اس نے سر ہلا کر کہا "جس سے ایک نہ دن میں محروم کر دیا جاؤں گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ عظیم ہوزیہ مری نہیں ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ہوزیہ کبھی مرتی نہیں، روپ بدل لیتی ہے اور بس۔ جس طرح کہ ہوا کبھی اس طرف سے بہتی ہے اور کبھی اس طرف سے اسی طرح وہ آتی ہے اور چلی جاتی ہے اور کون کہہ سکتا کہ اس دنیا میں یا کسی اور دنیا میں وہ کہاں سو رہی ہے؟ کہاں آرام کر رہی ہے وہ ہوا! لیکن غروب آفتاب کے وقت یا پو پھٹنے یا دوپہر کے وقت یا آدھی رات کے وقت وہ پھر چلنے نہ لگ جائے گی اور پھر برا ہو گا اس کا جو اس کی راہ میں کھڑا ہوا ہو گا۔"

دو کلوں کی وادی پڑی ہوئی لاشوں کو یاد کرو۔ شامن سیجری کی موت اور اسے جو پیغام دیا گیا تھا اور اسی وقت الشہ نے جو الفاظ کہے تھے انھیں یاد کرو۔ ہوزیہ کا پہاڑ کی چوٹی

پردے سے غائب ہونا یاد کرو۔ اے مغرب کے اجنبی! مغرب میں غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف دیکھو۔ یہی سورج جس طرح کل پھر طلوع ہوگا اسی طرح عائشہ بھی دوبارہ آئے گی اور میں اپنے منتظرانہ لیے ہوئے اس شاہانہ عہدے میں اس کی آمد کا منتظر ہوں۔"

"میں بھی اس کی آمد کا منتظر ہوں۔" میں نے جواب دیا اور یوں ہم رخصت ہوئے۔

بیس منتخب آدمیوں کے ساتھ، جو میرا سامان اور ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے، میں آسانی سے پہاڑی چڑھ گیا۔ اور اب چونکہ میرے ساتھ اشیائے خوردونوش کا ذخیرہ اور قیام کا سامان بھی تھا اس لیے پہاڑ عبور کرنے میں دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا اور نہ ہی کوئی حادثہ ہوا۔

معبد والوں نے یہاں بھی مجھے رخصت نہ کیا اور میرے ساتھ اس وقت تک رہے جب تک کہ ہم صحرا عبور نہ کر گئے اور جب ہم نے پیٹھ اوٹی لا تو دور گوتم بدھ کا وہ عظیم الشان مجسمہ تھا جو خانقاہ یا مٹھ کے سامنے بیٹھا خدا جانے کب سے صحرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جب دوسرے دن میں بیدار ہوا تو کاہن جا چکے تھے چنانچہ میں نے اپنا سامان اٹھایا اور اکیلا ہی آگے روانہ ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا غروب آفتاب کے وقت مٹھ کے قریب پہونچ چکا تھا۔ اس کے دروازے پہ چھپے پرانے چغے میں ایک شخص بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ ہمارا دوست کوتین تھا۔ اپنی عینک ناک پر ٹھیک کر کے اس نے میری طرف دیکھا۔

"اے اس خانقاہ کے برادر جس کا نام دنیا ہے میں منتظر تھا۔"

کوزین نے اپنی خوشی چھپانے کی غرض سے آواز دبا کر کہا: "کیوں بھائی نوجوان تم بھوکے ہو گئے تھے کہ پھر اس غریب اور ٹوٹی پھوٹی جگہ آ گئے؟"

"ہاں اے بزرگ کوزین!" میں نے جواب دیا۔

"کاہے کی بھوک ہے؟"

"آرام کی!"

"یہ آرام تمہیں اس جنم کے ہر دن میں ملے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ وہ دوسرا برادر کہاں ہے؟"

"مر گیا" میں نے جواب دیا۔

"چنانچہ اس نے کسی دوسری جگہ نیا جنم لیا یا شاید دیوچان میں کہیں آرام کر رہا ہے۔ بہر حال بعد میں ہماری ملاقات اس سے ہو گی۔ یقیناً ہو گی۔ آؤ۔ کھانا کھا لو۔ پھر اپنی داستان مجھے سنانا۔"

چنانچہ میں نے کھانا کھایا اور اسی رات میں نے پوری داستان اسے سنا دی۔ کوزین غور اور توجہ سے، جس میں احترام کی جھلک تھی، سنتا رہا۔ یہ داستان جو اکثر لوگوں کو عجیب و غریب معلوم ہو گی، اسے عجیب معلوم نہ ہوئی۔ کم سے کم اس نے حیرت کا اظہار نہ کیا اور ایسی لمبی تقریر کی کہ میں اونگھنے لگا۔

"مطلب یہ کہ" میں نے اونگھتے ہوئے کہا: "ہم اس کبھی نہ مٹنے والے سیارے میں رفتہ رفتہ نروان حاصل کر لیتے ہیں۔"

یہ بات میں نے اس لیے کہی تھی کہ مجھے یقین تھا کہ اپنے اس پسندیدہ موضوع سے وہ خوش ہو جائے گا۔

"ہاں اے برادر!" کوزین نے بڑی سنجیدگی سے کہا "تم سب نروان حاصل

کر رہے ہو لیکن اگر برا نہ مانو تو کہوں تم بہت آہستہ آہستہ حاصل کر رہے ہو۔ خصوصاً وہ عورت یا ساحرہ یا عظیم روح جس کے نام شاید تم نے یہ بتائے ہیں۔ ہوزیہ، عائشہ اور لوٹا ہوا ستارہ اور......"

(اور یہاں مسٹر ہالی کا مسودہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کے صفحے جل گئے ہیں۔ جیسا کہ خود ہالی نے لکھا ہے کہ اپنے کمبرلینڈ کے گھر میں انھوں نے یہ مسودہ آگ میں پھینک دیا تھا)

ختم شد

کیا آپ کو دنیا کے بہترین اور مقبول ترین مہماتی اور آسیبی ناول پڑھنے کا شوق ہے۔ اگر ہاں تو آپ

مظہر الحق علوی

کے ناول ملاحظہ فرمائیں :-

علوی صاحب سے زیادہ اچھے ترجمے اردو میں کسی نے نہیں کیے ہیں نہ ہی کوئی ان کی طرح مقبول ہوا ہے۔ آپ کے ترجمہ کردہ بے مثال ناولوں کی تعداد ۷۰ ہو چکی ہے اور اس میں سے ہر ایک چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک جاتا ہے۔ اس کی وجہ علوی صاحب سلیس اور رواں ترجمہ اور ان کا بے پایاں انتخاب ہے، جو دنیا کے سب سے اچھے مہماتی جاسوسی اور آسیبی ناولوں کو چن کر ان کو اردو میں پیش کرتا ہے۔

چند دستیاب ناول

ایشہ	خوں ریز
ایشہ کی واپسی	پراسرار جزیرہ
ایشہ اور ایلین	ڈراکیولا
سورج کا لہو	ڈراکیولا کی واپسی
ابابیل	قصر ڈراکیولا
نیل کی ساحرہ	اہرام
ریگ رواں	خانقاہ
پراسرار جزیرہ	ذکالی
لرزندہ جہاں	شہر بے صحرا
قفس رنگ	ابوالہول
	تار عنکبوت

ناشر:- نسیم بک ڈپو ۲۵۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ ۔ ۱۸